پاکستان کی سیاسی جماعتیں

مرتبہ:
پروفیسر محمد عثمان
مسعود اشعر

اِس کتاب میں جن سیاسی جماعتوں کے
پروگرام، ان کے منشور اور جو دستاویزیں شامل
کی گئی ہیں وُہ متعلقہ جماعتوں سے حاصل کی گئی ہیں۔
وہ دستاویزیں اِس کتاب میں من وعن شامل کر
لی گئی ہیں۔ اصل دستاویزوں میں کسی قسم کا ردّوبدل
نہیں کیا گیا ہے۔

پاکستان کی سیاسی جماعتیں

مرتّبہ:

پروفیسر محمّد عثمان

مسعود اشعر

سنگِ میل پبلی کیشنز ۞ لاہور

فہرست

پیش لفظ

پاکستان کی ساری تحریک از اوّل تا آخر ایک آئینی اور جمہوری تحریک تھی تحریک کا مقصد جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی آزادی تھا۔ ابتدا میں بہت سے رہنما اس خیال کے حامی تھے کہ مسلمانوں کو یہ آزادی اور انگریزی کی محکومی سے گلو خلاصی ہندوؤں کے ساتھ مل کر جنگِ آزادی لڑنے سے حاصل ہوگی۔ اس سے دو دھارے تصوّر کے پھوٹے۔ ایک دھارا ہندوؤں اور مسلمانوں کی یک جہتی اور ملاپ اور ادغام کا تھا کہ یہ دونوں گروہ دراصل ایک قوم "ہندوستانی قوم" ہیں۔ ایک مذہب ہندو دھرم ہے۔ دوسرا مذہب اسلام ہے۔ مگر کوئی مذہب ہمسایوں اور پڑوسیوں میں بیر نہیں سکھاتا بلکہ آپس میں مل جُل کر امن و آشتی اور محبت و پیار سے رہنا سکھاتا ہے۔ لہٰذا ہندو اور مسلمان الگ الگ مذہب کو ماننے کے باوجود ایک قوم ہو سکتے ہیں اور ہیں۔ دوسرا دھارا اس حد تک تو جانے کے لئے تیار نہیں تھا مگر وہ ہندو مسلم اتحاد پر ضرور زور دیتا تھا کہ اس کے بغیر ہندوستان کی آزادی کا حصول ناممکن نظر آتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آزادی کے لئے اتحاد کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں میں مستقبل کے بارے میں آبرومندانہ سمجھوتہ ممکن ہے جس کی بنا پر آزاد ہندوستان میں ہندو اور مسلمان مل جُل کر اور آشتی کے ساتھ زندہ رہ سکیں گے۔ مگر رفتہ رفتہ حالات ایک ایسے رُخ پر چلتے رہے کہ یہ دونوں دھارے کامیابی

سے ہم کنار نہ ہوسکے۔ نہ صرف ہندو مسلم یکجا ہوکر ایک قوم۔ ہندوستانی قوم۔ نہ بن سکے بلکہ مستقبل کے بارے میں ایک ملک کے دائرے میں رہ کر ان میں کوئی آبرو مندانہ سمجھوتہ بھی نہ ہوسکا۔ اور جب مسلمانوں کے رہنماؤں نے ایک ہندوستان میں مسلمانوں کی آزادی اور باعزت زندگی کی کوئی گنجائش نہ پائی تو انہوں نے ملک کو تقسیم کرنے کا مطالبہ (۱۹۴۰ء) کر دیا اور کہا کہ اس برصغیر میں جہاں جہاں مسلمان واضح اکثریت میں ہیں اور ملے جلے علاقے میں ہیں، ان علاقوں کو باقی ہندوستان سے الگ کر دیا جائے تاکہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں مسلمانوں کو ایک الگ آزاد ملک میسر آجائے جہاں وہ اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی امنگوں اور ضرورتوں کے مطابق اپنے آپ کو ترقی دے سکیں اور ایک آزاد قوم کے شایان شان زندگی بسر کرنے کے قابل ہوں۔ لہذا پاکستان بن گیا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک بڑی مسلم ریاست کے مالک بن گئے جس کا ایک بازو مغربی پاکستان تھا جو اب پاکستان ہے، اور دوسرا بازو مشرقی پاکستان تھا جو اب بنگلہ دیش ہے!!

جب پاکستان بنا تو اس کی خالق سیاسی جماعت مسلم لیگ ہمہ مقتدر سیاسی جماعت تھی اور اس کا سربراہ پاکستان کا بنانے والا رہنما قائداعظم محمد علی جناح تھا۔ اور جب تقریباً ایک سال بعد قائداعظم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مسلم لیگ پر تیزی سے زوال آنا شروع ہوگیا!!

پاکستان کی سیاست کے بارے میں سب سے پہلی سیاسی سچائی جاننے کے قابل یہ ہے کہ پاکستان کو ایک سیاسی جماعت نے سیاسی طریقے سے جمہوری اصولوں کے مطابق جدوجہد کرکے اور مسلمان عوام کو اپنی جماعت کے جھنڈے تلے جمع کرکے ان کے ووٹ اور رائے کے زور پر بنایا تھا۔ پاکستانی سیاست کے بارے میں دوسری بڑی سچائی (جو تلخ بھی ہے) یہ ہے کہ ا[illegible]ک کو بنانے والی جماعت ہی نے اپنی کرتوتوں

سے تھوڑے ہی عرصے میں اس کے زوال کا آغاز کر دیا اور ملک میں سیاسی تنظیم کی کوئی اعلیٰ روایت قائم نہ ہو سکی۔ حکمران جماعت مسلم لیگ کے رہنما اور بعض کارکن نئے اور یکدم پیدا ہونے والے وسائل کی فراوانی سے بوکھلا گئے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگے اور وہ اقتدار کا مزہ لوٹنے اور دولت سمیٹنے کے پیچھے لگ گئے اور وہ سیاست جس کو اپنی زندگی اور توانائی کے لئے اصولوں اور ضابطے کی ضرورت تھی۔ ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ملک میں مسلم لیگ کے علاوہ بھی کچھ سیاسی جماعتیں تھیں اور کچھ جلدی میں معرض وجود میں آگئیں مگر مسلم لیگ کی طاقت اور پھیلاؤ کے سامنے ان کا چراغ نہ جل سکتا تھا۔ لہذا چند سال تک پاکستان مسلم لیگ پاکستان کے مرکز اور صوبوں پر بلا شرکت غیرے مسلّط و قابض رہی اور اس مدت میں اُس نے اس قدر ٹھوکریں کھائیں، اس قدر غلطیاں کیں، کرنے کے بہت سے کام نہ کیے اور نہ کرنے کے بہت سے کام کر ڈالے کہ چند سال بعد جب پہلی بار بشکل تمام (مشرقی پاکستان ۱۹۵۴ء) میں صوبائی انتخاب ہوئے تو مسلم لیگ کو نہایت شرمناک شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ تین سو نو کے ایوان میں مسلم لیگ کو صرف نو نشستیں حاصل ہوئیں جبکہ اس وقت جیتنے والے متحدہ محاذ میں کمیونسٹوں نے ۲۶ سیٹیں حاصل کی تھیں (ایوان کے قواعد کے مطابق ایک گروپ بننے کے لئے کم از کم دس ارکان کی تعداد ضروری تھی)

تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ بس اتنا کہہ لینا کافی ہے کہ ابھی نو سال ہی گزرے تھے اور ملک میں ابتری عام تھی کہ ایک طالع آزما فوج کے کمانڈر ان چیف جنرل محمد ایوب خان نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ملک کو مارشل لاء کی راہ پر لگا دیا۔ سیاسی جماعتوں کی کارگزاری پر یہ نہایت افسوسناک تبصرہ ہے کہ ملک کے باشندوں نے ایوب خان کی آمد کا بُرا نہ مانا بلکہ عمومی طور پر اس کا استقبال کیا گیا۔ اگرچہ بہت جلد لوگوں کو اور بالخصوص مشرقی پاکستان

والوں کو، علم ہوگیا کہ اعلیٰ درجے کا مارشل لاء بڑی سے بڑی سیاسی حکومت سے بھی بدتر ہوتا ہے!!

یہ مارشل اگرچہ فوج کے کمانڈران چیف نے لگایا تھا اور وہ آئندہ دس برس تک ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن کر رہا مگر یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس کو یہ راہ ملک کی بیورو کریسی (افسر شاہی) نے دکھائی تھی۔ مسلم لیگ کی ایک بدنصیبی یہ تھی کہ قائد اور لیاقت کے بعد مسلم لیگ کے پاس تیسرا کوئی سیاسی رہنما نہ تھا جو بڑھ کر ان دو مرحومین کی جگہ لے سکتا!! ۔ لیاقت علی خان کا قتل ایک سازش کا نتیجہ تھا اور اسی سازش کے نتیجے میں غلام محمد جیسا نوکر شاہی کا نمائندہ ملک کا ہمہ مقتدر سربراہ بن بیٹھا اور سیاسی افراد اس کا منہ تکتے رہ گئے!! یہ مسلم لیگ کے زوال کا ایک ایسا نقطۂ آغاز تھا جس کے بعد وہ آج تک (چالیس سال گزرنے کے باوجود) نہیں سنبھل سکی اور تنزل کی گہرائیوں میں گرتی چلی گئی۔ غلام محمد نے اپنے ہی جیسے ایک نابکار افسر کے لئے جگہ خالی کی۔ یہ سکندر مرزا تھا جس نے دراصل اپنے اقتدار کی خاطر ہی ایوب خان کو ملک میں مارشل لاء لگانے کی دعوت دی جسے پھر ایوب خان نے اٹھارہ دن کے اندر اندر ذلت کے ساتھ ملک بدر کر دیا۔

زوال کا یہ ڈرامہ جس کا نہایت اختصار کے ساتھ اوپر حوالہ دیا گیا ہے تین کرداروں کا ڈرامہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کا پہلا کردار ایک سیاسی جماعت ہے۔ دوسرا کردار نوکر شاہی اور تیسرا کردار فوج۔

پہلے کردار نے اپنی کمزوریوں سے ایک خلا پیدا کیا۔ جس کو دوسرے کردار نے اپنی چالاکی سے تیسرے کردار کی مدد سے پُر کر کے خود اقتدار پر قبضہ جمانے کی سازش کی مگر کیونکہ اس کے پاس طاقت نہ تھی اور طاقت کے بغیر چالاکی چار دن کی چاندنی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو راہ دوسرے کردار نے ہموار کی تھی اس پر تیسرا کردار جس کے پاس طاقت

تھی قابض ہوگیا۔ ملک جمہوری اصولوں کے مطابق جمہوری جدوجہد سے عوام کے ووٹ کے ذریعے جمہوریت کے لئے بنا تھا۔ مگر قوم کا قافلہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ رہبر رہزن بن گئے!! اُن کی نیّت میں فتور آ گیا اور قافلے کی حفاظت کی بجائے انہوں نے اپنی کمزوری سے قافلے کو قزاقوں کے حوالے کر دیا!!

ایّوب خان نے سیاستدانوں پر قیامت ڈھا دی۔ بڑے بڑے نام ذلیل و خوار ہو گئے۔ پکڑ دھکڑ، قید و بند، مقدمے، اور جھوٹے سچے الزامات۔ اس کے آنے تک عبدالرب نشتر جیسے افراد تو اللہ کو پیارے ہو چکے تھے مگر حسین شہید سہروردی، ممتاز دولتانہ، خان عبدالقیوم خان اور محمد ایّوب خان کھوڑو جیسے افراد ابھی زندہ تھے۔ اس نے ان سب کو زندہ درگور کر دینا چاہا۔ تاہم شہید سہروردی نے استقامت مزاج اور جرأت و مردانگی کا ثبوت دیا۔ باقی لوگ دبک کر بیٹھ گئے اور ایوب خان ملک پر چھا گیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اسے سیاست کی سُوجھی اور مسلم لیگ کے ایک دھڑے پر اُس نے قبضہ کر کے اس میں جان ڈالنے کی کوشش کی تاکہ وہ اس کے اقتدار میں تھوڑی شراکت کر کے اس کی آمریت کے لئے مددگار ثابت ہو۔ آمروں کا یہ دستور ہے کہ پہلے طاقت سے دباکر اور پھر ہنرمندی سے کسی نہ کسی سیاسی گروہ کو اپنے ساتھ ملاکر اپنی آمریت کو جمہوری رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور کمزور سیاسی گروہ اصولوں اور قوم و ملّت کے بہترین مفادات کو بالائے طاق رکھ کر صاحب اقتدار کے ساتھ تعاون کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور ہمارے ہاں تو ایسے گروہ اور افراد بافراط ملتے ہیں!!

ایّوب خان کے دس سالہ آمرانہ دور کے کچھ مثبت اور زیادہ تر منفی ثمرات ہمارے سامنے ہیں۔ ایّوب خان نے برائے نام زرعی اصلاحات کا ڈول ڈالا جس سے جاگیردار کچھ ناراض بھی ہوئے اور کچھ در پردہ خوش کہ اصلاحات کا نام بھی ہو گیا اور زمینداراں

کو کچھ ایسا نقصان بھی نہیں پہنچا۔ تاہم ایوب خان نے زراعت کے ساتھ صنعت پر توجہ دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک صنعتی دور میں داخل ہو گیا اور جاگیرداروں کے ساتھ بلکہ ان کا حریف ایک نیا طبقہ سرمایہ داروں اور بڑے صنعت کاروں کا وجود میں آ گیا اور بائیس خاندانوں کی داستان کا آغاز ہوا اور اس طبقے نے حکومت میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اس زمانے میں پاکستان کو بوجوہ امریکہ کے عالمی مفادات کے ساتھ باندھنے کی باقاعدہ کوشش شروع ہو گئی۔ اور امریکہ امداد کا جال پھیلنے لگا۔ اس طرح جو خلا مسلم لیگ نے اپنی سیاسی ناکامیوں اور نامرادیوں کی وجہ سے پیدا کیا تھا اس کو فوج نے بیوروکریسی کی مدد اور قدیم جاگیرداروں اور نئے صنعت کاروں کے ساتھ گٹھ جوڑ سے اور ایک سُوپر پاور کے سایۂ اعانت میں رہ کر پُر کرنے کی کوشش کی۔ ملک میں ایک دور امن و امان کا بھی آیا، صنعتی ترقی ہوئی، زرعی پیداوار میں اضافے بھی ہوئے۔ ایک گونہ خوشحالی کا احساس بھی بڑھا مگر اسی کے ساتھ اس دور کے منفی پہلو کہیں زیادہ عذاب ناک تھے، ایوب خان کے دور میں (بالخصوص ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد) مشرقی پاکستان ذہناً مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا (اس ذہنی و قلبی تبدیلی کا آغاز ایوب خان سے ہوا اور یحییٰ خان نے کمال جرأت و بے حیائی سے اس کی تکمیل کی) اس دور میں طبقاتی شعور بیدار ہوا۔ ملک میں دولت پیدا ہوئی اور چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی، مزدور، کسان اور محنت کش مایوس ہوا اور ان میں تلخی بڑھی (جس نے آگے بڑھ کر بھٹو کے سوشلزم کا دلی جوش سے استقبال کیا) تیسرے، پرانے لیڈر اٹھتے گئے اور مارشل لا، اور ایوبی دور کی گھٹن نے نئے سیاسی لیڈروں اور کارکنوں کی راہیں مسدود کر کے ان کی پیدائش و افزائش کو ناممکن بنا دیا اور قوم مستقبل کی قیادت سے محروم ہوتی چلی گئی۔ چوتھے، ملک رفتہ رفتہ امریکہ کی طرف جھکتا چلا گیا اور اس کی امداد پر ہمارا تکیہ روز بروز بڑھنے لگا ہم آزادی کے باوجود ایک بڑی طاقت کے غلام بنتے گئے

اور یہ طاقت ہمارے لئے فیصلہ کن فیصلے کی طاقت حاصل کرتی چلی گئی۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جب خود ایوب خان نے قومی مفاد میں اپنی رائے پر اصرار کرنے کی کوشش کی اور پشاور کے قریب امریکی حکومت کو دیا ہوا اڈہ مزید مدّت کے لئے دینے سے انکار کیا تو یہی انکار اس کے زوال کا حکمنامہ اور اس کی موت کا پروانہ بن گیا!! ایوب خان نے اپنی خود اعتمادی میں "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" (آقا، نہیں دوست) لکھ تو دیا مگر آقا کہیں دوست بنتے ہیں۔ وہ تو یہ جملہ اور یہ جسارت بھی برداشت نہیں کرسکتے!! یہی حشر بعد میں بھٹو کا ہوا۔ اس نے بھی "دی متھ آف انڈی پنڈنس" لکھی اور تیسری دنیا کی آزادی کا پول کھولا اور سامراج کی حقیقت واضح کی!! اور یہ جلتے ہوئے بھی کہ ہم آزاد نہیں ہیں آزادی کی راہ چلنے کی کوشش کی۔ اسلامی ملکوں کو اکٹھا کیا اور تیسری دنیا میں اپنی جگہ بنانا چاہی۔ محکوم اور یہ جرأت!! سزائے موت کا سزاوار ٹھہرا!!

ایوب خان کی سب سے خوفناک غلطی یہ تھی کہ وہ غصے میں آکر سیاسی جماعتوں سے انتقام لینے کی غرض سے) عنانِ حکومت اپنے ہی بنائے ہوئے آئین کے خلاف قومی اسمبلی کے اسپیکر کے حوالے کرنے کی بجائے (شاید فوج کے دباؤ میں آکر) اپنے مقرر کردہ کمانڈر ان چیف یحییٰ خان کے حوالے کر گیا!! جن سیاسی جماعتوں نے اس کے خلاف متحدہ قومی محاذ بنایا تھا وہ ایوب خان کو تو ہٹانے میں کامیاب ہوگئیں لیکن قوم کو جمہوریت کی راہ پر آگے لے جانے میں ناکام رہیں۔ ایک آمر کی جگہ دوسرے فوجی آمر نے لے لی!! اور قوم کی نامرادیوں کے لئے نیا سامان تیار ہوا!!

یحییٰ خان کا دور ناعاقبت اندیشیوں، ہٹ دھرمیوں اور جلد بازیوں کا دور تھا۔ اس نے عجلت میں خود ہی چند فیصلے کئے اور جب ان فیصلے کے منطقی نتائج کا سامنا ہوا تو اس میں اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ ان کو قبول کرلیتا۔ اس نے ون یونٹ توڑا

ٹھیک کیا۔ اس نے وَن مَین وَن ووٹ کا اصول اپنایا، درست اپنایا۔ اُس نے عام انتخابات میں کسی قسم کی دھاندلی نہ ہونے دی، بہت خوب ہوا مگر جب انتخابات ہو لئے اور ان کے صاف صاف نتیجے نکل آئے تو نتیجوں کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا!! اپنے ہی کیے دھرے سے انکار کرنے لگا!! پھر دیکھتے ہی دیکھتے حالات اس کے قابو سے باہر ہوگئے۔ یحییٰ خان کی حکومت نے پے در پے غلط اور سنگین فیصلے کئے جن سے نہ صرف لاکھوں پاکستانیوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور ظلم و سنگدلی کی نئی اور انوکھی داستانیں رقم ہونے لگیں کہ چنگیز اور ہلاکو کی روحیں بھی کانپ اٹھیں۔ پھر پاکستانی افواج کو شکست فاش ہوئی۔ اُسے ہندوستانی افواج کے سامنے سر جھکانا پڑا اور اندرا گاندھی کو موقع ملا کہ وہ کہہ سکے کہ آج ہم نے "اسلام سے" ایک ہزار سال کا بدلہ چکا یا ہے!!

پاکستانی فوجی اور سول کے افراد جنگی قیدی بن کر ہندوستان کے حوالے ہوئے اور ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جو مشرقی پاکستان تھا وہ بنگلہ دیش بنا اور پھر اپنی فوج کی تحویل میں چلا گیا!! اور جو مغربی پاکستان تھا وہ پورا پاکستان ہوا اور چند برسوں کے بعد یہاں بھی ایک طویل مارشل لاء سایہ فگن ہو گیا۔ یحییٰ خان کے دور میں کل ٹکڑے ہوا اور جزو کل بن گئے!! یہ خونیں کھیل تاریخ میں کہیں اور نہیں کھیلا گیا!! اس کھیل میں سیاست دانوں یا سیاسی جماعتوں کا بھی (زیادہ تر پس پردہ) ہاتھ اور حصہ ہے مگر یہ خوفناک المیہ اس لئے وجود میں آیا کہ سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کو برسوں سے کام کرنے کی آزادی نہ تھی۔ یہ سیاست کا نہیں اصلاً عدمِ سیاست کا کرشمہ تھا!!

بھٹو کا دور ہیجانی، طوفانی اور انقلابی تھا۔ اس دور میں ایک نئے شعور نے جنم لیا۔ ملک کے پسماندہ طبقے انگڑائی لے کر جاگ اٹھے۔ اور انہوں نے پہلی بار خود کو

مہیا نا۔ بھٹو کی ذات کرشمہ ساز تھی۔ وہ بہت ذہین، بہت پڑھا لکھا اور بہت زیرک تھا۔ بہت کام کرنے والا اور دور تک دیکھنے کے قابل لیکن اس کی ذات کا تضاد رفتہ رفتہ بہت گہرا ہو گیا۔

بھٹو جذبات سے مسلمان، ذہن سے سوشلسٹ اور مزاج سے جاگیردار تھا۔

Emotionally Bhutto was a Muslim, intellectually a socialist and temramentally a feudal lord and in the long run the temprament got hold of the man.

جذبات اور ذہن میں تو ہم آہنگی ممکن تھی اور وہ بھٹو میں پیدا ہوئی مگر جاگیردارانہ مزاج کا معاملہ ٹیڑھا ثابت ہوا۔ پختہ جاگیردارانہ مزاج یعنی وڈیرہ پن اسلام اور سوشلزم سے بالعموم ہم آہنگ نہیں ہو پاتا۔ اور اگر طاقت پاس ہو اور وہ بھی طاقتِ مطلق Obsolute power تو پھر مزاج کا بے قابو ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ بھٹو اور اس کے ساتھ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ بھٹو کا مزاج رفتہ رفتہ اس کے جذبات اور ذہن پر غلبہ پاتا گیا اور آخر کار مزاج دوسرے اوصاف پر غالب آ گیا۔ اس سے افراط و تفریط کے دھارے پھوٹ رہے ہیں۔ نیشنلائزیشن ہے مگر اس کو سنبھالنے والے سیاسی کاڈر (سیاسی کارکن) نہیں ہیں۔ زرعی اصلاحات ہیں مگر ان کو پروان چڑھانے والے مخلص اہلکار اور افسر موجود نہیں۔ انقلابی تصورات ہیں مگر ان کو پختگی اور قیام بخشنے والی سیاسی مشینری لاپتہ ہے۔ نچلے طبقوں کو اوپر اٹھانے کا جذبہ اور وسائل مہیا ہیں مگر سیاسی رفقاء اور کارکنوں پر اعتماد غائب ہے اور ان کی تربیت کے ذرائع اختیار کرنے سے گریز ہے۔ اس نے ایک متفقہ آئین دیا مگر خود اس میں جلدی جلدی ترمیمیں کیں اور بلوچستان کی صوبائی حکومت کو کافی جواز کے بغیر برطرف کر کے اپنے ہی

بنائے ہوئے آئین کی آبرو کم کی!! بھٹو کامیاب بھی ہوا اور ناکام بھی۔ کامیاب رہا جب اُس نے اپنے جذباتِ صالح اور ذہنِ رسا سے کام۔ اور ناکام رہا جب مزاج نے بالادستی حاصل کر لی۔ وہ عوام کی طاقت اور پسماندہ طبقوں میں مقبولیت سے ابھرا اور اُس نے رجعت پسندوں اور قدامت پرستوں کو شکست دی اور بیوروکریسی کو دبایا۔ پھر یوں ہوا کہ عوام سے کٹتا چلا گیا اور اس نے بیوروکریسی پہ تکیہ کیا اور جن طاقتوں کو اس نے شکست دی تھی، انہی پر بھروسہ کرنے لگا۔ اور یہ بھروسہ بے بنیاد نکلا! بھٹو مقبول ہوا۔ حکومت میں آیا۔ اس نے اصلاحات کیں۔ لوگوں کا اعتماد بڑھا۔ پھر اس نے غلطیاں کیں۔ اس کی مقبولیت کا گراف نیچے آیا اور اب یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ موت نے اس گراف کو پھر اونچا کر دیا ہے۔ تمام وقتوں سے اونچا!!

بھٹو ایک سیاسی آدمی تھا اور ایک سیاسی جماعت کا بانی اور سربراہ لہٰذا وہ سیاسی عمل اور سیاسی جماعتوں کی اہمیت و افادیت سے پوری طرح آگاہ تھا۔ آئین بناتے وقت (۱۹۷۳ء) اور اُس کے بعد اور پہلے بھی سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں سے اُس کے روابط معقول سیاسی سطح پر تھے۔ لیکن ۱۹۷۷ء کے انتخابات وجہ نزاع بن گئے۔ ان انتخابات میں ملک کی حزبِ اختلاف کی سیاسی جماعتوں نے حکومتی پارٹی پر الزام لگایا کہ اس نے انتخابات میں زبردست دھاندلی کی ہے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے حالات بگڑ گئے۔ بھٹو اور سیاسی جماعتوں کے درمیان سمجھوتہ ہوتے ہوتے رہ گیا اور فوج کے سربراہ نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا جو نوّے دن کے اندر اندر انتخابات کرانے کے وعدہ پر قائم ہوا تھا اور وہ نوّے دن نو برس کے طویل عرصے میں بھی عملاً ختم نہ ہوئے۔ یہ مارشل لاء پاکستان کی تاریخ کا تیسرا اور طویل ترین مارشل لاء تھا جو دسمبر ۱۹۸۵ء میں جا کر اس طرح ختم ہوا کہ اس کے آثار و باقیات ہنوز دیکھنے میں آتے ہیں۔ مارشل لاء کسی قوم کو کس قدر نقصان

پہنچاتا ہے اور اس کے منفی اثرات کن کن راہوں اور راستوں سے قومی زندگی میں داخل ہوتے ہیں، یہ ایک الگ علمی بحث ہے مگر جہاں تک سیاسی جماعتوں کا تعلق ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایوب خان کے خلاف متحدہ قومی محاذ (جمہوری مجلس عمل) نے ۱۹۶۹ء میں تحریک چلائی اور لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ جلسے جلوس عام ہوئے۔ ہڑتالیں ہوئیں اور لمبی لمبی اور نہایت موثر ہڑتالیں ہوئیں اور دیگر ذرائع احتجاج سے کام لیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ایوب خان کا دور ختم ہو اور ملک میں پارلیمانی جمہوری نظام پختہ بنیادوں پر استوار کیا جائے اور منصفانہ انتخابات بالغ رائے دہی کے اصول پر ہوں۔ مگر جیسا میں نے اوپر کہا ہے ایجی ٹیشن نے زور توبہت باندھا اور چپا گانک سے طور خم تک لوگ سڑکوں پر نکل آئے مگر نتیجہ؟ افسوس کہ سیاسی جماعتوں کی ساری محنت رائیگاں گئی اور ایک بوڑھے آمر کی بجائے جس کی قوت ارادی نسبتاً کمزور ہو چکی تھی ایک توانا آمر حکومت پر قابض ہو گیا۔ ملک کی سیاسی جماعتوں کے لئے سوچنے کا مقام تھا کہ انہوں نے احتجاج کی جو اس قدر زبردست فضا تخلیق کی تھی، وہ نتیجے کے اعتبار سے اس قدر مایوس کن کیونکر ثابت ہوئی؟

بالکل یہی ڈرامہ ۱۹۷۷ء میں دہرایا گیا۔ نو سیاسی جماعتوں پر مشتمل پی۔ این۔ اے (پاکستان نیشنل الائنس) معرض وجود میں آیا اور نو ستاروں کی مجلس عمل بنی اس کے سامنے یہ مقصد تھا کہ حکمران پیپلز پارٹی کو انتخابات میں شکست دے کر اور عنان حکومت سنبھال کر نظام مصطفیٰ رائج کیا جائے۔ بہت خون خرابہ ہوا۔ بیسیوں لوگ مارے گئے۔ ہزاروں نے قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔ ہنگامے برپا ہوئے۔ ہڑتالیں ہوئیں جلوس نکلے، عورتوں پر لاٹھی چارج ہوا۔ مذاکرات شروع ہوئے۔ مذاکرات میں تلخی آئی۔ مذاکرات میں تاخیر ہوئی اور سمجھوتے پر دستخط ہونے ہی والے تھے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اچانک مارشل لاء لگ گیا۔ نہ انتخابات نہ نظام مصطفیٰ! سیاسی عمل نہ سیاسی جماعتیں

جلسے نہ جلوس سب کچھ معدوم!! پھر اسلامائزیشن کا دور شروع ہوا اور ساتھ ساتھ کرپشن، رشوت ستانی، غبن، ڈاکہ، چوری، قتل، اسمگلنگ، ناجائز اسلحہ کی خرید و فروخت اور منشیات کا کاروبار غرض ہر معاشرتی برائی پہلے سے بڑھ گئی۔ پھیل گئی۔ عام ہو گئی!! اور پھر احساس محرومی کی صدائیں گونجنے لگیں اور وفاق کے خلاف کھلی اور خفیہ سازشوں کا آغاز ہوا!!

اس داستانِ جبر و الم کو سمیٹا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ چالیس برس کی تاریخ میں نہ تو سیاسی جماعتوں نے اعلیٰ درجے کے تدبر اور حسنِ تنظیم اور ایمان کی پختگی اور ایثار کے والہانہ پن کا ثبوت دیا کہ جس کی بدولت عوام اور سیاسی رہنماؤں کا باہمی رشتہ ایسا استوار ہوتا کہ کسی بڑے سے بڑے طالع آزما کو (خواہ وہ فوج کا ہو یا سول کا یا سیاست کا) آئین کے خلاف انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی اور نہ فوج اور سول افسران کی ایسی ذمہ دارانہ تربیت ہوئی کہ وہ ہر حال میں ملک کے آئین کے وفادار رہتے اور اپنی ذاتی ہوسِ اقتدار و منفعت پر ہمیشہ قوم کے بہترین اور دور رس مفادات پر نگاہ رکھتے۔ بظاہر تو ہر شخص جو حکومت پر قابض ہوتا ہے اپنے حق میں دلائل رکھتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ قوم کی خدمت کے لئے حاضر ہوا ہے اور اگر وہ یہ ذمہ داری پوری نہ کرتا تو قوم تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی اور اس کی مداخلت کے بغیر تباہ و برباد ہو چکی ہوتی مگر بالعموم ایسا ہوتا نہیں۔ سیاسی حالات بگڑتے ہیں تو بین الاقوامی شاطروں کے دانت تیز ہونے لگتے ہیں۔ اور اندرونی طور پر جو گروہ منظم اور طاقتور ہوتا ہے وہ موقع سے فائدہ اٹھانے سے گریز نہیں کرتا اور جب ایک بار ایک غلط قدم اُٹھ جاتا ہے تو پھر غلطیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور خود بخود دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے جاتے ہیں اور حالات سدھرنے میں نہیں آتے اور آنے والے کے لئے جانا اس کے لئے آنے سے مشکل تر ہو جاتا ہے!!

معاشرتی پیچیدگیوں اور سیاسی نامرادیوں کا تجزیہ آسان نہیں ہوتا۔ بے شمار عناصر اور لاتعداد اسباب کام کرتے ہیں اور تہ در تہ واقعات کا ہاتھ ان میں ہوتا ہے۔ پاکستان کی ناہموار اور بے مراد سیاسی تاریخ کے دو اسباب تو میں نے اوپر بیان کئے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اس قدر مضبوط، ایسی محکم، عوام کے دلوں میں یوں جاگزیں، اس درجے با اصول و غیرت مند اور اتنی ایثار پیشہ و مخلص نہیں کہ ان کے کاروبارِ ریاست میں کسی غیر کو دخل اندازی کی جرأت نہ ہو۔ کمزوری ہوگی تو دوسرے کمزوری سے فائدہ بھی اٹھائیں گے۔ کوئی کسی کو معاف نہیں کرتا!! دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے فوجی اور سول افسروں کو ایسی تربیت نہیں ہوئی اور ان کے کردار اتنے اصولوں پر استوار نہیں ہیں کہ موقع سامنے ہو اور وہ آگے نہ بڑھیں اور اپنا انتہائی فرض ادا کرتے ہوئے جہاں تک ہو حالات کو سیاسی و آئینی ہاتھوں میں رکھتے ہوئے انہیں سدھارنے میں مدد دیں اور ایسے ایثار اور فرض شناسی کا ثبوت دیں جو ترقی یافتہ ملکوں کے ملازمانِ سرکار اور پبلک سرونٹس بڑی آسانی اور سہولت سے انجام دیتے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، روس اور چین کس قدر زبردست افواج رکھتے ہیں مگر ان کا سیاسی نظام ایسا پختہ ان کی سیاسی جماعتیں اس قدر منظم اور ان کے عوام اس درجہ باشعور ہیں کہ ان کا کوئی سپریم کمانڈر یا کوئی فوجی ہیرو ایک لمحے کے لئے بھی دماغ میں یہ خیال نہیں لا سکتا کہ بگڑتے ہوئے حالات میں وہ بڑھ کر اقتدار پر قابض ہو جائے گا۔ یہ ایسا ہی ناممکن و محال ہے جتنا یہ خیال کرنا کہ کل سورج مشرق سے نہیں مغرب سے طلوع ہوگا!!

تیسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان (اور یہ انتہائی افسوسناک بات ہے) ابھی ایک قوم نہیں بنا۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک جنوبی ایشیا کے طول و عرض میں جو موجودہ پاکستان سے کم از کم دس گنا بڑا تھا، ایک قوم تھے۔ رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور رہن سہن

جو بھی تھا ہم یک دل و یک خیال تھے ہندی مسلمان ایک قوم تھے اب ہم چار صوبے ہیں مگر ہم خیالی مفقود ہے۔ ایک نہیں درجنوں مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں کوئی عمومی اتفاق رائے ـــ CONSENSUS نہیں۔ شریعت بل ہی کو لے لیجئے۔ پوری قوم دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے!! کوئی کہتا ہے یہ بل فوری طور پر پاس ہونا چاہیئے۔ کوئی کہتا ہے اس قسم کا بل ہمارے لئے قابل قبول نہیں۔ کوئی کہتا ہے اس قسم کا بل ناممکن ہے۔ کوئی کہتا ہے اس میں بہت سی ترمیم ہونی چاہیئے۔ کوئی بولتا ہے ہرگز کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ پھر یہی نہیں کہ مذہبی جماعتیں تو اس کی حامی ہیں اور جو جماعتیں مذہبی نہیں وہ اس کی مخالف ہیں، حد یہ ہے کہ بڑی بڑی مذہبی جماعتوں نے بھی اس بل کی مخالفت کی ہے۔ میاں طفیل کہتے ہیں یہ فوراً منظور کرو۔ ایئر مارشل اصغر خان اسے فراڈ قرار دیتے ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی اسے ایک خاص طبقے کی اختراع سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حکمران مسلم لیگ کے لئے یہ قابل عمل نہیں۔ شیعہ اس کے مخالف ہیں۔ اہل حدیث اس کے خلاف ہیں مگر ایک گروہ جو اس کے حق میں ہے وہ اس کی حمایت میں احتجاجی تحریک چلانے کی دھمکی دے رہا ہے!! غور فرمایئے کہ یہ انتشار و اختلاف شریعت اسلام کے بارے میں ہے جبکہ اسلام ہرگز متنازعہ نہیں ہے!!

اس سے یہ مراد نہیں کہ پاکستان کے عوام حب الوطنی میں کسی اور ملک کے عوام سے کم ہیں ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارا اور ہماری سیاسی جماعتوں کا مسئلہ یہ ہے کہ بار بار کے مارشل لاء نے ملک کے مختلف صوبوں میں بعض معاملات میں مختلف صورت حال پیدا کر دی ہے۔ کچھ صوبوں میں مارشل لاء کے خلاف شدید ردعمل ظاہر ہوتا ہے۔ سندھ کے رہنے والے بالعموم فوج میں ملازمت کرنے کا مزاج نہیں رکھتے لہذا جب مارشل لاء لگتا ہے تو وہاں کے عوام میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ حکومت میں ان

کی کوئی شرکت نہیں بلکہ وہ رعیت ہیں اور کسی دوسرے علاقے کے لوگ ان پر حکومت کر رہے ہیں۔ یہ احساس وفاق کی کسی اکائی میں پیدا ہونا خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو قومی یکجہتی کے منافی اور مضر ہے!! دوسرے یہ کہ ہم ایک جذباتی قوم ہیں اور ہوش سے زیادہ جوش سے کام لینے کے عادی ہیں۔

مگر ایک بات جو پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے بارے میں واشگاف لفظوں میں کہنی چاہیئے یہ ہے کہ اپنی بعض کوتاہیوں اور دیگر کمزوریوں کے باوصف ہماری سیاسی جماعتوں نے بڑے مشکل اور نامساعد حالات میں خود کو جس طرح زندہ رکھا ہے اور ملک کے لئے کام کیا ہے اور ہر آمریت کو للکارا ہے وہ نہایت قابل تحسین اور حوصلہ افزا ہے۔ اس سے امید بندھتی ہے کہ اگر ان کو مسلسل اور باقاعدہ کام کرنے کا موقع دیا جائے تو حالات سدھر سکتے ہیں۔

اس طرح ایک اور بات جس کا ذکر یہاں ضروری ہے یہ ہے کہ ہمارے یہاں سیاسی جماعتوں کی تعداد ضرورت اور جواز سے زیادہ ہے۔ مستحکم جمہوریت کے لئے سیاسی جماعتوں کا دو یا تین چار تک محدود ہونا ایک مثالی پوزیشن ہے تاہم پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں چھ سات جماعتوں کی زیادہ سے زیادہ گنجائش ہونی چاہیئے۔ سیاسی جماعتوں کو مطلوبہ تعداد تک رکھنے کے دو آسان اور آزمودہ طریقے ہیں۔ اوّل، ہر تین یا چار سال بعد انتخابات بلا روک ٹوک ہوتے رہیں تو نام کی جماعتیں خود بخود منظر سے ہٹ جاتی ہیں۔ دوسرے خود سیاسی جماعتوں کو ہم خیال جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جہاں ممکن یا پسندیدہ ہو ادغام کی راہ نکالنی چاہیئے۔ ہمارے یہاں حال ہی میں اس طرف توجہ دی گئی ہے۔ چنانچہ عوامی نیشنل پارٹی تین سیاسی جماعتوں کے ادغام سے بنی ہے اور نیشنل پیپلز پارٹی میں مساوات پارٹی کو مدغم کیا گیا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر دینی سیاسی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور بائیں بازو

کی طرف میدان رکھنے والی سب جماعتیں ایک بڑی جماعت بن جائیں۔ ضرورت ہے کہ ہماری سیاست افراد کے گرد گھومنے کی بجائے اصولوں کی پرستار ہو۔ اور جماعتوں کی تنظیم جمہوری ضابطوں کے مطابق محکم بنیادوں پر استوار کی جائے۔

سیاسی جماعتوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ عوام کے شعور کی سطح بلند کرنے کے لئے مخلصانہ اور دیانتدارانہ کوشش کریں۔ ووٹ لینا اور حکومت بنانا ایک بات ہے اور عوام میں جا کر عوام کو تبدیلی و انقلاب کے لئے فکری اور ذہنی طور پر تیار کرنا اور افراد کی تربیت کا صحیح خطوط پر انتظام کرنا دوسری بات ہے۔ یہ حکومت سے پہلے اور حکومت کے ساتھ کرنے کا کام ہے جس پر مناسب توجہ نہیں دی گئی۔ سیاسی جماعتوں کو لٹریچر پیدا کرنے اور پھیلانے کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے۔ کچھ گروہ اسلام، اسلامی تاریخ حتّٰی کہ پاکستان کی تاریخ کو بھی مسخ کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا توڑ اور تدارک سیاسی جماعتوں کا فریضہ ہے۔

پاکستان کی آبادی شدید مذہبی رجحان رکھتی ہے۔ اس لئے اپنی سیاست میں اسلام کی معاشرتی، معاشی اور اخلاقی قدروں کو رائج دیکھنے کی آرزومند ہے۔ اور مذہب سے بے تعلق مذہب بیزار سیاست کی طرف اس کا میلان کم ہے۔ اس رجحان کی نمائندگی مختلف طریق اور مختلف انداز سے ہو رہی ہے۔ کچھ جماعتیں پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کی طرح سیاست کو معروف جمہوری بنیادوں پر استوار کرنا چاہتی ہیں مگر وہ آبادی کی خواہش اور اسلام کی فیض رسانی کے پیش نظر اسلامی اصولوں کو اپنی سیاست کا رہنما دیکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتیں۔ آپ ایسی جماعتوں کو سیاسی مذہبی جماعتیں کہہ سکتے ہیں۔ کچھ جماعتیں اصلاً دینی ہیں اور سیاست کو دین کے حوالے سے دیکھتی ہیں اور دین کے حوالے ہی سے سیاست کو چلانا چاہتی ہیں۔ ایسی جماعتوں کو آپ دینی سیاسی جماعتوں کا نام دے سکتے ہیں۔ کچھ جماعتیں ہیں جو سیاست اور دین کے باہمی تعلق کی گزشتہ

۴۰ سالہ تاریخ سے مایوس ہو کر خود کو سیکولر کہنا زیادہ مناسب خیال کرتی ہیں۔ یہ جماعتیں بھی اسلام سے بیزار یا بے تعلق نہیں۔ ان کے رہنما اسلام کی حقانیت کے قائل ہیں اور اسلام کی فیض رسانی سے بھی انہیں انکار نہیں مگر جو کچھ اسلام یا نفاذ اسلام کے نام پر گذشتہ تین چار دہائیوں میں ہوا ہے، اس کے پیش نظر وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پاکستان کی سیاست کو قدم قدم پر مذہب کے حوالے سے نہیں، معروف جمہوری حوالوں سے آگے بڑھنا چاہیئے اور سیاست کے میدان میں دین کے استحصال کی روش ترک کر دینی چاہیئے اور ریاست کو مذہبی امور میں مداخلت کا حق نہیں دینا چاہیئے۔ ایسی جماعتوں کو آپ سیکولر مذہبی جماعتوں سے موسوم کر سکتے ہیں۔

اور پھر ایسی جماعتیں بھی ہیں جن کی تنظیم بنیاد کے اعتبار سے بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ لوگ طبقات کی موجودگی کو ہماری زندگی کی اولین حقیقت تسلیم کرتے ہیں اور طبقاتی جدوجہد میں ایمان رکھتے ہیں اور ملک کی سیاست کو سوشلسٹ خطوط پر چلانے کے داعی ہیں۔ یہ لوگ بھی لازماً مذہب کے خلاف نہیں اور تحریک پاکستان میں اسلام کے حصے اور کردار سے بھی انہیں انکار نہیں مگر ان کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں جب ملک واضح طور پر طبقات میں بٹا ہوا ہے غریب اور پسماندہ طبقوں کی نجات اس میں ہے کہ ملکی سیاست کو اشتراکی بنیاد پر اٹھایا جائے۔ ایسی جماعتوں کو بائیں بازو کی (یا سوشلسٹ) جماعتیں کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

پھر وہ جماعتیں ہیں جو مذہب کو ساتھ لے کر چلتی ہیں مگر ان کے اندر بائیں بازو کے رجحانات بھی ہیں۔ یہ جماعتیں مذہب سے بے تعلق نہیں اور عوام کے مذہبی رجحانات کا احترام کرتی ہیں مگر انہیں طبقات کا احساس بھی ہے اور جدید دور میں سرمایہ دارانہ معیشت و سیاست کے مقابلے میں جو انسانی خدمات سوشلزم نے انجام دی ہیں ان کی افادیت بھی ان کے پیش نظر ہے۔ بلاشبہ یہ جماعتیں اپنے اندر سبھی طبقات کو سمیٹے

ہوئے ہیں۔ ان میں جاگیردار بھی ہیں اور بڑے بڑے زمیندار بھی اور کچھ بڑے سرمایہ دار اور صنعت کار بھی عیاں یا درپردہ ان کے ساتھ ہیں اور دینداروں کا بھی ایک خاصہ طبقہ ان جماعتوں میں کام کرتا ہے۔ تاہم مزدور، کسان، عام محنت کش اور غریب طبقے بھی ان جماعتوں میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ ایسی جماعتوں کو ترقی پسند مذہبی جماعتوں کا نام دے سکتے ہیں۔

لیکن ہماری سیاسی جماعتوں کی نوعیت کے اعتبار سے ابھی فہرست مکمل نہیں ہوئی۔ ہمارے ملک میں بعض جماعتیں صوبائی نوعیت کی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو کل پاکستان بنیادوں پر استوار کرنے اور ملک کی سیاست میں اپنا رول ادا کرنے کی بجائے صوبائی امور و معاملات تک خود کو محدود رکھنے کو باعث فلاح سمجھتے ہیں۔ ایسی جماعتوں کو ہم علاقائی جماعتیں قرار دیں گے (منہی کے ساتھ دیگران کے ساتھ بریکٹ نہیں) ملک کی اقلیتوں کی سیاسی جماعتیں ہیں جو ہماری عیسائی اقلیت، ہندو اقلیت اور پارسی اقلیت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ احمدی اقلیت کی طرف سے ابھی تک کوئی سیاسی تنظیم وجود میں نہیں آئی۔

الغرض پاکستان کی سیاسی جماعتیں جو ضرورت سے زیادہ تعداد میں ہیں اور جنہوں نے نہائت ناساعد اور مشکل حالات میں بھی اپنا کام جاری رکھا ہے ایک لحاظ سے مبارکباد کی مستحق ہیں کہ وہ سخت جان ہیں اور ہمت ہارنے والی نہیں مگران کی تنظیم کا درجہ تسلی بخش نہیں اور وہ عوام سے ان کا رابطہ تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی اس رابطے میں بڑے خلا ہیں جنہیں پُر کیے بغیر چارۂ کار نہیں۔ ان جماعتوں کی کارکردگی پہ جہاں ان کے اپنے حسن تدبیر و تدبر کی کمی اثرانداز ہو رہی ہے وہاں بین الاقوامی حالات اور فوج اور سول افسر شاہی کا مزاج بھی آڑے آتا ہے۔ اور یہی بدنصیبی کی جڑ ہے!!

تاہم فوج اور سول بیوروکریسی کی تربیت نو کا فریضہ بھی اپنے آخری تجزیے میں

سیاسی جماعتوں کے دائرۂ کار میں آتا ہے۔ اگر وہ بہتر طور پر منظم ہوں گی، زیادہ پختہ بنیادوں پر کام کریں گی تو ان کے راستے کا سب سے بھاری پتھر بھی ہٹ جائے گا اور رکاوٹ بننے سے اجتناب کرے گا۔ پاکستان کی تاریخ کے پچھلے چالیس سال یوں معلوم ہوتا ہے کہ ضائع ہو گئے ہیں۔ ہماری سیاسی کارکردگی تسلی بخش ثابت نہیں ہوئی۔ ہماری معاشی منصوبہ بندی میں خلوص، بصیرت اور عوام دوستی کی کمی رہی ہے۔ ہماری خارجہ پالیسی ناکامیوں کی داستان ہے اور اندرونی طور پر ہم قومی یک جہتی کو استوار کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ہم اندرونی طور پر کمزور اور بیرونی طور پر خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے ان حالات کو درست کرنا عوام اور سیاسی رہنماؤں کا کام ہے۔ ملازمانِ سرکار کا کام نہیں۔ لہٰذا جس قدر جلد یہ شعور عام ہو کہ ملک کی تقدیر عوام اور ان کے رہنماؤں کے ہاتھ میں ہے اور ہونی چاہیئے اُسی قدر ملک کی بقا اور سلامتی کے لئے بہتر ہے۔

لاہور
یکم مئی ۱۹۸۷ء

محمد عثمان

مُسلم لیگ

آل انڈیا مُسلم لیگ اور کُل پاکستان مُسلم لیگ

پاکستان کی خالق سیاسی جماعت مسلم لیگ اپنی ۸۰ سالہ تاریخ میں کئی نشیب و فراز سے گذری ہے اور اس پُرجوش کردار یا بے عملی، رجائیت اور مایوسی اور کامیابی و ناکامی کے متعدد دور بیتے ہیں۔ اُس کا اوّلین دور اس کے خلوص، دردمندی، دوراندیشی، ہمت اور احتیاط کا دور تھا جب ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو معرضِ وجود میں آنے کے بعد اس سیاسی جماعت نے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کا بیڑا اٹھایا۔ اس دور میں اس کی قیادت نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین، نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خان، نواب سر سلیم اللہ خان آف ڈھاکا، ہز ہائینس سر آغا خان اور اس مرتبے کے تجربہ کار اور مخلص رہنماؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ اور اس کو ابتدا ہی میں جداگانہ طرزِ انتخاب کے سلسلے میں ایک کلیدی کامیابی نصیب ہوئی جس نے بے پناہ مشکلات و مصائب کے باوجود آل انڈیا مسلم لیگ کو ایسی راہ پر لگا دیا جو منزلِ مقصود کی طرف جاتی تھی۔ دوسرے دور (۱۹۰۹ تا ۱۹۱۲ء) میں مسلم لیگ بے عملی اور انتشار کا شکار دکھائی دیتی ہے جس میں رؤساء، جاگیردار اور انگریز نواز نمایاں نظر آتے ہیں اور شبلی جیسے سکالر کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ لیگ چند قدم چل کر جیسے تھک گئی ہے اور انگریز سے وفاداری نے اُسے تن آسان اور مفاد پرست بنا دیا ہے۔ تیسرے دور میں مسٹر محمد علی جناح (جو ابھی قائداعظم نہیں بنے تھے) لیگ کے منظر پر نمودار ہوتے ہیں۔ وہ ایک عرصے سے کانگریس کے رکن تھے اور کانگریس کے اہم رہنماؤں میں ان کا

شمار ہوتا تھا مگر ۱۹۱۳ء میں بعض احباب کے اصرار پر وہ مسلم لیگ کے بھی ممبر بن گئے اور جونہی وہ لیگ میں آئے لیگ میں جان سی پڑ گئی اس لئے کہ محمد علی جناح ایک نہایت متحرک اور فعال سیاست دان تھے۔ ۱۹۱۳ء ہی کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں وہ قرار داد منظور ہوئی جس نے ہندوستان کے لئے ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ کر دیا اور مسلم لیگ نے انگریزوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنے کی راہ اختیار کی۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۵ء تک کا ایسا زمانہ ہے کہ اگرچہ مسلم لیگ کو بڑے بڑے نامور رہنما نصیب ہوئے اور باری باری مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر انصاری، مولانا ظفر علی خان، علی امام، سر محمد شفیع اور علامہ اقبال نے اس کی قیادت فرمائی مگر حقیقت یہی ہے مسلم لیگ کو جب جب قائداعظم کی قیادت نصیب ہوئی تو یہ آگے بڑھی اور جب حالات نے لیگ اور جناح میں دُوری پیدا کر دی تو مسلم لیگ اور اس کی سیاست بے جان سی ہو کر رہ گئی۔ بالآخر ۱۹۳۴ء کے بعد اس سیاسی جماعت کو قائداعظم کی رہبری مستقلاً میسر آئی۔ قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلم لیگ نے نہ صرف مسلمانانِ ہند کو منظم کیا اور خود ایک فعال جماعت بن گئی بلکہ اس نے ۱۹۴۰ء میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کر کے اور اس کے لئے دن رات مصروفِ جدوجہد رہ کر خود کو سرخرو اور کامیاب بنایا اور اس بے مثال اور عظیم الشان جدوجہد کی بدولت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی آزاد اور خود مختار مسلم ریاست وجود میں آئی مسلم لیگ کا یہ دور اُس کے عروج و کامرانی کا سنہری دور تھا مگر کامیابی کی معراج کو پانے اور پاکستان کو حاصل کر لینے اور پاکستان کی حکمران جماعت بن جانے کے تھوڑے عرصے بعد مسلم لیگ میں زوال کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ اس کی تاریخ کا یہ دور کم و بیش سات آٹھ برسوں پر محیط ہے۔ جبکہ حکمران مسلم لیگ نے فقط حکومت کی۔ اس سے نہ ملک کی صحیح رہبری کا فریضہ انجام پایا۔ اور نہ اُس نے نوزائیدہ مملکت کی تعمیر کا کوئی ٹھوس لائحہ عمل

اختیار کیا اور نہ خود کو ایک مقبول و ہر دلعزیز سیاسی جماعت کے طور پر منظم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدوجہد پاکستان کو اوج کمال تک پہنچانے کے بعد اس جماعت نے اپنے ہاتھوں اُس ملک کا شیرازہ بکھیرنے کی روش اپنا لی جس کا ظہور اُس کا سب سے بڑا کارنامہ اور افتخار تھا۔ آئین سازی میں بے اندازہ تاخیر کی گئی، متروکہ جائیداد اور مہاجرین کی آبادکاری میں کسی ٹھوس اور حقیقت پسند سوچ اور دیانت دارانہ طریق کار سے کام نہ لیا گیا اور مسلم لیگی رہنماؤں میں باہمی اتحاد اور اعتماد کی فضا باقی نہ رہی۔ مرکز میں لیاقت علی خان اور چوہدری خلیق الزمان اکٹھے نہ چلے، سرحد میں خان عبدالقیوم خان اور پیر آف مانکی شریف میں ٹھن گئی، پنجاب نواب افتخار حسین آف ممدوٹ اور ممتاز محمد خان دولتانہ کی آویزشوں کی آماجگاہ بن گیا، سندھ میں محمد ایوب کھوڑو اور پیر الٰہی بخش دست و گریبان ہو گئے اور مشرقی بنگال میں لسانی تنازعے کے علاوہ انتظامی سیاسی، معاشی اور دستوری امور میں مرکز اور صوبے کے مابین اختلافات سر اٹھانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مشرقی بازو کی آبادی مسلم لیگ کی طرف سے پہلے غیر مطمئن اور پھر دل برداشتہ و منحرف ہو گئی۔ یہ نقشہ کسی بھی حکمران جماعت کے لئے تشویش اور اضطراب کا باعث ہونا چاہیئے تھا مگر مسلم لیگ کی آنکھیں نہ کھلیں اور اس کے رہنما قائداعظم کی رحلت (۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء) اور لیاقت علی خان کی شہادت (۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء) کے بعد بھی اس قابل نہ ہوئے کہ اپنے شاندار ماضی اور حال کے بے پایاں امکانات کی لاج رکھتے ہوئے وہ خود کو سنبھالتے اور نئے تقاضوں کے مطابق ملک و قوم کی ترقی، استحاد اور فلاح کی طرف رہنمائی فرماتے۔

اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۶ء تک تو کسی نہ کسی مسلم لیگ مرکز اور صوبوں میں برسرِ اقتدار ہوں۔ اس کے بعد مغربی پاکستان میں ری پبلکن پارٹی (راتوں رات) مسندِ اقتدار پر بیٹھ گئی اور مرکز میں مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کی مخلوط حکومت بنی۔ اس میں کچھ عرصے کے لئے

حسین شہید سہروردی بھی شامل ہوئے۔ تا آنکہ ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو سکندر مرزا نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور ۲۷ اکتوبر یعنی بیس روز بعد جنرل محمد ایوب خان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ پھر دس برس عملاً ایوب خان کی آمریت ملک کی تقدیر بن گئی البتہ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۹ء تک مسلم لیگ کے ایک حصے کنونشن مسلم لیگ نے حزب مخالف کا کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۱ء تک یحییٰ خان کا مارشل لاء چلا اور جب ۱۹۷۱ء میں ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار آئے اور پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوئی تو قیوم مسلم لیگ بھٹو کی حلیف بن گئی اور جب تک بھٹو برسر اقتدار رہے خان عبدالقیوم خان وفاقی وزیر داخلہ کی حیثیت میں شریک اقتدار تھے۔ جولائی ۱۹۷۷ء میں جب بھٹو حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تو سب سیاسی جماعتوں کی طرح مسلم لیگ بھی کالعدم قرار پائی ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ (پگارا گروپ) نمایاں تھا اور جب اسی مسلم لیگ کے ایک اہم رکن جناب محمد خان جونیجو کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا تو انتظامی ضرورتوں کے تحت مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے بیشتر ارکان نے پاکستان مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کر لی اور اس طرح ۱۹۸۵ء کے انتخابات کے نتیجے میں بالآخر جو سول حکومت بنی وہ پاکستان مسلم لیگ کی حکومت کہلانے لگی ہے۔ واضح رہے کہ مسلم لیگ (خیر الدین گروپ) انتخابات سے الگ رہی تھی اور اب وہ قاسم گروپ کے نام سے ایم۔ آر۔ ڈی کا ایک فعال جزو ہے۔

اوپر کی چند سطریں موضوع کے تعارف کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ اب ہم مسلم لیگ کے ان پانچوں ادوار کا کچھ حال بیان کریں گے اور ان دستاویزات کو قارئین سے متعارف کرائیں گے جن سے ہر دور کی تاریخی صداقتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کا سال ہماری قومی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی سال ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے بالخصوص مسلمانوں نے انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی ایک

متحدہ اور پُرعزم کوشش کی تھی جس میں ناکامی ہوئی اور بیرونی راج سے جب کوئی قوم حصول آزادی کی جدوجہد میدان جنگ میں ہارتی ہے تو بالعموم اس پر غالب آنے والی بیرونی طاقت اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتی ہے۔ سو ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ہمارے حوصلوں کو پست اور ہمارے جذبۂ جہاد کو سرد کرنے کے لئے تمام جتن کیے گئے اور ان سب سامراجی حربوں اور ہتھکنڈوں سے کام لیا گیا جو ایسی صورت میں غالب قوم مفتوح قوم کے لئے روا رکھتی ہے۔ تاریکی اور مایوسی کے اس دور میں سرسیّد احمد خان نے قوم کی رہبری کا بیڑا اٹھایا اور جو طریق کار اس بندۂ خدا نے اختیار کیا اس میں انگریزوں کا اعتماد حاصل کرنا اور انگریزی علوم و فنون کی تحصیل سرفہرست تھی۔ اس کے ساتھ سرسیّد نے قوم کو مشورہ دیا کہ جہاں تک ممکن ہو سیاست بازی سے الگ رہے اور اُس وقت کا انتظار کرے جب قوم کی نئی نسل جدید علوم و فنون بالخصوص انگریزی زبان سے آراستہ مسلح ہو کر میدانِ کارزار میں اترنے کے قابل نہیں ہو جاتی۔ سرسیّد ۱۸۹۸ء میں وفات پاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں آل انڈیا نیشنل کانگریس وجود میں آچکی تھی (۱۸۸۵ء) مگر سرسیّد نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اس سیاسی جماعت میں ہرگز شرکت نہ کریں اور اپنے علیحدہ قومی تشخص کی ہر قیمت پر حفاظت کرنے کا فریضہ انجام دیں۔ تاہم ۱۹۰۵ء کے لگ بھگ ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے اور نئی نسل اس قدر بے تاب تھی کہ سیاسی عمل کا آغاز ناگزیر نظر آتا تھا۔

چنانچہ مسلمانوں کا ایک وفد یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملا اور اس کے سامنے احوالِ ملّت پیش کر کے اس امر پر زور دیا کہ ملک میں جو منتخب اداروں کا قیام شروع ہونے والا ہے اس میں مسلمانوں کو ان کی حیثیت کے مطابق نشستیں دی جائیں اور جداگانہ طرزِ انتخاب رائج کیا جائے تاکہ انہیں ہمسایہ قوم کی اکثریت کے سیاسی جبر کا نشانہ نہ بننا پڑے اور پھر اسی مطالبے کو سیاسی رنگ میں منوانے اور

مسلمانوں کے جملہ حقوق کی نگہداشت کے لئے دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکے کے مقام پر مسلم رہنماء کا ایک اجتماع ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس عمل میں آئی۔ یہ واقعہ ہماری تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ہے جس کی بدولت جنوب ایشیاء کے ۵ کروڑ (اُس وقت) مسلمانوں کی حیات ملّی۔ نے غلامی کا ایک دور گزارنے کے بعد ایک نئی کروٹ لی اور ہم بیداری اور سیاسی شعور کے ایک نئے دور میں داخل ہوئے۔ مسلم لیگ کے قیام کے وقت جو قرارداد منظور کی گئی وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ یہ جلسہ جس میں ہندوستان کے ہر حصّے کے مسلمان بمقام ڈھاکہ شریک ہیں فیصلہ کرتا ہے کہ ایک پولیٹیکل ایسوسی ایشن بنام آل انڈیا مسلم لیگ حسب ذیل مقاصد کے لئے قائم کی جائے۔

(الف) مسلمانانِ ہند کے دل میں برٹش گورنمنٹ کی نسبت وفادارانہ خیالات کو ترقی دینا اور گورنمنٹ کی کسی کارروائی کے متعلق اُن میں جو غلط فہمی ہو اُسے دور کرنا

(ب) مسلمانانِ ہند کے پولیٹیکل حقوق و فوائد کی نگہداشت اور ان کی ضروریات و خواہشوں کو مؤدبانہ طریقے سے گورنمنٹ میں پیش کرنا۔

(ج) لیگ کے دیگر مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمانانِ ہند میں ایسے خیالات پیدا نہ ہونے دینا جو دوسرے فرقوں کی نسبت معاندانہ ہوں۔

۲۔ اس جلسہ کی رائے میں تقسیم بنگال مسلمانانِ بنگال کے لئے جو آبادی کا بڑا حصّہ ہیں یقیناً مفید ہے اور اس قسم کی تمام کارروائیوں کو جیسے ایجی ٹیشن اور بائیکاٹ وغیرہ ہیں سختی سے روکنا چاہیئے۔

اس تاسیسی جلسے کی صدارت نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین نے کی اس موقع پر انہوں نے جو خطبۂ صدارت اردو میں پڑھا" ایک یادگار تحریر ہے۔ مسلم لیگ کے پہلے صدر کا پہلا خطبۂ صدارت اپنے طرزِ تحریر کی سادگی و دلنشینی اور اپنے دلائل کی پختگی اور

تاثیر کی بدولت اور اس خلوص اور درد مندی کی وجہ سے جو اس تحریر میں جاری وساری ہے اس لائق ہے کہ پاکستان کی نئی نسلیں اُس کو اس کی اصل شکل اور متن میں پڑھیں لہٰذا یہ خطبہ اس باب کے آخر میں من وعن درج کیا جاتا ہے۔ اس خطبے میں نواب وقار الملک ان حالات کا ذکر کیا ہے جن کی بنا پر مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگیا تھا کہ وہ اپنی ایک سیاسی جماعت تشکیل دیں تاکہ ان کے انفرادی اور اجتماعی حقوق اور مستقبل کو جو خطرہ لاحق دکھائی دیتا ہے، اس کا تدارک ہو سکے اور مسلمان قوم بلاخوف وخطر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکے۔ یہ تحریر اُس عہد کے مسلمانوں کی سوچ کا آئینہ ہے۔ جس میں ہمیں اپنے ماضیٔ قریب کا عکس صاف صاف دکھائی دیتا ہے اور ان بزرگوں نے ہمارے مستقبل کو سنوارنے کی جو راہ اختیار کی اس کا پتہ چلتا ہے۔ جدید عہد میں یہ ہمارے سیاسی سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس خطبے میں ایک جگہ وقار الملک لکھتے ہیں۔

> "مسلمان ہندوستان میں اپنی دوسری ہمسایہ قوموں سے پانچواں حصہ ہیں اور اس لئے یہ ایک بہت صاف مضمون ہے کہ اگر نخواستہ کسی وقت برٹش حکومت ہندوستان میں قائم نہ رہے تو اُس وقت وہی قوم ملک پر حکمران ہوگی جو تعداد میں ہم سے چار حصے زیادہ ہے اور اب صاحبو! ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ اپنے دل میں اس بات پر غور کرے کہ اُس وقت ہماری حالت کیا ہو جاوے گی۔ اس وقت ہماری حالت یہ ہوگی کہ ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو اور ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہوگا"

جان، مال، آبرو اور مذہب کے خطرے میں ہونے کا یہ شدید احساس ہمارے سفر سیاست کا نقطۂ آغاز تھا۔ یہ خدشات وہ محرک تھے جن کی سبب سے ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کی سرد مگر سہانی رات کو ہم نے اپنے سیاسی ومذہبی حقوق کی نگہداشت کے لئے ایک علیحدہ سیاسی جماعت تشکیل دی اور نام اس کا آل انڈیا مسلم لیگ رکھا۔

میں نے اوپر شملہ ڈیپوٹیشن کا ذکر کیا ہے کہ مسلمان رہنماؤں کا ایک وفد وائسرائے ہند سے شملہ میں ملا جہاں وائسرائے ہند گرمیوں کے چند ہفتے گزارا کرتے تھے لیکن ۱۹۰۶ء میں فقط اس وفد کا وائسرائے سے ملنا ہی ایک اہم واقعہ نہیں۔ اس سے چند ماہ قبل ایک دوسرا واقعہ بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے غایت اہم ہے۔ حکومت برطانیہ نے تقسیم بنگال کا فیصلہ کیا اور بنگال کے مشرقی حصے (جو بعد میں مشرقی پاکستان بنا اور اب بنگلہ دیش ہے) اور آسام کو ملا کر ایک نیا صوبہ بنایا جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو معرض وجود میں آگیا۔ اس انتظام اور تقسیم سے نئے صوبے میں ہندوؤں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ اور مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ اسی لاکھ تھی۔ گویا انتظامی ضرورت کے تحت بنگال کی تقسیم سے جو ایک نیا صوبہ تراشا گیا اس میں مسلمانوں کو واضح اکثریت حاصل ہو گئی تھی اور ان کے لئے ملازمت اور کاروبار اور دیگر وسائل حیات کے بہتر مواقع کی ایک یقینی صورت نکل آئی تھی۔ تاسیس مسلم لیگ پر جو قرارداد منظور کی گئی (جو اوپر درج ہے)، اس کی شق نمبر ۲ میں یہی تقسیم مذکور ہے۔ جسے مسلمانوں کے لئے مفید اور خوش آئند قرار دیا گیا تھا۔ لیکن ہندوؤں نے اس تقسیم کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کر دی اور حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس نا منصفانہ فیصلے کو واپس لے۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں اور ہندوؤں کے اس طرز عمل نے ان کے دلوں میں اندیشوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ انگریزی حکومت نے پہلے تو ہندو احتجاج کے سامنے نہ جھکنے کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کو یقین دلایا کہ ان کی خوشحالی کا جو دروازہ کھولا گیا ہے، اس کو کبھی بند نہ کیا جائے گا مگر جب ہندوؤں کا ایجی ٹیشن بہت زور پکڑ گیا اور اس نے تشدد سے بڑھ کر ایک طرح سے بغاوت کی صورت اختیار کر لی تو حکومت کو ناچار ستمبر ۱۹۱۱ء میں اس تقسیم کو منسوخ کرنا پڑا۔ حکومت کے اس اچانک فیصلے سے مسلمانوں کو بڑا دھچکا لگا اور انگریزوں پر ان کے اعتماد کا شیشہ چور چور ہو گیا۔ مسلم لیگ کے سفر سیاست میں تقسیم بنگال کی

منسوخی ایک اور سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں نے خود اپنے اوپر بھروسہ کرنا سیکھا اور وہ انگریز اور ہندو دونوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت سے آشنا ہوئے۔ اس موقع پر مسلمانوں میں ایک بار پھر مایوسی اور بدگمانی کی لہر دوڑ گئی مگر وقار الملک جیسے دانشمندوں اور مدبروں نے صورتِ حال کا ایسا تجزیہ کیا اور مسلمانوں کی رہبری کا فریضہ یوں انجام دیا کہ یہ مصیبت عمل کے لئے تازیانہ بن گئی اور مسلمانوں کے قدم ڈگمگانے کی بجائے منزل کی طرف مضبوطی کے ساتھ بڑھنے لگے وقار الملک نے اس موقع پر جو ایک معرکتہ الآرا مضمون شائع کیا، وہ بھی ایک یادگار دستاویز ہے جس کے بعض حصوں کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اسی زمانے میں ایک اور مسئلہ مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہ مسئلہ از اوّل تا آخر اپنی اہمیت کا لوہا منواتا رہا اور مسلمان جداگانہ طرزِ انتخاب کے حق سے کسی طور اور کسی قیمت پر بھی دستبردار نہ ہوئے حالانکہ ہندو کانگریس نے طرح طرح کے لالچ دیئے اور سو سو حیلوں بہانوں سے جداگانہ طرز انتخاب کو مخلوط انتخاب میں بدلنا چاہا مگر جب ایک بار یہ حق ان کو حاصل ہوگیا[1] تو پھر پاکستان بن جانے تک انہوں نے اس حق کی سختی سے حفاظت کی اور اس کو اپنے علیحدہ سیاسی تشخص کا سنگِ بنیاد جانا۔ نواب وقار الملک نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور رہبری کا حق ادا کیا ہے۔ اس مضمون کی ایک تلخیص شامل کتاب کی جاتی ہے جو قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی۔

۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۹ء تک کا زمانہ بہت ہل چل کا زمانہ تھا۔ تقسیم بنگالہ کی منسوخی، علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی بنانے میں رکاوٹوں کا سامنا، مسجد کانپور کا واقعہ جہاں پولیس کی فائرنگ سے کم از کم ۳۰ افراد شہید اور تیس ۳۰ زخمی ہوئے اور ترکی کے

---

[1] ۱۹۰۹ء کے دستوری اصلاحات کے مطابق

خلاف بعض یورپی طاقتوں کی جارحیت نے مسلمانوں میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی اور مسلم لیگ کی تاسیس کے وقت (۱۹۰۶) مسلمانانِ ہند نے انگریزی حکومت کے ساتھ جس وفاداری کو ضروری سمجھا تھا، اب وہ غیر ضروری دکھائی دینے لگی تھی، کیونکہ اس مدّت میں نہ صرف مسلمانوں کے دل انگریزوں کی طرف سے پھر گئے تھے بلکہ نئی نسل مروّجہ سیاسی روش سے اپنی بے اطمینانی بلکہ بیزاری کا اظہار کرنے لگی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۳ء کے سالانہ اجلاس میں مسلم لیگ کو اپنے مقاصد پر نظرِ ثانی کرنا پڑی۔ اب تک سرکارِ انگریزی سے وفاداری اور مسلمانوں میں انگریزی حکومت کے لئے خیر خواہی کے جذبات پیدا کرنا مسلم لیگ کے سہ مقصدی منشور کی پہلی مشق تھی۔ اب اس میں ترمیم منظور کر کے تاجِ برطانیہ کے زیرِ سایہ خود مختار نظامِ حکومت کا حصول جو ملک کے مخصوص حالات کے مطابق ہو لیگ کا اوّلین مقصد قرار پایا۔ اس کے ساتھ ایک اور قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ کو اس بات کا مکمل یقین ہے کہ ہندوستان کے عوام کی ترقی کا انحصار مختلف قوموں کے آپس میں خوشگوار تعلقات پر ہے۔ قرارداد میں اس اُمید کا اظہار بھی تھا کہ دونوں قوموں کے قائدین عوامی مسائل کے سلسلے میں قدم اٹھانے کی خاطر مشترکہ لائحۂ عمل تیار کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے۔ سات سال کے اندر مسلم لیگ کے نقطۂ نظر میں یہ بہت بڑی تبدیلی تھی۔ خود مختار نظامِ حکومت کا مطالبہ اور ہندو کانگریس (ہندو قوم) کی طرف دوستی اور تعاون کی یہ پیش کش مگر اس کے ساتھ لیگ کے رہنماؤں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ مسلمانوں کی بقا کے لئے جداگانہ طرزِ انتخاب کو برقرار رکھنا اشد ضروری ہے۔

۱۹۱۳ء ہی کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ اسی سال محمد علی جناح جو کانگریس میں صفِ اوّل کے رہنما تسلیم ہوتے تھے۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی رکنیت قبول کی اور اپنے جوشِ کردار سے ہندو مسلم اتحاد کے لئے سرگرمِ عمل ہو گئے۔ اور یہ قائدِ اعظم ہی

کا حصہ تھا کہ ان کی کوششوں کی بدولت بیسویں صدی کے آغاز میں پہلی (اور آخری) بار ہندو مسلم اتحاد کی ایک صورت پیدا ہو گئی۔ ۱۹۱۶ء میں وہ لکھنؤ پیکٹ (معاہدۂ لکھنؤ) عمل میں آیا جو پاک و ہند کی تاریخ آزادی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اگرچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آشتی اور تعاون کی یہ فضا پانچ چھ برس تک ہی قائم رہی اور پھر اس کا شدید ردِ عمل ہوا اور مختلف مقامات پر ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے جن کی مثال اس سے قبل کے سالوں میں نہیں ملتی۔

اس مدت میں خلافت کمیٹی معرضِ وجود میں آئی اور خلافت کی ناکامی پر ہجرت کی تحریک شروع ہوئی جس کی تقدیر میں ہی ناکامی لکھی تھی۔ خلافت اور ہجرت نے مسلمانوں میں جوش و خروش تو بہت پیدا کیا مگر ان تحریکوں کے بے نتیجہ ہونے سے مسلمان بددل اور مایوس بھی بہت ہوئے۔ خلافت اور گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک کے باہم اشتراک سے بھی بہت امیدیں وابستہ کی گئیں مگر اس کا نتیجہ میں وہی نکلا: مایوسی اور بددلی جس کی بدولت معاہدہ لکھنؤ کے پرخچے اڑ گئے اور جگہ جگہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیلنے لگے۔ یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ جہاں بہت سے مسلمان رہنما مثلاً مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ابو الکلام آزاد، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں کے ساتھ رہے اور انہوں نے وقتی ہی سہی مسٹر گاندھی کی قیادت قبول کی وہاں قائداعظم جو ابھی فقط محمد علی جناح تھے، ان جذباتی تحریکوں سے الگ رہے اور گاندھی کی تحریک سول نافرمانی کی تو انہوں نے باقاعدہ (کانگریس کے سالانہ اجلاس میں) مخالفت کی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ قائداعظم کا موقف درست تھا اور سول نافرمانی کی تحریک کے ضمن میں جو خدشے انہوں نے ظاہر کئے تھے، وہ سچ ثابت ہوئے۔

جب تحریک عدم تعاون اور خلافت و ہجرت کا زور کم ہوا تو مقامی حقیقتوں کو ابھرنے کا موقع ملا۔ قائداعظم کا موقف اب بھی یہی تھا کہ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں مستقبل کے دستور کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا، ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے معاہدہ لکھنؤ (۱۹۱۶ء) کی اسپرٹ کو تازہ کرتے ہوئے ۱۹۲۴ء کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں ہندو مسلم فسادات پر اظہار افسوس کیا اور سب جماعتوں سے اپیل کی وہ ملک میں امن و آشتی کی فضا قائم رکھنے میں مدد دیں۔ ایک قرارداد میں اس یقین کا اعادہ کیا گیا کہ سیاسی میدان میں کوئی ترقی ممکن نہیں جب تک اس کی بنیاد ہندو مسلم مفاہمت پر قائم نہ کی جائے گی۔ اگلے سال مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ اگرچہ جداگانہ طرزِ انتخاب مسلم لیگ کی پالیسی کا ایک اہم جزو تھا، تاہم قائداعظم نے ہندو مسلم مفاہمت کی خاطر ایک بار پھر کوشش کی کہ اگر کانگریس مسلمانوں کے حقوق پر تسلی بخش رویہ اختیار کرے تو مسلمان جداگانہ طرزِ انتخاب سے دستکش ہو سکتے ہیں۔ ۱۹۲۶ء کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (دہلی) میں انہی جذبات کو دہرایا گیا۔ قائداعظم نے ایک موقع پر فرمایا:

> ہم انصاف اور صحیح رویّے سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم دونوں قوموں نے اپنے اختلافات دور کر لئے تو ذمہ دار نظام حکومت کا آدھا راستہ طے ہو گیا۔ لیکن اگر بدقسمتی سے ناکامی ہوئی تو یہ ہماری بدقسمتی ہو گی۔ پھر مسلمان ناچار برطانوی کمیشن کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے پر مجبور ہوں گے اور اپنی لڑائی خود لڑیں گے۔

۱۹۲۷ء میں قائداعظم نے ہندو مسلم مفاہمت کے لئے ایک اور بڑی کوشش کی دہلی میں مسلمان قائدین کی ایک کانفرنس بلائی جس نے قائداعظم کی صدارت میں تجاویز دہلی مرتب و منظور کیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ سندھ کو صوبہ بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک الگ صوبہ بنا دیا جائے۔

۲۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اسی قسم کی اصلاحات نافذ کی جائیں جیسی دیگر صوبوں میں کی گئی ہیں۔

۳۔ اگر مندرجہ بالا باتوں کو منظور کر لیا جائے تو مسلمان جداگانہ طرز انتخاب ترک کر دیں گے اور اس بات سے بھی رضامند ہو جائیں گے کہ ہر صوبے میں مختلف قوموں کو آبادی کے مطابق نمائندگی دی جائے بشرطیکہ مندرجہ ذیل تجاویز منظور کر لی جائیں۔

۴۔ سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ہندوؤں کو وہی مراعات دی جائیں گی جو ہندو اپنی اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کو دینے کے لئے تیار ہوں گے۔

۵۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے کم از کم ایک تہائی نشستیں محفوظ ہوں گی۔

۶۔ مذہبی آزادی کے علاوہ اس امر کی ضمانت ہونی چاہیئے کہ فرقہ وارانہ امور پر کسی مسودۂ قانون پر نہ غور کیا جائے گا اور نہ اُسے منظور کیا جائے گا اگر متعلقہ فرقے کے ممبران کی تین چوتھائی تعداد اس کی مخالفت کرے۔

قائداعظم تو نیک نیتی سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی خلیج پاٹنا چاہتے تھے اور مسلم لیگ کے بیشتر اکابران کے ساتھ تھے مگر تجاویز دہلی اور سائمن کمیشن سے تعاون یا عدم تعاون کے سوال پر مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی، جناح لیگ تجاویز دہلی کی حامی تھی اور سائمن کمیشن کا بائیکاٹ چاہتی تھی، شفیع لیگ، جس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے جداگانہ انتخاب کو کسی قیمت پر ترک کرنے کو تیار نہ تھی اور سائمن کمیشن سے تعاون چاہتی تھی۔

۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کا زمانہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ان دو تین سالوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات مزید کھل کر سامنے آ گئے اور جاننے والے

بآسانی جان گئے کہ مسلمانوں کا بنیادی موقف کیا ہے اور ہندوؤں کا کیا۔ مسلمان آزادی کی جنگ میں ہندوؤں کے ساتھ شانہ بہ شانہ لڑنے کیلئے آمادہ ہی نہیں بے تاب تھے مگر وہ اس لڑائی میں کودنے سے پہلے اپنے قومی تشخص کے تحفظ کے بارے میں پُریقین ہونا چاہتے تھے اور دل سے کوشاں تھے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ایک باعزت اور پُروقار سمجھوتہ ہو جائے جس سے دونوں قوموں میں پختہ بنیادوں پر خوشگوار تعلقات استوار ہو سکیں۔ اس کے مقابلے میں ہندو ذہن غلبہ اور بالادستی چاہتا تھا اور اتحاد، تعاون اور یکجہتی کے نام پر مسلمانوں کے علیٰحدہ تشخص کی مخالفت کر رہا تھا۔ اور جو حقوق معاہدۂ لکھنؤ (۱۹۱۶ء) میں مسلمانوں کو حاصل ہوئے تھے ہندو اب ان سے پھرنے اور رُوگردانی کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا اور یہ مقصد اس نے نہرو رپورٹ سے حاصل کیا۔

جب تجاویز دہلی سامنے آئیں تو کانگریس نے ابتداً اسے منظور کر لیا اگرچہ اس کی مخالفت کرنے والے بھی کم نہ تھے مگر آخری منظوری سے پہلے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور اس کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ ہندو مسلم مسئلہ کا پھر سے جائزہ لے اور اپنی سفارشات پیش کرے تاکہ ان کی روشنی میں کانگریس اپنی پالیسی وضع کر سکے۔ اس کمیٹی کے سربراہ پنڈت جواہر لال نہرو کے والد پنڈت موتی لعل مقرر ہوئے اس لحاظ سے کمیٹی کو نہرو کمیٹی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نہرو کمیٹی نے نہ صرف جداگانہ طرز انتخاب کی مخالفت کی بلکہ مسلمانوں کے دیگر مطالبات کو بھی نظرانداز کر کے ایک ایسا رویہ اختیار کیا جو مسلمانوں کے لئے انتہا درجے مایوسی کا سبب ہوا۔ جداگانہ طرز انتخاب کے متعلق نہرو رپورٹ نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ قومی جذبے کی نشوونما کے منافی ہے۔ مسلمانوں نے مرکز اور صوبوں میں جو نشستیں مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تھا، اس کے بارے میں رپورٹ نے کہا اس طریق کار سے فرقہ وارانہ جذبات کو تقویت پہنچے گی۔

مرکز میں مسلمانوں نے اپنے لئے ایک تہائی نشستوں پر زور دیا تھا۔ نہرو رپورٹ نے اس کی بجائے ایک چوتھائی کی سفارش کی۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کے مطالبے کو بھی سرد خانے میں ڈالنے کی سعی کی گئی۔ مختصر یہ ہے کہ مسلم زعماء اور بالخصوص قائداعظم کی شبانہ روز دوڑ دھوپ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو مفاہمت کی فضا پیدا ہوئی تھی اور جس کا مظاہرہ ۱۹۱۶ء کے معاہدۂ لکھنؤ میں ہوا تھا وہ بارہ برس بعد نہرو رپورٹ نے ملیا میٹ کر دی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی مفاہمت کی طویل اور تلخ تاریخ میں ایسا ایک بار نہیں بار بار ہوا کہ بعض دیش بھگتوں کی مدد سے اگر آشتی اور مفاہمت میں یہ قومیں دو قدم آگے بڑھیں تو بعض تنگ نظر ہندو رہنماؤں کی مہربانیوں سے کچھ عرصہ بعد چار قدم انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔

نہرو رپورٹ پر مسلمانوں کا مجموعی ردعمل ایسا شدید تھا کہ کانگریس کے رہنماؤں نے اسے فقط کانگریس کے اجلاس میں منظور کرنا مناسب خیال نہ کیا بلکہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ میں ایک آل پارٹیز کنونشن بلانے کا فیصلہ کیا جس میں قائداعظم نے بھی شرکت کی اور نہرو رپورٹ میں اپنی طرف سے بعض نہایت اہم ترمیمیں پیش کیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے ایک تہائی نشستیں مخصوص کی جائیں۔

۲۔ بنگال اور پنجاب میں آبادی کی بنا پر مختلف فرقوں کو نمائندگی کی جائے۔

۳۔ آئندہ دستور وفاقی ہونا چاہیئے۔ مرکز کے اختیارات دستور میں درج ہوں اور باقی ماندہ اختیارات صوبوں کے سپرد کئے جائیں۔

۴۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے اور بلوچستان اور سرحد میں اصلاحات نافذ کرنے کا انحصار نہرو رپورٹ کی منظوری یا نامنظوری پر نہ ہو بلکہ یہ اصلاحات بہرصورت نافذ کی جائیں اور سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے صوبے کا درجہ ملے۔

ان ترمیموں پر بڑی گرما گرم بحثیں ہوئیں اور نوبت تلخیوں تک پہنچی، ہندو مہاسبھا کے جے کار نے نہ صرف ان ترمیموں کی شدید مخالفت کی بلکہ قائداعظم کی ذات کو ہدف تنقید بنایا اور کہا: "کانگریس کے لاڈ پیار کی بدولت مسٹر جناح ایک بگڑے ہوئے ضدی بچے کی طرح ہیں"۔ جب مولانا محمد علی جوہر تقریر کرتے اٹھے اور انہوں نے نہرو رپورٹ سے اظہار اختلاف کئے تو بعض ہندو بین کے ان پر فقرے چست سئے۔ مولانا ناچار کانفرنس سے واک آؤٹ کر گئے۔!!

یہ واقعہ اور ہندو ذہن کا یہ طرزِ عمل مسلمانوں کے لئے بالعموم اور قائداعظم کے لئے بالخصوص صدمے کا باعث ہوا۔ ان کی عمر بھر کی کوششوں پر پانی پھر گئے اور جو خواب وہ برسوں سے دیکھتے آئے تھے اور جس کے لئے انہوں نے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا، اب وہ خواب بری طرح بکھر گیا تھا اور اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کے امکانات معدوم نظر آتے تھے۔ تاہم قائداعظم نے ہار نا سیکھا نہ تھا۔ اس صدمے سے ذرا سنبھلے تو انہوں مسلمانوں کی صفوں کو پھر سے سیدھا کرنے کی کوشش کی اور مارچ ۱۹۲۹ء کے آخری ہفتے میں دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس بلا کر مسلمانوں کے حقوق کے تسلی بخش تحفظ کی خاطر وہ قرارداد منظور کی جسے 'جناح کے چودہ نکات'، کہا جا سکتا ہے۔ یہ نکات یوں ہیں:

۱۔ ملک کا آئندہ دستور وفاقی ہوگا۔ باقی ماندہ اختیارات RESIDUARY POWER صوبوں کے سپرد ہوں گے۔

۲۔ ہندوستان کے تمام صوبوں کو بلا کسی استثنا خود مختاری حاصل ہوگی۔

۳۔ ملک کے قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں کی تشکیل یوں ہوگی کہ ہر صوبے کی اقلیت کو مؤثر نمائندگی حاصل رہے مگر کسی اکثریت کو گھٹا کر اقلیت نہ بنایا جائے۔

۴۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو ایک تہائی سے کم نمائندگی حاصل نہ ہوگی۔

۵۔ فرقوں کی نمائندگی جداگانہ طرزِ انتخاب کی بنیاد پر ہوگی تاہم اگر کوئی قوم اس حق سے دستبردار ہونا چاہیے تو وہ ہو سکتی ہے۔

۶۔ ہندوستانی صوبوں کی حدود میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کی جائے جس کا اثر صوبہ سرحد، پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریتوں پر پڑے۔

۷۔ تمام ملتوں کو مذہبی آزادی، تنظیم و اجتماع کی آزادی، عبادات و رسوم کی آزادی اور تعلیم و تبلیغ کی آزادی حاصل ہوگی۔

۸۔ کوئی مسودۂ قانون یا قرارداد کسی مجلس قانون ساز میں منظور نہیں ہو سکے گی اگر کسی قوم کے منتخب نمائندوں کی تین چوتھائی اسے اپنے قومی مفاد کے خلاف قرار دے۔

۹۔ سندھ کو بمبئی سے الگ کرکے علیحدہ صوبہ بنا یا جائے۔

۱۰۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات نافذ کی جائیں۔

۱۱۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں اور عہدوں میں مناسب حصہ دیا جائے۔

۱۲۔ دستور میں ایسے کافی تحفظات کا اہتمام کیا جائے جن کی وجہ سے اسلامی ثقافت کی ترقی اور مسلمانوں کی تعلیم و زبان اور پرسنل لا اور اسلامی اداروں کا فروغ ممکن ہو۔

۱۳۔ کسی وزارت میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

۱۴۔ مرکزی قانون ساز اسمبلی دستور میں اس وقت تک ترمیم نہیں کر سکتا جب تک وفاق کی تمام اکائیاں اس کی منظوری نہ دے دیں۔

اس مرحلے پر رُک کر آل انڈیا مسلم لیگ کی صورتِ حال پر ذرا غور کر لینا چاہیے جن سالوں میں خلافت کا مسئلہ زوروں پر تھا مسلم لیگ قریب قریب غیر مؤثر ہو کر رہ گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کئی برس اس کے سالانہ اجلاس تک منعقد نہ ہوئے البتہ ۱۹۲۴ء کے بعد

کے لیگ میں پھر کچھ جان پیدا ہونا شروع ہوئی اور ۲۶-۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۷ء میں اس کے بالترتیب علی گڑھ، دہلی اور مدراس میں اجلاس ہوئے۔ تاہم ۱۹۲۷ء میں مسلم لیگ سائمن کمیشن کے مسئلے پر دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی مگر نہرو رپورٹ کے بعد جو صورتِ حال ابھری اس میں یہ دونوں دھڑے پھر ایک ہو گئے اور ۱۹۲۹ء میں (جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے) قائداعظم اور شفیع گروپ نے مل کر چودہ نکات کا فارمولا مرتب کیا۔

۱۹۳۰ء کا سال کئی اعتبار سے اہم ہے۔ اس سال سائمن کمیشن رپورٹ شائع ہوئی۔ علامہ اقبال نے الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں تقسیم ہند اور ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا اور حکومت برطانیہ نے ہندوستان کی سیاسی گتھی اور ہندو مسلم مسئلہ حل کرنے کے لئے لندن میں گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا۔ تاہم مسلم لیگ کے نقطۂ نظر سے سائمن کمیشن اور گول میز کانفرنس سے اہم تر بلکہ فیصلہ کن واقعہ علامہ اقبال کا خطبۂ صدارت ہے جس میں انہوں نے بڑی ژرف نگاہی اور بالغ نظری سے نہ صرف ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال سے بحث کی ہے بلکہ عالمی پس منظر میں یورپ اور اسلام کے ماضی اور مستقبل کا تجزیہ کر کے ہندوستانی مسئلے کا دو ٹوک حل تجویز کیا ہے۔ یہ خطبہ جو فلسفۂ مذہب، تاریخ اور سیاست میں غیر معمولی بصیرت کا آئینہ دار ہے اس قدر اہم ہے کہ اس کے بعض حصوں کا مطالعہ یہاں ناگزیر ہے۔ اگرچہ یہ ایک طویل اقتباس ہے مگر سیاست فہمی کے لئے حتیٰ کہ آج کے پاکستان کے پیچیدہ مسائل کو سمجھنے کے لئے اس کا بغور مطالعہ کئے بغیر چارۂ کار نہیں۔ الہ آباد کے عظیم خطبۂ صدارت کے بعض حصے:

"یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بحیثیت ایک اخلاقی نصب العین اور نظامِ سیاست کے اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزوِ ترکیبی تھا جس سے مسلمانانِ ہند کی تاریخِ حیات متاثر ہوئی۔ اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور

ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دارومدار ہے اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک متمیز و معیّن قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان کے اندر ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی جماعت اسلامی کی ترکیب صرف اسلام ہی کی رہین منت ہے۔ کیونکہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی رُوح کارفرما ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قوانین و اردات کی شرمندۂ احسان ہے جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ہیں۔ لیکن اس وقت مغرب کے سیاسی افکار نے نہایت تیزی کے ساتھ نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر تمام دنیائے اسلام میں انقلاب پیدا کر رکھا ہے۔ نوجوان مسلمانوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ ان افکار کو اپنی زندگی کا جزو بنالیں۔ انہوں نے اس امر پر مطلق غور نہیں کیا کہ وہ کونسے اسباب تھے جن کے ماتحت ان افکار نے مغرب میں نشوونما پائی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ سرزمین مغرب میں مسیحیت کا وجود محض ایک رہبائی نظام کی حیثیت رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس سے کلیسا کی ایک وسیع حکومت قائم ہوئی۔ لوتھر کا احتجاج دراصل اسی کلیسائی حکومت کے خلاف تھا۔ اس کو دنیوی نظام سیاست سے کوئی بحث نہیں تھی، کیونکہ اس قسم کا نظام سیاست مسیحیت میں موجود نہیں تھا۔ غور سے دیکھا جائے تو لوتھر کی بغاوت ہر طرح سے حق بجانب تھی۔ اگرچہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ خود لوتھر کو بھی اِس امر کا احساس نہ تھا کہ جن مخصوص حالات کے ماتحت اس کی تحریک کا آغاز ہوا ہے اِس کا نتیجہ بالآخر یہ ہو گا کہ مسیح علیہ السلام کے عالمگیر نظام اخلاق کی بجائے مغرب میں ہر طرف بے شمار ایسے اخلاقی نظام پیدا ہو جائیں گے جو خاص خاص قوموں سے متعلق ہوں گے۔ اور لہٰذا اُن کا حلقہ اثر بالکل محدود رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس

ذہنی تحریک کا آغاز لوتھر اور روسو کی ذات سے ہوا اُس نے مسیحی دنیا کی وحدت کو توڑ کر اسے ایک ایسی غیر مربوط اور منتشر کثرت میں تقسیم کر دیا جس سے اہلِ مغرب کی نگاہیں اس عالمگیر مطمحِ نظر سے ہٹ کر جو تمام نوعِ انسانی سے متعلق تھا، اقوام و ملل کی تنگ حدود میں اُلجھ گئیں، اس نئے تخیلِ حیات کے لئے انہیں ایک کہیں زیادہ واقعی اور مرئی احساس مثلاً تصوّرِ وطنیت کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا اظہار بالآخر ان سیاسی نظامات کی شکل میں ہوا جنہوں نے جذبۂ قومیت کے ماتحت پرورش پائی یعنی جن کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ سیاسی اتحاد و اتفاق کا وجود عقیدۂ وطنیت ہی کے ماتحت ممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مذہب کا تصور یہی ہے کہ اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے اور انسان کی دنیوی زندگی سے اسے کوئی سروکار نہیں تو جو انقلاب مسیحی دنیا میں رونما ہوا ہے وہ ایک طبعی امر تھا مسیح علیہ السلام کا عالمگیر نظامِ اخلاق نیست و نابود ہو چکا ہے اور اُس کی جگہ اخلاقیات و سیاسات کے قومی نظامات نے لے لی ہے۔ اس سے اہلِ مغرب بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مذہب کا معاملہ ہر فرد کی اپنی ذات تک محدود ہے، اسے دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اسلام کے نزدیک ذاتِ انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے، وہ مادے اور رُوح کی کسی ناقابلِ اتحاد ثنویت کا قائل نہیں۔ مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات کلیسا اور ریاست اور روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزا ہیں۔ انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں جس کو اسے ایک روحانی دنیا کی خاطر جو کسی دوسری جگہ واقع ہے ترک کر دینا چاہیئے۔ اسلام کے نزدیک مادہ رُوح کی اس شکل کا نام ہے جس کا اظہار قیدِ مکانی و زمانی میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب نے مادے اور رُوح کی ثنویت کا عقیدہ بلا کسی غور و فکر کے مانویت کے زیرِ اثر قبول کر لیا ہے۔ اگرچہ آج اس کے بہترین اربابِ فکر اپنی اس ابتدائی غلطی کو محسوس کر رہے ہیں مگر سیاست دانوں

کا طبقہ ایک طرح سے اب بھی مصر ہے کہ دنیا اس اصول کو ایک ناقابل انکار حقیقت کے طور پر تسلیم کرلے۔ دراصل یہ روحانی اور دنیوی زندگی کا غلط امتیاز ہے جس سے مغرب کے سیاسی اور مذہبی افکار بیشتر طور پر متاثر ہوئے ہیں اور جس سے یورپ کی مسیحائی ریاستوں نے عملاً مذہب سے کلیتہً علیحدگی اختیار کرلی ہے اس سے چند متفرق اور بے ربط سلطنتیں قائم ہوگئی ہیں۔ جن پر کسی انسانی جذبے کی بجائے قومی اغراض کی حکمرانی ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ آج یہی سلطنتیں ہیں جو مسیحیت کے اخلاقی اور مذہبی عقاید کی پامالی کے بعد ایک متحدہ یورپ کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ بالفاظ دیگر ان کو ایسے اتحاد کی ضرورت کا احساس ہو چلا ہے جو کلیسا کے ماتحت انہیں حاصل تو تھا لیکن جس کو اخوت انسانی کے اِس عالمگیر تصور کی روشنی میں تعمیر کرنے کی بجائے جو مسیح علیہ السلام کے دل میں موجود تھا۔ انہوں نے لوتھر کے زیر اثر تباہ و برباد کردیا۔ بہرحال دنیائے اسلام میں کسی لوتھر کا ظہور ممکن نہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں کلیسا کا کوئی ایسا نظام موجود نہیں جو ازمنہ متوسط کے مسیحی نظام سے مشابہ ہو اور لہٰذا جس کے توڑنے کی ضرورت پیش آئے۔ دنیائے اسلام کے پیش نظر ایک ایسا عالمگیر نظام سیاست ہے جس کی اساس وحی و تنزیل پر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ چونکہ ہمارے فقہا کو ایک عرصۂ دراز سے عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہا اور وہ عہد جدید کی داعیات سے بالکل بیگانہ ہیں، لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اس میں از سرِ نو قوت پیدا کرنے کے لئے اس کی ترکیب و تعمیر کی طرف متوجہ ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بالآخر تصور قومیت کا انجام ملت اسلامیہ میں کیا ہوگا۔ آیا اسلام اس تصور کو اپنے اندر جذب کرکے اس کو اس طرح بدل دیگا جس طرح اس سے پیشتر اس نے اس سے بالکل مختلف تصورات کی ترکیب و نوعیت کو ہمہ تن بدل دیا تھا۔ یا یہ کہ خود اسلام کے اندر کوئی زبردست تغیر رونما ہوجائے گا۔ کچھ روز ہوئے پروفیسر ونسنک نے مجھے لیڈن (ہالینڈ) سے اپنے ایک خط میں لکھا

تھا کہ اسلام نے اس وقت اس نازک دور میں قدم رکھا ہے جس میں داخل ہوئے مسیحیت کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس وقت سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بہت سے قدیم تصورات کو ترک کر دینے کے باوجود مذہب کی بنیادوں کو تزلزل و انتشار سے محفوظ رکھنے کی صورت کیا ہے۔ پروفیسر موصوف کہتے ہیں کہ ابھی تو وہ اسی امر کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس کا نتیجہ مسیحیت کے حق میں کیا ہوگا۔ اسلام کے متعلق کوئی پیشین گوئی کرنا اور بھی ناممکن ہے۔ اس وقت قوم و وطن کے تصور نے مسلمانوں کی نگاہوں کو نسل و خون کے امتیاز میں اُلجھا رکھا ہے۔ اور اسی طرح اسلام کے انسانیت پرور مقاصد میں عملاً حارج ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نسلی احساسات ترقی کرتے کرتے ان اصول و قواعد کے محرک ہوں جو تعلیمات اسلامی کے بالکل مخالف ہی نہیں بلکہ ان سے بالکل متضاد ہوں۔

مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اس خالص علمی بحث کے لئے مجھے معاف فرمائیں گے لیکن آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس امر سے مایوس نہیں ہو گیا ہے کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے، جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور جسے یقین ہے کہ اسلام کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ جس معاملہ پر غور کرے اپنے نقطۂ نظر کے ماتحت کرے۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیے گا کہ جس مسئلہ کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ محض نظری حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک زندہ اور عملی سوال ہے۔ جس سے بطور ایک دستور حیات اور نظام عمل کے اسلام کی ساری کائنات متاثر ہو سکتی ہے۔ صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس کے صحیح حل پر اس امر کا دارومدار ہے کہ ہم لوگ آگے چل کر ہندوستان میں

ایک ممتاز اور متمیز تہذیب کے حامل بن سکیں۔ اسلام پر ابتلا و آزمائش کا کبھی ایسا سخت وقت نہیں آیا جیسا کہ آج درپیش ہے۔ ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بنیادی اصولوں کی ترمیم و تاویل کرے یا ان کو یک قلم منسوخ کر دے۔ لیکن اس قسم کا قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کیا ہوں گے

میں نہیں چاہتا کہ جس انداز سے میں نے اس مسئلہ پر نظر ڈالی ہے اس سے کسی شخص کو یہ غلط فہمی ہو کہ جن حضرات کو میرے خیالات سے اتفاق نہیں ہے میں ان سے بیکار مناقشت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہوں۔ یہ اجتماع مسلمانوں کا ہے جن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے مقاصد اور اس کی تعلیمات پر قائم رہنے کے دل سے آرزومند ہیں۔ میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ موجودہ حالات کے متعلق میں نے جو رائے قائم کی ہے اس کا آزادی کے ساتھ اظہار کر دوں۔ میرے نزدیک صرف یہی ایک صورت ہے اس امر کی کہ میں آپ کی سیاسی راہوں کو اپنے عقائد کی روشنی میں منور کر سکوں۔

سوال یہ ہے کہ آج جو مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے اس کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے اور آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی بجائے ان قومی نظامات کو اختیار کر لیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا؟ ہندوستان میں یہ سوال اور بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ باعتبار آبادی ہم لوگ اقلیت میں ہیں۔ یہ دعویٰ کہ مذہبی واردات محض انفرادی اور ذاتی واردات ہیں اہل مغرب کی زبان سے تو تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یورپ کے نزدیک مسیحیت کا تصور ہی یہی تھا کہ وہ ایک مشرب رہبانیت ہے جس

نے دنیائے مادیات سے منہ موڑ کر اپنی تمام تر توجہ عالم روحانیت پر جما لی ہے اس قسم کے عقیدے سے لازماً وہی نتیجہ مترتب ہو سکتا تھا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن آنحضرت کے واردات مذہب کی حیثیت، جیسا کہ قرآن پاک میں ان کا اظہار ہوا ہے اس سے قطعاً مختلف ہیں یہ محض حیاتی نوع کی واردات نہیں ہیں جن کا تعلق صرف صاحب واردات کے اندرون ذات سے ہو لیکن اس کے باہر اس کے گرد و پیش کی معاشرت پر ان کا کوئی اثر نہ پڑے۔ برعکس اس کے یہ وہ انفرادی واردات ہیں جن سے بڑے بڑے اجتماعی نظامات کی تخلیق ہوتی ہے اور جن کے اولین نتیجے سے ایک ایسے نظام سیاست کی تاسیس ہوئی جس کے اندر قانونی تصورات مضمر تھے اور جن کی اہمیت کو محض اس لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی بنیا د وحی والہام پر ہے لہٰذا اسلام کے مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے الگ نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہو گا۔ جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اسلام کے اصول و استحاد کے منافی ہو، یہ وہ مسئلہ ہے جو آج مسلمانان ہندوستان کے سامنے ہے۔ مشہور فرانسیسی عالم رینان کا قول ہے کہ انسان نہ نسل کی قید گوارا کر سکتا ہے نہ مذہب کی، نہ دریاؤں کا بہاؤ اس کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے نہ پہاڑوں کی سمتیں اس کے دائرے کو محدود کر سکتی ہیں۔ اگر صحیح الدماغ انسانوں کا زبردست اجتماع موجود ہے اور اُن کے دلوں میں جذبات کی گرمی ہے تو انہیں کے اندر وہ اخلاقی شعور پیدا ہو جائے گا جسے ہم لفظ" قوم" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مجھے اس قسم کی ترکیبِ اجتماع سے انکار نہیں اگرچہ یہ ایک نہایت ہی طویل اور صبر آزما عمل ہے۔ اس لئے کہ اس کا مطلب انسان کی زندگی کو عملاً ایک نئے سانچے میں ڈھالنا ہے اور اس کے جذبات و احساسات کی

دنیا کو یکسر پلٹ دینا ہے۔ اگر اکبرؔ کے دین الٰہی یا کبیرؔ کی تعلیمات عوام الناس میں مقبول ہوجاتیں تو ممکن تھا کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی ایک نئی قوم پیدا ہو جاتی لیکن تجربہ بتلاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور متعدد جاتیوں میں اس قسم کا کوئی رجحان موجود نہیں کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کرکے ایک وسیع جماعت کی صورت اختیار کرلیں۔ ہر گروہ اور ہر مجموعہ مضطرب ہے کہ اس کی ہئیت اجتماعیہ قائم رہے۔ لہٰذا اس قسم کا اخلاقی شعور جو ریناؔن کے لئے کسی قوم کی تخلیق کے لئے ناگزیر ہے ایک ایسی عظیم قربانی کا طالب ہے جس کے لئے ہندوستان میں کوئی جماعت تیار نہیں۔ قومیت ہند کا اتحاد ان تمام جماعتوں کی نفی میں نہیں۔ بلکہ ان کے تعاون واشتراک اور ہم آہنگی پر مبنی ہے۔ صحیح تدبر کا تقاضا ہے کہ ہم حقائق کا، خواہ وہ کیسے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں، اعتراف کریں۔ حصول مقاصد کی عملی راہ یہ نہیں ہے کہ ایک ایسی حالت کو فرض کرلیا جائے جو واقعتہً موجود نہ ہو ہمارا طریق کار یہ ہونا چاہیئے کہ ہم واقعات کی تکذیب کی بجائے ان سے جہاں تک ہو سکے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ میری رائے میں ہندوستان اور ایشیا کی قسمت صرف اس بات پر مبنی ہے کہ ہم قومیّت ہند کا اتحاد اسی اصول پر قائم کریں۔ اگر ہم ہندوستان کو چھوٹا سا ایشیا قرار دیں تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ اہل ہند کا ایک حصّہ اپنی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے مشرقی اقوام سے مشابہ ہے لیکن اس کا دوسرا حصہ ان قوموں سے ملتا جلتا ہے جو مغربی اور وسطی ایشیا میں آباد ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کے اندر اشتراک و تعاون کی کوئی موثر راہ نکل آئی تو اس سے نہ صرف اس قدیم ملک میں، جو اپنے باشندوں کی کسی طبعی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی جغرافی حیثیت کے باعث ایک عرصہ دراز سے مصائب و فتن کا تختۂ مشق بن رہا ہے، صلح و آشتی قائم ہو جائے گی۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی تمام ایشیا کا سیاسی عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

بایں ہمہ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ اب تک ہم نے باہمی تعاون واشتراک کی جس قدر

کوششیں کی ہیں، سب ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہماری ناکامی کا باعث کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید ہمیں ایک دوسرے کی نیتوں پر اعتماد نہیں اور باطناً ہم تغلب و اقتدار کے خواہش مند ہیں۔ یا یہ ممکن ہے کہ ہم اتحاد و تعاون کے مقاصد عالیہ کے لئے اتنا ایثار بھی نہیں کر سکتے کہ اب تک جو اجارات ہمیں کسی نہ کسی طرح حاصل ہو گئے ہیں، اُن سے دست بردار ہو جائیں۔ ہم اپنی نفسانیت کو قومیت کے نقاب میں چھپاتے ہیں اور اگرچہ ظاہری طور پر ہمیں ایک نہایت ہی روادارانہ حب الوطنی کا ادعا ہے، لیکن دلوں میں ذات پات کی تنگی اور فرقہ آرائی کی ہوس بدستور کام کر رہی ہے۔ ہم لوگ اس اصول کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیب و تمدن کے نشوونما میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائے۔ لیکن ہماری ناکامی کے اسباب کچھ بھی ہوں میرا دل اب بھی امید سے لبریز ہے۔ واقعات کا رجحان بہرکیف ہمارے داخلی اتحاد اور اندرونی آہنگی ہی کی جانب نظر آتا ہے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ مجھے یہ اعلان کرنے میں مطلق تامل نہیں اگر فرقہ وارانہ امور کے ایک مستقل اور پائدار تصفیہ کے اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا جاوے کہ مسلمانان ہندوستان کو اپنی روایات و تمدن کے ماتحت اس ملک میں آزادانہ نشوونما کا حق حاصل ہے تو وہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ یہ اصول کہ ہر فرد اور ہر جماعت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے عقائد کے مطابق آزادانہ ترقی کرے، کسی تنگ نظر فرقہ داری پر مبنی نہیں۔ فرقہ داری کی بھی بہت سی صورتیں ہیں۔ وہ فرقہ داری جو دوسری قوموں سے نفرت اور اُن کی بدخواہی کی تعلیم دے، اس کے ذلیل اور ادنٰے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میں دوسری قوموں کے رسوم و قوانین اور ان کے معاشرتی اور مذہبی ادارات کی دل سے عزت کرتا ہوں بلکہ بحیثیت مسلمان میرا یہ فرض ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو احکام قرآنی کے حسب اقتضا میں ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت

کروں، بایں ہمہ مجھے اس جماعت سے دلی محبت ہے جو میرے اوضاع واطوار اور میری زندگی کا سرچشمہ ہے اور جس نے اپنے دین اور اپنے ادب اپنی حکمت اور اپنے تمدن سے بہرہ مند کر کے مجھے وہ کچھ عطا کیا جس سے میری موجودہ زندگی کی تشکیل ہوئی۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ میرے ماضی نے از سر نو زندہ ہو کر مجھ میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ وہ اب بھی میری ذات میں سرگرم کار ہے۔"[1]

اس انتہائی فاضلانہ اور فلسفیانہ بحث کے پس منظر میں علامہ اقبال نے ہندو مسلم مسئلے کا جو حل تجویز کیا۔ اس نے دس برس بعد قرار داد پاکستان کی شکل اختیار کیا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو شاعر کا یہ خواب حقیقت بن گیا۔ اقبال کے الہامی الفاظ یوں ہیں:

"ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منتظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اراکین مجلس نے اسے اس بنا پر رد کر دیا کہ اس قسم کی کوئی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ اس قدر وسیع ہو گا کہ اس کا انتظام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بیشک اگر رقبہ کا لحاظ کیا جائے۔ تو اراکین مجلس کا یہ خیال صحیح ہے لیکن آبادی پر نظر کی جائے تو اس ریاست کے باشندوں کی تعداد اس وقت کے بعض ہندوستانی صوبوں سے بھی کم ہو گی۔"

---

[1] : تجاویز دہلی جن کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

مسلم لیگ اور جنوب ایشیاء کی سیاسی تاریخ میں لندن کی تین گول میز کانفرنس کا ذکر ضروری ہے۔ ان کانفرنسوں میں قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، سر آغا خان، سر محمد شفیع، مولانا فضل الحق اور بیگم شاہنواز وغیرہ نے شرکت کی۔ کانگریس کی طرف سے دوسری گول میز کانفرنس میں مسٹر گاندھی شریک ہوئے۔ ان کانفرنسوں میں ہندوستانی ریاستوں کے نمائندے اور ہندوستان کی دوسری اقلیتوں کے رہنماؤں کو بھی مدعو کیا گیا۔ حکومت برطانوی کی کوشش اور خواہش تھی کہ اور مسائل کے علاوہ ہندو مسلم بھی کسی طرح سلجھ جائے اور اس پیچیدہ مسئلے کو ہندو اور مسلمان رہنما باہمی افہام وتفہیم سے خود حل کریں۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال اور سر آغا خان ہر طریق سے سعی کی اور معقولیت کے ہر حربے کو آزمایا اور فہم وفراست کے ہر عنوان سے کام لیا مگر مسٹر گاندھی کی ضد اور ہٹ آڑے آئی۔ قائداعظم نے تو کانگریس کے آغاز ہی میں کر دیا تھا "مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ہندوؤں نے اس وقت جو رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ سراسر احمقانہ ہے۔" کانفرنس کے ابتدائی جلسوں میں جب اقلیتی امور کو زیر بحث لانے کی کوشش کی گئی تو گاندھی نے انہیں سننے سے انکار کر دیا اور مائل گفتگو ہوئے تو عجیب منطق سے کام لینے لگے۔ کہا کہ میں جناح کے چودہ نکات تسلیم کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ مسلمان ہندوستان کی دیگر اقلیتوں کا ساتھ دینا ترک کر دیں اور ان کے مطالبات کی حمایت نہ کریں یہ عجیب مطالبہ تھا۔ مسلمان جب خود اپنے لئے اکثریتی قوم سے تحفظ کی بات کرتے تھے تو وہ دوسری اقلیتوں کے اس حق سے بے تعلق کیونکر رہ سکتے تھے۔ گاندھی کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ کانگریس کو پورے ہندوستان کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت تسلیم کیا جائے۔ اس موقف کی تائید بھی مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے لئے خودکشی کے مترادف تھی۔ ہندو مسلم تعلقات میں کشیدگی کا سبب مسٹر گاندھی یہ بیان کرتے تھے کہ یہ پھوٹ انگریز حکمرانوں نے اپنے مفادات میں ڈال رکھی ہے ورنہ ہندوستان تو اسی دھرتی میں صدیوں

سے امن چین اور بھائی چارے کی فضا میں رہ رہے تھے۔ اب بھی جب انگریز چلے جائیں گے تو ہندو مسلم مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ جب پھوٹ ڈالنے والا نہیں رہے تو پھوٹ پھوٹ بھی نہیں رہے گی۔ مسلمانوں کے لئے اس طرز استدلال سے متفق ہونا بھی محال تھا۔ چنانچہ اس طرز عمل کی بدولت لندن کی تمام گول میز کانفرنسیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں مگر اس کا ایک فائدہ بھی ہوا کہ حکومت برطانوی کو قریب قریب ہر ہندوستانی قوم اور طبقے کے خیالات اور اُمنگوں سے براہ راست واقف ہونے کا موقع مل گیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب برطانوی حکومت نے اپنی طرف سے ہندوستان کے دستوری مسائل کے حل کی اسکیم نافذ کی تو اس میں مسلمانوں کے بنیادی مطالبات کو اس طرح نظر انداز نہیں کیا گیا تھا جس طرح کہ نہرو رپورٹ میں بلکہ ان کے بیشتر مطالبات نے تسلیم کرنے کی صورت نکل آئی تھی۔ اس ایوارڈ کی رُو سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ سکھ، عیسائی اور اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب کی رعایت دی گئی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے ایک تہائی نشستوں کا تعین ہوا، سندھ کو علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا اور مرکزی ملازمتوں میں مسلمانوں کا ایک چوتھائی حصہ منظور ہوا۔

لیکن اس تھوڑی سی دستوری کامیابی سے صورت حال میں چنداں فرق نہ آیا۔ دراصل مسلم لیگ متحد ہو جانے کے باوجود اب کوئی فعال اور پُرجوش جماعت نہیں تھی اور اس کے انتشار اور اضمحلال کا کوئی مداوا نظر نہیں آتا تھا۔ دوسری گول میز کانفرنس منعقدہ لندن (۱۹۳۱ء) کے نتائج سے قائداعظم اس قدر دل برداشتہ اور مایوس ہوئے کہ وہ لوٹ کر وطن واپس نہ آئے اور انہوں نے لندن ہی میں مقیم ہونے کا فیصلہ کر لیا اور انگلستان کی پریوی کونسل میں وکالت شروع کر دی لہذا ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۴ء کا زمانہ مسلم لیگ کی بے اثری کا دور تھا جسے دیکھ کر بعض مسلمانوں نے خط وکتابت کے ذریعے اور ملاقاتیں کر کے قائداعظم سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ خود عائد کردہ جلا وطنی کو ختم کر کے ہندوستان

لوٹ آئیں اور مسلم لیگ کی صدارت سنبھال کر مسلمانوں کی قیادت کے فرائض انجام دیں کہ ان کی عدم موجودگی میں کوئی اور شخصیت مسلمانوں میں ایسی نظر نہیں آتی جو ایسے نازک وقت میں ملت اسلامیہ ہند کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ قائداعظم سے اپیل کرنے والوں میں علامہ اقبال اور لیاقت علی خان شامل تھے۔ بالآخر قائداعظم ۱۹۳۴ء کو ہندوستان تشریف لے آئے اور انہوں نے سمت بُرد اور منزل ناآشنا کارواں کو سوئے منزل بلانے کا آغاز کیا۔

۱۹۳۴ء کے صوبائی الیکشن سر پر تھے اور مسلم لیگ بے سروسامانی کی حالت میں تھی۔ قائداعظمؒ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ملک کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لیا اور مسلم لیگ کو انتخابات کے لئے تیاریوں میں مصروف کر دیا۔

قائداعظم کی قیادت نے مسلم لیگ میں کیا جادو پھونکا، اس کا اندازہ دس برسوں کی محنت اور جدوجہد کے نتیجوں کو سامنے رکھ کر بآسانی کیا جا سکتا ہے اور یہی وہ محنت اور جدوجہد کی غیر معمولی کامیابی ہے جس نے بالآخر پاکستان کو ممکن اور پھر ایک زندہ حقیقت بنا یا۔ ایک الیکشن ۳۷-۱۹۳۶ء میں ہوئے اور دوسرے الیکشن ۱۹۴۶ء میں۔ ۳۷-۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کی حالت پتلی تھی اور اس کو کانگریس کے مقابلے میں معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور اس کی جیت کا تناسب بمشکل قابل ذکر تھا مگر دس برس بعد یعنی دس سالوں کی تنظیم اور اتحاد کی مسلم لیگی جدوجہد کے بعد ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی قابل فخر بھی تھی اور حیرت انگیز بھی اور اس قدر متاثر کن کہ اس کی چکاچوند میں انگریز اور کانگریس دونوں کی آنکھیں خیرہ نظر آتی ہیں اور دونوں کو آخر کار یہ تسلیم کرنا پڑا کہ آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور یہی جماعت مسلمانوں کے ارادوں اور امنگوں کی ترجمانی کا حق رکھتی ہے۔ ذیل کی دو جدولیں (چارٹ) مسلم تاریخ کے اس معجزے پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں:

انتخابات ۳۷-۱۹۳۶ء

نام صوبہ	کل نشستیں	کانگریس کی جیتی نشستیں	مسلمان نشستیں	مسلم لیگ کی جیتی نشستیں	دیگر مسلمان جماعتوں کی جیتی ہوئی نشستیں
بنگال	۲۵۰	۵۴	۱۱۷	۴۰	۷۷
پنجاب	۱۷۵	۱۸	۸۴	۱	۸۳
سندھ	۶۰	۷	۳۵	—	۳۵
سرحد	۵۰	۱۹	۳۶	—	۳۶
یوپی	۲۲۸	۱۳۴	۶۴	۲۷	۳۷
بمبئی	۱۷۵	۸۶	۲۹	۲۰	۹
مدراس	۲۱۵	۱۵۹	۲۸	۱۱	۱۷
بہار	۱۵۲	۹۸	۳۹	—	۳۹
اڑیسہ	۶۰	۳۶	۴	—	۴
سی پی	۱۱۲	۷۰	۱۴	—	۱۴
آسام	۱۰۸	۳۳	۳۴	۹	۲۵
میزان	۱۵۸۵	۷۱۴	۴۸۴	۱۰۸	۳۷۶

(نوٹ) پنجاب میں مسلم لیگ نے دو نشستیں جیتی تھیں لیکن انتخاب کے فوراً بعد لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والے رکن راجہ غضنفر علی خان نے جو بعد میں لیاقت کابینہ کے ممبر ہوئے مسلم لیگ چھوڑ کر یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ملک برکت علی پنجاب میں مسلم لیگ کے واحد رکن اسمبلی تھے۔

انتخابات ۱۹۴۶ء

	مسلم نشستیں	کامیاب مسلم لیگی امیدوار
پنجاب	۸۶	۷۵
بنگال	۱۱۹	۱۱۳
سندھ	۳۵	۲۸
سرحد	۳۸	۱۷
آسام	۳۴	۳۱
یوپی	۶۶	۵۴
بمبئی	۳۰	۳۰
مدراس	۲۹	۲۹
سی پی	۱۴	۱۳
اڑیسہ	۴	۴
بہار	۴۰	۳۴

(نوٹ) ۱۔ الیکشن کے بعد پنجاب میں چار مسلمان ارکان اسمبلی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اس طرح لیگی ارکان کی تعداد ۷۹ ہو گئی جبکہ کل مسلمان نشستیں ۸۶ تھیں۔

۲۔ صوبہ سی پی کے واحد غیر مسلم لیگی رکن نے بھی مسلم لیگ میں شمولیت حاصل کر لی۔

۳۔ سندھ میں دسمبر ۱۹۴۶ء میں دوبارہ انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے تمام مسلم نشستیں جیت لیں۔

۴۔ اس طرح مسلم لیگ نے ۴۹۵ مسلم نشستوں میں سے ۴۴۰ نشستیں حاصل کر لیں۔

ایک عرصے سے ہندوستان کی سیاست میں یہ جھگڑا چلا آتا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق کانگریس کو حاصل ہے یا مسلم لیگ کو ۱۹۴۶ء کے انتخابات نے اس مسئلے کو ہر قسم کے شک و شبہ کے بغیر صاف کر دیا کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی، اور مسلمانوں کی طرف سے بات کرنے کا اختیار فقط مسلم لیگ کو حاصل ہے۔ طاقت کی اس پوزیشن میں آکر قائد اعظم اس قابل ہوئے کہ انہوں نے انگریزوں اور ہندوؤں سے جو مکھی لڑی اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

۳۶ء سے ۴۶ء کا سفر اپنے اندر عبرت و بصیرت کے بے شمار پہلو رکھتا ہے اور اس دس سال میں متعدد ایسے اہم واقعات سے مسلم لیگ کو گزرنا پڑا جن سے راستے روشن ہوئے اور منزل قریب آئی۔ جولائی ۱۹۳۷ء سے نومبر ۱۹۳۹ء تک ہندوستان کے چھ صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں نے کام شروع کیا اور اس طرح کام کیا کہ قدم قدم پر مسلمانوں کے حقوق پامال ہوئے اور کوچہ کوچہ سے صدائے احتجاج بلند ہوئی اور جب سوا دو برس کی حکمرانی کے بعد کانگریس نے "ہندچھوڑدو" تحریک شروع کر کے وزارتوں سے استعفٰے دیئے تو مسلم لیگ نے ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو 'یوم نجات' منایا۔ مسلم لیگ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے کانگریس نے مسلمانوں کے ساتھ عوامی رابطہ کا ایک جال بچھایا کہ کانگریس براہ راست مسلمانوں تک جائے گی اور انہیں کانگریس میں شامل ہونے کی دعوت دے گی۔ اس اسکیم کی کامیابی کے ساتھ یہ توقع وابستہ تھی کہ اس طرح مسلمان مسلم لیگ کو چھوڑ دیں گے اور لیگ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور وہ اس قابل نہ رہے گی کہ کانگریس کے سامنے کھڑے ہو کر مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ مگر کانگریس اور پنڈت نہرو کی یہ چال بڑی طرح ناکام ہوئی اور عام مسلمانوں نے کانگریس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ کانگریسی وزارتوں نے اُردو کے مقابلے میں ہندی کو بڑھاوا دیا، مسلم بیزار نظم بندے ماترم کو

قومی ترانہ بنایا اور تعلیم کی ایک ایسی اسکیم نافذ کرنے کی کوشش کی جس کے تحت مسلمانوں کی تہذیبی اور ثقافتی انفرادیت خطرہ میں پڑ گئی تھی اس لئے کہ اس اسکیم پر ہندو تہذیب کی گہری چھاپ تھی۔ ملازمتوں اور کاروبار میں کانگریس وزارتوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کا یقین اور پختہ ہوگیا کہ ہندوؤں کے ساتھ ایک 'فرقے' اور 'قوم' کی حیثیت سے ان کا مستقبل غیر محفوظ اور تاریک ہے۔

کانگریس کی حکومتوں کا مزہ چکھنے کے بعد اور اُن حالات سے گزرنے پر جو کانگریسی وزارتوں کے دوران ملک اور مسلم لیگ کو پیش آئے، مسلم لیگ کے پاس اب ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔ اس کے لئے بس ایک ہی چارۂ کار باقی تھا اور وہ تھا علامہ اقبال کا تجویز کردہ راستہ جو تقسیم ہند سے گزر کر ایک آزاد مسلم ریاست کو جاتا تھا لہٰذا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں وہ قرارداد منظور کی جسے قرارداد لاہور (اور قراردادِ پاکستان) کہتے ہیں۔

۲

پاکستان بن جانے پر مسلم لیگ کے سامنے ایک کی بجائے دو ہدف تھے، حصول آزادی میں کامیابی نے ایک طرف ایک نوزائیدہ مملکت کو چلانے کی ذمہ داری لیگ پر ڈال دی تھی اور دوسری طرف مسلم لیگ اب "آل انڈیا" نہ رہ گئی تھی پاکستان میں اب اس کی تشکیل نو مطلوب تھی، چنانچہ تیرہ دسمبر ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا آخری اجلاس بلایا گیا اور طے پایا کہ مسلم لیگ کو دو علیحدہ تنظیموں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک وہ جو بھارت میں کام کرے اور دوسری پاکستان مسلم لیگ کہلائے اور پاکستان کی حکمران جماعت کے فرائض انجام دے۔

پہلی مشکل جو سامنے آئی یہ تھی کہ کیا مسلم لیگ کی قیادت اور مسلم لیگ کی حکومت کو الگ الگ رکھا جائے تاکہ پارٹی حکومت کی نگرانی کر سکے یا لیگ اور حکومت کو باہم یوں ملایا جائے کہ ملک میں دو متوازی ادارے کام کرتے نظر نہ آئیں۔ ہماری بدقسمتی سے دونوں انتظامات کا نتیجہ ایک سا نکلا۔ چودھری خلیق الزمان مسلم لیگ کے سربراہ ہوئے اور لیاقت علی خان وزیر اعظم بنے تو یہ گاڑی کے دو ہموار پہیے ثابت نہ ہوئے اور جب لیاقت علی خان کے ہاتھوں میں یہ دونوں عہدے اکٹھے ہوئے، گاڑی جب بھی پٹڑی سے اتر اتر گئی۔۔۔۔!۔۔۔۔ مرکز ہو یا صوبہ دراصل مسلم لیگ ہر جگہ بہت جلد دھڑوں کا شکار ہو گئی۔ مرکز میں لیاقت علی خان اور خلیق الزمان قدم ملا کر نہ چلے۔ پنجاب میں ممدوٹ اور دولتانہ کی چل نکلی۔ سرحد میں قیوم خان اور پیر آف مانکی شریف ٹکرا گئے۔ سندھ میں ایوب کھوڑو اور پیر الٰہی بخش میں ٹھن گئی اور مشرقی پاکستان میں بہت جلد ایسے حالات پیدا ہونے کہ مسلم لیگ کی ہوا اکھڑ گئی۔ ہر کوئی اقتدار کے پیچھے تھا۔ جسے دیکھو کرسی کی تمنا تھی مگر خدمت اور کام اور منصوبہ بندی اور بدلے ہوئے حالات میں نئی سوچ اور نئے انداز کا کسی کو خیال نہ تھا۔ اس صورت حال پر "مسلم لیگ کا دور حکومت" کے مصنف ڈاکٹر صفدر محمود کا سیدھا سادہ تبصرہ ملاحظہ ہو جس سے اختلاف ممکن نہیں۔

"مسلم لیگ کی عام حالت یہ تھی کہ وہ ایک ایسی پارٹی بن کر رہ گئی جس کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ وہ ایک ایسا کارواں تھا جس کی کوئی منزل نہ تھی اور نچلی سطحوں پر لیگ کے رہنما نہ دیانت دار تھے اور نہ ہی عوام میں مقبول چنانچہ مسلم لیگ کو توانا بنانے کی ضرورت تھی۔ لیکن کوئی بھی شخص اس تنظیم میں نئی روح پھونکنے کی اہلیت کا حامل نظر نہ آتا تھا۔"

قائداعظمؒ کی وفات (گیارہ ستمبر ۱۹۴۸ء) کے بعد یہ قافلہ لشتم پشتم منزل کی طرف

نہ سہی تاہم آگے پیچھے کچھ حرکت ضرور کر رہا اور مہاجرین کے مسائل اور نئی مملکت کی بے سروسامانی سے کسی حد تک نمٹ رہا تھا کہ سولہ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی کے ایک جلسے میں تقریر کا آغاز کرتے ہوئے لیاقت علی خان جاں بحق ہوئے۔ یہ ایک صاف اور بدیہی سازش تھی جس کی حقیقت آج تک نہ کھلی۔ بظاہر یہ ایک وزیراعظم کی اچانک موت تھی مگر نتیجے کے اعتبار سے یہ سانحہ نہایت دوررس ثابت ہوا جو دو وزیر راولپنڈی میں اس وقت موجود تھے۔ لیکن جلسے میں شرکت زحمت انہوں نے نہیں اٹھائی تھی، لیاقت علی خاں کی شہادت کے فوری بعد انہی کے درمیان میٹنگ ہوئی اور ان میں ایک یعنی غلام محمد وزیراعظم نامزد ہو گیا (دوسرا گورمانی تھا) تاہم خواجہ ناظم الدین نے ان دونوں کو اس پر راضی کر لیا کہ غلام محمد گورنر جنرل بن جائے اور وزارت عظمیٰ خواجہ ناظم الدین کے حصے میں آئے قتل وزیراعظم پر مملکت کے دو اعلیٰ ترین منصبوں پر یہ تقرر جس طرح عمل میں آیا، وہ انتہا درجے کے سازشی ماحول کا پتہ دیتا ہے جس میں نہ پارلیمنٹ شریک ہے نہ مسلم لیگ کی کونسل کا عمل دخل ہے اور نہ ہی کابینہ کو کچھ خبر ہے۔ فقط دو وزیر جن کے استعفوں کی منظوری کا اعلان متوقع تھا گورنر جنرل اور وزیراعظم کے عہدوں کا فیصلہ کرتے ہیں اور وہ ریڈیو اور پریس کے ذریعے نشر ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں ابتدائی چند سالوں میں مسلم لیگ کی ناکامی اور حکومت پاکستان کی نامقبولیت کا یہ نقطہ آغاز بھی تھا اور نقطہ عروج بھی، غلام محمد جیسا آدمی جس کا نہ کوئی سیاسی پس منظر تھا اور نہ کوئی نمائندہ حیثیت تھی، جب اقتدار کی سب سے اونچی مسند پر بیٹھ گیا تو جمہوریت، اصول پسندی اور سیاست گزاری جیسی کوئی شے ملک میں باقی نہ رہی،

نیا انتظام ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ غلام محمد اور ناظم الدین میں ٹھن گئی۔ چنانچہ غلام محمد نے فوج کے سربراہ محمد ایوب خان کو اعتماد میں لے کر سترہ اپریل ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کر دیا اور جب تازہ انتظام بھی اسے راس نہ

آیا تو چوبیس اکتوبر ۱۹۵۴ء کو دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ یہ معاملہ بعد میں مولوی تمیزالدین کیس کے عنوان سے اعلیٰ عدالتوں میں زیرِ بحث رہا لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح ڈیڑھ سال قبل مسلم لیگی ارکانِ اسمبلی نے اپنے اعتماد سے بہرہ مند وزیرِ اعظم کی غیر جمہوری برطرفی پر ضمیر کی کوئی خلش محسوس نہ کی تھی، اس طرح اکثر سرکردہ مسلم لیگی لیڈروں نے گورنر جنرل کے اس بے جواز اقدام پر بھی احتجاج کی بجائے اسے مناسب اور ضروری اور مفید کارروائی قرار دیا۔ اس خود غرضانہ کوتاہ اندیشی نے پاکستان میں مسلم لیگ کے زوال پر مہرِ توثیق ثبت کر دی۔ دستور ساز اسمبلی توڑے جانے کے بعد محمد علی بوگرہ نے جو وزارت بنائی اس میں فوج کے سربراہ محمد ایوب خان کو وزیرِ دفاع کے طور پر شامل کیا گیا۔ غلام محمد کی جمہوریت کش اور ملک دشمن کارروائیوں کے علاوہ ایوب خان کا کابینہ میں شامل ہونا وہ دوسرا موڑ تھا جہاں سے قومی زندگی کا رُخ جمہوریت سے پلٹ کر آمریت کی طرف پھر گیا۔

مرکز سے صوبوں کی طرف آیئے تو جو مناظر سامنے آتے ہیں وہ اور زیادہ دلخراش اور تکلیف دہ ہیں۔ پنجاب ڈرامے کے کرداروں میں نواب افتخار حسین ممدوٹ، میاں ممتاز دولتانہ، ملک فیروز خان نون اور میاں افتخار الدین نمایاں ہیں۔ سندھ میں ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ، پیر الٰہی بخش، یوسف ہارون اور میر غلام علی تالپور ہیں، سرحد میں خان قیوم خان، پیر صاحب مانکی شریف، یوسف خٹک اور غلام محمد خان لونڈخور بار بار سامنے آتے ہیں۔ پاکستان بن جانے پر مسلم لیگ کی قیادت اور مسلم لیگ کی حکومت کے سامنے ملکی دفاع، خارجہ پالیسی اور امن وامان کے علاوہ چار اہم ترین مسائل تھے۔ ۱۔مہاجرین کی آبادکاری ۲۔ زرعی اصلاحات ۳۔ آئین کی جلد تدوین ۴۔ سیاست و دین کے باہمی رشتے کا ایسا تعین جو پاکستان میں اسلامی قدروں کے فروغ کا باعث ہوتا اور ملک کے ایک جدید جمہوری ریاست بننے میں مدد دیتا۔ مسلم لیگ قریب قریب ان چاروں میدانوں میں سوائے

ناکامی کے اور کوئی کارگزاری نہ دکھا سکی۔ مہاجرین کی آبادکاری میں بے پناہ تاخیر ہوئی اور اس میں کوئی ترقی پسندانہ رویہ اور ضابطہ اختیار نہ کیا گیا حتیٰ کہ آبادکاری کے مسائل ایوب خان کے دس سالہ عہد میں بھی نمٹائے نہ گئے اور یحییٰ خان سے گزر کر بھٹو کے دور تک ان کی مشکلات باقی رہیں۔ اس ضمن میں ایک شخص اور اس کی مجوزہ پالیسی قابل ذکر ہے۔ میاں افتخارالدین کو پنجاب میں وزیر مہاجرین مقرر کیا گیا مگر ان کی پالیسی کو کابینہ کی منظوری حاصل نہ ہوئی۔ چنانچہ میاں افتخارالدین کے استعفیٰ کے بعد آبادکاری میں کرپشن، بددیانتی، رشوت ستانی، دھاندلی اور جعل سازی نے ایسی ایسی بلندیوں یا پستیوں کو چھوا کہ ان کی تفصیل سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ناجائز ذرائع سے کروڑوں نہیں اربوں کی جائیدادیں ہتھیالیں اور بعض حق دار سرے سے محروم رہے کہ وہ رشوت دے نہیں سکتے تھے یا رشوت کے قائل نہ تھے۔ آبادکاری کی کارروائیوں سے ہمارے قومی کردار میں ایسے زہریلے اثرات سرایئت کر گئے جن کا آج تک کوئی مداوا ممکن نہ ہوا۔

زرعی اصلاحات کا بیڑا اٹھایا گیا مگر بد دلی سے۔ مشرقی پاکستان میں زرعی اصلاحات جلد نافذ کر دی گئیں اس لئے کہ ان کی زد زیادہ تر ہندوؤں پر پڑتی تھی۔ اور اس بازو میں طاقت ور زمیندار لابی تھی بھی نہیں۔ مگر مغربی پاکستان میں زرعی اصلاحات کا نفاذ ایک سنگ دلانہ مذاق سے کم نہ تھا۔ ممتاز دولتانہ کا ایک کارنامہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے زرعی اصلاحات میں پہل کی اور مزارعین کے حقوق کی نگہداشت ملحوظ رکھی مگر یہ اصلاحات ناکافی تھیں اور ان کا نفاذ غیر موثر ثابت ہوا۔ "دولتانہ نے بقول میاں امیرالدین لیگی ممبران سے کہہ دیا تھا کہ منشور کی رو سے عوام کو قدرے خوش کرنا مقصود ہے۔ کسی سے بھی زمین لینا مقصود نہیں بل پاس کرا لیجئے۔ آپ کا کوئی زیاں نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔"
زرعی اصلاحات کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ ملک کے بڑے بڑے زمیندار جلد ہی

لیگ پر قابض ہو گئے اور حکومت میں ان کا اثر و رسوخ بڑھ گیا چنانچہ اپنے مفادات کے تحفظ میں انہوں نے ہر قسم کی زرعی اصلاحات کی مخالفت کی۔ بعض زمین دار تو اتنے بڑے تھے (آج بھی ہیں) کہ اسمبلیوں میں نشستوں کے لئے ان کے مزارعین کے ووٹ ہی ان کے لئے کافی تھے۔ "چنانچہ" پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس ناکامی کی بہت بڑی وجہ زمین داری نظام تھا۔ اس نظام کی بدولت عوام کے صحیح اور مخلص نمائندے منتخب نہ ہو سکے۔ اگر شروع ہی سے زرعی اصلاحات نافذ کر کے زمین داروں کا زور توڑ دیا جاتا تو شاید پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل اتنا تاریک نہ ہوتا۔"

اقتدار جوئی کی غیر مختتم کش مکش میں آئین سازی کا کام التوا میں پڑتا گیا جو ہماری تباہی کا دوسرا بڑا سبب بنا۔ اگر دو چار سال میں آئین منظور کر لیا جاتا تو قوم کو ایک دستور مل جاتا اور عوام کی سیاسی تربیت اور امور مملکت کا چلانا بڑی حد تک آسان ہو جاتا اور اختلاف کی وہ شدید صورتیں سامنے نہ آتیں جو بعد میں ظاہر ہوئیں جس کے منفی نتائج آج تک اس مملکت پر سایہ فگن ہیں۔

تاہم میرا ذاتی خیال ہے کہ سب سے نازک مسئلہ جو آج تک حل نہیں ہوا اور نہ اس کے حل ہونے کی امید نظر آتی ہے یہ ہے کہ پاکستان میں دین و سیاست کے باہمی رشتے کا تعین کیونکر ہو۔ ایک گروہ بلکہ بھاری گروہ بلکہ بھاری گروہ شریعت کے نفاذ کو اس مسئلے کا حل سمجھتا ہے۔ دوسرا طبقہ اسلامی قدروں کی سیاست و معاشرت اور معیشت میں ترویج کو اس مسئلے کا حل گردانتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ کون سا گروہ راستی و فلاح کے قریب تر ہے یہاں ضروری نہیں لیکن جو بات ضروری اور قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا جو آخری اجلاس ظہور پاکستان کے ٹھیک چار ماہ بعد چودہ دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی کے خالق دینا ہال میں منعقد ہوا، وہ اجلاس اس لحاظ سے بھی نہایت یادگار ہے کہ اس

میں قائد اعظمؒ نے بہ حیثیت صدر مسلم لیگ آخری مرتبہ شرکت فرمائی اور اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ ان کی صدارت و قیادت میں کونسل نے نوزائیدہ پاکستان کی آئینی منزل کی حتمی راہ کا تعین کیا اور ہمارے لئے راہ نما اصول (گائیڈ لائنز) کی نشاندہی کر دی۔ قرارداد کا کا متن حسب ذیل ہے۔

"کونسل اسلامیان پاکستان اور مملکت کے تمام دوسرے وفادار شہریوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس نوزائیدہ مملکت کی تعمیر و ترقی میں حتی الوسع زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ کم سے کم عرصہ میں اس مملکت کو معاشرتی انصاف پر مبنی ایک مثالی جمہوری مملکت کے طور پر دنیا میں باعزت مقام و مرتبہ حاصل ہو سکے۔ اور یہ مملکت اسلامی تعلیمات کے مطابق انسانی آزادی اور عالمی امن کی علم بردار بن سکے اور پاکستان ایک ایسا ملک بن سکے جو عسکری اعتبار سے مضبوط، اخلاقی اور مادی دولت سے مالا مال ہو اور جس میں تمام شہری مساوی حقوق سے بہرہ مند ہوں اور خوف، احتیاج اور جہالت سے مکمل طور پر آزاد ہوں"

اس قرارداد کو غور سے پڑھیئے پھر پڑھیئے اس میں مملکت کا معاشرتی انصاف پر مبنی ہونا قرار پایا ہے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق انسانی آزادی کو اور عالمی امن کی علمبرداری طے ہوئی ہے۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قرارداد کا ایک ایک لفظ بچا تلا، اہم اور غور طلب ہے اور اس کے لفظوں کے وہی معنی ہیں جو ان لفظوں کے ہیں۔

میری رائے میں قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد مسلم لیگ کے مسلسل اور مکمل زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مسلم لیگی رہنماؤں نے قائد اعظمؒ کی بصیرت سے منہ موڑ لیا اور اپنی مفاد پرستی، کوتاہی یا پست ہمتی سے وہ راستہ بھول گئے جو قائدؒ نے اپنی دور اندیشی، بالغ نظری اور ژرف نگاہی سے انہیں دکھایا تھا!.....!

مختصر یہ کہ پاکستان کے ابتدائی سات آٹھ سالوں کی داستان الم بڑی عبرت ناک

ہے۔ ان ابتدائی سالوں میں ہم نے نااہلی، خود غرضی، نفرت، جوڑ توڑ، رقابت اور ناعاقبت اندیشی کے جو بیج بوئے تھے، وہ دیکھتے ہی دیکھتے زہریلا پھل لے آئے مگر ہماری بدبختی دیکھئے کہ اس بیج کا پھل ہم آج بھی کھانے اور بھگتنے پر مجبور ہیں۔ قومی زندگی کی سرزمین ایک بار زہر آلود ہو جائے تو اسے زہر سے پاک کرنے کے لئے بسا اوقات نسلوں کی طوالت درکار ہوتی ہے۔ پاکستان مسلم لیگ نے جو کچھ اپنے دور اقتدار میں کیا، اس کئے کی سزا ہم نے ایوب خان، یحییٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کے ادوار میں بھگتی حتیٰ کہ ہم کٹ مر کر آدھے ہو گئے پر ہمارے جرم معاف نہ ہوئے۔ قوم پسندی، جمہوریت، احترام دستور و قانون اور باہم رواداری کے اصولوں سے ہم نے آغاز میں جو منہ موڑا تو ہم مفاد پرستی، خود غرضی، سازش، نفرت، بیزاری اور ناعاقبت اندیشی کی دلدل میں اترتے ہی چلے گئے۔ آج پھر مسلم لیگ کا دور دورہ ہے تو کیا یہ جماعت اپنے سابقہ گناہوں کا کفارہ ادا کر کے خود کو اور پاکستان کو سرخرو کر سکے گی؟ یہ سوال بہت سے ذہنوں میں اُٹھ سکتا ہے مگر پنجاب اور سندھ کے افق پر جو "جوئے خوں" رواں ہے، وہ بدقسمتی سے ممدوٹ، دولتانہ اور کھوڑو اور الٰہی بخش کی تلخ یادوں کو تازہ کر رہی ہے تو پھر کیا مسلم لیگ نے اپنی تاریخ اور ملک کی تباہی سے کچھ بھی نہ سیکھنے کا تہیہ کر رکھا ہے؟ کیا مسلم لیگ اپنے قائد اور اپنے محسن عظیم کا راستہ ہمیشہ کے لئے گم کر چکی ہے...؟

۳

تاہم پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ جناب محمد خان جونیجو وزیر اعظم پاکستان نے اپنی حکومت اور اپنی حکمران جماعت کے لئے جو پانچ نکاتی پروگرام دیا ہے، اگر اس پر دیانت داری اور اہلیت کے ساتھ عمل کیا گیا تو حالات میں نمایاں بہتری پیدا ہو سکتی ہے یہ نکات جن کا اعلان وزیر اعظم نے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء کو قوم سے خطاب کرتے

کیا تھا، حسب ذیل ہیں:

۱۔ پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر ایک مستحکم اسلامی جمہوری سیاسی نظام کا قیام

۲۔ منصفانہ بنیادوں پر ایک ایسے اقتصادی نظام کا فروغ جس سے بیروزگاری دور ہو اور عوام کی خوشحالی کو یقینی بنایا جا سکے۔

۳۔ ملک سے ناخواندگی دور کر کے قوم کو جدید سائنسی دور کے لئے تیار کرنا۔

۴۔ معاشرے سے رشوت، ناانصافی اور دوسری بدعنوانیاں ختم کرنا اور عوام کو احساس تحفظ اور انصاف فراہم کرنا۔

۵۔ مضبوط قومی دفاع، ایک غیر جانبدار اور متوازن خارجہ پالیسی کے ذریعے ملکی وقار اور سالمیت کا استحکام

یہ نکات خوش آئند ہیں، ضروری بھی اور جیسا میں نے ابھی کہا ہے اگر ان پر عمل کیا گیا تو حالات میں نمایاں بہتری پیدا ہو سکتی ہے مگر ان نکات کی تفصیلات بہت کم سامنے آئی ہیں اور یہ جاننا مشکل ہے کہ آخر ان کے حصول کا طریق کار کیا ہوگا۔ جماعت کا منشور بھی جو شامل کتاب کیا جا رہا ہے، اس گوشے پر چنداں روشنی نہیں ڈالتا۔ خوبصورت عزائم کا اظہار اپنی جگہ خواہ کیسا ہی جاذب توجہ ہو، ٹھوس عملی اقدام اور کامیابی کے لئے وہ راہ عمل واضح ہونی چاہیئے جس پر چل کر کامیابی کا حصول ممکن ہو۔ مثال کے طور پر بے روزگاری کا خاتمہ ضروری ہے مگر کیا موجودہ معاشی ڈھانچے میں ضروری تبدیلیوں کے بغیر بے روزگاری کے مسئلے سے نمٹا جا سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب منشور میں موجود نہیں۔ اس طرح رشوت ستانی کی لعنت ہے۔ کیا اس سے چھٹکارا پانا ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو کیا رشوت کی روک تھام اوپر سے شروع کی جائے یا حسب سابق نیچے سے؟ کیا اختیارات کا ارتکاز خود رشوت ستانی کے فروغ کا سبب نہیں؟ اگر ہے تو کیا اختیارات کو مختلف سطحوں پر بانٹنے کی کوئی صورت زیر غور ہے؟ ہر کوئی مانتا ہے کہ رشوت روز بروز

بڑھتی جا رہی ہے تو کیا اس کے خاتمے کے وہی طریقے اختیار کیے جائیں گے جن کا استعمال قطعی بے نتیجہ ثابت ہو چکا ہے ؛ عادلانہ معاشرہ قائم کرنا مقاصدِ پاکستان کی اہم کڑی ہے مگر کیا عادلانہ معاشرہ محض ہماری خواہش سے قائم ہو جائے گا ؛ ایک طرف جاگیرداری ہے دوسری طرف بے لگام سرمایہ داری جو صنعت و تجارت کے نام پر بے دریغ جاری ہے تو ان مفادات کو جوں کا توں رکھ کر ہم کسی عادلانہ معاشرہ کا سوچ بھی سکتے ہیں ؛ اگر ایسا ممکن نہیں تو مسلم لیگ کا منشور عادلانہ معاشرے کے قیام کے ضمن میں ان عناصر کا تو ذکر تک نہیں کرتا جن کی کایا پلٹ کے بغیر عادلانہ معاشرے کی کوئی صورت سامنے نہیں آ سکتی تو پھر عادلانہ معاشرے کی بات پروان کیونکر چڑھے گی ؟

پاکستان مسلم لیگ کا منشور شاملِ کتاب ہے لہٰذا قاری خود دیکھ سکتا ہے کہ حکمران جماعت کے عزائم کیا ہیں اور خود پرکھ سکتا ہے کہ ان عزائم کے حصول کا اگر کوئی طریقِ کار درج ہے تو وہ کس قدر قابلِ عمل ہے اور کیا حکمران جماعت نے تھوڑا بہت اس پر عمل بھی کیا ہے اور اگرچہ ڈیڑھ سال کی مدّت کوئی بڑی مدّت نہیں ہوتی تاہم کسی حکومت کے لئے اپنے عزائم کی عملی جھلک دکھانے کو اسے ایک معقول میعاد (اور معیار) قرار دیا جا سکتا ہے۔

(نوٹ) اس باب کے آخر میں جو اہم دستاویزات شاملِ کتاب کی جا رہی ہیں ، ان کی تفصیل یوں ہے۔ (۱) نواب وقار الملک کا خطبۂ صدارت جو آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس کے موقع پر پڑھا گیا اور جو مسلم لیگ کا اوّلین منشور و پروگرام تھا۔ (۲) نواب وقار الملک کا مضمون جداگانہ طرزِ انتخاب پر جس کی گونج نصف صدی تک سنی گئی۔ (۳) تقسیم بنگالہ کی تنسیخ پر نواب وقار الملک کا مضمون جس سے مسلمانوں کی سیاست نے پہلی کروٹ لی۔ (۴) پاکستان مسلم لیگ کا منشور، جاری کردہ مرکزی سیکرٹریٹ اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۶ء

نواب وقار الملک کا خطبۂ صدارت

(آل انڈیا مسلم لیگ کا اوّلین اجلاس ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء ڈھاکہ)

" آنریبل نواب خواجہ سلیم اللہ خان بہادر اور دیگر حضرات

آج جس غرض سے کہ ہم لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں وہ کوئی نئی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان میں جس وقت سے کہ انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد پڑی۔ اس وقت سے وہ ضرورت بھی پیدا ہوگئی تھی، یہاں تک کہ جناب سر سید مرحوم و مغفور نے جن کی عاقبت اندیشی اور عاقلانہ پالیسی کے مسلمان ہمیشہ مشکور و ممنون ہیں، نیشنل کانگرس کے بڑھتے ہوئے اثر سے متاثر ہو کر نہایت زور کے ساتھ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی بہتری اور اُن کی حفاظت اسی میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کانگرس میں شریک ہونے سے باز رکھیں اور یہ رائے اس قدر صائب تھی کہ گو جناب مرحوم آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی عام رائے اِس وقت تک وہی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے ہم کو اس بات کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے کہ مسلمان اپنے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت میں پیش از پیش اہتمام کریں۔

اب سے پانچ برس پہلے اکتوبر ۱۹۰۱ء میں مختلف صوبجات کے بعض مسلمان لکھنؤ میں جمع ہوئے اور کافی غور کے بعد انہوں نے یہ رائے قرار دی کہ اب وہ وقت آگیا ہے جو مسلمان اپنے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت کی غرض سے ایک علیحدہ

پولیٹیکل ایسوسی ایشن قائم کریں۔ چنانچہ یہ ایک صوبہ متحدہ آگرہ اودھ میں جہاں پہلے سے کوئی ایسی انجمن موجود نہ تھی جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرتی۔ مگر بنگالہ میں سنئے نئے واقعات پیش آئے۔ صوبہ بنگالہ کی جدید تقسیم سے جس قسم کا جوش کہ کانگریس کے داخلی وخارجی اثر میں پیدا ہوگیا، اس سے متاثر ہو کر اور یہ دیکھ کر گورنمنٹ اپنی قانونی کونسلوں میں توسیع کرنے والی ہے، گزشتہ اکتوبر میں مسلمان بحیثیت ایک ڈیپوٹیشن کی حضور وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ضروریات کو اور جو نقصانات کہ مسلمانوں کو بحیثیت قوم پہنچ رہے تھے اُن کو ادب کے ساتھ حضور ممدوح میں پیش کیا وہ تمام کارروائی بھی حضور ممدوح کے جواب کی عام طور پر اخباروں میں مشتہر ہو چکی ہے اُس موقع پر جو بزرگانِ قوم بحیثیت ممبران ڈیپوٹیشن شملہ میں جمع ہوئے تھے انہوں نے اس بات پر غور کرنے کے بعد کہ وہ کیا تدبیریں اختیار کی جاویں جن سے مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت کا انتظام مستقل طور سے ہو جاوے قرار دیا تھا کہ آخر دسمبر میں مختلف صوبوں کے ڈیلیگیٹ بمقام ڈھاکہ جمع ہو کر اس مسئلہ کا تصفیہ کریں۔ اُسی عرصہ میں نواب صاحب ڈھاکہ نے بھی ایک اسکیم اسی مسئلہ کے متعلق قوم کے غور اور توجہ کی غرض سے مشتہر کی۔ اور آج ہم سب یہاں اسی غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اس مسئلہ کو جو اب تک ملتوی رہتا چلا آیا ہے آئندہ کے واسطے جلد فیصل کریں۔

اور اب قبل اس کے کہ اس مسئلہ کے متعلق میں کسی عملی کارروائی کا ذکر کروں یہ کہنا ضرور چاہتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ کے عام اصول سلطنت چاہے کچھ ہوں اور برٹش نیشن کی لبرٹی اور انصاف پسندی چاہے رعایا کو کیسی ہی حقوق کا مستحق بناتی ہو، لیکن ہم لوگوں کو جو اپنی تاریخی روایتوں کو ابھی بھولے نہیں ہیں اور سلطنت و رعایا کے باہمی تعلقات سے بخوبی واقف ہیں۔ بطور ایک اصول کے یہ بخوبی سمجھ لینا چاہیئے کہ رعایا کے پولیٹیکل حقوق کا پودہ صرف وفاداری کی سرزمین میں نشوونما پا سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں

کو قبل اس کے کہ وہ اپنے کسی حق کا مطالبہ گورنمنٹ سے کریں، اپنی گورنمنٹ کا سچا وفادار گروہ ثابت کرنا چاہیئے۔

مسلمان ہندوستان میں اپنی دوسری ہمسایہ قوموں سے ایک خمس کے قریب ہیں اور اس لئے یہ ایک بہت صاف مضمون ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت برٹش حکومت ہندوستان میں قائم نہ رہے تو اُس وقت وہی قوم ملک پر حکمران ہوگی جو تعداد میں ہم سے چار حصہ زیادہ ہے اور اب صاحبو ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ اپنے دل میں اس بات پر غور کرے کہ اُس وقت ہماری حالت کیا ہو جاوے گی اس وقت ہماری حالت یہ ہوگی کہ ہماری جان ہمارا مال ہماری آبرو اور ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہوگا۔ آج جبکہ برٹش کی زبردست سلطنت اپنی رعایا کی محافظ ہے جس قسم کی مشکلات بسا اوقات ہم کو اپنے ہمسایہ دوستوں سے پیش آتی رہتی ہیں اس کی نظائر کم وبیش ہر صوبہ میں موجود ہیں۔ تو وائے اُس وقت پر جب کہ ہم کو اُن لوگوں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے جو اورنگ زیب کا بدلا صدہا برس بعد ہم سے لینا چاہتے ہوں اور اس خطرہ سے بچنے کے واسطے جب کہ خدانخواستہ وہ کسی وقت پیش آجاوے۔ دوسرا اور کوئی راستہ مسلمانوں کے پاس اس کے سوا نہ ہوگا کہ برٹش جھنڈے کے نیچے اور اس کی حفاظت میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو وقف کردیں۔ اور ہمارا ایسا کرنا کچھ برٹش لوگوں کے واسطے نہ ہوگا۔ لہذا جس وفاداری کا اظہار ہماری طرف سے اپنی گورنمنٹ کی نسبت اس وقت کیا جا رہا ہے اس کی بہترین ضمانت ہے کہ ہمارا خود نفع اُسی میں ہے۔ میں اخیر شخص ہوں گا اگر اپنے ہمسایوں کی نیت کی نسبت بدگمانی کروں۔ لیکن با اینہمہ میں اس واقعی امر کے کہنے میں مطلق پس وپیش کرنا نہیں چاہتا کہ اگر کانگرس کے لیڈروں نے اس دشمنی اور عداوت کے جوش کے فرو کرنے میں آئندہ جلد توجہ نہ کی جو اُن کے گروہوں میں اب روز بروز انگریزی حکومت اور انگریزی قوم کے برخلاف ترقی کے برخلاف ترقی پر ہے

تو یہ یقینی امر سمجھنا چاہیئے کہ یہ جو کچھ اب آج کل ہو رہا ہے اُس سے رعایا کے بڑے گروہ کے دلوں میں بغاوت کا بیج بویا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو برٹش فوج کے ساتھ اس بغاوت کے فرو کرنے کا نہایت ضروری فرض ایک نہ ایک دن ادا کرنا پڑے گا۔

البتہ ہمارا یہ فرض بھی ضروری ہے کہ جہاں تک ہمارا انفلوئنس کام دے وہاں تک ہم اپنے دوستوں کو غلط راستہ پر جانے سے روکیں اور بحیثیت ان کے ہمسایہ ہونے کے اُن کے ساتھ حُسنِ اخلاق سے پیش آویں اور اپنے حقوق و مقاصد کو محفوظ رکھ کر سوشل طور پر اُن کے ساتھ اپنی ہمدردی کو قائم رکھیں اور کسی معاندانہ برتاؤ سے ان کے ساتھ اجتناب کریں۔ نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم کو کانگرس اور اہل کانگرس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ نہ ان کی جملہ کارروائیوں سے ہم کو اختلاف ہی ہے۔ ہم اُن کی اس جدوجہد کے درحقیقت مشکور بھی ہیں جن سے ملک کو بعض وہ منافع پہونچے ہیں جن میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہیں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی ہم کانگرس کی کارروائی کے کسی حصّہ کو واجبی سمجھیں۔ ہم کو جو کچھ کانگرس سے اب اختلاف ہے یا آئندہ اختلاف ہوگا وہ تین قسم کے امور ہیں۔ اوّل اُن کے وہ مطالبات جن سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کو خطرہ ہو۔ دوم وہ امور جن سے ہمارے واجبی حقوق معرضِ تلف میں ہوں۔ سوم ان کی سخت کلامی جو رعایا کی طرف سے سلطنت کی نسبت مسلمان کبھی پسند نہ کریں گے۔ اور میں بہت زور کے ساتھ آپ صاحبوں سے ضرور یہ عرض کروں گا کہ ہم کو اپنی پولیٹکل ایسوسی ایشن کی کارروائی میں اعتدال اور ادب کو ہمیشہ اپنا شعار رکھنا چاہیئے۔ مجھ کو شملہ ڈیپوٹیشن میں شریک ہونے کی عزّت حاصل تھی۔ اور مجھ کو درحقیقت اُس وقت بہت ہی خوشی ہوئی تھی جب ہم لوگوں نے حضور والا ویسرائے کی زبان سے مشرقی بنگالہ کے مسلمانوں کے اُس برتاؤ کی تعریف سُنی جو انہوں نے گذشتہ موقع پر برتا اور تحمّل اور اعتدال سے کام لیا اور

ہیں آنریبل نواب خواجہ سلیم اللہ خاں بہادر نواب آف ڈھاکہ اور آنریبل سید نواب علی صاحب چودھری کو مبارک باد دیتا ہوں کہ یہ جو کچھ ہوا ان کے انفلوئنس کا نتیجہ تھا اور مجھ کو امید ہے کہ آئندہ بھی وہ اپنی نسبت گورنمنٹ کے ایسے ہی عمدہ خیالات کو قائم رکھیں گے اور یہی صرف ایک کنجی ان کی کامیابی کی ہے اور اب میں اجازت دیتا ہوں کہ پروگرام کے مطابق آج کی کارروائی شروع کی جائے۔

جُداگانہ طرزِ انتخاب

(نواب وقار الملک)

"میرے پاس مختلف دوستوں کے پاس سے خطوط آئے ہیں جن میں انہوں نے میری رائے اس باب میں دریافت کی ہے کہ مسلمانوں کو مشترک انتخاب میں شریک ہونا اور اس میں ممبریوں کے لئے امیدوار کے طور پر کھڑا ہونا مناسب ہے، یا نہیں، میں نے مناسب سمجھا ہے کہ میں پبلک طور پر اپنی رائے ظاہر کروں تاکہ میں بہت سے جوابوں کے لکھنے سے بچ جاؤں اور اگر میری رائے میں کوئی غلطی ہو تو ممکن ہے کہ دوسرے کوئی صاحب اُس کی تصحیح کر دیں۔

بات یہ ہے کہ مذکورۂ بالا مسئلہ کے متعلق اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی دو رائیں ہو رہی ہیں، غلبہ رائے جس کو سوادِ اعظم کہنا چاہیئے یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشترک انتخاب میں شریک نہ ہونا چاہیئے اور ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے جن میں بہت کم حضرات شامل ہیں اور جن میں ہمارے معزز اور محترم دوست سیّد علی امام صاحب بھی شریک ہیں یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشترک انتخاب سے بھی فائدہ حاصل کرنا چاہیئے جو معزز حضرات یہ رائے رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو مشترک انتخاب میں شریک ہونا چاہیئے وہ خیال کرتے ہیں کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتفاق اور یکجہتی باقی رہے گی اور مسلمانوں کا کلیتہً مشترک انتخاب سے علیحدہ رہ جانا ان کو اپنے ایک بہت بڑے معزز اور مقتدر ہندو گروہ سے بالکل علیحدہ کر دے گا اور دونوں گروہوں میں بجائے

محبت کے کشیدگی اور رفتہ رفتہ دشمنی پیدا ہو جائے گی میں بھی اس کے متعلق یہ ضرور کہوں گا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہمیشہ یہ پالیسی رکھنی چاہیئے کہ جس طرح ہمیشہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے ویسا ہی آئندہ بھی برقرار رہنا چاہیئے اور بدون اپنے پولٹیکل حقوق کو صدمہ پہنچائے ہوئے جہاں تک ممکن ہے یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ دونوں گروہ باہم شیر و شکر رہیں۔

مسلمانوں میں اپنے ہمسایوں کے ساتھ جس شد و مد سے حسن سلوک کی تاکید ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ کسی اور مذہب و ملت میں ایسی تاکید نہیں ہے ہمارے ہندو دوست ہمارے ہمسایہ ہیں اور ہم کو اپنے مذہب کے مطابق ان کے ساتھ کامل ہمدردی اور سلوک کے ساتھ بسر کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمان اگر مشترک انتخاب میں شریک ہوں گے تو ان میں اور ہندوؤں میں جھگڑے اور قضیئے پیدا ہوں گے اور ہمارے قدیمی تعلقات میں ان کی وجہ سے خرابی پیدا ہو گی لہذا میں مشترک انتخاب میں مسلمانوں کو شریک ہونے کی صلاح نہیں دے سکتا۔

مسلمانوں کا مشترک انتخاب میں شریک ہونا مسلمانوں کے لئے ضرور مضر ہوگا ہمارے لئے صلاح وقت یہی ہے کہ مشترک انتخاب سے علیحدہ رہیں اور جو کچھ ہم کو گورنمنٹ علیحدہ ہمارے اپنے انتخاب کے ذریعہ سے دے اسی پر قانع رہیں اور اگر سمجھیں کہ اس میں ہماری پوری دادرسی نہیں ہوئی ہے تو لگاتار اپنے عذرات کو ادب اور اعتدال کے ساتھ گورنمنٹ میں پیش کرتے رہیں اور یقین رکھنا چاہیئے کہ اگر ہماری معروضات واجبی ہوں گی تو آج نہیں کل، اور کل نہیں، پرسوں ایک نہ ایک دن ضرور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اور جدید ریفارم اسکیم جاری ہوتے وقت اگر ہمارا پورا حق ہم کو نہ ملے اور اس میں کسی قدر کسر رہ جاوے تو اس سے بددل اور مایوس نہ ہونا چاہیئے اور مودبانہ کوششوں کو جاری رکھنا چاہیئے مگر ان تمام کوششوں کے ساتھ

اس اصول کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود برٹش گورنمنٹ کے قائم رہنے کے ساتھ وابستہ ہے اگر برٹش گورنمنٹ ہندوستان میں ہے تو ہم بھی ہیں اور اگر وہ نہیں ہے تو ہم بھی نہیں۔

اب اس مسئلہ کو ایک دوسری نگاہ سے بھی دیکھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ اگر ہم نے کسی جھگڑے اور ٹنٹے کی پروانہ کی اور اپنے ہی حلوے مانڈے سے غرض رکھی اور مشترک انتخاب میں ہم نے اپنے آپ کو شریک کیا تو آیا ہم کو اس میں کوئی کامیابی ہو گی؟ میں نہایت زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہرگز کامیابی نہ ہوگی ناکامیابی یقینی ہے اور ذلت ورسوائی مزید برآں۔ مشترک انتخاب کے وقت ظاہر ہے اور اس لئے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ مجارٹی ہندوؤں کی ہوگی ہم کتنی ہی دوڑ دھوپ کریں اور جن کے سامنے ہم کبھی اپنی ذاتی حاجت پیش کرنا نہ چاہتے تھے ان کے دروازے پر بار بار دوڑے جاویں اور ہمارے کارندے اور عزیز اُن کی منت وخوشامد کریں مگر ہم ہندوؤں کی مجارٹی پر غالب نہ آسکیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ناکامیاب ہوں گے اور دست گدائی دراز کرنے کی ذلت ورسوائی جو حاصل ہوگی وہ اس پر مستزاد۔

اور اگر کسی مقام پر کوئی کامیابی ہوئی بھی تو وہ ہماری کوششوں کی وجہ سے نہ ہو گی بلکہ وہ دوسرے غالب گروہ کی محض مہربانی کی وجہ سے ہوگی جس کی نسبت کیا خوب کہا گیا ہے ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

اور پھر وہ مہربانی معلوم نہیں کہ کس قسم کے معاوضوں اور اقراروں پر مبنی ہوگی اور اُس کے بدل میں کس کس مضمون کے خطوطِ غلامی تحریر ہوں گے اور کس کس قسم کے اقرار کئے جاویں گے اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نیشنل کانگریس بعض مسلمانوں کو اپنی

پریسیڈنٹی کے عہدہ تک سے سرفراز فرماتی ہے لیکن پھر کیا وہ مسلمان بزرگوار مسلمانوں کے کسی کام کے ہوتے ہیں، ہمارے وہ ایک دفتری کے کام کے بھی نہیں ہوتے اس طرح اگر اپنی قوم کی اور اپنے قومی حقوق کی قربانی کر کے کسی نے کوئی ممبری حاصل بھی کی تو ایسی ممبری انہیں کو مبارک رہے قوم کو اُن سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ بلکہ ایسے ممبر قوم کے حق میں بعض اوقات سخت مضرت کا موجب ہوں گے۔ کیوں کہ جب وہ ظاہر میں مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ کونسل میں نشست کریں اور ووٹ وہ دیں جو مسلمانوں کے قومی حقوق کو پامال کرنے والا ہو تو ایسے ووٹوں سے مسلمانوں کو بہ نسبت خالص ہندو صاحبوں کے بہت زیادہ نقصان پہنچ جاوے گا۔

جن مقامات میں مردم شماری میں مسلمان بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ ہیں کیا وہاں ہم ہندوؤں سے بازی لے جاویں گے؟ آج کے زمانہ میں تو یہ خیال بھی قریباً قریباً صحیح ثابت ہونا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں کوئی فوج اپنی کثرتِ تعداد کے لحاظ سے غلبہ نہیں پا سکتی، آج فتح حاصل کرنے کے لئے عمدہ ترین اسلحہ اور سامان کی ضرورت ہوتی ہے اور اس زمانہ کے سلاح جنگ میں اعلیٰ تعلیم ہے۔ دولت ہے، پولیٹکل قوت اور اتحاد ہے اور جدوجہد ہے اور ان سب باتوں میں ہم اپنے دوسرے گروہ سے بہت زیادہ کم ہیں، لہٰذا کوئی اُمید نہیں کہ صرف ہماری مردم شماری اُن مقامات میں بھی ہم کو کچھ مدد دے سکے۔ مجھ سے صوبہ شرقی بنگالہ کے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے مسلمان رئیس جو اس وقت ایک قانونی کونسل کے ممبر بھی ہیں ناقل تھے کہ وہاں ایک موضع کا زمیندار مسلمان تھا اور رعایا میں بھی مسلمانوں کی تعداد غالب تھی۔ وہاں ایک ممبری کے لئے ایک مسلمان اور ایک ہندو اُمیدوار میں مقابلہ ہوا۔ اُن زمیندار صاحب کی حالت یہ تھی کہ ان کا وکیل ہندو تھا مہاجن ہندو تھا۔ اُن کا ذاتی خزانچی ہندو تھا ڈاکٹر ہندو تھا۔ یہ سب مل کر زمیندار کے پاس گئے اور

ان پر دباؤ ڈالا کہ آپ اپنا آدمی ہمارے ساتھ کر دیں تاکہ وہ آپ کی طرف سے تاکید کرکے آپ کی مسلمان رعایا کے ووٹ ہندو امیدوار کو دلا دے اور مسلمان زمیندار سے اس وقت کچھ بن نہ پڑا اور اپنے وکیل ومہاجن وڈاکٹر کی فرمائش کی تعمیل کرنی پڑی اور ہندو امیدوار کامیاب ہوگیا یہ اُس صوبہ شرقی کی حالت ہے جہاں مسلمان کل آبادی میں تین ربع کے قریب ہیں۔ تا بدیگراں چہ رسد۔

آخر میں میں پھر بہت زور سے یہی کہتا ہوں کہ مشترک انتخاب کے اکھاڑے میں مسلمانوں کو اُترنا نہیں چاہیئے جہاں سوائے ناکامی اور ذلت ورسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا اور مسلمانوں کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم کو اسی ملک میں رہنا ہے یہیں جینا ہے اور یہیں مرنا ہے ہندوؤں سے بگاڑ کر ہم کو راتوں کو آرام کی نیند سونا بھی میسر نہ آسکے گا شرقی بنگالہ ہی میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں ہندو زمینداروں نے اپنی مسلمان رعایا کو جھوٹے مقدمات میں گرفتار مصیبت کرایا اور جب ناکردہ گناہ رعایا جیل خانہ میں گئی تو وہاں بنگالی جیلر نے ان کی خبر لی یہ سب مظالم ہوتے رہے اور پولیس ان کا کوئی تدارک نہ کرسکی۔ ہمارے اس ملک کی حالت ابھی خدانخواستہ اس حد تک نہیں پہنچی اور اس پر خدا کا شکر کرنا چاہیئے اور ایسی غلطیاں نہ کرنی چاہئیں جس میں ہمارے اور ہمارے ابنائے وطن ہندوؤں کے باہم رنج اور فساد کی آگ ہمیشہ مشتعل رہے اور ایک دوسرے کے دشمن بن جاویں۔"

ہندوستان میں آئندہ مسلمانوں کی حالت

(نواب وقار الملک)

آج کل سب سے زیادہ پولیٹیکل بحث جو ہندوستان میں ہو رہی ہے، وہ شرقی اور غربی بنگالہ کے الحاق اور بہار کے جُداگانہ صوبہ قرار دیئے جانے اور ہندوستان کا پایہ تخت کلکتہ سے دہلی کو منتقل کیے جانے سے متعلق ہے، بہار کے جداگانہ صوبہ قرار دیئے جانے کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ کسی بہت کم اختلاف ہوگا، اگر کچھ اختلاف ہوگا بھی تو غربی بنگالیوں کو ہوگا، مگر اس سے ان کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلحاظ مردم شماری اس نئے صوبہ میں ہندو باشندوں اور بنگالی زبان بولنے والوں کی تعداد اب بھی زیادہ رہے گی اور مسلمانوں کا اگرچہ بلحاظ مردم شماری کم ہیں لیکن ان کی پوزیشن بلحاظ صاحب جائدادا اور بااثر ہونے کے زیادہ رہے ہے، ان جدید انتظاموں سے یقیناً زیادہ فائدہ پہنچے گا پایہ تخت کی تبدیلی بنگالہ والوں کو (خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان) نقصان رساں ثابت ہوگی، جن کے مکانات اور اراضیات اور تجارت کلکتہ میں زیادہ ہے، اور جن کو اعلیٰ گورنمنٹ کی قربت کی وجہ سے اس کے دفتروں میں زیادہ تعداد کے اعلیٰ عہدے اور ملازمتیں ملتی رہی ہیں، لہٰذا شرقی اور غربی بنگالہ کے الحاق کی خوشی کا جوش فرو ہوگا، ہم کو کلکتہ سے ایک دوسرے ایجی ٹیشن کا منتظر رہنا چاہیئے، ساتھ ہی دہلی اور نواح دہلی کے مسلمان اور ہندو دونوں کو جو عظیم برکتیں پایہ تخت کی اس تبدیلی سے پہنچنے والی ہیں وہ اس خطہ کی رعایا کے ایک کثیر گروہ کو بے حد مشکور کرنے

والی ہیں۔ مع ہذا یہ اسکیم کوئی جدید اسکیم نہیں ہے، ہم کو یاد ہے کہ ایک زمانہ میں لارڈ کرزن نے دہلی میونسپلٹی کے ایڈریس کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ پایۂ تخت کا کلکتہ سے دہلی میں منتقل ہونا صرف ایک وقت کا سوال باقی رہ گیا ہے، اور اس حالت میں درحقیقت اس سے بہتر دوسرا وقت اس تبدیلی کے واسطے نہیں ہو سکتا تھا جب ایک طرف حضور شہنشاہ معظم کا جشن اور دربار تاجپوشی دہلی میں ہو رہا تھا، اور دوسری طرف بنگالیوں کی ایک بہت بڑی ضد الحاق بنگالین کی نسبت پوری کی جا رہی تھی۔ علی گڑھ کالج کو بھی (اور اگر مسلمانوں کی قسمت میں ہے تو آئندہ مسلم یونیورسٹی کو بھی) اس تبدیلی سے بے انتہا فائدے پہنچیں گے، اب یہ کالج اور یونیورسٹی گویا پایۂ تخت کی ناف میں سمجھنے چاہئیں، دہلی اور علی گڑھ میں صرف ۸۰ میل کا فاصلہ ہے اور تیز رفتار ٹرینوں کے لئے دو گھنٹہ کا راستہ ہے، اور آئندہ جب بجلی سے کام لیا جائے گا تو یہ فاصلہ صرف ایک گھنٹہ کا رہ جائے گا اور حضور ویسرائے بحیثیت چانسلر یونیورسٹی بسہولت تمام ضرورت کے وقت یونیورسٹی کے جلسوں میں رونق افروز ہو سکیں گے، علی گڑھ کے قرب میں قابل سے قابل اور لائق سے لائق ایسے مسلمان اور دیگر اصحاب دستیاب ہو سکیں گے جو مسلم یونیورسٹی کے چلانے میں اپنے قیمتی مشوروں سے مدد دے سکیں۔

سب سے زیادہ معرکتہ الآراء مضمون دونوں بنگالوں کے الحاق کا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے یہ عام رائے سمجھنی چاہیئے کہ یہ الحاق عام طور پر نا پسند کیا جاتا ہے اور بعد اس کے کہ وزرائے سلطنت نے یکے بعد دیگرے الحاق کے خلاف امیدیں دلائی تھیں، الحاق کا عمل میں آنا گورنمنٹ کی کمزوری اور آئندہ اس کے قول و فعل کی بے اعتباری کی ایک وجہ قرار دی جائے گی اور اس لئے اگر ایسا نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ لیکن جب کہ بدقسمتی سے ایسا ہو گیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ آئندہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ بات یہ ہے کہ اب جو کچھ ہو گیا اور شہنشاہ معظم کی زبان مبارک

سے نکل گیا اس کے خلاف ایجی ٹیشن کا جاری رکھنا نہ مفید ہوگا اور نہ مناسب، اب جس بات کی ضرورت ہے اسی کی طرف ہم کو بھی اور گورنمنٹ کو بھی کوشش کرنی چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ جو فوائد مسلمانوں کو مشرقی بنگالہ کی علیحدگی سے حاصل ہوئے تھے (اور حاصل ہو رہے تھے) ان میں کوئی فرق نہ آئے اور ایسا ہونا اگر گورنمنٹ چاہے تو مطلق دشوار نہیں ہے اور گورنمنٹ جس قدر جلد اس قسم کے انتظاموں کا اعلان کرے گی اس قدر ملک میں عام اطمینان کا موجب ہوگا، اور ایجی ٹیشن رُک جائے گا اور مسلمانوں میں عام نارضامندی پیدا نہ ہونے پاوے گی، ان اعلانوں کا ہونا عین اسی وقت میں ضروری ہے جب کہ شہنشاہ معظم ہندوستان میں تشریف رکھتے ہیں ورنہ ایجی ٹیشن بہت کچھ ترقی کر جائے گا اور مسلمان جو طرابلس اور ایران کے معاملات سے پہلے سے شکستہ خاطر ہو رہی ہیں، ان کے خیالات اور بھی زیادہ مایوسانہ ہو جائیں گے۔ ہماری دلی خواہش اب یہی ہے کہ حضور شہنشاہ معظم اس ملک سے رخصت ہوتے وقت اپنے پیچھے نعرہ ہائے مسرت اور شکر گزاری کے سوا اور کچھ نہ چھوڑیں۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ دونوں صوبوں کے الحاق کی کارروائی سے گورنمنٹ کے ضعف کا ضرور ثبوت ملتا ہے، لیکن اگر اس قسم کا خیال بہت زیادہ رکھا جاوے تو ملکی انتظاموں میں کبھی کوئی بہت بڑی اور مفید اصلاح نہ ہو سکے، مع ہذا رعایا بمنزلہ اولاد کے ہوتی ہے اور سلطنت بمنزلہ ماں اور باپ کے اور بسا اوقات والدین کو اپنے بچوں کی ضد پوری کرنی پڑتی ہے، اسی طرح اگر گورنمنٹ نے یہ دیکھ کر کہ اس کی رعایا کے ایک گروہ کثیر نے خواہ مخواہ بھی قسم کھا لی ہے اور وہ دونوں صوبوں کے الحاق کے بدون اپنے اظہارات رنج وغم سے دست بردار ہونا نہیں چاہتے، اُن کی ایک ضد کو پورا کر دیا ہے، تو اب مشرقی بنگالہ کے مسلمانوں کو بھی اس کے خلاف

زیادہ اصرار نہ کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ گورنمنٹ ان تدابیر کو بغیر ایک لمحہ ضائع کئے ہوئے عمل میں لائے جن سے مشرقی بنگالہ کے مسلمانوں کے حقوق کافی اور قطعی طور پر محفوظ ہو جاویں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ضرور وہ تدبیریں پہلی سے گورنمنٹ کے پیش نظر ہوں گی اور مشرقی بنگالہ کے مسلمان لیڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد بہت جلد اُن کا اعلان گورنمنٹ کی طرف سے عمل میں آئے گا، کیونکہ یہ امر گورنمنٹ کے نزدیک بھی اب مسلم ہے کہ مشرقی صوبہ کی علیحدگی سے قبل وہاں کے کثیر التعداد مسلمانوں کی حالت غلامی کی سی ہو رہی تھی اور صوبہ کی علیحدگی کے بعد وہ غلامی کا طوق ان کی گردن سے نکلتا جا رہا تھا، آخر میں مشرقی بنگالہ کے مسلمانوں کے ساتھ ہم اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں جس ہمدردی سے اس وقت کسی مسلمان کا بھی دل خالی نہ ہوگا، دونوں صوبوں کی علیحدگی جس وقت ہوئی تو گورنمنٹ کی مصلحتیں اس میں کچھ ہی مدنظر رہی ہوں لیکن مسلمانوں کے حق میں وہ علیحدگی خدا کی طرف سے ایک رحمت ثابت ہوئی اور ۶۶ فیصدی آبادی کے جو حقوق اس سے پہلے گورنمنٹ کی نگاہوں سے اور عام نگاہوں سے مخفی تھے، وہ روز روشن کی طرح سامنے آگئے، اور روز بروز مسلمانوں کی حالت اِس صوبہ میں ترقی کرنے لگی، ایسی حالت میں دفعتاً پھر دونوں صوبوں کا الحاق بغیر کسی ایسے اطمینان دلانے کے کہ مسلمانوں کی حفاظت آئندہ کس طرح ہوگی، ایک سخت پولیٹیکل غلطی گورنمنٹ کی طرف سے تھی، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کارروائی سے گورنمنٹ نے مسلمانوں کی طرف سے نامناسب بے پروائی برتی، اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بعض تعلیم یافتہ مسلمانوں میں بھی انہی تھوڑے دنوں میں یہ فیلنگ پیدا ہو چلی ہے کہ ہندوؤں سے علیحدہ رہنے میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے مسلم لیگ کو اب خیرباد کہنا چاہیئے اور ہم کو نیشنل کانگرس کے ساتھ مل جانا چاہیئے جس کے واسطے کانگرس مدتوں سے کوشش کرتی چلی آرہی ہے۔ ہم اس سے

تو متفق ہیں کہ گورنمنٹ کی طرف سے مزید ایسی کارروائی ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کے دلوں کو واجبی طور پر صدمہ پہنچا ہے لیکن اس سے ہم کو قطعی اختلاف ہے کہ اپنے قومی شیرازہ کو منتشر کرکے ہم دوسرے زبردست گروہ کے ساتھ اسی طرح شامل ہو جائیں جس طرح کوئی دریا سمندر میں شامل ہو کر اپنی ہستی کو معدوم کر دیتا ہے؛ ہماری علیحدگی کانگرس وغیرہ سے اس بنا پر نہیں ہے کہ ہم کو گورنمنٹ کے ساتھ وفادار رہنا چاہیئے، وفاداری خود غرض ہے وہ جوہر نہیں ہے۔ اس کی بنیاد بھی کسی اور چیز پر قائم ہوتی ہے، اور جس قدر اس بنیاد میں تزلزل ہوگا، وفاداری بھی لامحالہ متزلزل ہوگی پس مسلمان جو من حیث القوم نیشنل کانگرس سے اب تک علیحدہ رہے ہیں اس کی بنیاد یہ ہے کہ کانگرس کے بعض اہم دعاوی مسلمانوں کے حق میں مضرت بخش ہیں۔ ان کا سواراج مسلمانوں کے حق میں تباہ کن ہے۔ برٹش گورنمنٹ کا سایہ ہندوستان سے اُٹھنا یا اس کا اثر بہت زیادہ کم ہو جانا مسلمانوں کے حق میں بربادی بخش ثابت ہوگا، یعنی ایک ہی چیز جو ہمارے ابنائے وطن کی حق میں خوش قسمتی سمجھی جا سکتی ہے، مسلمانوں کے حق میں (جن کا شمار اس ملک میں کم ہے) وہ سم قاتل ہے گو شرقی وغربی بنگال کے الحاق کا جو نتیجہ بھی نکلے اس سے مذکورۂ بالا کلیہ باطل نہیں ہوتا، اگر ہمیں ہندوستان میں رہنا ہے تو برٹش گورنمنٹ سے بگاڑ کر رہنا یہ ہمارے لئے ٹھیک نہ ہوگا، گورنمنٹ کے استحکام میں کوشش کرنا اور اس کے ساتھ شریک رہنا یہ خود ہم کو اپنے استحکام میں کوشش کرنا ہے لہذا اس قسم کے خیالات سے ہم کو احتراز کرنا چاہیئے، یہ سچ ہے کہ بسا اوقات مایوسیاں انسان کو خودکشی پر آمادہ کر دیتی ہیں، اور یہ خیال کہ اب ہم کو کانگرس کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیئے، اسی قسم کی مایوسیوں کا ہے، جس کی خاص ذمہ دار موجودہ گورنمنٹ ہے، لیکن خودکشی کی صلاح کسی وقت میں بھی نہیں جا سکتی، لامحالہ ہم کو سوچنا پڑتا ہے کہ آئندہ ہم کو

کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

یہ تو آفتاب نصف النہار کی طرح اب روشن ہے کہ ان واقعات کے دیکھنے کے بعد اس وقت مشاہدہ میں آئے یہ مشورہ دینا کہ مسلمانوں کو گورنمنٹ پر بھروسہ کرنا چاہیئے لا حاصل مشورہ ہے۔ اب زمانہ اس قسم کے بھروسوں کا نہیں رہا، خدا کے فضل وکرم کے بعد جس پر ہم کو بھروسہ کرنا چاہیئے وہ ہماری اپنی قوت بازو ہے اور اس کی نظیر جو ہمارے قابل احترام ابنائے وطن نے پیش کی ہے ہمارے سامنے موجود ہے۔

مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو سب سے پہلے چند کوششیں ضروری جاری رکھنی چاہئیں (اوّل) اپنے صوبہ میں ان کو "پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس" کے اجلاس نہ صرف سال میں ایک مرتبہ بلکہ متعدد مرتبہ کرنے چاہئیں، اور ہر ضلع میں اپنی لوکل ایجوکیشنل کانفرنس قائم کرنی چاہیئے، جو پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ملحق ہو، اور پراونشل کانفرنس کا دفتر ایک وسیع پیمانہ پر قائم ہو جس میں سب قسم کی مقامی رپورٹیں اور اخبار اور اطلاعیں موجود رہیں۔ اور یہ پراونشل کمیٹی اپنی ضرورتوں سے متواتر گورنمنٹ کو اطلاع دیتی رہے اور اخباروں میں بھی اپنی آواز بلند رکھے اور اگر ایک دفعہ عرض کرنے پر گورنمنٹ توجہ نہ کرے تو بار بار اس کو دہرا کر گورنمنٹ کا دم ناک میں کر دے، اور جہاں تک امکان میں ہے اپنے صوبہ میں عام تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کو ترقی دے، اور اپنا تعلق آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں پیش کرتی رہے (دوم) اسی طرح صوبہ میں ایک پراونشل مسلم لیگ قائم رکھیں جس کے ماتحت ہر ضلع میں ایک ایک اسی قسم کی کمیٹی ہو اور آل انڈیا مسلم لیگ سے اس سلسلہ کو وابستہ رکھیں اور اپنے مختلف اجلاسوں اور مراسلات کے ذریعہ سے مسلمانان صوبہ کے حقوق اور ضروریات کو گورنمنٹ تک پہنچاتے رہیں اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ گورنر صوبجات متحدہ کے پاس جو کونسل قائم ہوتی ہے اس میں مسلمانوں کی آواز کمزور نہ ہو جائے

پراونشل مسلم لیگ بہت کچھ کرسکتی ہے۔ (سوم) ایجوکیشنل کانفرنس اور مسلم لیگ۔ ان مجالس کی کارروائیوں کے نتائج ابھی دیر میں نکلیں گے لہذا فوری ضرورت یہ ہے کہ مشرقی بنگال کے مسلمان لیڈر (جو بدقسمتی سے اپنے صوبہ کی عظمت قائم رکھنے میں گورنمنٹ کی بے التفاتیوں اور کمزوریوں کے سبب سے ناکام ثابت ہوئے ہیں) وہ بلاتاخیر گورنمنٹ میں اُن تدابیر کو پیش کریں جن کے ذریعہ سے وہ اپنی ترقی پذیر حالت کو اور اپنے حقوق کو محفوظ رکھ سکتے ہیں، اور زور دیں کہ "شہنشاہ معظم" کے ہندوستان میں تشریف رکھنے کے زمانہ ہی میں اُن تدابیر کے اختیار کرنے کا اعلان گورنمنٹ کی طرف سے ہو جائے، جب تک کسی چوٹ کی وجہ سے درد باقی ہے وہ قابل اصلاح ہے اس کے بعد اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔

منشور پاکستان مسلم لیگ

(جنوری ۱۹۸۶ء)

مسلم لیگ کا قیام ۱۹۰۶ء میں مسلمانانِ برصغیر کے اتحاد اور ان کے جائز حقوق کے تحفظ کے لئے عمل میں آیا۔

پینتالیس برس بیشتر مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے لئے ایک بھرپور جدوجہد کے آغاز کا عزم کیا۔ مسلمانانِ برصغیر کی یہ جدوجہد قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ مگر قائداعظم نے عدل و مساوات کے زریں اصولوں کے مطابق ایک صحیح اسلامی جمہوری ریاست کا جو خواب دیکھا تھا، وہ ہنوز تشنۂ تعبیر ہے۔

آج پاکستان مسلم لیگ جب کہ نظم و نسق کے نئے مراحل طے کر رہی ہے، اس امر کا عہد کرتی ہے کہ یہ ان اعلیٰ مقاصد کی بہرصورت تکمیل کرے گی جن کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔

پاکستان مسلم لیگ اپنے دورِ عروج میں مسلمانوں کی عوامی تحریک تھی جسے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت و رہنمائی کا شرف حاصل تھا۔

مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کے لئے آج پھر منظم کیا جا رہا ہے اور پوری

کوشش کی جا رہی ہے کہ میدانِ سیاست میں یہ اپنی اصل روح اور حقیقی توانائی حاصل کر سکے۔

یہ منشور اس کی امنگوں کا ترجمان، اس کے نصب العین کا عکاس اور اس کے آئندہ ارادوں کا آئینہ دار ہے۔

یہ ایک عہد بھی ہے اور لائحہ عمل بھی۔

ہم نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ ہم پاکستان کو انشاء اللہ

• ۔ ایک جدید اسلامی نظریاتی ریاست اور حقیقی فلاحی مملکت بنائیں گے۔

• ۔ اس ملک میں معاشی عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ ترتیب دیں گے،

• ۔ اپنی قوم کو ایک عظیم ترقی یافتہ قوم بنائیں گے،

یہ منشور ان مقاصد کے حصول کے لئے ٹھوس لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ مسلم لیگ نے پاکستان کے قیام کا عظیم الشان کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ اب مسلم لیگ پاکستان کی تعمیر و ترقی کا بنیادی فرض بھی ادا کرے گی،

آیئے پاکستان کو قائداعظم کے حسین خوابوں کی سرزمین بنائیں۔

نظریاتی بنیادیں

جیسا کہ قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال نے واضح طور پر اعلان کیا تھا مسلمانانِ ہند کے لئے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کا اصل مقصد اسلامی طرزِ حیات کو اس کے عظیم ثقافتی ورثے اور تہذیبی اقدار کے ساتھ فروغ دینا تھا۔

نظریۂ پاکستان کا مرکزی نقطہ اسلامی قانون کا نفاذ اور اسلام کی روشنی میں عادلانہ معاشرے کا قیام تھا۔ اسی سے مسلمان اپنی مادی اور غیر مادی ضروریات کی تکمیل کے لئے بہترین وسائل مہیا کر سکتے ہیں۔

پاکستان مسلم لیگ یہ پختہ یقین رکھتی ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ایک جدید ذہنی معاشرے کے تمام بنیادی تقاضوں کو بہتر طریقے پر پورا کر سکتا ہے۔

۶۔ وہ یہ عہد کرتی ہے کہ قوم میں نظریاتی بنیادیں مستحکم کرے گی اور عوام میں یک جہتی پیدا کرنے کے لئے میدان عمل میں اُترے گی،

۶۔ تمام قومی پالیسیوں اور ترجیحات کو از سر نو منظم کیا جائے گا تاکہ معاشرے میں اسلامی نظام کی رفتار کو تیز تر کیا جا سکے۔

۶۔ علمائے دین، قومی رہنماؤں اور ملک کے تمام پڑھے لکھے طبقوں کی عنان توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جائے گی کہ پاکستان کی نظریاتی اساس کے استحکام اور قومی اتحاد کے لئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کی جائے۔

۶۔ ممتاز دانشوروں اور علمائے دین میں فکری ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ایک اسلامی اکیڈیمی قائم کی جائے گی۔

۶۔ پوری کوشش کی جائے گی کہ اُمتِ مسلمہ کے وسیع تر مفاد کے لئے متنازعہ فروعی مسائل میں اُلجھنے سے گریز کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو مسائل میں اتفاق رائے کا مظاہرہ کیا جائے۔

پاکستان مسلم لیگ وفاقی ڈھانچے کے اندر صوبائی خود مختاری پر پختہ یقین رکھتی ہے اور اس سلسلے میں آئین کی تصریحات پر پورا پورا عمل کرے گی۔

پاکستان مسلم لیگ ملک کے مختلف صوبوں اور علاقوں کے عوام کے درمیان وسیع تر ہم آہنگی، قومی یک جہتی اور باہمی جذبۂ اتحاد کے فروغ کے لئے اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لائے گی۔

عادلانہ اقتصادی نظام

پاکستان کی گزشتہ تاریخ بلند، بانگ وعدوں اور کھوکھلے نعروں سے بھرپور ہے۔ ان

وعدوں اور نعروں کو بہت کم عملی جامہ پہنایا گیا۔ پاکستان مسلم لیگ معاشی اور معاشرتی انصاف کے بنیادی اصولوں پر یقین رکھتی ہے اور اس نے ان کو عملی شکل دینے کے لئے ایک حقیقت پسندانہ پروگرام تشکیل دیا ہے۔

پاکستان مسلم لیگ ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لئے کوشاں ہے جس میں

و۔ ہر فرد (مرد اور عورت) کو اقتصادی میدان میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ حصہ لینے کا مساویانہ حق حاصل ہوگا۔

و۔ ہر شہری مرد اور عورت کو اس کی بنیادی ضروریات مہیا کی جائیں گی اور کمزوروں، معذوروں اور حاجت مندوں کی ضروریات پر بالخصوص توجہ دی جائے گی۔

و۔ ہر علاقہ قومی خوشحالی میں برابر کا شریک ہوگا۔

یہ وہ طویل المیعاد مقاصد ہیں جن کے حصول کے لئے ہمیں مرحلہ وار صورت میں بتدریج آگے بڑھنا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں گے۔

و۔ پاکستان کے عوام فطرتاً ایک متحرک اور باصلاحیت قوم ہیں۔ ملک کو صحت مندانہ ترقی کی منزل تک لے جانے کی غرض سے عوام کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے ان کو آزادانہ ماحول میں کام کرنے کا موقع دینا ہوگا۔ اس مقصد کے لئے معیشت کو پابندیوں اور ضابطوں سے آزاد رکھنے کی خاطر ڈی ریگولیشن جیسے ٹھوس اقدامات ضروری ہیں۔ یہ اقدامات بدعنوانی اور لوٹ کھسوٹ کے سدباب کے لئے بہت مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ بدعنوانی، لوٹ کھسوٹ اور رشوت ستانی کو سخت ضابطے اور سرکاری کنٹرول ہی جنم دیتے ہیں۔ ڈی ریگولیشن کا عمل سرکاری کنٹرول کے خاتمے سے زیادہ وسیع معنوں کا حامل ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ معاشرے کے مختلف عناصر میں خود اختیاری کی حوصلہ افزائی کی جائے، کسی آزاد معاشرے میں حکومت کے

لئے مناسب نہیں کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں تمام اختیارات پر قابض ہو جائے۔ شہریوں کو اس بات کی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اجتماعی بہبود کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ضروریات و ترجیحات کے مطابق اپنے معاملات خود طے کر سکیں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے معاشرے میں جمہوری عمل کی جڑیں مستحکم ہو سکتی ہیں اور اس کے ارتقاء کے لئے ہم مضبوط بنیادیں فراہم کر سکتے ہیں۔

و۔ پاکستان مسلم لیگ معاشرے کے مختلف طبقوں کے لئے ایسے مساویانہ مواقع فراہم کرے گی، جن کے ذریعے سے آزادانہ ماحول میسر ہو اور خود مختاری نشوونما پائے۔

و۔ پاکستان مسلم لیگ ایسا مثالی معاشرہ تشکیل دینے کے لئے کوشاں ہو گی، جس میں نجی شعبے کو معیشت کی پیداواری صلاحیتوں کو بڑھانے کے بہترین مواقع میسر ہوں تا کہ پاکستان کے عام آدمی اور محنت کش طبقوں کو اقتصادی فوائد حاصل ہو سکیں۔

و۔ پاکستان مسلم لیگ بیرونی امداد پر انحصار کم کر کے ملک کو خود کفالت کی منزل کی طرف لے جانے کے اقدامات کرے گی اور ملکی وسائل کو ترقی دینے کے ایسے ذرائع بروئے کار لائے گی، جن سے اس امر کی ضمانت دی جا سکے کہ ہم ۱۹۹۵ء تک اپنے ترقیاتی پروگرام کے بہت بڑے حصے کی تکمیل ملکی وسائل ہی سے کر سکیں۔

دیہی ترقی

ایک عوامی جماعت کی حیثیت سے پاکستان مسلم لیگ دیہی آبادی کی محرومیوں کو ختم اور غربت دور کرنے کے لئے دیہاتی زندگی میں بنیادی تبدیلیوں کی خواہاں ہے۔ اس سلسلے میں وہ درج ذیل اقدامات کرے گی۔

و۔ ملک میں منتخب نمائندوں کی بالادستی قائم کرنا تا کہ وہ عوام کے مسائل کے لئے اپنا حقیقی کردار ادا کر سکیں۔

و ۔ ہر گاؤں میں ایک " دیہی ترقیاتی کونسل" قائم کی جائے گی جو بلدیاتی اداروں کے نظام کی سب سے اہم اکائی ہوگی اور علاقے کے عوام کی ترقیاتی ضرورتوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کثیر المقاصد انجمن امدادِ باہمی کے فرائض بھی انجام دے گی۔

و ۔ سرکاری اور متروکہ اراضی کے قابضین سمیت تمام مزارعوں کو ضروری تحفظ فراہم کرنے کے لئے قوانین زراعت میں اصلاح کی جائے گی۔

و ۔ متروکہ اراضی سمیت تمام قابلِ کاشت اراضی کا بے زمین کاشتکاروں کے نام انتقال کیا جائے گا۔ البتہ جو زمینیں مذہبی اداروں کے زیرِ استعمال ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔

و ۔ پاکستان مسلم لیگ چھوٹے کاشتکاروں کو تمام ضروری اشیائے زراعت اور خدمات کی فراہمی کے ذریعے پیداوار میں اضافہ کرکے دیہی زندگی میں بنیادی تبدیلی لانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ اس مقصد کے لئے آئندہ پانچ سالوں کے دوران زرعی اور دیہی ترقی پر اخراجات میں اضافہ کیا جائے گا، جس کے نتیجے میں دیہی زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں اثرات محسوس کئے جا سکیں گے۔ علاوہ ازیں اس سے درج ذیل خصوصی مقاصد بھی حاصل ہو سکیں گے۔

۱ ۔ ۹۰ فیصد سے زائد دیہات میں بجلی فراہم کی جائے گی۔
۲ ۔ تمام دیہات میں کھلیان سے منڈیوں تک سڑکوں کا جال بچھا دیا جائے گا۔
۳ ۔ دیہی آبادی کی اکثریت کو پینے کا صاف پانی مہیا کیا جائے گا۔
۴ ۔ ہر یونین کونسل میں ایک ابتدائی مرکزِ صحت قائم کیا جائے گا۔
۵ ۔ ہر گاؤں میں کم سے کم ایک پرائمری سکول قائم کیا جائے گا۔
۶ ۔ دیہات میں شرح خواندگی کو دوگنا کر دیا جائے گا۔
۷ ۔ دیہی علاقوں میں زرعی صنعتوں کے قیام کے لئے سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور ٹیکس میں مکمل چھوٹ دی جائے گی۔

پاکستان مسلم لیگ اس امر پر یقین رکھتی ہے کہ ترقی یافتہ زراعت قومی خوشحالی کی حقیقی بنیاد ہے۔ زرعی ترقی کی رفتار میں اضافے کے لئے پاکستان مسلم لیگ

و۔ تجارتی پالیسی میں اس طرح تبدیلی کرے گی کہ زراعت ایک مکمل فائدہ مند اقتصادی صنعت کی شکل اختیار کر سکے۔

و۔ ایسے اقدامات کرے گی جن سے چھوٹے کاشتکار جو کہ دیہی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی ہیں معلومات، اشیائے ضرورت اور مارکیٹ تک بہر صورت رسائی حاصل کر سکیں۔

و۔ امداد باہمی کی تحریک کو دیہی آبادی کی ضروریات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے جدید خطوط پر استوار کیا جائے گا۔

و۔ زرعی قرضہ جات کے نظام میں اس طرح اصلاح کی جائے گی کہ چھوٹے کاشتکار کل قرضوں کا کم از کم ۵۰ فیصد حصہ حاصل کر سکیں۔ مزید برآں زمیندار پیداواری یونٹ کی بجائے اراضی کی موجودہ قیمت کی بنیاد پر قرضے حاصل کر سکیں گے۔

و۔ اہم فصلوں کی امدادی قیمتوں کا تعین کرتے ہوئے روز افزوں لاگتوں اور بین الاقوامی سطح پر قیمتوں کے بڑھتے ہوئے رجحان کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

و۔ تیل والے بیجوں کی پیداوار میں جلد ہی خود کفالت کے حصول کے لئے خصوصی اقدامات کیے جائیں گے۔

و۔ پاکستان کو غذائی اشیاء اور اعلیٰ معیار کی فصلوں کا ایک بڑا درآمدی ملک بنانے کے لئے زرعی درآمد پر پابندیاں ختم کی جائیں گی۔

و۔ دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے دیرینہ تنازعہ کا حتمی تصفیہ کیا جائے گا تاکہ نئے آبی منصوبوں پر کام کا آغاز کیا جا سکے اور مزید علاقوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جا سکیں۔

- دستیاب آبی وسائل کے بہترین استعمال کو یقینی بنانے کے لئے واٹر مینجمنٹ پروگرام میں توسیع کی جائے گی۔
- کاشت کاروں کو موسم کی بے رحم دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے فصلوں کی انشورنس سکیم کا آغاز کیا جائے گا۔
- ملک بھر میں خصوصاً سرحدی علاقوں میں سیم و تھور کی لعنت کا خاتمہ کرنے کے لئے وسیع تر منصوبے تیار کیے جائیں گے۔
- کاشتکاروں کو حقیقی خوشحالی سے ہمکنار کرنے کے لئے ایک نئی زرعی پالیسی کی تشکیل کی غرض سے قومی زرعی ترقیاتی کمیشن قائم کیا جائے گا۔

صنعتی ترقی

موجودہ دور میں کسی بھی قوم کی بقا عصری تکنیکی ترقی کو جذب کرنے کی صلاحیت میں مضمر ہے۔ منظم صنعتی ترقی اور زرعی شعبے میں مسلسل فروغ ہماری اقتصادی پالیسی کے دو بنیادی ستون ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ ریاست کے کنٹرول میں جکڑی ہوئی معیشت کو آزاد کرے گی، اور دفاع کے سوا ہر شعبے میں صنعتوں پر عائد پابندیوں کو دور کرے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر نجی شعبے کو موقع فراہم کیا جائے تو وہ ملک میں صنعتی معاشرے کے قیام کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے بھرپور کردار ادا کر سکتا ہے۔

پاکستان کو بہت جلد ایک جدید صنعتی ملک بنانے کے لئے پاکستان مسلم لیگ ٹیکس میں موجودہ چھوٹ کے علاوہ تمام نئی صنعتوں کو پیداوار شروع کرنے کے پہلے تین سال کے لئے ٹیکس سے مکمل چھوٹ کی سہولت دے گی تاکہ ملک میں صنعتی سرمایہ کاری اور روزگار کے غیر معمولی مواقع پیدا کئے جا سکیں۔

- صنعتی ترقی کی منزل کے حصول کے لئے شعبہ جاتی سہولتوں کا فروغ ناگزیر

ہے۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں موجودہ عدم توازن کو دور کرنے کے لئے درج ذیل فوری اقدامات کیے جائیں گے۔

- ایک توسیع پذیر صنعتی شعبے کی مکمل ضروریات کے مطابق توانائی کی فراہمی۔
- صنعتی شعبے کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بہتر ذرائع مواصلات بشمول ڈاک، تار اور ٹیلیفون کی سہولتوں کی فراہمی۔
- اہم صنعتی علاقوں اور شہری مراکز میں ذرائع نقل وحمل کے نظام کی بہتری۔
- ملک کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں صنعت کے فروغ کے لئے ترغیبات اور شعبہ جاتی سہولتوں کی فراہمی۔
- "ایک کھڑکی ـــــ تمام کام" کے اصول کے مطابق نئی صنعتوں کی منظوری کے لئے طریقہ کار کو آسان بنایا جائے گا۔
- صنعتی قرضہ جات کے نظام کو بہتر بنایا جائے گا اور زمیندار زرعی اراضی اور دیہی املاک کی موجودہ قیمتوں کی بنیاد پر قرضے حاصل کر سکیں گے۔

علاوہ ازیں دیہی علاقوں میں مالی اور دیگر ترغیبات اور رہنمائی اور معاونت کے ایک جامع نظام کے تحت چھوٹی صنعتوں خصوصاً زراعت پر مبنی صنعتوں کی تیز تر ترقی کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ہم آئندہ ۵ سالوں کے لئے ٹیکسوں کو سادہ، مناسب اور متوازن بنانے کے لئے نظام محصول میں جامع اصلاحات کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں صوابدید کے عنصر کو کم کیا جائے گا۔ ٹیکس کو چوری اور ضائع ہونے سے بچانے کے لئے بھرپور تحفظات فراہم کئے جائیں گے۔ اس عرصے میں ٹیکس کے شعبے میں بنیادی اصلاحات کی جائیں گی۔

توانائی

ملک کی ترقی کے لئے توانائی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تاہم توانائی کی

سنگین حد تک کی ملکی معیشت کے تمام شعبوں پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہے۔

پاکستان مسلم لیگ اس بحران پر قابو پانے کے لئے کم، درمیانے اور طویل مدت کے منصوبے تیار کرے گی۔ ان منصوبوں کا مقصد اس امر کو یقینی بنانا ہو گا کہ :

- توانائی کی موجودہ کمی پر تیزی سے قابو پایا جائے اور آئندہ چار برسوں میں لوڈشیڈنگ کے مسئلہ کا حل تلاش کر لیا جائے۔
- ملک میں زراعت، صنعت اور ٹرانسپورٹ کے شعبے میں مطلوبہ توسیع اور گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لئے ضروری توانائی میسر آسکے۔
- برآمدی توانائی پر انحصار کو کم کرنے کے لئے توانائی کے ملکی وسائل یعنی کوئلہ تیل، گیس اور آبی ذرائع سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔
- بجلی کی پیداوار اور تقسیم اور تیل اور گیس نکالنے کے میدان میں نجی سرمایہ کاری کو فروغ دیا جائے۔
- توانائی کے تحفظ اور اس کے بہتر استعمال پر زیادہ توجہ دی جائے۔

پاکستان مسلم لیگ سمجھتی ہے کہ پُرامن مقاصد کے لئے جوہری توانائی کا حصول پاکستان کا بنیادی حق بلکہ فریضہ ہے۔

ٹرانسپورٹ اور مواصلات

پاکستان مسلم لیگ ملکی معیشت میں ذرائع نقل و حمل اور مواصلات کی اہمیت اور انہیں جدید خطوط پر استوار کرنے اور ان کی مناسب نگرانی کی ضرورت سے بخوبی آگاہ ہے۔ لہٰذا وہ درج ذیل مقاصد کے حصول کے لئے مؤثر اقدامات کرے گی۔

- ملک کے نظام ذرائع نقل و حمل خصوصاً ریلوے اور شہری ٹرانسپورٹ کی انحطاط پذیر صورتِ حال کی روک تھام۔

- وقت کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ٹریفک کے نظام کو وسعت دینے کا اہتمام۔
- کراچی کو براستہ ڈیرہ اسماعیل خاں وڈیرہ غازی خاں ایک متبادل روٹ کے ذریعے پشاور سے ملانے کے لئے انڈس ہائی وے کی مرحلہ وار تعمیر کا آغاز۔ اس شاہراہ کی تعمیر کا مقصد مجموعی فاصلے اور موجودہ قومی شاہراہ پر ٹریفک کے بوجھ میں کمی کرنا ہے۔
- اہم شہری مراکز اور بڑے شہروں کے درمیان روڈ ٹرانسپورٹ میں توسیع کے لئے نجی شعبے کو زیادہ سے زیادہ ترغیبات کی فراہمی۔
- عوام کی طرف سے ٹیلی فون کنکشنوں کے بڑھتے ہوئے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے ٹیلی فون کے نظام کی توسیع اور ترقی۔
- بین الاقوامی جہاز رانی کے لئے پسنی اور گوادر کے مقامات پر بندرگاہوں کا قیام اور ان بندرگاہوں کا ملک کے باقی حصوں سے رابطہ
- ملک کے آبی راستوں پر ذرائع نقل وحمل میں ممکنہ ترقی۔

مکمل روزگار

پاکستان مسلم لیگ کی سماجی اور معاشی پالیسی کا ایک اہم مقصد پیداواری مقاصد کے لئے ملک کی افرادی قوت کو مکمل طور پر بروئے کار لانا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پاکستان مسلم لیگ درج ذیل خصوصی پروگراموں پر عمل کرے گی۔

و۔ اگلے پانچ سال کے دوران سرکاری اور نجی شعبوں میں ۳۰ لاکھ سے زائد افراد کے لئے روزگار کے نئے مواقع پیدا کئے جائیں گے۔ جن میں ۵ لاکھ آسامیاں تعلیم یافتہ اور ماہر افراد کے لئے ہوں گی۔

و۔ بے روزگار کارکنوں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے شہری اور دیہی علاقوں میں صنعتوں کے فروغ کا ایک جامع اور مربوط پروگرام شروع کیا جائے گا۔

و۔ دیہی علاقوں میں آمدن اور روزگار کے سودمند مواقع فراہم کرنے اور دیہات سے شہروں کی طرف انتقال آبادی کے رجحان کو روکنے کے لئے دیہی ترقی کے پروگراموں پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے گا۔

و۔ تعلیم یافتہ اور ماہر نوجوانوں کو اپنا کاروبار یا پیشہ وارانہ پریکٹس شروع کرنے کے لئے مدد دینے کی غرض سے ایک قومی فنڈ برائے روزگار قائم کیا جائے گا۔ انفرادی یا امداد باہمی کی بنیادوں پر خود روزگاری کی ہر ممکن معاونت کی جائے گی۔

و۔ ملک میں خواندگی کے فروغ کے لئے تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کی ایک لاکھ افراد پر مشتمل "قومی سپاہ علم" تیار کی جائے گی۔

و۔ ڈگری یافتہ ڈاکٹروں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے متعدد اقدامات کیے جائیں گے جن میں مزید ہسپتالوں کا قیام، موجودہ ہسپتالوں میں ڈبل شفٹ کا آغاز، پرائیویٹ پریکٹس شروع کرنے کے لئے شخصی ضمانت پر نرم شرائط اور آسان قسطوں والے قرضوں کا

اجراء اور پرائیویٹ ہسپتالوں کے قیام اور توسیع کے لئے ٹیکس کی رعایت شامل ہیں۔

ملک میں انجینیئروں، سائنس دانوں اور دوسرے ماہر افرادی قوت کو روزگار فراہم کرنے کے لئے ایک جامع پروگرام پر عمل کیا جائے گا۔ قومی ماہرین کی خدمات سے استفادہ کرنے کے لئے ایک نئی قومی مشاورتی پالیسی تیار کی جائے گی۔ موجودہ سائنسی اداروں کو وسعت دی جائے گی اور انہیں مضبوط تر بنیادوں پر استوار کیا جائے گا۔ جدید ٹیکنالوجی کے مختلف شعبوں سے متعلق ادارے قائم کیے جائیں گے۔ ماہرین اور صنعتکاروں کو اپنے متعلقہ شعبوں میں ماہرین کی خدمات حاصل کرنے کا پابند کر دیا جائے گا۔

تکنیکی طور پر تربیت یافتہ اور قابل روزگار افرادی قوت کی تیاری کے لئے فنی مہارتوں کی تدریس کا ایک پروگرام تشکیل دیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے پولی ٹکنیک اور فنی اداروں میں داخلوں کی تعداد دوگنی کر دی جائے گی۔ ابتدائی طور پر یہ مقصد موجودہ اداروں میں ڈبل شفٹ کے ذریعے حاصل کیا جائے گا۔

ملک بھر میں ضلعی اور تحصیل ہسپتال کے ایک پیرا میڈیکل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ برائے خواتین قائم کیا جائے گا اور تمام اضلاع خصوصاً دیہی علاقوں میں خاتون اساتذہ کے لئے تربیت کی سہولتوں کا انتظام کیا جائے گا۔

نیشنل ایمپلائمنٹ بیورو کا قیام عمل میں لایا جائے گا، جو تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مستقبل کی منصوبہ بندی، مختلف شعبوں میں روزگار کے مواقع اور اضافی مہارتوں کی تحصیل کی ضرورت کے ضمن میں مشورے دے گا اور ان کی رہنمائی کرے گا۔ روزگار کے امیدواروں کو کمپیوٹر کے ذریعے خالی آسامیوں کے بارے میں معلومات مہیا کی جائیں گی۔ بیورو میں خواتین کی رہنمائی کے لئے ایک خصوصی شعبہ ہوگا۔

افرادی قوت کی طلب اور رسد کے تقاضے پورے کرنے اور تعلیم و تربیت کے پروگراموں میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیوں کا نظام وضع کرنے کے لئے افرادی قوت

کا ایک قومی منصوبہ تیار کیا جائے گا۔

تعلیمی پروگرام

پاکستان مسلم لیگ تعلیم یافتہ فنی صلاحیتوں سے مالا مال اور ترقی پسندانہ معاشرے کی قیام کو بے حد اہمیت دیتی ہے اور اس امر میں یقین رکھتی ہے کہ تعلیم عامہ ہی تمامتر ترقی کی بنیاد ہے اور اسی میں ہمارے بیشتر مسائل کا حل مضمر ہے۔ اس اہم مقصد کے حصول کے لئے پاکستان مسلم لیگ آئندہ پانچ سالوں کے دوران درج ذیل اقدامات کرے گی۔

و۔ وفاقی، صوبائی اور مقامی سطح پر تعلیم کے لئے مختص رقوم میں اضافہ کیا جائے گا اور اس امر کو یقینی بنایا جائے گا کہ آئندہ ۵ سالوں کے دوران ملک کی عظیم انفرادی صلاحیتوں کے فروغ کے لئے کم از کم ۱ کروڑ روپے وقف کیے جائیں۔

و۔ ابتدائی تعلیم خصوصاً طالبات کے لئے سہولتوں میں اضافے کی غرض سے ایک جامع توسیعی پروگرام تیار کیا جائے گا۔ تاکہ اس امر کو قطعی شکل دی جاسکے کہ ۱۹۹۰ء تک پرائمری کی سطح تک تعلیم لازمی کر دی جائے۔

و۔ پرائمری تعلیمی پروگرام کے ساتھ ساتھ ایک لاکھ افراد پر مشتمل " قومی سپاہ علم " کے تعلیم عامہ کے پروگرام کے ذریعے ۱۹۹۰ء تک خواندہ آبادی کی شرح ۲۵ فیصد سے بڑھا کر ۵۰ فیصد کر دی جائے گی۔

و۔ مڈل اور ہائی سکول کے تمام طلبہ کے لئے سائنس کی تعلیم اور فنی تربیت کی زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

و۔ سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نجی سرمایہ کاری کے لئے مالی اور دیگر قسم کی ترغیبات فراہم کرنا جن میں تدریسی اداروں کے لئے دی جانے والی رقوم پر ٹیکس کی

براہ راست چھوٹ بھی شامل ہے۔

و۔ قومی، صوبائی اور ضلعی سطح پر لائبریریوں کے زیادہ سے زیادہ قیام پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

و۔ ۱۹۹۰ء سے پہلے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایک قومی یونیورسٹی یا انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے گا۔

و۔ سائنس کے مختلف شعبوں میں اساتذہ کی اعلیٰ تعلیم کے انتظامات، بیرون ملک تربیت کے لئے فراخدلانا وظائف اور سائنس لیبارٹریوں کے لئے آزادانہ گرانٹ کے ذریعے پیشہ وارانہ مہارت کے مراکز کو فروغ دیا جائے گا۔

سماجی پالیسی

عدم مساوات معاشرتی ترقی کی رفتار میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ پاکستان مسلم لیگ مساوات پر مبنی ایک ایسے معاشرے کے قیام کا تہیہ کئے ہوئے ہے جس مین تمام طبقے ترقی کے ثمرات سے یکساں طور پر بہرہ مند ہوسکیں اور باشندگان ملک میں عدل و تحفظ کا احساس اور جذبہ پیدا ہوسکے۔ اس مقصد کے لئے پاکستان مسلم لیگ آئندہ پانچ سالوں کے دوران درج ذیل اقدامات کرے گی۔

و۔ زکوٰۃ اور عشر کے نظام کی بہتری اور نادار افراد کی امداد پر مزید توجہ دے گی اور آبادی کے محروم اور کم مراعات یافتہ طبقوں کے لئے خصوصی پروگرام میں توسیع کی جائیں گی۔

و۔ ملک کے تمام علاقوں میں صحت کے تحفظ کی بنیادی سہولتیں فراہم کی جائیں گی، اس ضمن میں مختلف بیماریوں کی انسدادی تدابیر پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ ملک میں قومی صحت کے ایک انشورنس پروگرام کے اجراء کے اقدامات بھی کئے جائیں گے۔

و۔ تمام اشیائے ضرورت کی قیمتوں کو مناسب سطح پر رکھنے اور مقررہ آمدنی والے

افراد کی آمدنیوں کا قیمتوں کی شرح سے موازنہ کر کے ان کے مفادات کا تحفظ کیا جائے گا۔ لوگوں کو سادہ طرز زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی جائے گی اور اشیائے تعیش کی درآمد کو روکا جائے گا۔

و۔ بڑے بڑے مہنگے مکان تعمیر کرنے اور اسراف سے کام لینے کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

و۔ شادی بیاہ کی پُرتکلف تقریبات پر پابندیاں عائد کی جائیں گی۔ رشوت ستانی اور سمگلنگ کے خلاف جہاد کیا جائے گا جس کی تفصیلات آگے درج ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ آئین کے مطابق اقلیتوں کو پورا تحفظ دے گی اور انہیں آزادانہ کام کرنے کے مواقع فراہم کرے گی۔

رشوت ستانی

رشوت ستانی ایک ایسی لعنت ہے جس نے ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کو داغدار کر رکھا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ نے تمام ممکنہ ذرائع سے اس برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اس مقصد کے لئے درج ذیل خصوصی اقدامات کئے جائیں گے۔

و۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر اس ادارے یا کاروبار کی نشاندہی کی جائے گی جہاں رشوت ستانی کے امکانات زیادہ ہوں۔ رشوت ستانی کے معاملات کی تحقیقات اور اس کے قطعی طور پر سدباب کے لئے اعلیٰ سطحی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی۔

و۔ ڈویژن اور ضلع کی سطح پر منتخب نمائندوں کی صدارت میں نگران کمیٹیاں مقرر کی جائیں گی۔ تمام اعلیٰ ملازمتوں کے لئے دیانت داری کو بنیادی معیار قرار دیا جائے گا اور کسی کے عہدے یا مرتبے کا لحاظ رکھے بغیر تمام سطحوں پر احتساب کے عمل کو سختی سے

بروئے کار لایا جائے گا۔

و۔ قابلیت اور اہلیت کو تعلقات پر ترجیح حاصل ہوگی اور کارکردگی اور دیانت کو حتمی اور قطعی حیثیت دینے کے لئے انتظامیہ کے نظام میں اصلاح کی جائے گی۔

و۔ جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے۔ انصاف اور پولیس تفتیش کے نظام میں بنیادی اصلاحات کی جائیں گی۔

نظامِ عدل اور انتظامیہ

ہم اس وقت تک ایک حقیقی اسلامی معاشرے کی تعمیر نہیں کر سکتے جب تک ہر شہری کے حقوق کا مکمل تحفظ حاصل نہیں ہوجاتا اور ہمارا نظامِ عدل ہر فرد کے لئے اس کے طبقے، مرتبے اور آمدنی سے قطع نظر کم خرچ اور فوری انصاف کی ضمانت نہیں دیتا۔ پاکستان مسلم لیگ درج ذیل اقدامات کے ذریعے نظامِ عدل کو بہتر بنانے کے لئے ایک جامع پروگرام مرتب کرے گی۔

و۔ انصاف کے حصول میں درپیش موجودہ غیر معمولی تاخیر کو کم کرنے کے لئے نظامِ عدل کی کارکردگی کی توسیع اور بہتری۔

و۔ جیوری سسٹم کا اجراء

و۔ ملک میں قاضی عدالتوں کا قیام۔

و۔ عوام کو ہراساں کرنے والے پولیس کے یکطرفہ اختیارات میں کمی کے لئے پولیس تفتیش میں علاقے کے لوگوں کی شمولیت۔

و۔ قیدیوں کے لئے اصلاحات کا اجراء جن میں خواتین قیدیوں کی بہبود اور تحفظ پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

و۔ ہر فرد کی انصاف تک رسائی کے لئے قانونی مدد کے جامع نظام کی تشکیل اور

ملکی قانون کو آسان بنانے اور اس کی تدوین کے لئے قانونی اصلاحات۔

و۔ پاکستان مسلم لیگ انتظامیہ کے شعبے میں بنیادی اصلاحات بروئے کار لائے گی تاکہ انتظامیہ عوام کے سامنے مکمل طور پر جوابدہ ہو سکے۔

لیبر پالیسی

پاکستان مسلم لیگ محنت کشوں کو ملک کی دولت کا حقیقی منبع سمجھتی ہے اور ان کے حقوق کے تحفظ کی علمبردار ہے۔ لہٰذا وہ مزدوروں کے جائز مفادات کی ہر ممکن حفاظت کرے گی اور اس ضمن میں درج ذیل خصوصی پالیسیوں اور پروگراموں پر عمل کرے گی، تعلیم صحت اور پنشن کے متعلق قواعد میں اضافے کے۔ ۱؎ محنت کشوں کی بہبود کے تمام موجودہ منصوبوں کو ایک اجتماعی قومی لیبر ویلفیئر فنڈ میں ضم کر دیا جائے گا۔

و۔ محنت کشوں کو افراط زر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کی اجرتوں کو اشیاء کی قیمتوں سے مربوط کر دیا جائے گا۔

و۔ تمام سرکاری کارپوریشنوں میں کارکنوں کو متعدبہ مالکانہ حصص دیئے جائیں گے۔

و۔ محنت کشوں کے مسائل کا جائزہ لینے کے لئے ایک قومی ویلفیئر کمیشن قائم کیا جائے گا۔

و۔ مزدوروں کے اجتماعی سودا کاری اور ٹریڈ یونینوں کے ذریعے اپنے تحفظ اور اگر ضروری ہو تو قانونی ہڑتالوں کے حق کو تسلیم کیا جائے گا۔

کچی آبادیاں

یہ امر قومی وقار کے دامن پر ایک دھبے سے کم نہیں کہ آج بھی جبکہ ہمیں آزادی حاصل کئے ۳۸ برس گزر چکے ہیں۔ ملک کی شہری آبادی کا ایک اچھا خاصہ حصہ کچی آبادیوں

میں بدحالی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

پاکستان مسلم لیگ اس مسئلے کو مستقل بنیادوں پر حل کرنے کا عزم رکھتی ہے۔ اس امر کے لئے درج ذیل اقدامات کئے جائیں گے۔

و۔ ابتدائی طور پر پہلے ایک سال کے دوران کچی آبادیوں بشمول متروکہ املاک میں گذشتہ پانچ سال یا اس سے زیادہ برسوں سے مکین افراد کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے۔

و۔ صوبائی حکومتوں کو ہدایات کی جائیں گی کہ وہ کچی آبادیوں کو تمام شہری سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ان میں ترقیاتی ادارے قائم کریں۔ کچی آبادیوں کے مکینوں کو اپنی مدد آپ کے اصول اور امداد باہمی کے ذریعے اپنے طرز زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن امداد دی جائے گی۔

و۔ وفاقی حکومت کچی آبادیوں کی ترقی کے لئے قائم ہونے والے ترقیاتی اداروں کی رہنمائی اور مالی امداد بہم پہنچانے کے لئے ایک وفاقی سیل قائم کرے گی۔

و۔ تجارتی مقاصد کے لئے جن لوگوں نے کچی آبادیوں کے نام سے اراضی پر غیر قانونی قبضہ کر رکھا ہے اور سرکاری اراضی پر ناجائز تجاوزات کر لئے ہیں اس کو روکنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں کچی آبادیوں میں مزید توسیع کو بھی روکا جائے گا۔

رہائشی سہولتیں

پاکستان مسلم لیگ شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والے افراد کی رہائشی سہولتوں کے لئے متعدد اقدامات کرے گی۔

و۔ حکومت ہر سال کم آمدنی والے لوگوں کے لئے پانچ اور دس مرلے کے کم از کم ایک لاکھ پلاٹ تیار کرے گی۔ اس سلسلے میں بے گھر، بیواؤں اور کم آمدنی والے سرکاری

ملازمین کا خاص طور سے خیال رکھا جائے گا۔

و۔ دیہی علاقوں میں سرکاری اراضی پر سات مرلہ رہائشی سکیم شروع کی جائے گی۔

و۔ کم آمدنی والے افراد کے رہائشی منصوبوں کی تکمیل کے لئے ٹیکس میں مراعات دی جائیں گی۔

و۔ ان مالکان سے جنہیں ۵ سو روپے ماہانہ تک کرایہ وصول ہو رہا ہے کوئی پراپرٹی ٹیکس وصول نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح اپنے مکانوں میں رہنے والے افراد ایک ہزار روپے ماہانہ کی حد تک ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

خواتین کے حقوق اور بہبود

قیام پاکستان کی جدوجہد میں خواتین نے جو مصائب برداشت کئے اور قربانیاں دیں اور ہماری قومی تاریخ کا حصہ ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ خواتین کو اپنی سرگرمیوں میں پوری طرح شریک کرے گی اور انہیں آئین کے تحت بنیادی حقوق دیئے جائیں گے۔

قومی سطح سے لے کر بلدیاتی اداروں تک ایک ہی ذمہ دار قیادت کی تشکیل کے لئے خواتین کی حوصلہ افزائی کی جائے گی جو قومی مقاصد کے لئے خواتین کی دلچسپی اور آگاہی عام سرگرمیوں میں وسیع تر شمولیت اور پارٹی میں ان کے موقف کی سربلندی کے لئے کام کرے۔ اس مقصد کے لئے پاکستان مسلم لیگ میں خواتین کا ایک خصوصی شعبہ قائم کیا جائے گا۔

بلدیاتی اداروں میں عام نشستوں پر انتخاب کے علاوہ ہر یونین کونسل میں کم از کم دو خواتین کو براہِ راست عورتوں کے ووٹوں کے ذریعے منتخب کیا جائے گا۔

خواتین کے لئے تحفظ، معاونت اور سماجی خدمات مہیا کرنے کی غرض سے درج ذیل خصوصی مساعی کی جائیں گی۔

و۔ غیر روائتی تعلیم کے ایک جامع پروگرام اور زنانہ سکولوں میں توسیع کے ذریعے خواتین میں جہالت کا خاتمہ کیا جائے گا۔ ۱۹۹۰ء تک خواتین میں خواندگی کی شرح دوگنا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

و۔ قرآن اور سنت میں بیان کیے گئے حقوق کی (با لخصوص جن کا تعلق پرسنل لاء سے منقطع ہو ہے) نگہداشت کے لئے مناسب قانون سازی، عدالتی تحفظ اور حکومتی پالیسیوں کے ذریعے خصوصی اقدامات کئے جائیں گے۔

و۔ انسانی وقار اور بہبود نسواں سے متصادم رسوم و روایات کی بیخ کنی کی جائے گی۔ غیر اسلامی رسم و رواج کو ختم کیا جائے گا اور خواتین کو غیر اسلامی معاشرتی برائیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خصوصی قوانین کا نفاذ کیا جائے گا۔ ذرائع ابلاغ کا موثر استعمال کیا جائے گا اور قانون کے نفاذ کے لئے متعدد ادارے قائم کیے جائیں گے۔

و۔ ہر تحصیل میں کثیر المقاصد مراکز قائم کیے جائیں گے جہاں طبی امداد، اور غیر روایتی تعلیم، قائدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے تربیت، مختلف فنون میں مہارتوں کے حصول اور آمدنیوں میں اضافے سے متعلق سرگرمیوں کی سہولتیں میسر ہوں گی۔ ان مراکز کا نظام بلدیاتی اداروں کی منتخب کونسلر خواتین زنانہ زرعی توسیعی عملے، محکمہ صحت اور سکول کے عملے کے ساتھ مل کر کریں گی۔

و۔ ملک کے مختلف حصوں خصوصاً دیہی علاقوں میں زچہ بچہ کے تحفظ اور نوزائدگان کی شرح اموات میں کمی کے لئے گشتی اور غیر گشتی مراکز صحت قائم کیے جائیں گے۔

نوجوانوں کے متعلق پروگرام

نوجوان ملک و قوم کا سب سے قیمتی اثاثہ ہیں اور ان کی بہبود کے لئے خصوصی پروگراموں کی تشکیل بے حد ضروری ہے، ان مقاصد کے لئے مسلم لیگ

و۔ نوجوانوں کے مسائل پر غور و خوض کے لئے ایک علیحدہ یوتھ ڈویژن قائم کیا جائیگا۔

و۔ نوجوانوں کی بہبود کے لئے صحت مندانہ اور مثبت سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے گا اور انہیں ملک کی تعمیر نو کے لئے منظم کیا جائے گا۔

و۔ نوجوانوں کی تمام منظور شدہ تنظیموں اور غیر سرکاری تنظیموں کو ضروری امداد اور مالی معاونت فراہم کی جائے گی۔

و۔ نوجوانوں میں نظم وضبط اور ذمہ داری کے اوصاف کو فروغ دینے اور مادر وطن سے محبت کو جلا بخشنے کی غرض سے ان کے لئے ایسی سرگرمیوں کا ایک نظام تشکیل دیا جائے گا۔ جس میں نوجوان، تعلیم، صحت اور دیہی ترقی کے شعبوں میں سماجی خدمات سرانجام دے سکیں گے۔ یا فوجی تربیت حاصل کر سکیں گے۔

و۔ ملک میں ہیروئن اور دیگر منشیات کے بڑھتے ہوئے سنگین مسئلے سے نمٹنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں گے۔ منشیات کے حصول، استعمال اور خرید و فروخت کی سزا موت ہوگی۔

خارجہ پالیسی

قائداعظم کا پیش کردہ خارجہ پالیسی کا تصور" دوستی سب کے ساتھ، دشمنی کسی سے نہیں" کے اصول پر مبنی تھا۔ پاکستان مسلم لیگ نظریہ پاکستان سے روشنی حاصل کرنے کے لئے بین الاقوامی امن اور تعاون کے لئے کوشاں رہے گی۔ اسلام کے مساوات اور عدل کے زریں اصول مسلم لیگ کی خارجہ پالیسی کے لئے مشعل راہ ہوں گے۔ مسلم لیگ پاکستان کی آزادی اور یک جہتی کے تحفظ اور ملکی معیشت کی تیز تر ترقی اور اسے جدید خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت پر غیر متزلزل یقین رکھتی ہے، اور وہ اپنی خارجہ پالیسی کو اس انداز میں تشکیل دے گی جو ان مقاصد کے حصول میں بہترین معاون ثابت ہوسکے۔

اسلامی ممالک کے ساتھ برادرانہ مراسم، فلسطینی عوام کی اپنی ارض وطن کے حصول کے لئے جدوجہد میں امداد، تیسری دنیا کی حمایت دنیا بھر میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہر کڑے مرحلے میں پاکستان کا ساتھ دینے والے دوستوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ بہترین تعلقات، مسلم لیگ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی ستون ہوں گے۔

مسلم لیگ خارجہ تعلقات میں ایک آزادانہ اور غیر جانبدارانہ حکمت عملی کو بروئے کار لائے گی۔ وہ تمام ریاستوں کے لئے چاہے بڑی ہوں یا چھوٹی اقوام متحدہ کے چارٹر اور پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر عملی طور پر کاربند ہونا لازمی تصور کرتی ہے۔

مسلم لیگ جموں اور کشمیر کے عوام کے حقوق کی اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق بازیابی کو اپنا بنیادی فریضہ سمجھتی ہے۔

مسلم لیگ مسئلہ افغانستان کے سیاسی حل کے لئے کوشش کرے گی جس کے نتیجہ میں افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی ہو سکے، افغان مہاجر اپنے وطن واپس لوٹ سکیں اور افغانستان ایک اسلامی اور غیر جانبدار ملک کے طور پر زندہ رہ سکے۔

مسلم لیگ ہمیشہ پاکستانی عوام کے جذبوں اور امنگوں کی پاسداری کرے گی، اور خارجہ پالیسی کو دیگر پالیسیوں کی طرح قومی وقار اور افتخار کے شایان شان بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی۔

دفاعی پالیسی

ملک کی سیاسی آزادی اور علاقائی خودمختاری کے تحفظ کے لئے اپنی دفاعی صلاحیتوں میں اضافہ ناگزیر ہے۔ ہمارے دفاعی انتظامات کو بین الاقوامی اور علاقائی سلامتی کے تقاضوں پر پورا اترنے کی اہمیت کا حامل ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ

"افواج پاکستان سیسہ پلائی دیوار ہیں" مسلم لیگ ملک کی مسلح افواج کو جدید ترین اور اعلیٰ معیار کے اسلحے اور پیشہ وارانہ تربیت کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے موثر اقدامات کرے گی۔

ملک میں دفاعی ساز و سامان کی تیاری اور بھاری صنعتوں کو فروغ دیا جائے گا۔ اور دفاعی پیداوار کے لئے ٹیکنالوجی کے حصول اور ملکی اہلیت میں اضافہ کیا جائے گا۔ پاکستان کے عوام کو اپنی بہادر مسلح افواج سے تعاون کے لئے ایک تاریخی کردار ادا کرنا ہے۔ مسلم لیگ دفاع وطن کے مقدس فریضہ میں عوام کی شمولیت کو فروغ دینے کے لئے تمام تر اقدامات بروئے کار لائے گی۔

حرفِ آخر

اسلامی جمہوریت کی طرف رواں دواں

پاکستان مسلم لیگ کا منشور نعروں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ٹھوس اور مثبت لائحہ عمل ہے۔

قوم نے ایک طویل مدت تک مکمل جمہوریت کے قیام کا خواب دیکھا ہے۔

ایک حقیقی اسلامی نظام کے لئے دعائیں مانگی ہیں۔

ایک عادلانہ معاشی نظام کا انتظار کیا ہے۔

آج ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوں گی اور عوام کی دعائیں سنی جائیں گی۔

ہم آج عہد کرتے ہیں کہ پاکستان کی تعمیر نو کے لئے عوامی تحریک چلائی جائے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی

پاکستان پیپلز پارٹی پر پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کی گہری چھاپ ہے۔
۱۹۵۸ء میں جب صدر سکندر مرزا نے ملک میں مارشل لاء نافذ کیا اور حکومت کی سربراہی
جنرل محمد ایوب خان کے سپرد ہوئی تو جو کابینہ ایوب خان نے بنائی، اس میں چند فوجی جرنیل
تھے اور چند غیر فوجی تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو اس کابینہ میں سب سے کم عمر غیر فوجی وزیر تھے
مگر یہ بہت جلد کابینہ کے اہم ترین ارکان میں شمار ہونے لگے اور جب کچھ عرصے بعد وہ
حکمران جماعت مسلم لیگ (کنونشن) کے جنرل سیکرٹری بھی منتخب ہو گئے جس کے صدر خود
فیلڈ مارشل محمد ایوب تھے تو ذوالفقار علی بھٹو کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اور ایک لمبے
عرصے تک ایوب خان اور ان کے وزیر خارجہ زیڈ اے بھٹو کے درمیان گہری مفاہمت
قائم رہی مگر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد جب روسی رہنماؤں کی کوششوں سے
معاہدۂ تاشقند عمل میں آیا تو ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو میں اختلافات رونما ہو گئے
جس کے نتیجے میں بھٹو کو استعفےٰ دینا پڑا۔ اُس وقت حقیقتِ حال تو لوگوں پر روشن نہ
تھی اور نہ شاید اب تک روشن ہے مگر ایوب حکومت سے الگ ہونا بھٹو کی مقبولیت
میں اضافہ کا سبب بنا اور انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ ایک نئی سیاسی جماعت بنانے
اور ملک کی سیاسیات میں اپنا منفرد رول ادا کرنا کے بارے میں سوچا۔ اس سوچ کا نتیجہ نومبر
۱۹۶۷ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام کی صورت میں برآمد ہوا۔ ڈاکٹر مبشر حسن جے اے رحیم
میر رسول بخش تالپور، شیخ محمد رشید، خورشید حسن میر، معراج محمد خان، ملک نوید احمد، ملک حامد سرفراز،

کامریڈ غلام محمد اور بیگم آباد احمد خان ان افراد میں تھے جنہوں نے پارٹی کی تشکیل اور اُس کے پہلے کنونشن میں شرکت کی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے منشور اور بنیادی دستاویزات کو دیکھا جائے تو یہ واضح تاثر ابھرتا ہے کہ پارٹی بنانے والوں اور پارٹی کے لئے منزل اور طریقِ کار وضع کرنے والوں نے پارٹی کے قیام سے پہلے خوب غور و فکر کیا تھا اور اپنے لئے جو راہ نکالی تھی، وہ سوچ سمجھ کر اور اس کے نیک و بد کو چھان پھٹک کر نکالی تھی۔ اس لئے کہ پاکستان میں یہ راہ ایک حد تک نئی تھی اور نئی راہ پر چلنا اور نیا راستہ تراشنا ہمیشہ مشکلات کو دعوت دیتا ہے۔

پارٹی نے چار بنیادی اصول اپنانے اور ان کا اعلان کیا۔ یہ چار اصول جو پاکستان پیپلز کی پہچان اور اس کا تشخص بن گئے حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اسلام ہمارا دین ہے۔
۲۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔
۳۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے۔
۴۔ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

یہ چار اصول پارٹی کی طاقت ہیں اور یہی اس کی (کہیں کہیں) کمزوری بھی ثابت ہوئے ہیں۔ کمزوری دو معنوں میں۔ اول پارٹی کے مخالفین اور نقادوں نے ان کی تشکیل اور اختیار پر اعتراض کئے اور اس سے کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ دوم، حکمران جماعت بن کر پاکستان پیپلز پارٹی ان اصولوں کی کامل علمبرداری نہ کر سکی۔ کہیں جمہوریت سیاست میں کم جھلکی، کہیں معیشت حقیقی سوشلزم کا ڈھنگ نہ اختیار کر سکی اور کبھی اسلام ہمارا دین ہے، اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں کی راہوں میں قدم ڈگمگا گئے!!

ان چار اصولوں کے ساتھ ایک اور نعرہ بھی اپنایا گیا جس کی کشش اور معنویت پاکستانی عوام کے ایک طبقے کے دلوں میں گھر کر گئی۔ وہ نعرہ، وہ موثر تدبیر، وہ سلوگن اور وہ نسخۂ کارگر ان الفاظ میں گونجا:

روٹی، کپڑا اور مکان

اس نعرے کے ذریعے پیپلز پارٹی پاکستانی سیاست کو زمین پر لے آئی۔ یہ اب نہ آسمانوں پر رہی اور نہ فضاؤں میں بلکہ اس کا ناطہ عوام کی حقیقی ضرورتوں اور اُمنگوں کے ساتھ جُڑ گیا۔ خود تحریکِ پاکستان کی روح بھی یہی تھی۔ ایک خوشحال اور باوقار زندگی ہر شہری کے لئے مہیا کرنا پاکستان کے بنیادی مقاصد میں تھا جسے ہم بھول چکے تھے۔ اس نعرے نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور یہ اپنا کام کر گیا۔ ملک کے غریب طبقوں میں بیداری اور قوت کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔

سیاسی جماعتوں کا جہاں یہ کام ہے کہ وہ عوامی حمایت کے بل پر حکومت میں آئیں اور اپنی اعلان کردہ پالیسیوں کے مطابق ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کا فرض انجام دیں، وہاں عوام کی ذہنی و سیاسی تربیت بھی ان کا ایک اہم فریضہ ہے۔ وہ حالات کا تجزیہ پیش کرتی ہیں اور منزل اور سفر کا تعین کر کے عوام کی فلاح و بہبود میں ان کی رہبر بنتی ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیادی دستاویزیں اس کے ہوم ورک کا پتہ دیتی ہیں۔ دستاویز نمبر ۳ میں پاکستان کے آغاز سے ایوب حکومت کے آخری دنوں تک کا جائزہ ملتا ہے۔ اس جائزے میں جو تلخ حقائق بیان کئے گئے ہیں، وہ آج بھی ویسے ہی درست نظر آتے ہیں جیسے آج سے بیس برس پہلے درست تھے مذکورہ دستاویز کے ابتدائی تین پیراگراف یوں ہیں۔

”پاکستان اپنی آزاد اور خود مختار زندگی کے تیسرے عشرے میں داخل ہو رہا ہے لیکن ۱۲ کروڑ پاکستانیوں کے تمام بنیادی مسائل کا حل اور ان کا

مستقبل ابھی تک غیر یقینی ہے۔ یہ بات اس لئے بھی افسوسناک ہے کہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد اس برصغیر کے مسلمانوں نے مکمل اعتماد کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی بنیادیں اسلام کے بنیادی اصولوں پر استوار کی جائیں گی اور ہماری سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی اسلام کے دینی اور دنیوی اصولوں کی قوت سے رواں دواں ہو گی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ نہ ہوسکا اور اس کیلئے کسی لمبی چوڑی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ مارشل لاء سے پہلے پاکستان اپنی قومی زندگی کے تمام ضروری شعبوں میں بہت ہی پیچیدہ مسائل اور مشکلات میں گھرا ہوا تھا ۱۹۵۶ء کے آئین کو بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مخلوط یا غیر مخلوط انتخاب کے نظریہ، مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان صوبائی مساوات کا مسئلہ، دینی اور لادینی سیاسی نظریہ کا باہم تعلق، اقلیتوں کے حقوق، مغربی پاکستان کی وحدت کا مسئلہ اور دوسرے بہت سے ایسے ہی نازک اور بھڑک اٹھنے والے مسائل درپیش تھے۔

" معاشرے میں رشوت ستانی، نفسا نفسی اور کنبہ پروری کا اس قدر دور دورہ تھا کہ ہماری اخلاقی اور سماجی زندگی تیزی سے پستی کی طرف جا رہی تھی۔ لوگوں میں بددلی اور مایوسی پھیل چکی تھی اور حکومت کے نظم و نسق کی اہلیت پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا خصوصاً غریبوں اور محنت کشوں کے حقوق اور خواہشات کو جس بے دردی سے نظر انداز کیا گیا، اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ یہی غریب اور محنت کش لوگ جن کے بل بوتے پر معاش اور اقتصادی میدان میں سرمایہ داروں کے لئے بے انتہا ترقی کے مواقع پیدا ہوئے اور کارخانوں کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی لیکن ان کی ترقی کے لئے جو ہماری آبادی کی اکثریت ہے۔ مختلف حکومتوں نے کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

غربت اور افلاس ہمارے ملک کے محنت کش طبقوں کو گھن کی طرح کھانے لگے۔

" نوکر شاہی اور حکومت کے اہل کار بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کی بہبود کی طرف متوجہ ہوتے انہوں نے سیاسی کش مکش میں سیاست دانوں کے ساتھ اپنے آپ کو بُری طرح الجھا دیا اور سیاست دانوں کے شانہ بشانہ اس آزاد ملک کے خادم بننے کی بجائے اس کے حاکم بن گئے۔ اس وجہ سے ملک غیر یقینی سیاسی ماحول اور نازک حالات سے دو چار ہوگیا اور ہمارے تمام قومی مسائل میں اضطراب کی کیفیت روز بروز نمایاں ہوتی گئی۔۔۔۔۔ ان سیاسی حقیقتوں کے پیش نظر اور عظیم ملی مفاد کے لئے جن کا کسی حد تک تجزیہ کیا گیا ہے، یہ حقیقت اب واضح ہو چکی ہے کہ ایک نئی سیاسی جماعت اور ایک نیا سیاسی لائحہ عمل اور دستور اس قوم و ملت کے لئے اشد ضروری ہیں۔"

اوپر کی سطریں اس دستاویز سے لی گئی ہیں جس کا عنوان" ایک نئی پارٹی کیوں؟" ہے اب ہم دستاویز نمبر ۴ جس کا عنوان" اسلامی مملکت پاکستان میں سوشلزم کیوں ضروری ہے؟" کا ابتدائی حصہ یہاں درج کرتے ہیں جس سے پارٹی کے سوشلسٹک پروگرام پر روشنی پڑتی ہے۔

"پیپلز پارٹی کے مقصد کو اگر ایک فقرے میں بیان کیا جائے تو یہ کہنا کافی ہوگا کہ اسلامی مملکت پاکستان میں سوشلسٹ نظام کو رائج کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس پارٹی کا یہ مقصد ٹھہرا کہ یہاں ایک ایسی عوامی جمہوریت کو قائم کیا جائے جس میں ملک کے تمام افراد کو ہر شعبہ زندگی میں مساوی حقوق حاصل ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ جمہوریت میں قانون کی نگاہوں میں سب کی برابری ضروری ہے لیکن یہ مساوات نامکمل رہ جاتی ہے جب تک کہ کسی جمہوری نظام میں معاشی اور معاشرتی عدل و انصاف کی بنیاد پر سب کے حقوق مساوی نہ ہوں۔ اس لئے

سوشلزم ہی ایک ایسا نظام ہے جو کہ تمام افراد کے لئے یکساں مواقع پیدا کرتا ہے اور ان کو معاشی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رکھتا ہے۔ طبقاتی کشمکش اور اس کے ساتھ وابستہ قیدو بند سے آزاد کرتا ہے ایسا نظام ہی معاشی اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کو بروئے کار لاکر صحیح جمہوری اقدار کو ان کے منطقی عروج تک پہنچا سکتا ہے اور ان کو ٹھوس سماجی اور معاشرتی بہبود کی عملی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ جدید سوشلزم کے نظریے اور اصول پچھلی دو صدیوں کے تجربات کے نتیجہ میں اخذ کیے گئے ہیں اور سوشلزم کے اصول پچھلی دو صدیوں کی معاشی جدوجہد پر حقیقت پسندانہ اور سائنٹفک تحقیق کو بروئے کار لا کر حاصل کیے گئے ہیں۔

د سرمایہ دارانہ نظام پیداوار سے حاصل کردہ علم کے ساتھ ساتھ ہماری معلومات میں بیش بہا اضافہ ان تجربات سے بھی ہوا ہے جو ان ممالک میں کئے گئے ہیں جہاں سوشلزم کے اصولوں کو مختلف حالات میں عملی جامہ پہنایا گیا ہے۔ ان ملکوں کے علاوہ جو انقلاب کی منزلیں طے کر چکے ہیں کئی ایسے ملکوں میں بھی جہاں بظاہر آئینی بادشاہتیں ہیں، سوشلسٹ اصلاحات سودمند طریقوں سے رائج کی گئی ہیں۔ حالانکہ ان معاشروں میں کوئی انقلابی، سیاسی یا سماجی ردّ و بدل نہیں کیا گیا۔ سوشلزم کا ارتقاء کسی ایک براعظم یا کسی ایک قوم سے مخصوص نہیں بلکہ یہ عالمگیر نظام معاشرت ہے۔ اس نظام کے اصولوں کی عالمگیر حیثیت ان دو وجوہات کی بنا پر ہے۔

۱۔ جدید سوشلزم کی بنیادیں ٹھوس مادی حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ یہ اصول محض خوش فہمی یا ناقابل حصول خواہشات پر مبنی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا مقصد کسی کی خودساختہ تمناؤں اور امیدوں کو تسکین دینا ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد تو سائنٹفک تجزیے اور تحقیق پر ہے جو کہ ایک لمبے عرصے سے انسان کی معاشی کش مکش اور معاشرتی تبدیلیوں کے

علم سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں کا مطمع نظر اور اس دنیوی زندگی میں عمل کے تمام پہلوؤں کو احسن طریق پر استعمال کر کے بہترین معاشرے کو قائم کرنا ہے۔

۲۔ سوشلزم کا نظریہ تکر دنیا کے ہر گوشے اور ہر ملک کے لئے ایک پیغام کی حیثیت رکھتا ہے چاہے وہ ملک یا خطہ کیسے ہی معاشی یا سیاسی دور سے گزر رہا ہو سوشلزم محض پیغام ہی نہیں بلکہ مسلسل عمل کا راستہ ہے۔ دنیا کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے تمام ملکوں کو تین گروہوں میں بآسانی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(i) وہ ملک جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے علمبردار ہیں اور مادی لحاظ سے بظاہر ترقی کی معراج پر ہیں۔ (ii) وہ ملک جنہوں نے سوشلزم کو اپنایا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہیں اور (iii) وہ ملک جن کو غیر ترقی یافتہ ملک کہا جاتا ہے یا اب انہیں کبھی کبھی ترقی پذیر ملک کا لقب بھی دیا جاتا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو سرمایہ دارانہ سامراج کے ہاتھوں کسی نہ کسی رنگ میں ایک لمبے عرصے سے شکار ہیں۔ ان ملکوں کے لئے خاص طور پر سوشلزم ایک طرف تو غربت اور افلاس اور دوسری طرف سامراجی لوٹ کھسوٹ کا سامنا کرنے کے لئے اپنے مضبوط نظام کی صورت میں دو دھاری تلوار پیش کرتا ہے کیونکہ سوشلزم کا نظام اپنے اصولوں کی سچائی کی وجہ سے اور انسانی عمل کی قدر و منزلت کے طفیل مختصر ترین وقت میں معاشرے کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر ترقی کی انتہائی منازل تک پہنچا دیتا ہے۔

"سوشلزم کا نظام اس لئے پاکستان کی دلچسپی کا موجب ہے۔ ہمارا ملک ایک غریب اور افلاس زدہ ملک ہے جو سنگین اندرونی اور بیرونی سامراجی سرمایہ دارانہ سازشوں کا شکار ہے۔ ملک کی دولت کے توازن کے اعتبار سے ہمارا ملک غریب ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس خطۂ زمین میں بسنے والے بارہ کروڑ انسانوں کی غربت و افلاس کا موازنہ کسی اور ملک سے آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا

سوشلزم کسی غیر ترقی یافتہ ملک میں اپنایا جا سکتا ہے؛ ہمیں اپنی موجودہ دور کی تاریخ صاف لفظوں میں اس سوال کا جواب "ہاں" میں دیتی ہے۔ یہ مفروضہ کہ ہر غیر ترقی یافتہ ملک ان تمام اقتصادی منازل سے ہو بہو اُس طرح گزرے جس طرح کہ مغربی ممالک سرمایہ دارانہ معاشرتی و معاشی ادوار میں سے بتدریجاً گزرے ہیں تو کہیں جا کر وہ ترقی کا خواب دیکھ سکتے ہیں یہ دلیل خود اپنی نفی کرتی ہے کیونکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ جب تک کسی غیر ترقی یافتہ ملک کی اقتصادی و معاشی تاریخ کا خاکہ اُس طرح نہ ہو جس طرح کہ ترقی یافتہ یورپی ممالک کا تھا اس وقت تک وہ ترقی کی منزلوں سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ پاکستان جس کا سیاسی، تاریخی اور اقتصادی ماضی مغربی عیسائی ملکوں سے بالکل مختلف ہے، اس کے لئے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی پیروی سے ترقی حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اور جب مغربی جمہوریت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے حالات کے مطابق نہیں تو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق بھی تو یہی دلیل دی جا سکتی ہے۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض مغربی عالموں نے سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق پہلے ہی یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ جب تک کوئی قوم یا ملک یہودی نصرانی کلچر اپنے تمام پہلوؤں سے اپنا نہ لے اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اقتصادی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کو استعمال کر کے مادی ترقی حاصل کر سکے۔ تو پھر صاف لفظوں میں یہ مغربی عالم کیوں نہیں کہہ دیتے کہ غریب ملکوں کے لئے سرمایہ دارانہ نظام کو صرف اپنانا ہی ضروری نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کا کلچر بھی اپنے گلے کا ہار بنانا ضروری ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ اور بھی ضروری ہے کہ پاکستان جو ایک اسلامی ملک ہے اور جو اسلامی مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر بنایا گیا ہے اور جس کا دعویٰ ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ وہ اسلامی طرزِ زندگی سے کسی صورت میں دستبردار نہیں رہے گا اور وہ تو صرف ایسے

معاشی نظام کو اپنائے گا جس کے سوتے ہماری تاریخ، ہمارے کلچر اور ہمارے نظریۂ حیات سے پھوٹتے ہوں اور جو ہماری موجودہ معاشی و معاشرتی مشکلات کا حل ہو۔ اسلامی نظریۂ حیات نصرانی اور یہودی سرمایہ دارانہ نظام کی ضد ہے اور سوشلزم کا اقتصادی نظام ہرگز غیر اسلامی نہیں (قائداعظم اور علامہ اقبال کے اقوال اس کے ثبوت میں بآسانی پیش کئے جا سکتے ہیں۔)"

یہ استدلال اگرچہ پہلی بار سننے میں نہ آیا ہو لیکن اپنے اندر سچائی اور خلوص کا ایسا وزن رکھتا ہے جو پڑھنے والوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر کسی پارٹی کا دین اسلام ہو تو لامحالہ اس کی پسندیدہ معیشت دین ہی کے سرچشمے سے پھوٹنی چاہیئے مگر یہ واقعہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اسلام کا طرزِ معیشت عدل و انصاف اور حق و احسان ہے جو اپنے آخری تجزیے میں سرمایہ داری سے بہت دور، بہت دور اور سوشلزم کے بہت قریب، بہت قریب ہے اور غور سے دیکھا جائے تو جب علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے جس سے مسلمانوں نے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔ پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ سوشلزم (جو دراصل کمیونزم کا معاشی پہلو ہے) کے معاشی اصول ایک طویل زمانے کے تجربات اور تحقیق کا حاصل ہیں سوشلزم عہد جدید میں ایک طرف سرمایہ و محنت اور دوسری طرف سامراج اور حریت کی آویزش کی وہ سائنس ہے جس سے ہر قوم، ہر ملک اور ہر مذہب اپنے اپنے ایمانیات اور کلچر کے فریم ورک میں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ سوشلزم خدا اور رسول یا روحانی اقدار سے ہرگز متصادم نہیں۔ یہ تو معاشی انصاف قائم کرنے کی ایک جدید سائنس ہے جس کو کسی بھی مذہب یا کلچر کے لوگ اپنے مذہب اور کلچر کے فروغ کے ساتھ اپنا سکتے ہیں اور اسے اپنے کلچر کی اسپرٹ سے ہم آہنگ کر سکتے ہیں۔ اگر کہیں سوشلزم ناکام ہوتا ہے تو وہ سوشلزم کی نہیں مقامی کلچر اور حالات سے سوشلزم کو ہم آہنگ کرنے کی

اہلیت کی کمی یا ناکامی ہوگی۔ اور اسلام کو تو جدید سوشلزم کا پیشرو خیال کرنا چاہیئے اس لئے کہ قرآن وسنّت کا ہر حکم حق وانصاف کی جانب ایک واضح قدم ہے اور یہ قدم ناانصافیوں، ناہمواریوں اور ظلم واستحصال کے خلاف جاتا ہے"!

پارٹی نے اپنا مقصد عوام کی امنگوں کے مطابق، پاکستان کو ایک سوشلسٹ سوسائٹی میں تبدیل کرنا، قرار دیا اور اس کے لئے دو رہنما اصول اپنائے۔

۱۔ مساواتی جمہوریت یعنی غیر طبقاتی سوسائٹی کا قیام

۲۔ معاشی اور معاشرتی انصاف کے حصول کے لئے سوشلسٹ خیالات سے کام لینا۔

اسی کے ساتھ پارٹی نے اس امر پر زور دیا ہے کہ "نظریۂ پاکستان کی جڑیں کسی شک وشبہ کے بغیر دینِ اسلام میں پیوست ہیں" اور کہا ہے کہ "یہ مقاصد اور رہنما اصول (جو اوپر بیان ہوئے ہیں) فقط سیاسی اور معاشی امور سے متعلق ہیں جو قوم کو درپیش ہیں"۔

پارٹی نے حسبِ ذیل پروگرام اور لائحہ عمل منظور کیا ہے۔

۱۔ ملک کا آئینی ڈھانچہ ری پبلکن (جمہوری) ہونا چاہیئے اور حکومت عوام کے براہ راست منتخب کردہ نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہونی چاہیئے۔

بالغ حق رائے دہی مردوں اور عورتوں کے لئے برابر ہوگی

انسانی حقوق کا سختی سے لحاظ رکھا جائے گا اور شہری آزادیوں کا مکمل تحفظ ہوگا، بالخصوص

(ا) ضمیر کی آزادی

(ب) لکھنے اور بولنے میں آزادئ اظہار

(ج) پریس کی آزادی

(د) آزادئ اجتماع

(ر) میل ملاپ کی آزادی

کسانوں اور مزدوروں کو قومی آمدنی کے پیدا کرنے والوں کی حیثیت سے اپنی محنت کا پھل کھانے کا پورا حق ملنا چاہیئے۔ تمام زرعی اور صنعتی پروگراموں اور سرگرمیوں کا مقصود محنت کش عوام کی بہبود ہونا چاہیئے۔

فنانس اور صنعت کے کلیدی شعبوں کا قومیانے کی غرض ؛

(ا) صنعتی ترقی کی رفتار تیز کرنا

(ب) مراعات یافتہ طبقے کے استحصال سے عوام کو نجات دلانا

(ج) پاکستان کے اندرونی معاملات میں بیرونی مداخلت کا قلع قمع کرنا

زرعی اصلاحات تاکہ جاگیرداری کے ہاتھوں کاشت کاروں کے استحصال کا خاتمہ کیا جا سکے۔ مثبت اقدامات تاکہ کسان برادری امداد باہمی اور خود مدد گروپوں میں منظم ہو سکے۔

۲

مسلم لیگ کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی ملک کی دوسری قابل ذکر سیاسی جماعت ہے جو انتخابات کے ذریعے ملک کی حکمران رہی ہے۔ اس لئے اس کے دورِ حکومت پر بآسانی تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک مبصر کی رائے میں پیپلز پارٹی کا کارنامہ مندرجہ ذیل پر مشتمل ہے:

۱۔ عوام کی بیداری

۲۔ یہ امکان ثابت کیا کہ پاکستان جیسا چھوٹا ملک بھی آزاد خارجہ پالیسی اختیار کر سکتا ہے۔

۳۔ یہ کہ اگر صنعت کے کسی ضروری میدان میں پرائیویٹ سیکٹر سامنے نہ آئے تو پبلک سیکٹر سے کام لیا جا سکتا ہے۔

۴۔ یہ کہ موجودہ انتظامی ڈھانچہ بے کار اور از کار رفتہ ہو چکا ہے اور اس کو بدلے بغیر کوئی حکومت مؤثر طور پر کام نہیں کر سکتی۔

۵۔ اگر کامرس اور انڈسٹری کی زیادہ ترقی ہو، اگر کامرس اور انڈسٹری کے پاس اس ترقی کی وجہ سے مزید معاشی طاقت آئے تو پھر وہ سیاسی طاقت بھی مانگنی چاہتے ہیں۔

ایک اور مبصر کے خیال میں پیپلز پارٹی کے کارناموں یا ناکارناموں کی فہرست یوں ہے:

۱۔ غریب طبقوں کو بیدار کیا اور ان میں عزتِ نفس کا احساس جگایا مگر مزدوروں میں غیر ذمہ داری اور کام سے لاپروائی بھی پیدا کی۔

۲۔ بنکوں اور بڑی صنعتوں کو قومیا کر سرمایہ دارانہ استحصال پر ایک ضرب لگائی اور کالجوں اور سکولوں کو قومیا کر اساتذہ کی خدمت کی اگرچہ یہ تعلیم کی خدمت ثابت نہ ہوئی۔

۳۔ قوم کو ایک متفقہ آئین دیا مگر بلوچستان کی مخلوط حکومت بے جواز برطرف کر کے سرحد کی مخلوط حکومت کو بھی مستعفی ہونے کا موقع دیا... اس سے جمہوریت غیر محفوظ ہو گئی اور بلوچستان میں ایک عرصے تک فوجی کارروائی جاری رکھنا پڑی جس کے نتائج دور رس ثابت ہوئے۔

۴۔ بیوروکریسی کو درست کرنے کی نیم دلانہ کوشش کی مگر تھوڑے ہی عرصے میں اُسے پارٹی کے کاموں میں ملوث کر لیا۔

۵۔ اسلامی سربراہی کانفرنس، غیر جانبدار تحریک اور تیسری دنیا میں دلچسپی اور جرات مندانہ نیوکلیئر پروگرام مثبت اقدام تھے۔ ان سے امریکہ ناراض ہوا اور اسرائیل کی پاکستان دشمنی میں تیزی آئی۔

۶۔ شملہ معاہدہ کے ذریعے ایک لاکھ سے زیادہ جنگی قیدی ہندوستان سے چھڑوائے مگر کشمیر کا مسئلہ مزید کھٹائی میں پڑ گیا۔

۷۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں صنعت و تجارت آگے بڑھی عوام کی قوت خرید میں اضافہ ہوا اور ملک میں خوشحالی کا دور دورہ تھا مگر شخصی آزادیوں اور فرد کی عزت ذاتی کا جہاں تک تعلق ہے، یہ زمانہ قابل رشک نہ تھا۔

۸۔ عدلیہ کی خود مختاری اور پریس کی آزادی اس دور میں بھی متاثر ہوئی۔

۹۔ آئین میں صوبائی خود مختاری کی جس قدر گنجائش تھی، عملاً اس کی صورت پیدا نہ ہوئی۔

۱۱۔ مہنگائی بڑھی اور کرپشن کم نہ ہوئی۔

۳

پارٹی کی بنیادی دستاویزات میں سے جو طبع شدہ ہیں ہم یہاں مندرجہ ذیل تحریریں شامل کتاب کر رہے ہیں۔ ان سے پارٹی کے منشور، پروگرام، نقطہ نظر اور عزائم کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ اور غیر مبہم طریقے سے پارٹی کا موقف سامنے آتا ہے۔ (۱) دستاویز نمبر ۳ بہ عنوان: ایک نئی پارٹی کیوں؟، دستاویز نمبر ۴ بہ عنوان اسلامی مملکت، پاکستان میں سوشلزم کیوں ضروری ہے۔ دستاویز نمبر ۵ : بنیادی اصول۔ دستاویز نمبر ۶ : معیشت کا ارتقاء۔ دستاویز نمبر ۷ : اتحاد عوام کا اعلان دستاویز نمبر ۸ بہ عنوان جموں و کشمیر، دستاویز نمبر ۹ بہ عنوان" پاکستان کے لئے آسام کے ساتھ خصوصی تعلقات رکھنے کی ضرورت"، یہ دستاویز اگرچہ آسام سے متعلق ہے مگر اس سے پیپلز پارٹی کے قومی مزاج پر وافر روشنی پڑتی ہے۔

ایک نئی پارٹی کیوں

(دستاویز نمبر ۱)

پاکستان اپنی آزاد اور خود مختار زندگی کے تیسرے عشرہ میں داخل ہو رہا ہے لیکن ۱۲ کروڑ پاکستانیوں کے تمام بنیادی مسائل کا حل اور ان کا مستقبل ابھی تک غیر یقینی ہے یہ بات اس لئے بھی زیادہ افسوسناک ہے کہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد اس برصغیر کے مسلمانوں نے مکمل اعتماد کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی بنیادیں اسلام کے بنیادی اصولوں پر استوار کی جائیں گی اور ہماری سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی اسلام کے دینی اور دنیوی اصولوں کی قوت سے رواں دواں ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ نہ ہوسکا اور اس لئے کسی لمبی چوڑی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ مارشل لاء سے پہلے پاکستان اپنی قومی زندگی کے تمام ضروری شعبوں میں بہت ہی پیچیدہ مسائل اور مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کو بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مخلوط یا غیر مخلوط انتخابات کا نظریہ، مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان صوبائی مساوات کا مسئلہ، دینی اور لادینی سیاسی نظریہ کا باہم تعلق، اقلیتوں کے حقوق، مغربی پاکستان کی وحدت کا مسئلہ اور دوسرے بہت سے ایسے ہی نازک اور بھڑک اٹھنے والے مسائل درپیش تھے۔

معاشرے میں رشوت ستانی، نفسا نفسی اور کنبہ پروری کا اس قدر دور دورہ تھا کہ ہماری اخلاقی اور سماجی زندگی تیزی سے پستی کی طرف جا رہی تھی لوگوں میں

بددلی اور مایوسی پھیل چکی تھی اور حکومت کے نظم ونسق کی اہلیت پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ خصوصاً غریبوں اور محنت کش طبقوں کے حقوق اور خواہشات کو جس بے دردی سے نظر انداز کیا گیا، اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ یہی غریب اور محنت کش لوگ جن کے بل بوتے پر معاشی اور اقتصادی میدان میں سرمایہ داروں کے لئے بے انتہا ترقی کے مواقع پیدا ہوئے۔ اور کارخانوں کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی۔ لیکن ان کی ترقی کے لئے جو ہماری آبادی کی اکثریت ہے مختلف حکومتوں نے کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غربت اور افلاس ہمارے ملک کے محنت کش طبقوں کو گھن کی طرح کھانے لگے۔

نوکر شاہی اور حکومت کے اہل کار بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کی بہبود کی طرف متوجہ ہوتے انہوں نے سیاسی کش مکش میں سیاست دانوں کے ساتھ اپنے آپ کو بُری طرح الجھا دیا۔ اور سیاست دانوں کے شانہ بشانہ اس آزاد ملک کے خادم بننے کی بجائے اس کے حاکم بن گئے۔ اس وجہ سے ملک میں غیر یقینی سیاسی ماحول اور بھی نازک حالات سے دوچار ہوگیا اور ہمارے تمام قومی مسائل میں اضطراب کی کیفیت دن بدن نمایاں ہوتی گئی۔

ملکی نظم ونسق کی کارکردگی کا معیار بجائے اس کے کہ موجودہ صدی کے بین الاقوامی معیاروں پر پورا اترتا دن بدن تیز رفتاری سے روبہ انحطاط ہوتا گیا۔ کاشت کاروں میں بے مقصدیت اور مزدور طبقے میں بے تنظیمی اور غیر معیّن راہِ عمل کا احساس جڑیں پکڑنے لگا اور سفید پوش اور تنخواہ دار طبقہ اپنی جائز ضروریاتِ زندگی کے لئے ترسنے لگا۔ خود غرضی اور ذاتی نفع رسانی ہمارے معاشرے کے رگ وپے میں رچ گئی۔ تعلیم اور نوجوانوں کی بہبود جو کہ قومی ترقی کا سرچشمہ قرار پاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں رو بہ زوال ہو گئے۔ تمام قومی ادارے ماسوا عدلیہ اور افواج پاکستان شدید بحران کا شکار ہو گئے۔

ہندوستان کے جارحانہ عزائم کی وجہ سے ہمارے ملکی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ اس کا بیّن ثبوت وادیٔ کشمیر میں ہندوستان کی کھلم کھلا جارحیت تھی، جس کا مقصد دراصل پاکستان کے بنیادی، معاشی اور علاقائی حقوق پر غاصبانہ قبضہ تھا۔

یہ تھے وہ حالات جو ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء سے پہلے تھے۔ عوام کی امیدوں اور تمناؤں میں ایک دفعہ پھر زندگی کی رمق نظر آئی۔ عوام نے سوچا کہ ہمارے قومی مسائل اب ایک مضبوط لیکن پُرشفقت ہاتھ سے سلجھ جائیں گے۔ نئی حکومت نے زرعی اصلاحات سے سیاسی زندگی کی تطہیر سے اور اقتصادی اور معاشی زندگی میں نظم وضبط کی کوشش کر کے کسی حد تک اپنے قیام کا جواز پیدا کیا۔ بنیادی جمہوریتوں کے باعث کچھ نئے ادارے وجود میں آئے۔ جن سے قومی مسائل کو حل کرنے کی امید دلائی گئی۔ کسی حد تک نظم ونسق میں خرابیوں کو دور کیا گیا۔ اور رشوت ستانی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

۱۹۶۲ء میں مارشل لاء کے ہٹنے پر ایک حد تک جمہوریت اور "حکومت شاہی" کا دوغلا نظام رائج کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قریباً تمام قومی پریس کو نیشنل پریس ٹرسٹ کی صورت میں اپنے قبضے میں لے لیا اور دوسری طرف ایک سیاسی پارٹی کا اجراء کر دیا گیا۔ جو پہلے تو کنونشن لیگ کہلائی اور بعد میں اس کا نام "پاکستان مسلم لیگ" رکھ دیا گیا تاکہ یہ سیاسی پارٹی ان حالات کا مقابلہ کر سکے جن کا درحقیقت جمہوریت سے انحراف کی وجہ سے پیدا ہونے کا امکان تھا۔

بنیادی جمہوریتوں کے تحت ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۵ء میں انتخابات ہوئے۔ موجودہ حکومت کی نافذ شدہ اصلاحات کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ حکومت اپنی افادیت اور کارکردگی کی اہلیت کو مکمل طور پر کھو بیٹھی ہے۔ اسی دورِ حکومت میں بہت سے بنیادی قومی مسائل کا احیاء ہوا ہے اور نئے

مسائل نے سرا ٹھایا ہے۔ ماضی کے مقابلے میں اب رشوت ستانی، کنبہ پروری اور دوسری بدعنوانیاں کہیں زیادہ عروج پر ہیں۔ عدلیہ جو کہ مارشل لاء سے پہلے باعثِ وقار وافتخار تھی، مارشل لاء کے بعد ایک کمزور قومی ادارہ بن کر رہ گئی ہے اور ہمارے نظامِ قانون میں قانون دان طبقے کی ناراضگی کے باوجود اس قدر الجھنیں اور بے ضابطگیاں داخل کر دی گئی ہیں کہ عوام سے جن کے حقوق کی پشت پناہی عدلیہ اور قانون ہی بالآخر کرتے ہیں، یہ ڈھال بھی چھین لی گئی ہے۔

جرائم اور تشدد کی وارداتوں میں روزافزوں اضافے نے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ صنعت کاری میں بے مقصد اور محض ذاتی اغراض کے پیشِ نظر ترقی، زرعی ترقی کی طرف مجرمانہ عدم توجہ کا باعث بنی ہے اور اس کی وجہ سے ایک بہت ہی سنگین معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جس کے دوررس نتائج پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ اس ملک کو خوراک میسر نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر ملکی گندم کی بھرمار اس ملک میں نہ کی جائے اور یہ غیر ملکی گندم ہمارے زرِمبادلہ کے ذخائر کو تیزی سے ختم کرتی جا رہی ہے۔

محنت کش طبقہ سخت ہیجان میں مبتلا ہے۔ غریب اور سفید پوش طبقے کے لئے افراطِ زر اور دن بدن بڑھتی ہوئی قیمتوں کا بوجھ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا ہے ہمارا دانش ور طبقہ اور نئی نسل بے حسی اور بے مقصدیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ جھوٹی اور متبذل اقتدار زندگی نے ہمارے قومی جذبے اور حوصلے کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ طالب علموں میں اضطراب اور کرب کا احساس تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔ عوام میں قومی مسائل سے لاتعلقی کی روش پیدا ہو رہی ہے۔ سول سروس تک کو آئینی حقوق کا پہلا سا تحفظ اب حاصل نہیں رہا۔

۱۹۶۲ء میں ہندوستان اور چین کی جھڑپ کے بعد پاکستان کی بری، بحری اور ہوائی

افواج کی قوت میں جس قدر اضافے کی ضرورت تھی اس کی طرف توجہ نہ کی گئی۔ حالانکہ ہندوستان نے اپنی فوجی قوت کو ۱۹۶۲ء کے بعد خطرناک حد تک مضبوط کر لیا تھا۔ یہ سنگین ترین لغزش ناقابلِ معافی ہے۔ ہندوستان کے ۱۹۶۵ء کے جارحانہ حملے کے بعد شروع شروع میں فوجی طاقت کو مضبوط کرنے کی طرف کسی قدر توجہ دی گئی اب بجائے اس کے کہ تمام دوسری ضروریات کو پس پشت ڈال کر فوجوں کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے۔ اس بات کا پرچار کیا جا رہا ہے کہ دشمن ہندوستان کے ساتھ کسی نہ کسی طرح سمجھوتہ کر لیا جائے اور فوجوں میں تخفیف کر دی جائے۔

خارجی معاملات اور خارجہ پالیسی میں تضاد کی وجہ سے دن بدن کھچاؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ تضاد کا یہ چکر اب اس حد تک مکمل ہو چکا ہے کہ اس کی وجہ سے اب اسی ملک کے بین الصوبائی تعلقات میں بھی کشیدگی بڑھ رہی ہے۔

صدارتی اور پارلیمانی طرزِ حکومت اور محدود اور بالغ رائے دہی کے سلسلے میں نئے آئینی اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ تاشقند کے بدنام سمجھوتے اور ہندوستان کے ساتھ امن کی عاجزانہ درخواستوں کے باوجود عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے قوانین دفاعِ پاکستان کے عذر لنگ کے تحت غیر معین عرصہ کے لئے دستبردار کر دیا گیا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ قومی زندگی بے مقصد ہو گئی ہے اور تمام ملت کا سانس گھٹنے لگا ہے۔

قومی زندگی کو مکمل سیاسی بحران کے عمیق گڑھے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ وہ سیاست دان جو ابھی ابھی پابندیوں سے آزاد ہو کر سیاسی میدان میں واپس آئے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے تو حکمران پارٹی میں شامل ہو کر حکمران پارٹی کے بے مقصدیت اور بے راہروی پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ دوسروں نے اپنی اپنی سیاسی پارٹیوں کی دوبارہ تنظیم کر کے ایک متحدہ محاذ بنا لیا ہے کہ شاید وہ اس طرح ملک کے

اندرونی اور بیرونی مسائل پر قابو پالیں گے۔

لحظہ بہ لحظہ اور قدم بہ قدم قومی مسائل کا یہ تدریجی اور ارتقائی عمل ایک واضح صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ان مختلف سیاسی اور قومی الجھنوں سے سلجھاؤ کی صورت ابھر رہی ہے۔ کوئی بھی ردِّعمل اور تضاد بالآخر مثبت عمل اور امتزاج کی طرف لوٹتا ہے اور اسی طرح سیاسی تبدیلیاں ایک دور سے دوسرے دور میں داخل ہوتی ہیں۔ یہ سیاسی عمل ناگزیر ہے۔

ایبڈو کے ہٹنے کے بعد سابق سیاست دان صاف طور پر دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک تو وہ جنہوں نے اپنے سابقہ سیاسی مقام اور نظریات سے انحراف کسی صورت میں گوارا نہ کیا۔ اور دوسری طرف وہ جنہوں نے صحیح سیاست اور شرافت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسی حکومت کے دامن عاطفت میں پناہ لی جس نے انہیں سیاسی مجرم اور قومی تباہی کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ اس کے بعد کونسل مسلم لیگ اور دوسری سیاسی پارٹیوں نے اپنے اپنے انتخاب کئے۔ گو کچھ پارٹیوں نے ابھی انتخابات اور کچھ ایسی ہی دوسری رسمی کارروائیوں سے گزرنا ہے۔

مئی ۱۹۶۷ء میں ڈھاکہ میں تحریک جمہوریت پاکستان (پی، ڈی، ایم) کا وجود کونسل مسلم لیگ، عوامی لیگ، جماعت اسلامی اور نظام اسلام پارٹی کی شمولیت سے عمل میں آیا۔ تحریک جمہوریت پاکستان نے آٹھ نکاتی پروگرام کے تحت پاکستان میں جمہوریت کو بحال کرنے کا تہیہ کیا۔ گو پی ڈی ایم کے وجود میں آنے سے بعد عوامی لیگ کا ایک گروہ اسے چھوڑ چکا ہے اور ابھی یہ تحریک پوری طرح حرکت میں نہیں آئی۔ لیکن پھر بھی یہ ہماری ملکی سیاست کی ارتقائی ترقی کی طرف ایک مثبت قدم ہے۔

جمہوریت کی بحالی کے لئے تمام قدامت پسند سیاسی پارٹیوں کا الحاق نہ صرف

ہماری موجودہ سیاسی صورتِ حال کو واضح کرتا ہے بلکہ اسی سے یہ بھی عیاں ہے کہ ان مختلف قدامت پسند سیاسی پارٹیوں کے اقتصادی اور معاشرتی اصول اور پروگرام کم وبیش یکساں ہیں۔ پی ڈی ایم چونکہ قدامت پسند رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ اسی لئے ترقی پسند عناصر پی ڈی ایم میں شامل سیاسی پارٹیوں سے آسانی کے ساتھ اشتراکِ عمل نہ کر سکے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہی وجہ ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی پی ڈی ایم کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کر سکی۔ اور اسے اپنے سیاسی وجود کو علیحدہ قائم رکھنا پڑا۔

حالات کی رفتار اس بات کی متقاضی ہے کہ اب اس دور کا آغاز ہو کہ تمام روشن خیال عناصر اور سیاسی پارٹیاں بھی مل کر پی ڈی ایم کی طرح ایک علیحدہ تنظیم قائم کریں۔ اس نئی سیاسی صورتِ حال سے یہ خوش آئند تبدیلی پیدا ہو گی کہ ہماری سیاسی پارٹیاں جو کہ پہلے منفی طور پر محض شخصیات کے سہارے پروان چڑھتی تھیں۔ اب واضح طور پر دو سیاسی رجحانات رکھنے والے یعنی روشن خیال اور قدامت پسند گروں میں بٹ جائیں گی۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ جب قدامت پسند اور ترقی پسند تنظیموں کو اپنا اپنا مقام اور استحاد حاصل ہو جائے گا تو ان کے لئے آسان ہو گا کہ وہ حقیقی جمہوریت کی بحالی کی بنیاد پر آپس میں سمجھوتہ کر لے۔ ایک قابلِ عمل مشترکہ پروگرام بنا سکیں۔

آنے والے مہینوں میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ یہ ترقی پسند پارٹیاں پی ڈی ایم کی طرح ایک ایسی تنظیم بنانے میں کامیاب ہو سکیں گی جس کی وجہ سے قومی سطح پر ایک ایسی فضا سازگار ہو گی جس میں حزبِ مخالف کی تمام پارٹیاں اکٹھا ہو کر حقیقی جمہوریت کی بحالی کے لئے آئینی جدوجہد کر سکیں گی۔

ان وجوہات کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ حزبِ مخالف کی پارٹیوں کو آپس میں باہمی سوجھ بوجھ اور تعلقات کی فضا پیدا کرنی چاہیئے۔ درحقیقت اپوزیشن پارٹیوں کا

نصب العین ایک دوسرے کی نفی اور نکتہ چینی کی بجائے حزبِ مخالف کے تمام عناصر اور قوتوں کو اکٹھا کر کے انہیں یک جہتی اور یکسوئی عطا کرنا ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان حالات میں کیا یہ ضروری ہے کہ ایک نئی سیاسی پارٹی بنائی جائے جب کہ اصل مقصد حزبِ اختلاف کی مختلف پارٹیوں کا اتحاد ہے۔ اگر ذرا غور سے موجودہ سیاسی حالات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ نئی پارٹی کا قیام اس وجہ سے ہی ضروری ہے کہ حزبِ اختلاف کی موجودہ سیاسی پارٹیوں کا اتحاد اس نئی سیاسی پارٹی کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ سیاسی پارٹی ہماری موجودہ سیاسی پارٹیوں کے تاریخی اور سیاسی نظریات کی الجھنوں کو سلجھانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکے گی کیونکہ یہ کام نئی سیاسی پارٹی مخلصانہ طور پر بغیر کسی تعصب یا ذاتی عناد کے کرے گی۔ موجودہ حالات میں اس لئے بھی ایک نئی پارٹی بے حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر روشن خیال عناصر کو اکٹھا کرنا ممکن نہیں۔

نیشنل عوامی پارٹی بدقسمتی سے تین مخالف گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ان میں سے خاص طور پر دو گروہوں کے اختلافات دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح عوامی لیگ نہ صرف بین الصوبائی اختلافات میں مبتلا ہے بلکہ پی ڈی ایم کے سوال پر اور دیگر اقتصادی اور سماجی مسائل پر بھی متحد نہیں رہی۔ مختلف بڑی سیاسی پارٹیوں کے لئے گو یہ ناممکن نہیں کہ وہ اپنے اندرونی اختلافات سے درگزر کرتے ہوئے ایک قومی متحدہ محاذ قائم کر سکیں۔ لیکن یہ یقینی طور پر بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ ان سیاسی پارٹیوں نے اپنے تفرقات کو ایک واضح صورت دے دی ہے۔ اس لئے ان میں باہمی اتحاد کا کام ایک نئی سیاسی جماعت ہی کر سکتی ہے جس کی بنیاد روشن خیال اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ عظیم قومی مفاد کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ اگلا قدم اٹھایا جائے۔ اس لئے گو سطحی طور پر اس بات میں کچھ تضاد نظر آتا

ہو کہ نئی پارٹی کا وجود ضروری ہے یا نہیں۔ لیکن دراصل اتحادِ عوام کے لئے ان حالات میں اس سے زیادہ مثبت اور تعمیری اقدام اور کوئی نہیں ہو سکتا تمام قوم اور تمام ملت اتحاد کے لئے تڑپ رہی ہے۔ حزبِ اختلاف اپنی تمام کوششوں کے باوجود ابھی تک یہ اتحاد قائم نہیں کر سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتحاد کے لئے محض خواہش کی ضرورت ہی نہیں اور اتحاد محض کہنے سے ہی نہیں حاصل ہو جاتا۔ اتحادِ عوام کے لئے ٹھوس کام، قربانیوں اور وسائل کی ضرورت ہے۔ یہ نئی سیاسی جماعت خدا نے چاہا تو یہ کام کر کے دکھائے گی اور اتحادِ عوام کا وسیلہ بنے گی۔

اس نئی سیاسی پارٹی کے قیام کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اس ملک کے عوام کا ایک فعّال حصہ جس میں ہماری نئی نسل پیش پیش ہے، اس کا ایمان ہے کہ قدامت پسندی اور رجعت پسندی سے پاکستان کی بڑی بڑی مشکلات کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ ہر زمانے کا اپنا سیاسی ماحول اور اپنے سیاسی خدوخال ہوتے ہیں۔ موجودہ دور جو کہ نئی امنگوں اور ان سے وابستہ عمل کی نئی دعوتوں کا آئینہ دار ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک نئی سیاسی پارٹی نئی قوت اور نکھار کے ساتھ پاکستان کے تمام عوام کے لئے ایک ایسے مثالی معاشرے کی تعمیر کا کام سنبھال لے۔ جس کے لئے اس ملک کے عوام نے بے انتہا قربانیاں دی ہیں۔ اب عوام کبھی بھی اس بات پر رضامند نہیں ہو سکتے کہ وہ محض ماضی کی طرف دیکھتے رہیں اور نہ ہی وہ موجودہ حالات کی سنگینی کو اور زیادہ برداشت کر سکتے ہیں۔ عوام چاہتے ہیں کہ عدل و انصاف پر مبنی ایک نیا نظام قائم کیا جائے جس میں ملک کے کروڑوں عوام کے بنیادی حقوق اور مفاد کا تحفظ ہو سکے۔ یہ کام اور یہ فرض، ایک نئی سیاسی جماعت ہی ادا کر سکتی ہے۔

اس اخلاص کے جذبے اور اس نئے یقین اور نئی امید کے ساتھ ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ہمارے قومی مسائل کا حل ہماری قومی اقدار کے مطابق روشن خیالی اور

نئے نقطۂ نظر سے تلاش کیا جائے گا۔

ہمارے اندازِ فکر میں انقلاب آفریں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ لمبا راستہ اختیار کرنا کوئی خوشگوار کام نہیں جب کہ چھوٹا راستہ موجود ہو۔ لیکن پاکستان کے موجودہ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ لمبا راستہ اختیار کیا جائے۔ ہمیں تجربے نے یہ بتا دیا ہے کہ جب ایسے مسائل درپیش ہوں جن سے عوام اور ملک کی تقدیر وابستہ ہو۔ آسان اور چھوٹا راستہ دراصل منزل سے آشنا نہیں کرتا بلکہ سراب کی نشان دہی کرتا ہے۔

ان سیاسی حقیقتوں کے پیش نظر اور عظیم ملی مفاد کے لئے جن کا کسی حد تک تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت اب واضح ہو چکی ہے کہ ایک نئی سیاسی جماعت اور ایک نیا سیاسی لائحہ عمل اور دستور اس قوم اور ملت کے لئے اشد ضروری ہیں۔ موجودہ حالات میں ایک نئی سیاسی جماعت کی تنظیم اور نشو و نما بہت مشکل کام ہے۔ اس سلسلہ میں تمام مجبوریوں اور بندشوں کا احتساب ضروری ہے۔ لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود جو کہ اس قدم کو اٹھانے پر پیش آئیں گی۔ ہماری سیاسی زندگی کی موجودہ صورت اور ہمارا قومی مفاد اس راستے کو اختیار کرنے پر ہمیں دعوت دیتے ہیں۔ چاہے اس کے لئے ہمیں انتہائی قربانی دینی پڑے اور اپنا آپ وقف کرنا پڑے صرف اسی راستے کو اختیار کرنے سے ہی قومی یک جہتی اور حب الوطنی کے مفادات کو تقویت پہنچائی جا سکے۔ عوام اپنے جذبۂ اخلاص اور یقینِ محکم کے طفیل اس بات کے قابل ہیں کہ وہ حقیقت پسندی سے اپنے تمام مسائل کو حل کریں اس کے لئے مشعلِ راہ ہمارے قائدِاعظمؒ کے اقوال و ارشادات ہیں اور یہ ہمارے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ رہیں گے۔ اس ملک کے عوام اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ وہ اس جذبے اور روح کو دوبارہ زندہ کر کے رہیں گے جو ہمیں محمد علی جناح نے عطا کیا تھا۔ ہمارا مقصد نئے مسائل

پیدا کرنا نہیں اور نہ پرانے مسائل کو زندہ کرنا ہے بلکہ ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے جو پچھلے بیس سالوں سے ہماری سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں۔ ملک کی تقدیر کا فیصلہ چند افراد اپنی مرضی سے کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ملک کے تمام عوام اپنے حقیقی نمائندوں کے ذریعہ سے جنہیں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب کیا گیا ہو، اپنے آئینی سیاسی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

پاکستان کے عوام سے یہ درخواست باہمی یقین اور اعتماد کی بنیاد پر کی جاتی ہے اور باہمی یقین اور اعتماد کی بنیاد ضروری ہے کہ عدل و مساوات کے اصولوں پر رکھی جائے نہ کہ جبر و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کے پرانے مسلک پر۔ اس نئی بنیاد پر پاکستان کے عوام اپنے اندرونی اور بیرونی مسائل کا حل یقینی طور پر تلاش کر سکتے ہیں۔

قادرِ مطلق خدا پر غیر متزلزل ایمان کے ساتھ جو تمام جہانوں اور انسانوں کا پالنے والا ہے اور دینِ اسلام کے لئے جذبۂ غیرت رکھتے ہوئے اور پاکستان کے مقاصد کے لئے اپنے آپ کو کلی طور پر وقف کرتے ہوئے ہم سب اللہ کا نام لے کر اس عظیم کام کی ابتدا اور اتحادِ عوام کا اعلان کرتے ہیں۔ اس یقینِ محکم کے ساتھ کہ اتحادِ عوام سے اور اجتماعی تدبر اور سوچ و بچار کی بدولت پاکستان کی خدمت میں مگن ہو کر ہم اپنے شاندار مستقبل کی طرف گامزن ہوں گے اور دنیا میں عدل و مساوات اور امن کو قائم کرنے کا موجب بنیں گے (آمین)

اسلامی مملکتِ پاکستان میں سوشلزم کیوں ؟

(دستاویز نمبر ۲)

پیپلز پارٹی کے مقصد کو اگر ایک فقرے میں بیان کیا جائے تو یہ کہنا کافی ہوگا کہ اسلامی مملکتِ پاکستان میں سوشلسٹ نظام کو رائج کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس پارٹی کا یہ مقصد ٹھہرا کہ یہاں ایک ایسی عوامی جمہوریت کو قائم کیا جائے جس میں ملک کے تمام افراد کو ہر شعبہ زندگی میں مساوی حقوق حاصل ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ جمہوریت میں قانون کی نگاہوں میں سب کی برابری ضروری ہے لیکن یہ مساوات نامکمل رہ جاتی ہے جب تک کہ کسی جمہوری نظام میں معاشی اور معاشرتی عدل وانصاف کی بنیاد پر سب کے حقوق مساوی نہ ہوں۔ اس لئے سوشلزم ہی ایک ایسا نظام ہے جو کہ تمام افراد کے لئے یکساں مواقع پیدا کرتا ہے اور ان کو معاشی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رکھتا ہے۔ طبقاتی کش مکش اور اس کے ساتھ وابستہ قید وبند سے آزاد کرتا ہے ایسا نظام ہی معاشی اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کو بروئے کار لاکر صحیح جمہوری اقدار کو ان کے منطقی عروج تک پہنچا سکتا ہے اور ان کو ٹھوس سماجی اور معاشرتی بہبود کی عملی اشکال میں ظاہر کرتا ہے۔ جدید سوشلزم کے نظریئے اور اصول پچھلی دو صدیوں کے تجربات کے نتیجہ میں اخذ کیے گئے ہیں اور سوشلزم کے اصول پچھلی دو صدیوں کی

معاشی جدوجہد پر حقیقت پسندانہ اور سائنٹفک تحقیق کو بروئے کار لاکر حاصل کیے گئے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظامِ پیداوار سے حاصل کردہ علم کے ساتھ ساتھ ہماری معلومات میں بیش بہا اضافہ ان تجربات سے بھی ہوا ہے جو ان ممالک میں کیے گئے جہاں سوشلزم کے اصولوں کو مختلف مقامی حالات میں عملی جامہ پہنایا گیا ہے ان ملکوں کے علاوہ جو انقلاب کی منزلیں طے کر چکے ہیں کئی ایسے ملکوں میں بھی جہاں بظاہر آئینی بادشاہتیں ہیں۔ سوشلسٹ اصلاحات سودمند طریقوں سے رائج کی گئی ہیں، حالانکہ ان معاشروں میں کوئی انقلابی، سیاسی یا سماجی ردوبدل نہیں کیا گیا۔ سوشلزم کا ارتقاء کسی ایک براعظم یا کسی ایک قوم سے مخصوص نہیں بلکہ یہ عالمگیر نظامِ معاشرت ہے۔ اس نظام کے اصولوں کی عالم گیر حیثیت ان دو وجوہات کی بنا پر ہے۔

۱۔ جدید سوشلزم کی بنیادیں ٹھوس مادی حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ یہ اصول محض خوش فہمی یا ناقابلِ حصول خواہشات پر مبنی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا مقصد کسی کی خود ساختہ تمناؤں اور امیدوں کو تسکین دینا ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد تو سائنٹیفک تجزیے اور تحقیق پر ہے جو کہ ایک لمبے عرصے سے انسان کی معاشی کش مکش اور معاشرتی تبدیلیوں کے علم سے حاصل کیے گئے ہیں۔ ان اصولوں کا مطمحِ نظر اور اس دنیوی زندگی میں عمل کے تمام پہلوؤں کو احسن طریق پر استعمال کر کے بہترین معاشرے کو قائم کرنا ہے۔

۲۔ سوشلزم کا نظریۂ فکر دنیا کے ہر گوشے اور ہر ملک کے لئے ایک پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ چاہے وہ ملک یا خطّہ کیسے ہی معاشی یا سیاسی دور سے گزر رہا ہو۔ سوشلزم محض پیغام ہی نہیں بلکہ مسلسل عمل کا راستہ ہے۔ دنیا کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے تمام ملکوں کو تین گروہوں میں بآسانی

تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) وہ ملک جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے علمبردار ہیں اور مادی لحاظ سے بظاہر ترقی کے معراج پر ہیں۔

(۱۱) وہ ملک جنہوں نے سوشلزم کو اپنا یا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

(۱۱۱) اور وہ ملک جن کو غیر ترقی یافتہ ملک کہا جاتا ہے یا اب انہیں کبھی کبھی ترقی پذیر ملک کا لقب بھی دیا جاتا ہے۔

یہ وہ ملک ہیں جو کہ سرمایہ دارانہ سامراج کے ہاتھوں کسی نہ کسی رنگ میں ایک لمبے عرصے سے شکار ہیں۔ ان ملکوں کے لئے خاص طور پر سوشلزم ایک طرف تو غربت اور افلاس اور دوسری طرف سامراجی لوٹ کھسوٹ سے سامنا کرنے کے لئے اپنے مضبوط نظام کی صورت میں دو دھاری تلوار پیش کرتا ہے کیونکہ سوشلزم کا نظام اپنے اصولوں کی سچائی کی وجہ سے اور انسانی عمل کی قدر و منزلت کے طفیل مختصر ترین وقت میں معاشرے کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر ترقی کی انتہائی منازل تک پہنچا دیتا ہے۔

سوشلزم کا نظام اسی لئے پاکستان کی دلچسپی کا موجب ہے۔ ہمارا ملک ایک غریب اور افلاس زدہ ملک ہے جو کہ سنگین اندرونی اور بیرونی سامراجی سرمایہ دارانہ سازشوں کا شکار رہے۔ ملکی دولت کے توازن کے اعتبار سے ہمارا ملک غریب ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس خطہ زمین میں بسنے والے بارہ کروڑ انسانوں کی غربت و افلاس کا موازنہ کسی اور ملک سے آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سوشلزم کسی غیر ترقی یافتہ ملک میں اپنایا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنی موجودہ دور کی تاریخ صاف لفظوں میں اس سوال کا جواب "ہاں" میں دیتی ہے۔ یہ مفروضہ کہ ہر غیر ترقی یافتہ ملک ان تمام اقتصادی منازل سے ہو بہو

اسی طرح گزرے جس طرح کہ مغربی ممالک سرمایہ دارانہ معاشرتی اور معاشی ادوار میں سے بتدریجاً گزرے ہیں تو کہیں جا کر وہ ترقی کا منہ دیکھ سکے ہیں۔ یہ دلیل خود اپنی نفی کرتی ہے کیوں کہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ جب تک کسی غیر ترقی یافتہ ملک کی اقتصادی اور معاشی تاریخ کا خاکہ اسی طرح نہ ہو جس طرح کہ ترقی یافتہ یورپی ممالک کا تھا، اس وقت تک وہ ترقی کی منزلوں سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ پاکستان جس کا سیاسی، تاریخی اور اقتصادی ماضی مغربی عیسائی ملکوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے لئے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی چربہ سازی سے ترقی حاصل کرنا بالکل ممکن نہیں رجب مغربی جمہوریت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے حالات کے مطابق نہیں تو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق بھی تو یہی دلیل جا سکتی ہے۔—— یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض مغربی عالموں نے سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق پہلے ہی یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ جب تک کوئی قوم یا ملک یہودی، نصرانی کلچر اپنے تمام پہلوؤں سے اپنا نہ لے اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اقتصادی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کو استعمال کر کے مادی ترقی حاصل کر سکے۔ تو پھر صاف لفظوں میں یہ مغربی عالم کیوں نہیں کہہ دیتے کہ غریب ملکوں کے لئے سرمایہ دارانہ نظام کو صرف اپنانا ہی ضروری نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کا کلچر بھی اپنے گلے کا ہار بنانا ضروری ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ اور بھی ضروری ہے کہ پاکستان جو ایک اسلامی ملک ہے اور جو اسلامی مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر بنایا گیا ہے اور جس کا دعویٰ ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ وہ اسلامی طرزِ زندگی سے کسی صورت بھی دستبردار نہیں ہوگا اور وہ تو صرف ایسے معاشی نظام کو اپنائے گا جس کے سوتے ہماری تاریخ، ہمارے کلچر اور ہمارے نظریۂ حیات سے پھوٹتے ہوں اور جو ہماری موجودہ معاشی، معاشرتی

مشکلات کا حل ہو۔ اسلامی نظریۂ حیات نصرانی اور یہودی سرمایہ دارانہ نظام کی ضد ہے اور سوشلزم کا اقتصادی نظام ہرگز غیر اسلامی نہیں (قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے اقوال اس کے ثبوت میں بآسانی پیش کیے جا سکتے ہیں۔)

لیکن اس کے برعکس پاکستان کی موجودہ حالت تو یہ ہے کہ اندرونی اور بین الاقوامی سرمایہ دارانہ طاقتیں اپنے تمام وسیلوں اور سازشوں سے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہیں اور نجی سرمایہ کاری کے بہانے سے یہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے سوا پاکستان کی معاشی پیچیدگیوں کا اور کوئی حل نہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ بہت سے مغربی ترقی یافتہ ملکوں میں سوشلزم کے اصولوں کو کھلم کھلا اپنا کر اقتصادی ترقی کے نئے راستے تلاش کیے گئے ہیں۔ لیکن یہی ملک ہم غریبوں کے لئے سوشلزم کو سم قاتل سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں اس "زہر" کے پاس نہیں آنے دیتے جو ان کے لئے تریاق ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے مقامی اجارہ دار ہمارے اپنے بھائی اکثر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ صنعتی ترقی نجی سرمایہ کاری (Private enterprise) کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن وہ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ نجی سرمایہ کاری کا جو تناسب دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں سرکاری سیکٹر کے مقابلے میں ہے، اس لحاظ سے ہمارا ملک کہاں تک نجی سرمایہ کاری کو بے لگام رکھ سکتا ہے اور جب ہم مغربی ملکوں کے نجی سرمایہ کاری کے پہلو کو لیتے ہیں تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہاں انفرادی اور شخصی آزادی ہر رنگ میں اپنی انتہا تک پہنچی ہوئی ہے۔ مثلاً ضمیر کی آزادی، گفتار کی آزادی اور اظہار کی آزادی باہم تعلقات اور ملنے جلنے کی آزادی۔ مغربی جمہوری نظام اگر یہ شخصی آزادیاں بھی حاصل نہ ہوں تو یقیناً سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت میں آیا ہوا ملک محض جبر واستبداد اور ظلم کی تصویر کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دے۔ یہ شخصی آزادیاں

اور کسی حد تک مغربی تہذیب کی بے راہروی سرمایہ دارانہ نظام کی گھٹن کو دور کرتی ہیں۔ اگر یہ شخصی آزادیاں بھی حاصل نہ ہوں تو سرمایہ دارانہ نظام حکومت کا کیا حال ہوتا ہے۔ اس کی مثال ہٹلر کی جرمنی اور ٹوجو کا جاپان ماضی قریب میں ہمارے سامنے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی کو لے لیں جو کہ اس وقت تمام دنیا میں آزادی کی خواہاں قوتوں اور تنظیموں کے خلاف کھلم کھلا جنگ لڑ رہا ہے اور سرمایہ دارانہ معاشی نظام کا علمبردار ہے اگر وہاں سفید فام شہریوں کو مکمل سماجی آزادی کے حقوق حاصل نہ ہوں تو امریکہ میں بذاتِ خود ایسی تباہی آئے جس کے مثال دوسری جنگِ عظیم بھی پیش نہ کر سکے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو کسی حد تک خوشگوار رکھنے کے لئے فرد کو بظاہر بہت حد تک شخصی آزادی دی جاتی ہے لیکن یہ شخصی آزادی کچھ ایسی ہے کہ جیسے پرندے کو پنجرے میں بند کر کے پنجرے میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔

سوشلزم کی منزل

سوشلسٹ نظام کسی قانون کے جاری کر دینے سے ایک دن ہی میں لاگو نہیں ہو جاتا یا پھر کسی آرڈی ننس یا ڈکٹیٹر کے کہہ دینے سے اس کا نفاذ نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے تو ایک لمبی اور کٹھن راہ پر مسلسل چلنا پڑتا ہے۔ یہ تو ایک لمبے سفر کا نشان ہے۔ ایسا سفر جس میں کئی نشیب و فراز آتے ہیں اور کبھی ظلمتوں اور کبھی ضیاؤں کے سائے میں چلنا پڑتا ہے۔ ہر منزل مسافر کے لئے باعثِ تسکین تو ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی نئے سفر کا اشارہ بھی اور اس طویل سفر کی ایک منزل آتی ہے اور دوسری منزل کا پتہ بتا کر گزر جاتی ہے۔ سوشلزم ایک ایسے مجاہد کا سفر

ہے جس نے دشمن کے غاصب ہاتھوں سے اپنے وطن عزیز کا فتح کیا ہوا علاقہ قدم بہ قدم اور لحظہ بہ لحظہ واپس لینا ہے۔ اس کے دن اور اس کی راتیں صرف اسی دھن میں، اسی لگن میں گزرتے ہیں۔ جوں جوں وہ اپنے کھوئے ہوئے وطن کی طرف فاتحانہ انداز میں لوٹتا ہے۔ وہ ظلم جبر اور جہالت کے تمام اثرات مٹاتا چلا جاتا ہے۔ وہ پرانی زمین کو اپنی ہمّت، خون اور علم سے نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے اس لمبے سفر یا جہاد کے ساتھ اپنے ملک کی کھوئی ہوئی تقدیر کو، قومی عزّت اور شرف کو، علم کے سرچشموں کو تہذیب کی خوبصورت اور دلکش وادیوں کو دوبارہ دریافت کرتا ہے۔ اس لمبے سفر یا پیہم جہاد کی منزلوں میں وہ اپنے جان مال، قوت، اور عزت سب کچھ وقف کرکے وطن میں تہذیب نو کے قیام کا موجب بنتا ہے۔ اس جہاد میں غم کی گھڑیاں بھی آتی ہیں۔ اور وقتی شکستیں بھی۔ لیکن یقینِ محکم اور اتحادِ عوام کی بدولت دشمن بالآخر شکست کھاتا ہے اور سامراجی نظام اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن آخری فتح سے پہلے بہت سی مہمات سرکرنی پڑتی ہیں اور ہر مہم کے لئے ایک وقت متعین ہوتا ہے۔

جب مجاہد جہاد کے سفر پر روانہ ہو تو ضروری ہے اسے اس سمت کا پتہ ہو، جدھر اسے جانا ہے کیونکہ اس سفر میں اسے نپے تلے پہچانے رستے نہیں ملیں گے۔ نئے رستوں کی تلاش کا دوسرا نام یہ سفر ہے۔ علاقے کے مخصوص حالات، وہاں کا ماحول، وہاں کے لوگ، ان کی عادات و اطوار اور ضروریات یہ سب اجزا مل جل کر اس کے نئے راستوں کی نشان دہی کریں گے۔ اس لمبے سفر میں اگر کسی طرف سے اسے مدد مل سکتی ہے تو ان مجاہدوں سے یا مسافروں سے جنہوں نے ایسے ہی سفر یا جہاد اپنے اپنے ملکوں میں اور اپنے اپنے وقتوں میں کیے۔ ان کی سبق آموز سرگزشت اور اعمال اور اپنے علم و عمل کے سوا اور کہیں،

سے مدد کی اسے توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔

مندرجہ بالاحقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پارٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سوشلزم کو اسلامی مملکتِ پاکستان میں رائج کرنا ضروری ہے اور اس سلسلے میں جتنی بھی جدوجہد کرنا پڑے، اس کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے لئے یہ پارٹی تیار ہے لیکن یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ محض صحیح اصولوں کا انتخاب ہی کامیابی کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ ان اصولوں کے لئے مسلسل جدوجہد اور صحیح تنظیمی صلاحیتوں اور عوامی قوتوں کا مہیا کرنا ضروری ہے۔ پاکستان کے مخصوص حالات میں ہی سوشلزم کے اصولوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ کسی ملک کے پہنے ہوئے کپڑوں سے کام نہیں چلے گا۔ سوشلزم کے اصولوں پر عمل درآمد ہماری مذہبی، سماجی اور ثقافتی اقدار کے مطابق ہی ہو سکے گا اور اس کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ ہمارا معاشرہ اقتصادی یا معاشرتی لحاظ سے ترقی یا تنزل کی کس منزل پر ہے۔ ہم نہ اپنی تاریخ کو بھلانا چاہتے ہیں اور نہ اپنے مستقبل سے بے خبر رہنا چاہتے ہیں۔

پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ پاکستان کا شمار غیر ترقی یافتہ ملکوں میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ ان ملکوں کی اقتصادی حالت کو پہچاننے کے لئے چند ایسے آثار اور قرائن ہیں جن کا شمار مختصراً مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ گرا ہوا معیارِ معیشت اور نہایت قلیل قومی آمدنی۔

۲۔ آبادی کی اکثریت کی صحیح غذائیت سے محرومی۔

۳۔ ناقص اور نااہل زرعی نظام۔

۴۔ قومی صنعت کی ابتدائی اور کمزور سطح۔

۵۔ گرا ہوا معیارِ تعلیم مثلاً ملک کی ناخواندہ اکثریت۔

۶۔ قدامت پسند سماجی اور معاشرتی رواج اور طریقے۔

۷۔ وسیع پیمانے پر بے کاری اور بیروزگاری۔ خصوصاً دیہی علاقوں میں ناقص تقسیم کار۔

۸۔ شرح پیدائش میں تیزی سے اضافہ۔

۹۔ صنعتی سرمایہ دار ملکوں سے معاشی مدد کی توقع اور اس پر بھروسہ۔

مندرجہ بالا تمام مسائل سے پاکستان دو چار ہے۔ ان سب کا حل پیش نظر رکھ کر ہی نیا معاشی پروگرام سوشلزم کے اصولوں پر بنایا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمانے کی رفتار اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے ان تمام مسائل کو حل کیا جائے۔ اگر ترقی کی رفتار ہر ممکن کوشش سے اور ہر ممکن وسیلے سے تیز سے تیز تر نہ کی گئی تو آبادی کی رفتار چاہے اسے کتنا بھی قابو میں لانے کی کوشش کی جائے سست قدم ترقی کو پیچھے چھوڑ جائے گی۔ اس ملک میں یہ بھی لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ یہاں بے اندازہ اقتصادی اور صنعتی ترقی ہوئی ہے اور یہ ملک اس لحاظ سے مثالی ملک ہے کہ اوروں کی دی ہوئی امداد سے اتنی ترقی کر گیا۔ مگر ان قصیدہ گوؤں سے کوئی یہ بھی تو پوچھے کہ اس ترقی سے عوام کا معیار زندگی کس حد تک بلند ہوا ہے۔ اگر ملکی دولت سمٹ کر کچھ گھرانوں میں جا گھسی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والے عوام پہلے سے اب زیادہ آرام دہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے کئی ہتھکنڈے اس ملک میں استعمال کر کے بھی ترقی کی صورت ابھی تک ظاہر نہیں ہو سکی۔ اور ان حالات میں نہ کوئی ایسی امید وابستہ کی جا سکتی ہے۔

موجودہ بے ہنگم اقتصادی اور معاشی نظام کی بجائے اس ملک میں سوشلسٹ نظام کو مکمل طور پر رائج کرنے میں شاید کئی سال لگیں۔ لیکن ہمیں بد دل نہیں

ہونا چاہیئے۔ ہماری پارٹی کا اسی لئے یہ لائحہ عمل ہونا چاہیئے کہ موجودہ حالات میں جہاں تک ممکن ہوسکے سوشلزم کے اصولوں کو جاری و ساری کیا جائے تاکہ ترقی اور تبدیلی کے راستے کھلنے لگیں اور ایک ایسی فضا رفتہ رفتہ سازگار ہو جائے جس سے تمام معاشرے کی اصلاح بالآخر کی جا سکے۔

شہری آزادیاں

ہماری پارٹی کا اوّلین مقصد یہ ہو گا کہ ہر شخص کو جمہوریت کی صحیح اقدار کے مطابق مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہوں۔

۱۔ آزادیٔ ضمیر۔

۲۔ زبان و اظہار کی آزادی (اس میں اشاعت کی آزادی بھی شامل ہے)

۳۔ پریس کی آزادی۔

۴۔ باہمی میل جول کی آزادی۔

۵۔ مجلسوں اور جلسوں کے انعقاد کی آزادی۔

یہ تمام بنیادی حقوق جس معاشرے سے چھین لئے جائیں تو وہاں یقیناً آمریت کا راج ہے۔ چاہے یہ آمریت کسی طبقے کی ہو یا کسی شخص کی۔ لطف تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا حقوق اکثر سرمایہ دارانہ حکومتوں میں بھی لوگوں کو دے دیئے جاتے ہیں اور مغربی سرمایہ دار ملکوں میں ان کا تحفظ بھی کیا جاتا ہے۔ جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے پاکستان میں شہری آزادیوں کو سلب کرنے کا کسی طرح کسی کو کوئی جواز نہیں۔

کسی بھی معاشرے میں اگر لمبے عرصے تک ان شہری آزادیوں کو چھین لیا جائے تو اس کا نتیجہ سخت خطرناک ہوتا ہے۔ آزاد انسانوں کی حریتِ ضمیر بالآخر انہیں تشدّد پر مجبور کر دیتی ہے اور جس سماج میں تشدّد سے ہی اپنے حقوق حاصل کرنے کا رستہ کھلا رکھا جائے وہاں بہر حال ترقی کے راستے دشوار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہر رنگ میں شہری آزادیوں پر پابندی معاشرے کی ترقی کے حق میں خطرناک حد تک رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔

چند خاص اداروں کو مضبوط کرنے کی اس لئے بھی اشد ضرورت ہے تاکہ ان شہری آزادیوں کا تحفظ صحیح رنگ میں کیا جا سکے۔ ان اداروں میں سب سے اہم ادارہ عدلیہ کا ہے۔ آئین میں عدلیہ کو مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ یا تو موجودہ آئین میں خاطر خواہ تبدیلی کر کے عدلیہ کو خود مختار اور آزاد کیا جائے اور اگر یہ ممکن نہیں تو اس آئین کی جگہ نیا آئین بنایا جائے جو جمہوری تقاضوں پر پورا اترتا ہو تاکہ عوام کو اپنے حقوق کی پشت پناہی کم از کم قانون کے ذریعے سے حاصل رہے۔ یہ قدم جتنی جلدی بھی ممکن ہو اٹھایا جانا چاہیئے۔ اور اس سلسلے میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ تمام روشن خیال اور جمہوریت پسند سیاسی پارٹیاں یک جا ہو کر اس مطالبے کو مفید رنگ میں منوا لیں۔

پیداوار کے ذرائع سوشلسٹ نقطۂ نظر سے

ذرائع پیداوار کی افزائش کے لئے سوشلسٹ نقطۂ نظر کے مطابق پاکستان میں دو طرفہ جہاد کی ضرورت ہے۔ ایک طرف تو پاکستان کو غیر ترقی یافتہ صنعتی اور زرعی حالت سے نکالنا اور دوسری طرف عدل و انصاف کی بنیاد پر ایک سماجی اور

اقتصادی نظام کو رائج کرنا، یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں تیز رفتاری کے ساتھ کرنے ضروری ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے اگر ایک کو بھی پس پشت ڈالا جائے تو دوسرا کام خود بخود ناکام ہو جاتا ہے۔ پاکستان سرمایہ دارانہ معاشی نظام پر جس حد تک عمل کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ تو ملکی دولت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور نہ ہی عام لوگوں کی حالت سدھری ہے۔ صنعت کاری کچھ گروہوں اور کچھ خاندانوں کے دائرہ اختیار میں ضرور چلی گئی ہے لیکن اس غیر مساوی تقسیم کار اور تقسیم زر کے باوجود ملک میں نہ خاطر خواہ صنعتی ترقی ہوئی، نہ زرعی پیداوار میں اضافہ۔ البتہ بیرونی نئی سامراجی طاقتوں نے ہمیں اور بھی اپنا مرہونِ منت بنا لیا۔

عوام کو اقتصادی لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ذرائع پیداوار کو چند لوگوں کے ہاتھوں سے لے کر (جو کہ پیدائش زر میں خود حصہ نہیں لیتے) ان وسائل کو تمام ملت کی بہبود کے لئے یکساں طور پر استعمال کیا جائے اس سلسلے میں جو واضح اصول منہا کئے جا سکتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ وہ ذرائع پیداوار جن سے صنعتی ترقی کی جڑیں وابستہ ہیں یا جن سے تمام بڑی چھوٹی صنعتیں منسلک ہوتی ہیں، ان کو چند ہاتھوں میں نہ رہنے دیا جائے بلکہ حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لے۔

۲۔ وہ تمام ذرائع پیداوار جن سے قومی اقتصادیات کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، عوامی ملکیت ہونی چاہئیں۔

۳۔ زرِمبادلہ کے تمام ذرائع اور ایجنسیاں مثلاً بنک، ایکس چینج اور انشورنس کمپنیاں حکومت کی ملکیت ہونی چاہئیں۔

مختصراً مندرجہ ذیل شعبوں کو قومی اختیار میں لینا ضروری ہے:۔

۱۔ بنک کاری،

۲۔ انشورنس کمپنیاں

۳۔ تمام بڑی بڑی صنعتیں (مثلاً فولاد، لوہا، سیمنٹ)

۴۔ دیگر دھاتوں کی صنعتیں۔

۵۔ بھاری انجینئرنگ کی صنعت۔

۶۔ صنعت کاری کے لئے بڑی بڑی مشینیں اور پُرزے۔

۷۔ کیمیکل فیکٹریاں اور پٹروکیمیکل صنعتیں۔

۸۔ جہاز سازی۔

۹۔ اسلحہ سازی۔

۱۰۔ موٹر کار کی صنعت۔

۱۱۔ بجلی پیدا اور تقسیم کرنے کے سامان کی صنعتیں۔

۱۲۔ بجلی

۱۳۔ گیس

۱۴۔ تیل

۱۵۔ کوئلہ

آمدورفت کے تمام اہم ذرائع

۱۶۔ ریلوے

۱۷۔ جہازرانی

۱۸۔ ائرٹرانسپورٹ

۱۹۔ روڈٹرانسپورٹ

۲۰۔ تمام ذرائع معدنیات مثلاً کان کنی، خام دھاتوں کو کیمیائی طریقوں سے بہتر بنانا۔

نجی سرمایہ کاری صرف اسی حد تک اپنا حصہ قومی اقتصادی زندگی میں ادا کر سکے گی جس حد تک ہماری معاشرتی ضروریات اس کی اجازت دیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ نجی سرمایہ کاری کی اجازت محض قابلیت، ہنرمندی اور جائز نفع رسانی کے اصولوں پر ہوگی۔ نہ کہ بڑے خاندانوں کی سرپرستی اور نوکرشاہی کی ناجائز دھڑے بندیوں کی بنا پر۔ نجی سرمایہ کاری اسی حد تک نفع اندوز ہو سکتی ہے جب کہ محنت کش طبقہ اس کی نفع رسانی میں برابر کا شریک ہو۔

محنت کش طبقے کو صنعت وحرفت اور زراعت کے چھوٹے بڑے منصوبوں میں احساس شرکت دلا کر ہی سوشلسٹ نظام میں معاشرے کے تمام افراد میں اتحاد، اتفاق، ہمت اور قوت کا احساس پیدا کیا جا سکتا ہے۔ بڑی بڑی صنعتوں کو قومیانے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خاص طور پر خیال رکھا جانا چاہیئے کہ کاشتکاروں اور مزدوروں اور دوسرے محنت کش لوگوں کے لئے زندگی کے تمام شعبوں میں مثلاً کام، تعلیم، صحت اور کھیل وغیرہ میں بہتر سے بہتر مواقع جلد سے جلد پیدا کئے جائیں۔ ہماری قومی زندگی کی ترقی کی پہلی منزل یہی امر قرار پانا چاہیئے۔ اسی قدم کو اٹھا کر ہم عوام کے اتحاد سے اور نئی نسل کی امیدوں اور امنگوں کو ساتھ لے کر قومی زندگی میں صحیح معنوں میں انقلاب لا سکتے ہیں۔ وہ انقلاب جس سے ہماری زندگی کی مادی اور روحانی کامرانیاں وابستہ ہیں۔

بنیادی اصول

(دستاویز نمبر ۳)

۱۔ مقاصد

پارٹی کا مقصد پاکستان کو عوام کی خواہشات کے عین مطابق ایک سوشلسٹ معاشرے میں ڈھالنا ہے۔

۲۔ راہنما اصول

پارٹی اپنی پالیسی اور سرگرمیوں کے لئے مندرجہ ذیل راہنما اصول اختیار کرتی ہے۔

(ا) مساواتی جمہوریت یعنی غیر طبقاتی معاشرہ اور

(ب) اقتصادی اور سماجی انصاف کے حصول کی خاطر سوشلسٹ نظریات کا استعمال

وضاحت :۔

کئی ایک پیچیدہ مسائل سے جن کا حل تلاش کرنے کی توقع ہے عہدہ برآ ہوتے وقت پارٹی اس بات کی سخت احتیاط کرے گی کہ وقتی مصلحتوں سے متاثر ہو کر اپنے نصب العین سے دور نہ ہٹ جائے۔ اگر یہ ان دو راہنما اصولوں کی روشنی میں کام کرے گی جن میں سے پہلے کا تعلق مقصد سے اور دوسرے کا طریق کار سے ہے تو اس سے کبھی غلطی نہیں ہو گی۔

۳۔ پروگرامی اصول

آئینی ڈھانچہ عوامی جمہوری طرز حکومت کا ہونا ضروری ہے جو عوام کے براہ راست

منتخب کردہ نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہو۔

وضاحت:۔

تقسیم ملک کے وقت پاکستان کو باضابطہ حکومت کے لئے تمام ضروری ادارے ملے تھے۔ آئینی ڈھانچہ خواہ وہ عارضی ہی تھا، موجود تھا اور اس بات کی توقع تھی کہ آئین ساز اسمبلی نئی ریاست کو عوام کی خواہشات کے مطابق آئین مہیا کرے گی۔ آٹھ سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی آئین ساز اسمبلی نے اپنا کام پورا نہ کیا اور وقت گزرنے کے ساتھ اس کی اپنی نمائندہ حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ اس تمام عرصہ میں آئین سازی کے کام کی تکمیل میں ناکامی کے بعد اسمبلی کا یہ دعویٰ کہ اُسے ابھی تک عوام کا اعتماد حاصل تھا بعد میں ہونے والی تمام تر ابتری کا آغاز تھا۔

نوکر شاہی جسے آئین سازی میں عوام سے مشورہ کرنے میں ذرہ بھر دلچسپی نہ تھی، کی مداخلت نے حالات کو اور بھی بدتر کر دیا۔ عوام کی خواہشات کو جن کا جائزہ لینے کی کبھی بھی کوشش نہ کی گئی تھی، بالائے طاق رکھتے ہوئے مخصوص لوگ آپس میں گٹھ جوڑ کے ذریعہ آئین سے متعلقہ فیصلے کیا کرتے تھے۔ یوں بنیادی آئینی مسائل بالخصوص علاقائی حقوق اور ملک کے دونوں بازوؤں کے باہمی تعلقات کا فیصلہ عوام کی منشا حاصل کئے بغیر بھی کر لینا ممکن ہوگیا۔

پہلی آئین ساز اسمبلی کو پاکستان کے لئے دستور بنانے کا فرض سونپا گیا تھا۔ اسمبلی کے ذمہ یہ فرض حقیقت میں اس معاہدے کا ایک حصہ تھا جس کی بدولت تقسیم ملک قابلِ عمل ہوئی۔ پہلی دستور ساز اسمبلی کے ٹوٹ جانے کے بعد پاکستان کے لئے دستور بنانے کا اختیار ختم ہوگیا۔ دوسری مرتبہ یہ اختیار صرف پاکستان کے عوام ہی عام قومی انتخاب کی بنیاد پر کسی دوسرے ادارہ کو دے سکتے تھے لیکن ایسا

نہیں کیا گیا۔ اس کی بجائے غیر قانونی طریق اور دھاندلی سے صوبائی قانون ساز اسمبلیوں کے ارکان نے، جن میں سے بہت سے خود دھاندلی کے ذریعے منتخب ہوئے تھے، پاکستان کے لوگوں پر ایک اور دستور ساز اسمبلی مسلّط کر دی۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ دوہری رکنیت کا طریق اختیار کیا گیا جس سے دستور یہ کے اس آزاد قومی کردار کی نفی ہو گئی جو کہ دستور بنانے والے ادارے کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ اسمبلی پہلی اسمبلی سے اس لحاظ سے مختلف تھی کہ پہلی اسمبلی تمام تر نقائص کے باوجود بغیر مزید منظوری حاصل کئے ملک کے لئے آئین بنانے کا اختیار رکھتی تھی۔ تمام اسمبلیوں کو ماسوائے ایک کے یہ حیثیت نہیں دی جا سکتی کہ ان کے پاس دستور بنانے کا باقاعدہ اختیار تھا۔ یہی بات موجودہ آئین پر صادق آتی ہے جو مارشل لاء کی پیداوار ہے اور جسے عوام کی خواہشات سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ابتدائی طور پر انہی وجوہات کی بنا پر ملک نے تمام تر عرصہ آئینی بحران کا سامنا کیا ہے اور آئینی مسائل کا کوئی فیصلہ کن حل ملتا نظر نہیں آتا۔ پہلے ہی کافی تلخی اور ابتری پیدا ہو چکی ہے۔ لہٰذا پارٹی اختلافات میں مزید اضافہ سے احتراز کرے گی۔ پاکستان کے عوام پارٹیوں اور علاقائی سازشوں کے پیدا کردہ آئینی تجربات سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ عوام اور صرف عوام کا کام ہے کہ وہ اپنے ملک کے آئین کا ڈھانچہ تیار کریں جب تک انہیں فیصلہ کرنے کے حق کو بروئے کار لانے کا اختیار نہیں دیا جاتا اس وقت تک آئینی مسائل جوڑ توڑ اور پارٹیوں کے اعلانات سے طے نہیں ہو سکتے لہٰذا پارٹی کا اولین کام لوگوں کے جمہوری حقوق کی بحالی ہے تاکہ وہ اپنے آئینی اور سیاسی مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل کر سکیں۔

پارٹی عوام کے حقوق بحال کرانے میں کامیاب ہو جانے کے بعد خاص خاص مسائل پر اپنے نظریات کا اعلان کرے گی تاکہ عوام ان پر غور کر سکیں۔ اسی وجہ

سے بنیادی کام یہ ہے کہ تمام تر توجہ عوام کے حقوق کی بحالی پر دی جائے۔

ماضی کے تلخ تجربات سے سبق حاصل کرنے کے بعد پارٹی کا پختہ عقیدہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ صادر کرنا عوام کا کام ہے کہ پاکستان وحدانی طرز کی ریاست ہو یا وفاقی، دونوں بازوؤں کا کیا رشتہ ہو، مرکز سے کیا اور آپس میں کیا تعلق ہو، مختلف علاقوں کو خود مختاری ہو اور طرزِ حکومت پارلیمانی ہو، صدارتی ہو یا دونوں طرزوں کا مشترکہ ہو۔ وفاقی اور وحدانی دونوں طرح کی ریاست جمہوری ہو سکتی ہے اور یہی بات صدارتی اور پارلیمانی طرزِ حکومت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان تمام مسائل پر عوام کی رائے معلوم کی جائے جن کا حل تجریدی اصولوں پر دلیل بازی سے نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔

اُوپر بیان کئے گئے اصول کے مطابق مرکزی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیاں بالغ رائے دہی سے براہِ راست انتخاب کے ذریعے منتخب ہونی ضروری ہیں اور ان کا انتخاب انتخابی اداروں کے ذریعے سے نہیں ہوگا۔ اپنے نمائندے منتخب کرنے میں عوام کی براہِ راست شرکت بدعنوانیوں کی روک تھام کی براہِ راست اور بہترین گارنٹی ہوتی ہے۔ بالواسطہ انتخاب کا نظام صاحبِ اقتدار حکومت کو بدعنوانی اور سازشوں کا انتہائی سہل طریقہ مہیا کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس ماتحت انتظامیہ اور عوام کا خزانہ اس کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ براہِ راست انتخابات کے نظام میں غیر مقبول حکومت کے پاس اتنا پیسہ کبھی نہیں ہو سکتا جس سے تمام عوام کو خریدا اور انتخاب جیتا جا سکے۔ اس کے برخلاف بالواسطہ طریق انتخاب میں کیونکہ ووٹروں کی تعداد محدود ہوتی ہے اس لئے انہیں آسانی سے رشوت دی جا سکتی ہے۔ کسی ملک کی تمام آبادی کو اپنے حق میں استوار کرنا ناممکن ہے۔ جب چند افراد کو جو انتخابی ادارے کے ارکان ہوں تنگ کر کے یا ان کے ساتھ رعایت کر کے متاثر

کرنا مشکل نہیں ہے۔

۲۔ زن و مرد کا بالغ حق رائے دہی:۔

وضاحت:۔
اگر حق رائے دہی سب کے لئے یکساں ہو تو جائداد اہلیت کا کوئی معیار نہیں ووٹ دینے کا حق بلا رکاوٹ استعمال ہونا چاہیئے۔ رجسٹریشن فیس کا نفاذ غریب طبقہ کے ووٹروں کو ختم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اس لئے اسے اور جائداد کو اہلیت قرار دینا ووٹ کے آزادانہ حق استعمال کی راہ میں ایک رکاوٹ تصور کیا جانا چاہیئے۔ ووٹ دینے کے حق کو جائداد، تعلیم یا کسی اور قسم کے معیار پیدائش وغیرہ سے محدود کرنا قدرتی طور پر جمہوری نظام کی نفی ہے۔ زن و مرد کا حق بالغ رائے دہی اس ملک کو مخصوص مفادات یا چند طاقت ور خاندانوں یا ایک ہی خاندان کی جاگیر بننے سے روک سکتا ہے۔

۳۔ انسانی حقوق کا جائز لحاظ

شہری آزادیوں کا مکمل تحفظ ہونا چاہیئے خصوصی طور پر

(الف) آزادئ فکر
(ب) آزادئ اظہار (تحریر و تقریر میں)
(ج) اخبارات کی آزادی
(د) اجتماع کا حق
(ع) آزادانہ میل ملاقات کا حق۔

وضاحت:۔
ایسا معاشرہ جس میں شہری آزادیاں نہ ہوں یا برائے نام ہوں غلاموں کا معاشرہ کہلاتا ہے جب شہری آزادیاں چھن جائیں تو بدعنوانی، آمریت، پولیس کا تشدد،

ثقافتی اور اخلاقی انحطاط جیسی برائیاں قوم کے جسم میں جڑ پکڑ جاتی ہیں۔ اس وقت جمہوریت کا وجود باقی نہیں رہتا۔ پاکستان میں یہی صورت حال درپیش ہے۔ حکومت جسے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ وہ ان لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کر رہی ہے اچھی طرح جانتی ہے کہ عوام کو بیش قیمت شہری آزادیوں سے محروم رکھ کر ہی اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکتی ہے۔ حکومت نے یہ کام کئی طریقوں سے کیا ہے مثلاً اخبارات پر پابندی لگا کر جنہیں اگر کسی بات کو شائع کرنے کی اجازت بھی ہے تو اسی صورت میں جب وہ حکومت کے ناقدین کے نظریات کو مسخ کر کے شائع کریں۔ وہ اخبارات اور پبلشر جو حکومت کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان پر ایسے طریقوں کے ذریعے بھاری مالی بوجھ عائد کئے جاتے ہیں جو بظاہر قانون نظر آتے ہیں، جان بوجھ کر عوام کے جلسے جلوس منعقد کرنے کے حق کو سلب کر کے۔ جنگ کے زمانے کے ہنگامی قوانین جاری رکھ کر جب کہ ہنگامہ مدت ہوئی ختم ہو گیا اور حکومت پاکستان کے دعووں پر زور دینے میں نہیں، بلکہ بھارت سے دوستی کرنے میں مصروف ہے اور بہت سے ایسے طریقوں سے شہری حقوق غصب کئے گئے ہیں جن میں قانون کا شائبہ تکلفاً بھی نہیں پایا جاتا۔ ہر شہری کے سر پر ناجائز گرفتاری اور قید کے خوف کی تلوار لٹک رہی ہے۔

بنیادی حقوق کی بحالی کے لئے عمل کرنا فوری ضرورت ہے جس کے لئے ہر جمہوریت پسند سیاسی پارٹی کو پوری قوت کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے۔ یہ وہ ضرورت ہے جس پر تمام مخالف جماعتیں تعاون کر سکتی ہیں خواہ ان کے درمیان نظریات اور مقاصد کے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ پارٹی بغیر کسی تکلف کے تمام پارٹیوں کے ساتھ عوام کے گمشدہ شہری حقوق کی بحالی کے لئے تعاون کرنے کو تیار ہے۔

۴۔ کسان اور کارکن طبقہ کو قومی آمدنی کے پیدا کرنے والوں کی حیثیت سے اپنی مزدوری کا پورا صلہ حاصل کرنے کا پورا حق ملنا چاہیئے۔ تمام زرعی اور صنعتی منصوبے محنتِ شاقہ کرنے والے عوام کی بہبود کے نقطۂ نظر سے بنائے جانے چاہئیں۔

وضاحت :۔

اس اصول میں اقتصادی اور معاشرتی انصاف کی بنیادی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ موجودہ حالات میں کارکن عوام، جن میں کم تنخواہ پانے والے ملازمین بھی شامل ہیں، چند اہل ثروت خوش نصیبوں کے ہاتھوں میں بے بس کٹھ پتلیاں ہیں۔ موجودہ حکومت میں بلند و بانگ دعووں والے تمام اقتصادی منصوبے اس طرح ترتیب دیئے جاتے ہیں کہ امیر امیر تر ہوتے جا رہے ہیں اور قومی آمدنی کے اصل پیدا کرنے والے ہمیشہ کی طرح آج بھی بے یار و مددگار ہیں۔ اگر عوام کو کوئی معمولی سا فائدہ پہنچتا ہے تو وہ محض اتفاق ہوتا ہے۔ خاص طور پر صنعتی منصوبے جان بوجھ کر اس طرح بروئے کار لائے جاتے ہیں جس سے دولت نہایت آسانی سے چند چہیتوں اور لاڈلوں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ ان حالات میں بددیانتی کو فروغ حاصل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت حاصل کرنے کی ہوس قومی اخلاق کو تباہ و برباد کر رہی ہے۔ مزید برآں اقتصادی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ بددیانتی کا مادی نقصان بے تحاشا اقتصادی نقصان کی صورت میں ہو رہا ہے جو بہرحال عوام پر ایک بوجھ ہے۔

۵۔ دولت اور اہم صنعتوں کو قومی ملکیت قرار دینا تاکہ

ا۔ صنعتی ترقی تیز کی جائے۔
ب۔ چند خوش نصیبوں کے ہاتھوں عوام کے استحصال کو روکنا اور
ج۔ پاکستان کے اندرونی معاملات میں غیر ملکی مداخلت ختم کردی جائے۔

وضاحت:۔

یہ اصول سوشلسٹ نظریہ کے عین مطابق ہے جو تجربہ سے ثابت کرتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت عوام کے استحصال کا باعث ہے۔ کسی ملک کی معیشت پر اہم صنعتوں کے مالکوں کا قبضہ ہوتا ہے جو کہنے کو صنعتی ترقی کے ذمہ دار کہلاتے ہیں۔ اگر اہم صنعتیں اور بنک نجی ملکیت میں ہوں تو ملک کی صنعتی ترقی چند امیر آدمیوں کے رحم وکرم پر رہے گی۔ کسی غیر ترقی یافتہ ملک میں اس وقت تک صنعتی ترقی ممکن نہیں ہے۔ جب تک ریاست خود فولاد، بھاری مشینری اور ادویات جیسی اہم صنعتوں کو اپنے ہاتھ میں نہ لے۔ جہاں تک نجی شعبہ کا تعلق ہے، اسے مناسب حالات میں پھلنے پھولنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ یہ مناسب حالات صحت مند مقابلے سے ہوتے ہیں نہ کہ سرکاری امداد کے پردے کے پیچھے مقابلے کی فضا میں ہی نجی تجارت بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے اور عوام کو اجارہ داروں کے استحصال سے بچایا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں حکومت نے بہت سی صنعتیں قائم کیں اور جب وہ منافع بخش ثابت ہو رہی تھیں تو انہیں نجی افراد کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ اگر سرمایہ دار کسی صنعت کے شروع کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے تو پھر نجی کوششوں کی تعریف کرنا بکواس ہے۔ سرمایہ کاری ختم کرنے کی شر پسندانہ پالیسی ختم ہونی ضروری ہے۔

جس طرح آج کل پاکستان کے صنعتی منصوبے بنائے جاتے ہیں اور ان پر عملدرآمد کیا جاتا ہے اس سے غیر ملکی مفادات کو پاکستان میں دخیل ہونے کا موقع ملتا ہے ایسا نظام جس سے نجی ادارے براہ راست غیر ملکی امداد سے بہرہ ور ہوں۔ بیرونی طاقتوں کے ملکی معاملات میں دخل دینے کا راستہ کھولنے کا باعث ہے۔ قومی ملکیت میں لینے کے ضروری اقدامات اس بدعت کو ختم کر دیں گے۔

۶۔ زرعی اقدامات جن سے رہی سہی جاگیردارانہ ذہنیت کے ہاتھوں کسانوں کا استحصال ختم کیا جائے۔ کسان طبقہ کو "اپنی امداد آپ" اور "امداد باہمی" کے گروہوں میں منظم کرنے کے لئے ٹھوس اقدامات کرنا۔

وضاحت :۔

پارٹی جاگیردارانہ نظام کے مکمل خاتمے کے لئے سوشلزم کے تسلیم شدہ اصولوں کے ماتحت واضح اقدامات کرے گی تاکہ کسانوں کے مفاد کو بڑھایا جائے اور ان کا تحفظ کیا جا سکے۔

ان زرعی اصلاحات نے جو پہلے ہی نافذ کی جا چکی ہیں ملک کے متعدد علاقوں میں پائے جانے والے جاگیردارانہ نظام کو بڑی حد تک ختم کر دیا ہے۔ تاہم ابھی اس نظام کے کچھ نشانات موجود ہیں جنہیں ختم کرنا ضروری ہے۔ ضروری اصلاحات نے تنہا تمام اہم زرعی مسائل کو ختم نہیں کیا ہے۔ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ زرعی پیداوار کو اس سطح تک پہنچایا جائے کہ ملک کی تمام غذائی ضروریات پوری ہو جائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس وقت تک آبادی کے سالانہ اضافے کے برابر اضافہ ہو جب تک آبادی کے اضافے پر قابو نہ پا لیا جائے۔ یہ معاملہ صرف زیادہ پیداوار دینے والی گندم کی اقسام متعارف کرنے کا نہیں ہے۔ اگرچہ اس سے

بھی بہت امداد ملتی ہے تاہم اس کے لئے کاشت کاری کے طریقوں میں انقلاب لانے کی ضرورت ہے اس کے لئے کاشتکاروں کے نظریات تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جو پشت ہا پشت سے اپنے حکام کے لئے دولت پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ انہیں اب قومی آمدنی میں سے ان کا جائز حصہ ملنا چاہیئے۔

اس سلسلے میں متعدد دشواریاں درپیش ہیں۔ کاشتکاروں کو اس کی پیداوار کی مناسب قیمت کی ضمانت ہونی چاہیئے۔ اسے کم سے کم ممکن قیمت پر بیج، کھاد اور زرعی اوزار ملنے چاہئیں۔ جہاں کہیں بھی جدید مشینوں کے استعمال سے زیادہ پیداوار حاصل ہو سکتی ہو وہاں یہ مشینیں مہیا کرنی چاہئیں اور کاشت کار کو ان کے استعمال اور دیکھ بھال کی تربیت دی جانی چاہیئے۔ زرعی زمین کے بہتر استعمال کے لئے متعدد میدانوں میں سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔

ماضی میں کاشتکار استحصال کا شکار رہے ہیں کیونکہ ان میں اپنے مفادات کی حفاظت اور اضافے کے لئے تنظیم اور ذرائع کا فقدان رہا ہے۔ اپنی مدد آپ کے اصولوں اور امداد باہمی کے گردہوں کی تنظیم کاشت کاروں کی حالت بہتر بنانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو محض اوپر سے بیٹھ کر حکم چلانے سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کاشت کاروں کو منظم کرنے کے لئے ان کی امداد کی جائے۔

امداد باہمی کے تجربات کی تاریخ ہمارے ملک میں مایوس کن رہی ہے۔ اس کی ناکامی کی وجہ اشتراکی منصوبوں کے لئے ضروری نظریہ کا فقدان ہے۔ اس حقیقت کے کے پیش نظر کہ فوری مقصد ملک کو غذائی پیداوار کے میدان میں خود کفیل بنانا ہے اور کیونکہ اس سلسلے میں کچھ اصلاحات پہلے ہی نافذ کی جا چکی ہیں اس لئے اب زمین کے

نظام میں تبدیلی کرکے بے چینی پیدا کرنے سے پیداوار پر بُرا اثر پڑے گا۔

۷۔ ٹریڈ یونین کا استحکام۔ ہڑتال کا حق ناقابل تردید۔ آئی، ایل، او کے اصولوں کا اطلاق

پاکستان میں ٹریڈ یونین اندریں حالات بہت کمزور اور منقسم ہونے کی وجہ سے اپنی تنظیم کا مقصد یعنی مزدور طبقہ کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ موجودہ حکومت جس کی اقتصادی پالیسی ایک مختصر سے گروہ کو امیر تر بنانا ہے اس سے ہم یہ توقع نہیں کرسکتے کہ وہ ٹریڈ یونین کو بھی وہ مقام دے گی جو کہ وہ مل مالکوں کو دیتی ہے کیونکہ مل مالک کو حکمرانوں تک رسائی حاصل ہے۔ جو خود بھی کارخانوں کے مالک ہیں۔

ٹریڈ یونینوں کے کمزور ہونے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ فیکٹری یونین کا ٹریڈ یونین سے تعلق مضبوط نہیں ہو سکا چنانچہ ٹریڈ یونین تحریک اب تک مایوس کن حد تک بکھری ہوئی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ بڑی بڑی ٹریڈ یونین مزدوروں کے مختلف طبقوں کے مطابق بنائی جائیں جیسا کہ کپڑے کی مختلف ملوں کے مزدوروں کی ایک ملک گیر تنظیم۔ دھات کی ملوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی ایک ملک گیر تنظیم۔ گودیوں میں کام کرنے والوں کی ملک گیر تنظیم وغیرہ وغیرہ۔ اس کے اوپر ٹریڈ یونین کی ایک کونسل بنائی جائے جو کہ تمام ملک کی ٹریڈ یونینوں کی نمائندگی کرے اور مزدور طبقہ کو اپنی متفقہ رائے ملک کے اندر اور باہر دینے میں مدد دے۔

پارٹی مزدوروں کو ان کا ہڑتال کرنے کا حق دے گی جو کہ ان کے لئے اپنے حقوق منوانے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اگر مزدوروں سے ہڑتال کا حق چھین لیا جائے تو ان کے پاس اپنے حقوق منوانے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔

یہ بات عیاں ہے کہ آئی ایل اوکے اصول، ریاست، آجر اور مزدور کے درمیان تعلقات کی بہترین صورت میں ملک میں لاگو کیے جائیں۔ خصوصاً جب کہ وہ انسانی بنیادی حقوق کے مطابق ہیں۔

۸۔ کم از کم اُجرت کا تعین

وضاحت:۔

مزدوروں اور ملازمت پیشوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے یہ ایک نہایت اہم ضرورت ہے۔ بیروزگاری کی وجہ سے جو لوگ روزگار کی تلاش کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف خود کو پیش کرتے ہیں اور اُجرت کو اس معیار پر لے آتے ہیں جو کہ ان کی ضروریاتِ زندگی کا مشکل سے کفیل ہو سکتا ہے۔ کم اُجرت سے ملازمت کے مواقع بڑھتے نہیں بلکہ آجر کے لئے زائد منافع میسر ہوتا ہے۔ کم از کم اُجرت کے تعین سے ملازمتوں پر زد نہیں پڑے گی بلکہ مزدوروں کو موجودہ وسیع بے روزگاری کے سبب ناجائز استحصال کا شکار نہ بننے کی ضمانت ملے گی۔

۹۔ قومی سطح پر کسانوں اور مزدوروں کے لئے صحت عامہ کی سہولتیں اور بعد ازاں ہر طبقے کے لئے

وضاحت:۔

صحت عامہ کی سہولتوں کی ضرورت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ یہ سہولتیں سب سے پہلے وہاں مہیا کی جائیں جہاں پر ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے یعنی غریبوں کے لئے جو ڈاکٹروں کو فیس دینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

۱۰۔ عوام میں تحریک پیدا کرنا

وضاحت:۔ عوام آج بھی تقریباً انہیں حالات سے دوچار ہیں جن میں وہ برطانوی

نو آبادیاتی نظام کے تحت تھے۔ ان سے ہر وقت یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ حکم بجا لائیں گے نہ کہ وہ خود ہیں سے کوئی ایسی قیادت پیدا کریں جو ان کو اپنی بہتری کے لئے جو کچھ بھی ذرائع ان کو حاصل ہیں بروئے کار لانے کی تربیت دے۔ غیر ترقی یافتہ ممالک کو بیروزگار عوام کی پیداواری صلاحیتوں سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ اگر ان کو منظم کرکے اپنی مدد آپ کرنا سکھلایا جائے تو وہ اس بات کے اہل ثابت ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی اقتصادی حالت میں تبدیلی لانے کے لئے معجزانہ تبدیلی لے آئیں۔

نہ صرف بیروزگاری بلکہ نیم روزگاری ملک کے ہر حصے میں ایک بہت بڑے پیمانہ پر پائی جاتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان انسانی ذرائع کو جو کہ ضائع ہو رہے ہیں کس طرح اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ اگر ان ہاتھوں کو جو کہ بے کار ہیں ان کاموں کے لئے استعمال کریں جو قومی غربت کی وجہ سے ناکردہ پڑے ہیں تو غربت پر خود بخود قابو پایا جا سکتا ہے۔

وہ لوگ جو فوراً بیکار رہیں خواہ کام پر لگا دیئے جائیں یا بیکار ہی رہنے دیئے جائیں ان لوگوں کو خوراک کپڑا، اور رہائش ہر حال میں مہیا کرنی ہی پڑتی ہے۔ موجودہ حالات میں وہ قومی اقتصادیات پر بوجھ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو منظم جماعتوں میں کام پر لگانے سے قوم پر کوئی بہت بڑا اضافی بار نہ ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دخانی انجن کی ایجاد سے پہلے بڑے کام جو کہ اب بھی ہماری پسندیدہ یادگاریں ہیں، انسانی محنت ہی سے پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ روسی قوم نے سڑکیں بنانے کے لئے کبھی بل ڈوزر استعمال نہیں کئے۔ ولندیزوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے سمندر سے زمین حاصل کی اور اس کی طغیانیوں کو اپنی سرزمین سے دور رکھا پھاوڑا اور بیلچہ جیسے سادہ آلات کے ذریعے سڑکیں بچھائی جا سکتی ہیں، نہریں کھودی

جا سکتی ہیں، دلدلیں دور اور بنجر زمین سرسبز کی جا سکتی ہیں۔ ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس بات پر نہیں بیٹھے رہنا چاہیئے کہ سرمایہ داران کاموں کے لئے مہنگی مشینیں درآمد کریں جو کہ ان کے بغیر بھی ہو سکتے ہیں۔ رضا کار مزدوروں کے دستوں کی تنظیم سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ اس قسم کی تنظیم سے عوام کو صفائی اور صحتِ عامہ کے متعلق ہدایات دینے میں بھی سہولت ہو گی۔ مزدور دستوں کی تنظیم کی بدولت عوام میں صفائی اور شہریت کا شعور پیدا کرنے میں امداد ملے گی۔

۱۱۔ جہالت کا خاتمہ۔ تعلیم کا مقصد غیر طبقاتی معاشرے کا قیام ہونا چاہیئے۔

وضاحت :۔

تعلیم وہ منافع بخش اور بہترین سرمایہ ہے جو کسی بھی قوم کے پاس ہو سکتا ہے۔ جتنی زیادہ جہالت ہو گی اتنی ہی زیادہ غربت ہو گی۔ تعلیم کے فروغ کے بغیر اقتصادی یا سماجی ترقی ممکن نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوّلین کام جہالت کو دور کرنا ہے۔

ہمارے ملک میں تعلیم کا معیار شرمناک حد تک کم ہے اور اگر معیار بلند کرنے کے لئے جلد کوششیں نہ کی گئیں تو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ترقی کے راستے محدود ہو جائیں گی۔ اعلیٰ تعلیم کھاتے پیتے گھرانوں کے لئے مخصوص نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ عوام کی قابل بیٹیوں اور بیٹوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کے مواقع میسّر ہونے چاہئیں۔

تعلیم کا ایک جامع منصوبہ اہم ترین ضرورت ہے لیکن یہ توقع نہیں ہے کہ ایک ایسی حکومت ایسا منصوبہ تیار کرے گی جس کا مقصد صرف امیر طبقہ کی بہبود ہو۔

۱۲۔ عوام کی ثقافتی زندگی کی ترقی

وضاحت :۔

بنی نوعِ انسان کی زندگی اپنی ثقافت کی مرہونِ منت ہے اور ثقافت ہی ایک

انسان کی ذہنیت کا اظہار ہے۔ پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں کئی قسم کی ثقافتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر ان کو ترقی دی جائے تو پاکستان اس لحاظ سے اور زیادہ خوش قسمت بن جاتا ہے۔

۱۳۔ ملکی زبانوں کی تیز تر ترقی تاکہ وہ غیر ملکی زبانوں کی جگہ لے سکیں جو ملکی معاملات میں مستعمل ہے اور تمام علاقائی زبانوں کی ترویج

وضاحت:۔

یہ اصول اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے کسی قسم کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ ہے۔ پاکستان ہمیشہ کے لئے ایک غیر ملکی زبان پر انحصار نہیں کرسکتا۔ زود یا بدیر ملکی زبانوں کو اس کی جگہ لینی ہے تاہم اس کے لئے خاصی تیاری کی ضرورت ہے اور ملکی زبانوں کی بتدریج ترقی اس کے آئندہ کردار کے لئے ضروری ہے۔ علاقائی زبانیں جو کہ ان لوگوں کو عزیز ہیں جو انہیں بولتے ہیں، اپنے حقوق رکھتی ہیں۔ یہ پرانی زبانیں ہیں، ان میں سے چند کے پاس ادب کا قابل قدر سرمایہ بھی ہے اور وہ لاکھوں انسانوں کا ذریعہ اظہار ہیں۔ ان علاقائی زبانوں کی نشوونما ملک کی ترقی کے لئے مددگار ثابت ہوگی اور لوگوں کی زندگی کو خوشتر بنائے گی۔

۱۴۔ عورتوں کے لئے مساوی حقوق

وضاحت:۔

ملک کی آدھی آبادی عورتوں پر مشتمل ہے۔ عورتوں کی فلاح وبہبود نہ صرف اُن کی بہتری کے لئے ضروری ہے بلکہ اس کا تعلق ملکی ترقی کے لئے بھی ناقابلِ تردید ہے۔ اچھے گھر اس صورت میں کبھی نہیں بن سکتے اگر عورت کو لاعلم اور مغلوب رکھا جائے

غیر مطمئن گھرانوں سے غیر مطمئن شہری ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ماں بچہ کی پہلی استاد ہے اور وہی اسے قومی ثقافت کا پہلا راستہ دکھاتی ہے۔ اس لئے ہمارے ملک کی ترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب عورت اپنے جائز حقوق حاصل کرے۔

۱۵۔ انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی

عدلیہ کی آزادی

وضاحت:۔
اگر انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ نہیں کیا جاتا تو جہاں حکومتی ادارے مسلسل طور پر یکطرفہ فیصلہ کرتے رہیں گے۔ ایک عام فرد کو کبھی بھی یہ احساس نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ قانون کی منشا کے مطابق سلوک کیا جارہا ہے، نہ کہ اسے مصلحتوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ نہ صرف انصاف کیا جائے بلکہ یہ ظاہر بھی ہو کہ انصاف کیا جارہا ہے۔ شہری حقوق کبھی بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں ہو سکتے جب کہ ایک منتظم خود ہی منصف بھی ہو۔

اگر عدلیہ آزاد نہیں ہے تو انصاف کبھی بھی احسن طریقے سے نہیں کیا جاسکتا۔ جج اور مجسٹریٹ صاحبان کو کبھی بھی اس صورتِ حال کا سامنا نہیں ہونا چاہیئے جہاں پر انتظامیہ کا دباؤ ان پر ہو مہلک بے انصافیاں عموماً انتظامیہ کی عدلیہ میں مداخلت سے پیدا ہوتی ہیں۔

۱۶۔ فرسودہ قوانین کا خاتمہ

وضاحت:۔

ہمارا ملک آج بھی اُن فرسودہ قوانین کے زیر بار ہے جو کہ موجودہ دور سے مطابقت

نہیں رکھتے۔ اگر وہ صرف ایک عجائب گھر کے بے ضرر نشان ہوتے تو اس سے بہت کم فرق پڑتا لیکن وہ نہایت ہی مہلک بیماریاں ہیں۔ اُن کو ختم کرنا چاہیئے۔

۱۷۔ آزادئ علم اور یونیورسٹیوں کی خود مختاری

وضاحت :۔

یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ صدیوں سے تعلیمی آزادی کو حصولِ علم کے لئے ناگزیر سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہ آزادی دانشورانہ زندگی کی جان ہے۔ وہ حکومتیں جو اپنا مطمحِ نظر ان فوری مقاصد کو بناتی ہیں جو اُن کے حامیوں کو آسانی سے مل سکے تعلیمی آزادی کو ہمیشہ تخریب پسندی سے تعبیر کرتی ہیں کیونکہ ایک رجعت پسند حکومت کے حصولِ مقاصد میں ہر قسم کی آزادی رکاوٹ بنتی ہے اس لئے تعلیمی آزادی بھی اس کی نظر میں ہولناک ہے اور اسی لئے رجعت پسند حکومت کے ہاتھوں خراب ہوتی ہے۔ یونیورسٹیوں کی خود مختاری سلب کرنے کے بعد انہیں ماتحت بنا لیا جاتا ہے۔ نتیجتہً پولیس یہ حکم دیا کرے گی کہ تعلیمی نصاب میں کیا ہونا چاہیئے۔

پارٹی نے عزمِ صمیم کیا ہے کہ پاکستان کی یونیورسٹیوں کی خود مختاری اور آزادی بحال کی جائے گی اور اس کی حفاظت کی جائے گی۔

۱۸۔ قومی تعمیر کے لئے نوجوانوں میں تحریک پیدا کرنا

وضاحت :۔

نوجوان قوم کے مستقبل کے مالک ہیں۔ ایک غیر ترقی یافتہ ملک میں نوجوان طبقہ سب سے سرگرم، فہیم اور کھلے ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ قومی تعمیر و ترقی میں ان کی شرکت فوری فائدے اور اس امر کی ضامن ہوتی ہے کہ مستقبل میں قوم کے

پاس شہریت کا شعور رکھنے والے باہمت شہری ہوں گے۔

۱۹۔ قومی دفاع میں عوام کی شرکت کا حق

ہمیں اپنی افواج کی جرأت اور کارکردگی پر بھرپور اعتماد ہے۔ ان کا امتحان میدانِ جنگ میں ہو چکا ہے اور ان کے شاندار کارنامے تمام قوم کے لئے باعثِ فخر ہیں۔ ہمارے عوام کے دِلوں میں شہیدوں اور غازیوں کی قربانیوں کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔

دفاع کا فرض تمام قوم پر عائد ہونا چاہیئے تاہم سرگرم فرائض پیشہ ور سپاہیوں ملاحوں اور ہوابازوں کے ذمہ ہونے چاہئیں۔ آج کے دور میں تمام جنگیں مکمل جنگیں ہوتی ہیں، ان کی لپیٹ میں تمام آبادی آتی ہے لہٰذا دفاع کے فرض سے کوئی بھی علیحدہ نہیں رہ سکتا۔

پاکستان کے جغرافیائی حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عوام ملکی دفاع میں شریک ہوں، چونکہ ملک کے کسی بھی بازو میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ دفاع کو اندر تک رہ کر کیا جا سکتا اور روایتی طور پر جنگ لڑی جا سکے۔ اگر عددی تعداد میں بہت زیادہ دشمن پیشہ ور سپاہیوں کی دفاعی لائن توڑنے میں کامیاب ہو جائے تو تمام ملک تباہی کے لئے بے یار و مددگار رہ جائے گا۔

ویت نام کی جنگ نے بہت سے سبق سکھائے ہیں جن میں سے سب سے اہم سبق یہ ہے کہ مسلح عوام کامیابی کے ساتھ حملہ آور کی مزاحمت کر سکتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ ہمارے مسئلے کا جواب یہ ہے کہ عوام کو جنگ کی تربیت دی جائے اور مسلح کیا جائے۔ یہ مقصد ملک میں ملیشیا بنا کر حاصل کیا جا سکتا ہے جسے پیشہ ور سپاہی تربیت دیں اور وہی کمان کریں گے۔

کیونکہ ہمارے ملک کو بھارت کی طرف سے فوجی اقدام کا مسلسل خطرہ ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر متوقع جارح کے خلاف حفاظت کا بندوبست کریں۔ ہمارے پاس ایٹم بم نہیں ہے اور کبھی بھی نہیں ہوگا تاہم جیسا کہ ویت نام کی جنگ نے دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ بہترین ذریعہ فوراً حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ ذریعہ ہے مسلح عوام جو وطن عزیز کی حفاظت کے لئے تیار رہوں۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ بلیک میل کے زیر سایہ زندگی گزاری جائے اور امن کے نام پر اپنے قومی حقوق چھوڑ دیئے جائیں۔

پارٹی دونوں بازوؤں اور ملک کے ہر حصہ میں عوامی ملیشیا بنانے کی حامی ہے۔

معیشت کا ارتقا

(دستاویز نمبر ۴)

تقسیم کے بعد پاکستان جہاں کہ عملاً کوئی صنعت تھی ہی نہیں سامراج کی ایک پالتو معیشت بن گیا جو اپنی زرعی پیداوار، قدرتی وسائل اور معمولی صنعتی پیداوار، قدرتی وسائل اور معمولی صنعتی پیداوار کو نوآبادیاتی طاقتوں کے ہاتھ بیچنے میں مگن رہا۔ یہ برطانوی راج کا تحفہ تھا۔

گماشتہ سرمایہ دار اسی وقت تک اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے جبکہ اس کی ملکی برآمد بین الاقوامی منڈی میں مستقلاً اپنی قیمت نہ کھوئے اور جب تک اس کی حکومت تجارت پر پابندیاں عائد نہ کرے۔ یہ دونوں شرطیں بہت تھوڑا عرصہ پوری رہ سکیں۔ دو واقعات نے حالات کو رُخ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

۱۔ سٹرلنگ کی قیمت میں کمی۔

۲۔ جنگ کوریا کے بعد خام مواد کی قیمتوں میں دنیا بھر میں سرد بازی۔

برطانیہ نے ۱۹۴۹ء میں جب پونڈ کی قیمت کم کی تو پاکستان نے اس کی پیروی کرنا ضروری نہیں خیال کیا۔ پاکستانی گماشتہ سرمایہ دار کو یہی توقع تھی کہ کم قیمت سٹرلنگ سے وہ برطانوی اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی مال بھی سستے داموں خرید سکے گا اور دوسری طرف یہ کہ برطانیہ اور ہندوستان دونوں کے پاس پٹ سن خریدنے کے کوئی متبادل ذرائع نہیں ہیں۔ اس لئے وہ پاکستانی قیمت ادا کرنے

پر مجبور ہوں گے۔ پاکستان کی دوسری بڑی برآمدی جنس یعنی روئی کی قیمت چونکہ بین الاقوامی منڈی کے حالات سے مقرر ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔ ہوا یہ کہ ہندوستان نے پاکستانی پٹ سن خریدنے سے انکار کردیا۔ برطانیہ کو جتنی بھی پیداوار بیچی جاسکی یا قیماندہ کے لئے پاکستان کو جلد از جلد بڑے پیمانے پر مصنوعات کی استعداد پیدا کرنی پڑی تاکہ ہندوستانی نقصان کو پورا کیا جاسکے۔ ہندوستان کا یہ اقدام اس کے لئے فائدہ مند تھا اور اپنے اثرات مرتب کرنے میں ضرور کامیاب ہوجاتا۔ اگر کوریا کی جنگ کے زیراثر پٹ سن اور روئی کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے بین الاقوامی مانگ میں اضافہ نہ ہوگیا ہوتا۔ پاکستانی تجارت سے زرمبادلہ کی کمائی ۵۱-۱۹۵۰ء میں اتنی ہوئی جتنی آج تک اس کے بعد کسی سال میں نہیں ہوئی۔ چنانچہ گماشتہ سرمایہ دار ایک دفعہ پھر پھلا پھولا اور دولت مند ہوگیا۔

جنگ کوریا کے بعد بین الاقوامی قیمتیں تیزی سے گرگئیں اور پاکستان کے زرمبادلہ کے محفوظ ذخیرے بھی تیزی سے ختم ہونے لگے۔ چنانچہ گماشتہ سرمایہ دار طبقے نے چیزوں کی درآمد پر ہجوم کردیا تاکہ پابندیاں عائد ہونے سے پہلے زیادہ سے زیادہ مال درآمد کرلے۔ حکومت کو اقدام کرتے کرتے اتنی دیر ہوگئی کہ اس وقت ہنگامی اقدامات ہی کافی ہوسکتے تھے۔ چنانچہ انتہائی ضروری اشیاء کے سوا ہر درآمد پر پابندی عائد کردی گئی کہ پاکستان کسی آسان راستے پر صنعت کاری شروع کرسکتا ہے اور سب سے آسان راستہ روئی کی صنعت تھا۔ اس صنعت کا کچھ تجربہ پہلے سے موجود تھا۔ مانگ کے بارے میں یقین تھا کہ یہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اور خام مال بھی وافر مقدار میں میسّر تھا۔ یہ آخری نقطہ بڑا فیصلہ کن تھا کیونکہ روئی پیدا کرنے والے بڑے طاقتور مفادات رکھتے تھے اور

بین الاقوامی سرد بازاری کے بعد کم از کم ایک وسیع گھریلو منڈی سے اس کی تلافی کرنا چاہتے تھے۔

صنعت کاری کے اس دوسرے دفعتہً ابال میں بھی پٹ سن کی صنعت اور تیزی کے ساتھ پھیلی۔ کیونکہ جنگ کوریا کی خوش قسمتی کے بعد اُسے بھی کافی نقصان پہنچا تھا۔ لیکن روئی کی صنعت کی پیداواری صلاحیت تو ہر چیز سے بڑھ گئی۔ سوتی پارچات کی کمی اور متبادلات کے فقدان نے قیمتیں چڑھا دیں اور بعض ملوں نے تو شروع ہونے کے ایک سال بعد ہی پورے کا پورا سرمایہ وصول کر لیا۔ قیمتیں اتنی زیادہ چڑھ گئیں کہ ۵۴-۱۹۵۳ء میں حکومت کو مجبوراً زیادہ سے زیادہ قیمتیں مقرر کرنا پڑیں حالانکہ یہ بھی اتنی کم نہیں تھیں کہ سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی۔

اگرچہ صنعتی صلاحیت بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی لیکن برآمدی محصولات مسلسل گھٹ رہی تھیں۔ جلد ہی وہ اس سطح تک گر گئیں کہ پاکستان کو روپیہ کی قیمت کم کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ اس اُمید پر کیا گیا کہ روئی اور خصوصاً پٹ سن عمومی کم قیمتوں کے باوجود بھی مقابلہ میں ٹھہر سکے گی۔ لیکن بین الاقوامی منڈی مسلسل گرتی گئی اور برآمدات سے زرِ مبادلہ کی وصولی بھی کم ہوتی گئی حتیٰ کہ ۵۹-۱۹۵۸ء میں یہ آمدنی اس کا ایک تہائی رہ گئی جو ۵۱-۱۹۵۰ء میں تھی۔ اب چونکہ سرمایہ ایسی مصنوعات میں لگایا گیا تھا جن کی قیمتیں باہر کی دنیا میں مسلسل اور تیزی سے گر رہی تھیں اس لئے ان کی درآمد سے بے نیاز ہو کر بہت کم بچت کی جا سکے۔

حکومت نے بھی کوشش کی کہ سرمایہ داروں کی مدد کی جائے اور اس کے مصنوعات کے مقابلہ میں مزدوروں کی اشیائے صرف خصوصاً غلے کی قیمت کم کر دی گئی۔ مقصود یہ تھا کہ اس سے مزدوروں کی قیمتِ محنت کم ہو جائے گی اور اس طرح منافع کی شرح بڑھ جائے گی اور اسی نسبت سے سرمایہ کاری۔ لیکن زراعت پر

اس کا اثر تباہ کن تھا کیونکہ شرح منافع کی وجہ سے کسانوں کی طرف کوئی سرمایہ منتقل نہیں ہو رہا تھا۔ نتیجتہً غلے کی سمگلنگ بڑے پیمانے پر شروع ہو گئی۔ غلہ سمگل کرنے کی ترغیب سب سے زیادہ اس وقت تھی جب روپیہ کی قیمت کم نہیں ہوئی تھی لیکن بعد میں بھی غلہ کی کم قیمتوں نے یہ ترغیب قائم رکھی۔ گندم اور چاول ہندوستان اور افغانستان کی مصنوعات ڈالر یا صرف ہندوستانی کرنسی کے عوض سمگل کیا جاتا تھا اور پاکستان میں حاصل ہونے والے فائدے سے کئی گنا زیادہ فائدہ حاصل کر لیا جاتا تھا۔ ناموافق موسم نے بھی اپنا رنگ دکھایا اور حکومت کی پالیسی نے ملک کو خوراک کی کمی کے سنگین مسئلہ سے دوچار کر دیا۔

پاکستان کو امریکی امداد کا آغاز سکہ کی قیمت کم کرنے سے پہلے ہو گیا لیکن اس نے ان وجوہات کو ختم کرنے میں کوئی خدمت سرانجام نہ دی جن کی وجہ سے سکہ کی قیمت کم کرنا ضروری ہو گیا۔ غلہ کی قیمت پہلے سے بھی کم کر دی گئی اور بڑی صنعتوں میں سرمایہ لگانے کی مزید حوصلہ شکنی کی گئی اور اگر اس سلسلہ میں کچھ ہوا بھی تو کاریں جوڑنے یا اسی قسم کے دوسرے کارخانوں میں سرمایہ لگا دیا گیا۔ مزید برآں ملک کا انحصار اس بیرونی امداد پر اور بھی بڑھتا گیا کیونکہ ملک کی برآمدی تجارت گھٹ رہی تھی۔

جب مارشل لاء کا اعلان کیا گیا تو برآمدات کی آمدن بالکل کم ہو چکی تھی۔ سیاسی بحران یکے بعد دیگرے تیزی سے آئے اور چلے گئے۔ علاقائی چپقلش ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی۔ یہ وجوہات تھیں کہ نئی حکومت کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا سوائے ان لوگوں کے جن کی نگاہ سیاسی بے چینی کے پیچھے اقتصادی قوتوں کی کارفرمائی کو دیکھ سکتی تھی یا کچھ کچھ ان لوگوں سے جنہیں یہ اعتماد نہیں تھا کہ حکومت مسائل کو حل کرنے کے قابل ہے یا انہیں حل کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔

نئی قوتِ حاکمہ کا پہلا کام بہت سی چیزوں کی بڑھی ہوئی قیمتوں کو کم کرنا تھا۔ قیمتوں کی یہ تیزی دو وجوہات کی بنا پر تھی۔ اوّلاً زرِ مبادلہ کی کمی اور کرنسی کے پھیلاؤ نے بیرونی اشیاء کو بہت مہنگا کر دیا اور وہ درآمد کنندگان جن پر درآمدی لائسنسوں کا خاص لطف و کرم تھا، مزے سے یہ بلند قیمتیں وصول کرتے رہے۔ ثانیاً مصنوعات پیدا کرنے والوں نے خصوصاً سوتی ملّوں کے مالکوں نے یہ سیکھ لیا کہ کیسے گٹھ جوڑ کر کے پیداوار محدود کی جا سکتی ہے اور قیمتیں بڑھائی جا سکتی ہیں۔ اس طرح وہ ۵۳ اور ۱۹۵۴ء کے دنوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔ مارشل لاء سے چند مہینوں تک تو قیمتوں میں کمی رہی لیکن پھر تاجروں پر یہ راز کھل گیا کہ یہ سب خالی خولی دھونس تھی جس پر مزید عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی جذبہ سے کچھ عرصہ کے لئے بلیک کی کمائی اور زرمبادلہ کے ذخیروں کو رضاکارانہ طور پر باہر کی ہوا لگائی گئی۔

نئی حکومت نے ملک کو درپیش ایک مشکل کا بڑے واضح انداز میں احساس کر لیا۔ یہ تھی زرِ مبادلہ کی کمی۔ اس سے روپیہ کی شکل میں تو ان لوگوں کو بہت زیادہ منافع مل جاتا تھا جنہیں لائسنس یا سرمایہ کاری کا اجازت نامہ مل جاتا تھا لیکن صنعتی پھیلاؤ بہت محدود ہو گیا تھا۔ بیرونی امداد حاصل کرنے کے لئے پاکستان نے سیاسی اور فوجی پابندیاں بہت سال پہلے قبول کر لی تھیں۔ درحقیقت تجارت میں خسارہ ۵۷-۱۹۵۶ء سے پہلے ہوا ہی نہیں تھا۔ اس سے پہلے اوسطاً تجارت متوازن تھی اور امداد صرف غلّہ اور فوجی سامان تک محدود تھی۔ لیکن ۱۹۵۸ء کے بعد تجارت متوازن ہونے کے لگ بھگ بھی نہیں پہنچی۔ درآمدات پھیلتی گئیں اور برآمدات بہت آہستہ آہستہ بڑھ سکیں۔ اس کا نتیجہ کیا تھا؟ مکمل غیر ملکی کنٹرول ہماری سرمایہ کاری کی حکمتِ عملی پر اور سیاسی، فوجی اور ثقافتی غلامی۔

بڑھتا ہوا بیرونی اثر و رسوخ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا۔ مثلاً خارجہ پالیسی اور ہارورڈ وائزری گروپ کی شکل میں۔ یہ گروپ پاکستانی منصوبہ بندی کے سلئے امریکی عقل وخرد کی سوغات ہے اور پلاننگ کمیشن کے ہر کام پر چھایا ہوا ہے۔ پاکستانی ماہرین معاشیات یا تو اتنے قابل نہیں تھے یا سیاسی طور پر اتنے باشعور نہیں تھے کہ امریکی نظریات جو گروپ نے ہم پر ٹھونسے ان کی مخالفت کر سکتے۔ چنانچہ دوسرا پنجسالہ منصوبہ امریکی لبرلزم اور پاکستانی سرمائے کے گٹھ جوڑ سے پیدا ہوا اور دونوں طرف کسی کو یہ واضح احساس نہیں تھا کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جو دوسرے کو اکثر اپنے ہی مفادات سے ٹکرانے پر مجبور کرتی ہیں۔

پاکستانی تاجروں کے لئے مسرت وشادمانی کی وجہ تھی کہ اب زرِمبادلہ بکثرت تھا اور ہارورڈ والے مطمئن تھے کہ آزادانہ تجارت کا نظریہ پھل پھول رہا تھا۔ ہارورڈ والوں نے مسئلہ کو جتنا سمجھا وہ یہی تھا کہ آزادانہ تجارت کی حکمت عملی رائج کی جائے اور جہاں تک بھی ممکن ہو آزاد تجارت کے اصولوں کے تحت سرمایہ دارانہ مفادات اور اپنے اغراض ومقاصد میں مطابقت پر عمل درآمد کیا جائے۔ پھر جب سرمایہ داروں اور منصوبہ بندی کرنے والوں میں مکمل مطابقت پیدا کرنے میں ناکامی ہوگئی تو منصوبہ کو سرمایہ داروں کے میلانِ طبع میں ڈھالا گیا۔ لبرلزم کی بدقسمتی یہ ہے کہ تاجروں کی بچت کو سرمایہ کاری کی طرف براہِ راست کنٹرول کے بغیر منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہاں تو کنٹرول آہستہ آہستہ ختم کردیئے جانے تھے۔

وہ فیصلہ کن سرمایہ جس پر حکومت کا براہِ راست اور مکمل کنٹرول تھا زرمبادلہ تھا۔ لیکن بونس ووچرز کے نفاذ نے یہ صورت بھی الٹ دی۔ اس نظام کا مقصد برآمد کنندگان اور صنعت کاروں کو سب منڈی مہیا کرنا اور مقابلتہً زرِمبادلہ کی آزادانہ تجارت کی اجازت دینا تھا۔ بونس ووچر منڈی میں آجانے سے درآمد کنندگان

رنگا رنگ چیزوں کی درآمد میں آزاد تھے گو ان کی قیمت نسبتاً زیادہ تھی۔ مزید براں چونکہ دولت کی تقسیم بہت زیادہ غیر مساوی ہو چکی تھی۔ اس لئے ان درآمدی اشیاء کو امیروں کے گھرانوں میں بڑی آسان منڈی مل گئی۔ کیونکہ صرف یہ امیر گھرانے ہی غریبوں کی نسبت اس درآمدی سامان تعیش کے خریدار بن سکتے تھے۔ یہ بات نہیں بھلانی چاہیئے کہ بونس ووچر کا نفاذ ایک جرمن ماہر کی سفارش پر کیا گیا تھا لیکن اس کا مقصد مارشل لاء کے آغاز میں ایک وقتی ضرورت کو پورا کرنا تھا۔ اس کے نزدیک بھی اس طریق کو مستقل کر دینا غیر مناسب تھا کیونکہ اس طرح زرمبادلہ کو اشیائے صرف پر خرچ کی کھلی چھٹی مل جائے گی اور درحقیقت ہوا بھی یوں ہی ہے۔

ہارورڈ کے ماہرین علم جس مغالطے کے جال میں پھنسے ہوئے تھے وہ تھی قومی پیداوار کے اضافے کو اقتصادی ترقی کے مترادف سمجھنا۔ مجموعی قومی پیداوار کے تصوّر میں توبنکاری، بیمہ اور اشتہار بازی کی خدمات بھی شامل ہیں۔ اس لئے ضرورت یہ ہے کہ کوئی بہتر اور محتاط کسوٹی تلاش کی جائے۔ اب حقیقت یہ ہے کہ دوسرے پنجسالہ منصوبہ میں قومی دولت کا ساٹھ فیصد اضافہ ایسی ہی خدمات کا مرہونِ منّت ہے۔

ان ساری چیزوں کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۸ء کے بعد پاکستان نے جو بھی ترقی کی ہے اس نے قومی معیشت کو مستحکم نہیں بنایا۔ بہت زیادہ براہ راست کھپت اور اشیائے صرف میں روپیہ لگانے کی اجازت دے دی گئی۔ قوم کو بیرونی امداد کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر انجینئرنگ کا آغاز نہ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نجی سرمایہ کار کو منڈی ملنے کا یقین نہیں تھا اور خارجی مفادات کو امداد اس شعبہ میں خرچ کرنے پر اعتراض تھا۔ مبادا پاکستانی منڈی میں انہیں مسابقت کا سامنا کرنا پڑے۔ انجینئرنگ یا دھاتوں کی بڑی

صنعت میں روپیہ لگانا اسی صورت میں زیادہ منفعت بخش ہو سکتا تھا، اگر پلانٹ کا سائز بڑا ہو، نہ صرف پاکستانی سرمایہ دار ان میں روپیہ لگانے میں گریزاں تھا، بلکہ خارجی مفادات بھی اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ چنانچہ پہلے تو چھوٹے پلانٹ کے لئے تحقیقاتی رپورٹیں اس مفروضے پر بنائی گئیں کہ بیرونی امداد میسر نہیں اور پھر یہ اعلان کر دیا گیا کہ یہ صنعت تو بہت مہنگی ہے اور آزادانہ مسابقت کی تاب نہیں لا سکے گی۔ پاکستان نے سوتی ملوں میں ضرورت سے زیادہ روپیہ لگا دیا ہے۔ کوریں خوش بختی کے دنوں میں زرمبادلہ کی افراط سے انجینئرنگ کی صنعت کا آغاز کیا جا سکتا تھا چاہے وہ ہلکی صنعت کا محدود آغاز ہی ہوتا۔ روئی کی صنعت میں کچھ روپیہ لگانا تو ضروری تھا تاکہ بیرونی ملکوں پر انحصار کچھ تو ختم ہوتا۔ ایسا کرنا ان مصنوعات کے لئے بھی ضروری تھا جو صرف پاکستان میں ہی بن سکتی تھیں۔ لیکن اس میں اتنا زیادہ سرمایہ لگا یا گیا کہ آج ہمیں وہ مصنوعات برآمد کرنی پڑ رہی ہیں جن کی قیمت دنیا بھر میں کم ہوتی جا رہی ہے۔ کوئی بھی صنعت کار اپنی آزادانہ مرضی سے تو اس قسم کی صنعت میں روپیہ نہیں لگائے گا۔ لیکن اگر صنعت کاروں نے پھر بھی اس میں روپیہ لگایا، تو اس کی وجہ یہی تھی کہ انہیں زیادہ قیمتیں وصول کرنے میں مکمل تحفظ دیا گیا۔ اس طرح عام آدمی کا گھاٹا سرمایہ دار کا منافع بن گیا۔

تحفظات اور دولت کا ارتکاز

ایک غریب ملک کو جہاں شرح مزدوری کم ہو، اس امیر ملک کے مقابلے میں جہاں شرح مزدوری زیادہ ہے اپنی مصنوعات کو سستے داموں بیچنے کی زیادہ صلاحیت ہونی چاہیئے جن پیداواری تکنیک میں ہنر مندی کی ضرورت ہے، ان میں مہارت

پیدا کرنے میں تو دقت لگتا ہے اور اس قسم کے منصوبوں کی ابتدائی مشکلات پر حکومتی تحفظات کے بغیر قابو بھی نہیں پایا جا سکتا۔ لیکن یہ تحفظات درآمدات پر کنٹرول یا ٹیرف کی پابندیوں سے مختلف بات ہے۔ جواب پاکستانی معیشت کی مستقل خصوصیت بن گئی ہے۔

پاکستان اگر بڑے پیمانے پر صرف روئی اور پٹ سن کی مصنوعات ہی برآمد کر سکتا ہے اور وہ بھی بونس واوچر کے سہارے تو ظاہر ہے کہ ہمارے سرمایہ دار نے اپنی تجارت کی مشکلات اور سختیوں سے دامن کشی کی کوشش کی ہے۔ اس کی بجائے انہوں نے ان سادہ اور آسان صنعتوں تک ہی خود کو محدود رکھا، جن کی پیدائش روزمرہ کی زندگی کے لئے ضروری تھی۔ پھر تحفظات کے ایک گورکھ دھندے سے انہوں نے قیمتیں اتنی بڑھا دینے میں کامیابی حاصل کر لی کہ اکثر حالتوں میں پوری فیکٹری کی قیمت ایک ہی سال میں وصول ہو گئی، بلکہ کئی صورتوں میں یہ منافع کئی گنا بڑھ گیا۔ منافع بڑھانے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ سستے داموں حاصل کیا جائے۔ یہ مقصد بنکوں اور دوسرے حکومتی اداروں سے سستی شرح پر قرض لے کر پورا کیا گیا۔ یہ بوجھ آخر کار بچت کرنے والوں اور ٹیکس دھندوں پر پڑتا ہے۔ پاکستانی روپیہ کی شرح مبادلہ بھی اونچی رکھی گئی تاکہ تاجروں کو درآمدات سستے داموں پڑیں۔ اس امر کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا کہ قوم کو مجموعی طور پر اس کی کیا قیمت ادا کرنی پڑی۔ بالآخر ۱۹۵۵ء میں روپے کی قیمت کم کر دی گئی۔

اس قسم کی چالبازیاں قومی دولت میں اضافہ کی نمائندہ نہیں۔ ان سے ایک ہی مقصد پورا ہوتا ہے کہ سستی مزدوری، سستے سرمائے اور قیمتیں بڑھا زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جائے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ پاکستانی سرمایہ داری اس اقدام کے لئے رضامند نہیں جسے آزادانہ مسابقت کہا جا سکے یعنی آزادانہ اور شدید مقابلہ اور محنت کوشی۔ اس کی بجائے اس نے ہتھکنڈے استعمال کر کے اپنے

لئے ایک ایسا مقام پیدا کر لیا ہے کہ نجی منافع قومی نقصان بن کر رہ گیا ہے۔ اس قسم کی چالبازیوں کی کثرت سے جس سے پاکستانی سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ منافع کماتا ہے ایک ہی نتیجہ پیدا کیا ہے کہ قیمتیں بہت اونچی چڑھ گئی ہیں، مزدوری گھٹ گئی ہے اور بچتوں پر منافع بہت کم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت گنتی کے چند سرمایہ داروں کے طبقہ میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ آج پورے ملک کی معیشت کس طرح صرف چند خاندانوں کے قبضہ میں ہے، ایک جانی پہچانی حقیقت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی عوام میں سے بہت کم لوگوں کی حقیقی آمدنی ۱۹۴۸ء کے مقابلے میں بڑھی ہے۔ مزدور بیچارہ تو اب پہلے سے بھی زیادہ زبوں حال ہے۔

بچت اور سرمایہ کاری

پاکستانی معیشت میں سرمایہ لگانے کے لئے بچت مشتمل ہے۔ بڑے سامان کی پیداوار پر یا اس زر مبادلہ کی کمائی پر جو اپنی کھپت سے بچ رہے یا اس محنت کو حرکت عمل میں لانے پر جسے سرمایہ کی پیداوار میں بغیر کھپت بڑھائے ہوئے مصروف عمل کیا جا سکتا ہو۔ آزاد مقابلے کے اصول کی سختی سے تیسرا امکان بالکل ختم ہو جاتا ہے حالانکہ یہی سب سے زیادہ اہم ہو سکتا ہے۔ شہری اور دیہاتی آبادی کا معتدبہ حصہ بیکار رہتا ہے اور بہت بڑا حصہ اپنی روزی ان سرگرمیوں سے کماتا ہے جہاں پہلے ہی گنجائش کم ہے۔ مثال کے طور پر اگر دو کسان ایک کھیت کو اس طرح کاشت کرتے ہیں کہ ایک کی کارگزاری بھی اس سے کم نہیں ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں صرف اتنی ہی دولت پیدا کر رہے ہیں جتنی کہ ایک پیدا کر سکتا تھا اس کا واضح حل یہی ہے کہ ایک کسان کے لئے دوسرا پیداواری کام ڈھونڈا جائے اور صرف

ایک کو کھیت میں رہنے دیا جائے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ساری قوم کی قوتِ کار کو ایک جامع منصوبہ کے تحت مصروفِ عمل کیا جائے۔ نجی سرمایہ کاری یہ مقصد سرانجام دینے سے قاصر ہے۔ اور نہ ہی اسے اس قسم کی کوشش میں کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں بڑی مشینوں کی پیدائش اتنی کم ہے کہ عملاً قومی سطح پر سرمایہ کاری کے لئے بچت وہی زرِمبادلہ کی کمائی جو ہم اپنے آپ پر صرف کرنے سے بچا لیتے ہیں تقریباً ساری کی ساری مشینری ہم باہر سے خریدتے ہیں اور معیشت کی نشوونما کا انحصار بیرونی امداد اور برآمدی تجارت کے اتار چڑھاؤ پر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماضی میں روپیہ لگانے کی حکمتِ عملی کس حد تک سرمایہ جمع کرنے میں معاون رہی ہے۔ پٹ سن کی مصنوعات کے علاوہ باقی ہر صنعت میں پاکستانی روپیہ اتنی مصنوعات کی پیداوار میں لگایا گیا ہے جو ہم پہلے درآمد کیا کرتے تھے۔ اب درآمدات بھاری مشینری پر زیادہ سے زیادہ مشتمل ہوتی جا رہی ہیں۔ پہلی نظر میں یہ اقدام بہت صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ ترقی پسندی سے بہت دور ہے۔ کیونکہ پاکستان نے جن برآمدات سے زرِمبادلہ کمانے کی کوشش کی ہے وہ وہی ہیں جن کی قیمت بین الاقوامی منڈی میں گرتی جا رہی ہے۔ اگر شروع ہی سے معیشت کو بھاری صنعتوں کی پیداوار کی طرف لگایا جاتا تو آج پاکستان وہی چیزیں درآمد کر رہا ہوتا جن کی بین الاقوامی قیمتیں گر رہی ہیں اور وہ مال برآمد کر رہا ہوتا جس کی قیمتیں چڑھ رہی ہیں۔ جرأت اور ژرف نگاہی کی یہ کمی سارے ہی کم ترقی یافتہ ملکوں کی مشترکہ خصوصیت ہے۔ صرف تجارت سے ہی جتنا گھاٹا یہ ملک کھا رہے ہیں وہ اس ساری بیرونی امداد سے بہت زیادہ ہے۔ قطع نظر اس کے یہ امداد کون کون سی فوجی اور سیاسی پابندیاں

اپنے ساتھ لاتی ہے۔ اگر کم ترقی یافتہ ملک اپنی صنعتی پیداوار کو بھاری مشینری پیدا کرنے میں لگا دیتے ہیں تو چاہیئے تجارتی شرائط میں کوئی بہتر تبدیلی نہ بھی ہوتی تو بھی فائدے بہت زیادہ ہوتے۔ اس غلط حکمت عملی کو چننے کی تشریح ان ممالک کے طبیعاتی نظام اور نوآبادیاتی نظام اثرات میں ڈھونڈی جاسکتی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کو واضح کرنے کے لئے سوتی کپڑے کی صنعت کو زیر بحث لانا کافی ہوگا۔ روئی کی قیمت میں کمی کے ساتھ سوتی کپڑے کی قیمت بھی کم ہوگئی مشینری کے مقابلہ میں سوتی مصنوعات کی قیمت کم ہونے کے علاوہ، بنائی اور کتائی پر منافع بھی کم کیا جا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سوتی کپڑا خام روئی کے مقابلہ میں سستا ہو رہا تھا اور بہت سے ملکوں کی سوتی کپڑوں کی ملیں زائد پیداواری گنجائش کا شکار ہوگئی تھیں۔ اس لئے پاکستان کو چاہیئے تھا کہ وہ کاٹن ملوں میں زیادہ روپیہ لگانے کے بجائے اس صنعت کو صرف اس حد تک پھیلنے کا موقع دیتا جو اسے بیرونی صنعت کاروں سے خود مختاری دلانے کے لئے ضروری تھی۔

درحقیقت کچھ روئی پیدا کرنے والی زمینوں کو غلّہ کی کاشت میں بدلا جاسکتا تھا اور یہ غلہ برآمد کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان نے ایک انتہائی غیر منفعت بخش راستہ اختیار کیا۔ ایسا راستہ جس پر چل کر قومی دولت کا مناسب استعمال نہیں کیا جاسکا اور جو سرمایہ کاری کی بھرپور گنجائش پیدا کرنے میں ناکام رہا۔

اس کے مقابلے میں منصوبہ بندی کمیشن نے یہ دلیل پیش کی کہ دولت کا چند ہاتھوں میں جمع ہوجانا بچت کے لئے مددگار ہوگا کیونکہ یہ امیر ہی ہیں جو اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ بچا سکتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ سارا گھپلا اس وجہ سے ہے کہ قومی بچت کو انفرادی دولت سے گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔ سرمایہ داروں میں زرمبادلہ کی مانگ ہمیشہ بہت زیادہ رہی ہے اور یہی حکومتی حکمت عملی

کا افلاس ظاہر کرتی ہے۔ جب زرمبادلہ نایاب تھا جیسا کہ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۸ء تک کے سالوں میں تھا تو جمع شدہ دولت کو اس سے بہتر کوئی مصرف نہ ملا کہ پرتکلف اور ٹھاٹ باٹھ کے محلات بنائے جائیں۔

منصوبہ بندی کمیشن کی دلائل میں ایک سنگین کوتاہی تعلیم کو نظر انداز کرنے میں ملے گی۔ ملکی حکومت نے اسے مناسب نہیں سمجھا کہ تعلیم پر زیادہ توجہ اور سرمایہ صرف کیا جائے اور یہ اس غلط تصوّر کی بنا پر ہوا کہ صرف فیکٹریاں ہی حقیقی دولت ہیں۔ اسی رخنہ کے سبب شروع سے ہی ایک حوصلہ مندانہ منصوبہ کے امکان کو نظر انداز کر دیا گیا۔ نتیجتاً تعلیم چند گنے چنے لوگوں کا امتیازی حق بن کر رہ گئی۔ طبقاتی معاشرے کے پسِ منظر میں اس کا مطلب یہی ہوا کہ تعلیمی سہولتیں بہتر بنانے میں حکومت کی ذمہ داری کس حد تک کم ہوگئی۔ لیکن ملک تو ابھی تک ماہر کارکن اور انجینئر پیدا کرنے کا اہل نہیں ہوا جو پیچیدہ پیداواری طریقوں کے لئے ضروری ہیں۔ جاپان کے ساتھ ایک تقابلی مطالعہ اس کوتاہی کی سنگینی کو اور بھی نمایاں کر دے گا۔ جاپان نے ہمیشہ فنی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ حتّٰی کہ کچھ یورپی ملکوں سے بھی زیادہ۔

ہنرمندی کا اعلیٰ معیار جو اسے میسّر ہے ایسی چیزیں پیدا کرنے میں لگایا گیا جس پر محنت زیادہ صرف ہوتی ہے۔ مثلاً کیمرے، ریڈیو، ہلکی انجینئرنگ کی اشیاء وغیرہ۔ اور سستی مزدوری کی وجہ سے انہیں باہر کی منڈیوں میں مقابلتاً سستے داموں بیچ دیا گیا۔ یہاں کی معیشت موٹر کاروں، جہازوں، بھاری انجینئرنگ مشینری پیدا کرنے کی طرف بلا روک ٹوک بڑھتی گئی۔

پاکستان نے ابھی تک پہلا قدم بھی نہیں اٹھایا۔ اس کی بجائے بہت سا زرمبادلہ غیر ملکی صلاح کاروں پر خرچ دیا جاتا ہے یا غیر ملکی سرمایہ اور اس کی لگی

بندھی مہارتوں کی تلاش کی جاتی ہے جب کہ یونیورسٹیاں اس معیار سے بہت پست رہ گئی ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہے۔

سرمایہ داروں کی بچت ظاہر ہے کہ ان کی سرمایہ کاری کے لئے کافی نہیں کرنسی کا پھیلاؤ، حکومتی امداد اور بنکوں کے قرضے اب بھی ضروری ہیں۔ یہ سارے اقدامات عام لوگوں کی بچت کو سمیٹتے ہیں اور سرمایہ داروں کو سستے شرح سود پر دے دیتے ہیں۔ یہ حکمت عملی غیر سرمایہ دار لوگوں کو بچت کرنے سے باز رکھتی ہے اور سرمایہ زیر زمین چلا جاتا ہے یا بلیک مارکیٹ کی سرگرمیوں میں کھپایا جاتا ہے۔

علاقائی مسائل

سرمایہ دارانہ معیشت میں سرمایہ کے مالک کو اس امر کی آزادی ہوتی ہے کہ وہ قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے منافع کو جہاں چاہے منتقل کر دے یا کاروبار میں لگائے تقسیم کے بعد مشرقی پاکستان میں سرمایہ کا زیادہ تر حصہ پٹ سن کی صنعت میں لگایا گیا تھا اور ان پر مغربی پاکستان کے مفادات کا تصرف اور قبضہ تھا۔ اس صورت سے کوئی خاص فرق نہ پڑتا۔ اگر منافع کو مناسب حد تک دوبارہ مشرقی پاکستان میں ہی لگا دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ روئی کی صنعت کی ساری خوش بختی مغربی پاکستان تک ہی محدود تھی۔ کیونکہ روئی کی زیادہ تر کاشت اسی خطہ میں تھی۔ حالانکہ زرمبادلہ جس سے مشینری درآمد کی گئی تھی مشرقی پاکستان کا کمایا ہوا تھا۔ روئی کی صنعت کے علاوہ بھی مغربی پاکستانی نے درآمدات میں حصہ مشرقی پاکستان سے زیادہ حاصل کیا اگرچہ مشرقی پاکستان کی ابھرتیں پیداواری قیمت کو اتنا کم کرسکتی تھیں کہ نقل و حمل کا خرچ پورا نکل آتا۔

سرمایہ لگانے کی یہ تعمیل وتکمیل صرف اقتصادی اسباب کی بنا پر نہیں تھی۔ سرمایہ دار زیادہ تر مغربی پاکستانی تھے اور یہی مغربی پاکستانی تھے جنہوں نے سیاسی طور پر مشرقی حصہ پر غلبہ حاصل کیا ہوا تھا۔ حکومت جو مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کی اعانت پر انحصار رکھتی ہیں سرمایہ لگانے کے اجازت ناموں انہیں ہی دینے پر راغب تھی۔ بہت سے اقتصادی عوامل نے بھی سیاسی محرکات کو تقویت دی۔ نقل وحمل کے ذرائع مغرب میں زیادہ ترقی یافتہ تھے اور اسی طرح بنکوں کی سہولتیں اور تقسیم مال کی ایجنسیاں۔ مشرقی پاکستان میں بجلی پیدا کرنے پر کبھی توجہ نہ دی گئی۔ جب کہ مغرب میں بڑے بڑے اور گراں قیمت بجلی گھر بنائے گئے۔ اس کے علاوہ دونوں کے درمیان مال برداری کی سہولتیں بہت کم اور غیر یقینی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سارے مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے کی مصنوعات پیدا کرنے کی صلاحیت اتنی ہی تھی جتنی اکیلے کراچی میں۔ مزید برآں اگرچہ مشرقی پاکستان نے ۱۹۵۱ء کے بعد ہمیشہ مغربی پاکستان سے زیادہ زرمبادلہ کمایا لیکن اس کی درآمدات کی قیمت اس سے آدھی بھی نہیں رہی۔

درآمدات کے لئے یہ تعینات اشیائے صرف بھی مشتمل تھے۔ جس کا فائدہ آبادی کے دولت مند طبقے کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح مغربی پاکستان نے مشرقی پاکستان کے مقابلے میں بہت زیادہ زرمبادلہ بے فائدہ مصرف میں ضائع کر دیا۔ مارشل لاء کی حکومت نے اس عدم توازن کی تلافی کا دعویٰ ضرور کیا لیکن اس کی کوششیں زیادہ سے زیادہ معمولی اور اوسط درجے کی قرار دی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ بہت سے منصوبے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ مشرق کو سرمایہ کاری کا کچھ زیادہ حصہ میسر آجائے لیکن اس کی عملی کارگزاری کوئی امید افزا نہیں۔ نجی سرمایہ اب بھی مغربی پاکستان کو ترجیح دیتا ہے اور یہی سرمایہ قومی سرمایہ کاری کا ایک

بڑا حصّہ ہے۔

براہِ راست پیداواری کاموں میں سرمایہ لگانے کے علاوہ بھی دوسری سرمایہ کاری کی شکلوں میں یہ بیجا طرف داری نمایاں ہے۔ اس سلسلے میں تعلیم کی مثال اہم ہوگی۔ دوسرے پنجسالہ منصوبے میں مشرقی پاکستان میں نئے پرائمری سکول کھولنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ حالانکہ مغربی پاکستان میں تعداد کافی بڑھائی جانی تھی مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اور فنی گریجویٹ پیدا کرتا ہے۔ اس کا اثر طویل عرصہ کے بعد اسی طرح محسوس ہوگا جس طرح تعلیم کے عمومی افلاس نے پورے ملک پر بُرا اثر ڈالا ہے۔

اَب ہم کہاں ہیں ؟

یہ ظاہر ہے کہ صنعت کاری کی جو پالیسی پاکستان نے اختیار کی وہ شروع سے ہی غلط تھی۔ یہ غلط تھی کیونکہ اس نے سرمایہ داروں کو بے تحاشا منافع بازی کا امکان دیا۔ حالانکہ انہوں نے اس کے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لیا اور اسی لئے انہوں نے سرمایہ کاری میں کفایت شعاری نہیں کی اور نہ ہی فیکٹریوں کو استعداد کے مطابق چلایا۔ اس کا براہِ راست نقصان قوم کو ہوا۔ یہ حکمتِ عملی اس لحاظ سے بھی غلط تھی کہ صنعتوں کا غلط انتخاب اس بنا پر کر لیا گیا کہ خام مواد کہیں پہ میسّر تھا یا اس لئے کہ اینگلو سیکسن معاشیات کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا۔

کوریئن خوش بختی کے زمانہ میں بڑی صنعتوں کی بنیاد رکھنے کا سنہری موقع موجود تھا۔ سوتی ملوں میں سرمایہ لگانے کو ایک حوصلہ مندانہ منصوبہ کے مطابق محدود کر دینا چاہیئے تھا۔ اس کی بجائے قوم کو دنیا بھر کے لئے جولاہے بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پہلے تو صرف اپنی ضرورت کے مطابق کپڑے بُنے جاتے تھے اب فروخت

پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

غیر ملکی صلاح کار پاکستانی منصوبہ بندوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ حرفتی پیداوار کا فن بہت مشکل ہے اور ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہیئے جب ہماری ذہانت اس سطح تک بڑھ جائے کہ ہمیں پیچیدہ تکنیکی کام سونپے جا سکیں۔ یہ بتا دینا غیر ضروری ہے کہ یہ دلیل تو ہمارے خلاف ابد تک استعمال کی جا سکتی ہے۔ سرمایہ دار اور مددگزاروں سے اس سے مختلف بات کی توقع بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ انتہائی شرمناک ہے کہ ہمارے نام نہاد منصوبہ بندوں نے بڑی ذلالت کے ساتھ یہ دلیل قبول کرلی ہے۔ نہ صرف قبول کرلی ہے بلکہ فخر کے ساتھ دنیا بھر میں اس مسرت کا اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ دیکھو ہماری فرمانبرداری اور نا اہلی کی کتنی تعریف و توصیف ہو رہی ہے کہ ہم امداد کا استعمال بڑی استعداد سے کر رہے ہیں۔

لیکن قومی عزتِ نفس سے بھی زیادہ کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ قوم نے ابھی تک صنعتی بنیاد پیدا نہیں کی جو اس کی سلامتی کی ضامن بن سکے۔ ابھی تک بیرونی امداد کی ضرورت نہ صرف فیکٹریاں بنانے کے لئے بلکہ انہیں چلتے رکھنے کے لئے بھی ہے۔ اب جبکہ ویت نام کی جنگ کے سبب اور اس وجہ سے بھی کہ اینگلوسیکسن نسل کی نگاہوں میں اب ہم شرارت پسند ہو گئے ہیں، امداد کم کی جا رہی ہے تو ہماری صنعتوں کا پہیہ چلتے چلتے رُک گیا ہے جتنا تھوڑا بہت زرِمبادلہ حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے لئے قوم نے برآمدات کر چاہیے وہ پٹ سن ہو یا گتہ یا صرف ٹوکریاں ہی سب سڈی دینی شروع کر دی ہے۔ آخری تجزیہ میں یہ امداد زراعت سے آتی ہے یا صنعتی کارکنوں سے جو اپنی اشیائے صرف کے لئے زیادہ قیمت ادا کرتے ہیں۔ اب جبکہ زراعت کو سستی کھاد اور زرعی قرضے کی شکل میں امداد دینے

کا منصوبہ بنایا گیا ہے تو صنعت کو نقصان پہنچے گا اور یہ بڑا دلچسپ مشاہدہ ہوگا کہ دوسرے پنجسالہ منصوبہ کی ترقی کا جو ڈھول اتنے زور شور سے پیٹا گیا تھا وہ کب تک باقی رہتا ہے۔

آخر سرمایہ داروں کے زرِ مبادلہ کے ذخیروں کو ہوا لگائی جا سکتی ہے تو کچھ فوری فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ ذخیرے جو سمگلنگ کی پیداوار ہیں یا درآمدات کی قیمت کو بڑھا چڑھا کر اور برآمدات کی قیمت کم دکھا کر جمع کیے گئے ہیں، اب بے تحاشا بڑھ چکے ہیں۔ اس حکومت سے اس نقصان کی تلافی کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔ اُلٹا یہ بحران تو سرمایہ داروں کو اور بھی زیادہ چھینا جھپٹی کی طرف متوجہ کرے گا۔

شاید یہ کہا جائے کہ بیرونی امداد اس مشکل سے نجات دلا سکے گی۔ لیکن اس کی بھی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔ ویت نام کی جنگ میں امریکہ کا روز افزوں دولت کا صرف اور کانگرس میں امدادی بل پر عمومی مخاصمت کے پیشِ نظر پاکستان کو چند بچے کھچے ٹکڑوں پر ہی قناعت کرنی ہوگی۔ نہ ہی یہ امداد وصول کرنا کوئی فائدہ مند ہے کیونکہ یہ اتنی غیر پیداآور ہے کہ قوم کا ان قرضوں کی ادائیگی میں خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑا جا رہا ہے۔ یہ کتنا عبرتناک منظر ہے کہ وہی حکومت جو خود کو بیرونی قرضوں کے حصول میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہونے کی دعوے دار تھی۔ اب بھیک مانگ رہی ہے کہ سود کی شرح کو کم کر دیا جائے بلکہ یہاں تک کہ ہندوستان کی طرح ہمیں بھی کچھ عرصے کے لئے قرضوں کی واپسی سے معاف کر دیا جائے۔

یہ زائد شرحِ سود ہی نہیں جو امداد کو ناقابلِ قبول بناتی ہے۔ بہت سی امداد اشیائے صرف کی صورت میں آتی ہے۔ حکومت کا رویّہ یہ تھا کہ زراعت کو چاہیے نظر انداز کر دیا جائے اور غلّہ کی پیداوار میں جو کمی ہو اسے امریکہ سے ۴۸۰-PL

کے تحت امداد سے پورا کر لیا جائے۔ یہ اسی واہیات پالیسی کا نتیجہ ہے کہ زراعت بری طرح متاثر ہوئی ہے اور ہم آج یہ پروپیگنڈہ سننے پر مجبور ہیں کہ بڑھاؤ کھیت کی پیداوار۔

اشیائے صرف کی امداد کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ یہ فوری طور پر مصرف میں آجاتی ہے۔ حکومت کی فضول خرچی نے یہ اسباب پیدا کر دیئے ہیں کہ امداد فوری طور پر امیر آدمی کی تعیش پسندی پر خرچ ہو جاتی ہے اور اس طرح آنے والی نسلوں کو وہ قرض ادا کرنے کے لئے چھوڑا جا رہا ہے جو انہوں نے حاصل نہیں کیا۔ حکومت کا یہ اسراف بونس ووچر سسٹم سے اور بھی بڑھ گیا ہے کیونکہ بیرونی امداد بونس ووچر کا بھاؤ کم رکھنے میں معاون ہے اور اس طرح کھپت کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

قرضوں کی ادائیگی کے بھاری بوجھ اور برآمدی پروگرام کی مکمل ناکامی نے حکومت کو تقریباً پاگل بنا دیا ہے۔ حکومت اب اتنی مضطرب ہے کہ اب وہ صنعت سے زراعت کی طرف بھاگ اٹھی ہے کہ شاید یہیں کوئی معجزہ ہو جائے اور دیکھئے ہمیں معجز نما گندم اور معجز نما چاول مل گئے ہیں۔ یعنی دونوں صوبوں کے لئے ایک ایک معجزہ۔ اب پروپیگنڈہ کی قوت سے جو ظاہر ہے کہ کھاد کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اور جس کے پیچھے عملی اقدامات کی قوت نہیں۔ یہ توقع کی جا رہی ہے کہ ایک ہی سال میں ملک خوراک کے بارے میں خود کفیل ہو جائے گا۔ اتنے عرصہ میں امریکی امداد اس غلہ کی کمی پورے دے گی جو ہندوستان کو سمگل ہو گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان اسی وقت خود کفیل ہو گا جب وہ اپنے ہمسایوں کی خوراک کی ضروریات بھی پورا کرنے لگے گا۔

فوری امکانات بڑے تاریک ہیں۔ محدود بیرونی امداد سے کرنسی کا پھیلاؤ

بڑھے گا۔ قیمتیں پہلے ہی تیزی سے بڑھ چکی ہیں اور اب یہ رفتار اور بھی تیز ہو جائے گی۔ اگر حکومت نے کرنسی کے پھیلاؤ کو روکنے کی تدابیر نہ کیں تو ان تدابیر سے صنعتی پیداوار کو نقصان پہنچنا لازمی ہے۔ مزدوری کی شرح اس سے بھی گھٹا دی گئی جو عام زندگی کے لئے ضروری ہے۔ وہ مزدور جس نے آج تک صنعتی ترقی کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اب مجبور ہو گا کہ کرنسی کے پھیلاؤ کی وجہ سے اپنی زبوں حالی کا مزید تماشہ کرے۔ بیروزگاری اتنی ہی زیادہ ہے جتنی کبھی پہلے تھی اور یہ لازماً بڑھتی جائے گی جب تک کوئی نئی قیادت قومی قوتوں کو متحرک کرنے کے لئے میدان میں نہیں آجاتی۔

اتحادِ عوام کا اعلان

(دستاویز نمبر ۵)

برِصغیر کے مسلمان ایک سو برس تک غیروں کی حکمرانی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہے۔ انہوں نے ایک ایسی مملکت بنانے کا خواب دیکھا جہاں وہ مساوات اور انصاف کے اصولوں پر عملدرآمد کر سکیں اور اسلامی طرز پر زندگی گزار سکیں۔ اس جدوجہد کی صورت گری کتنی ہی مختلف شکلوں میں ہوتی رہی۔

۲۰ برس پہلے انہوں نے قائد اعظمؒ کی رہنمائی میں اس سرزمین پر ایک نئی قوم کی تخلیق کی۔ انہوں نے اس کا نام "پاکستان" رکھا پاک لوگوں کی سرزمین — ان کے لئے پاکستان ایک ارضِ موعود تھی جہاں وہ ان ساری خدائی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے جو آزادی اپنے ساتھ لاتی ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کو اپنے اعتقادات کے مطابق ڈھال سکتے تھے۔ جہاں زندگی کے ہر گوشے میں مساوات کا دستور رائج ہوتا۔ جہاں وہ ہر قسم کے استحصال سے آزاد ہوتے جہاں وہ خود ہی آقا ہوتے اور ان پر کسی کی غلامی مسلّط نہ ہوتی۔

اس قوم کو وجود میں لانے کے لئے کسان مزدور، سپاہی، شاعر، عالم اور ان پڑھ ہر ایک نے عظیم الشان جدوجہد کی۔ پوری کی پوری قوم فردِ واحد کی طرح سینہ سپر ہو گئی۔ انہوں نے برضا و رغبت ایثار و قربانی کی شاندار مثالیں قائم کیں۔

لاکھوں نے اپنا گھر بار چھوڑا اور مال و جواہر سے منہ پھیر لیا۔ اَن گنت لوگوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیا تاکہ یہ قوم زندگی حاصل کرسکے۔ لیکن آج بیس سال بیت گئے ہیں ——— بیس سال جو مایوسیوں اور نامرادیوں کی داستاں ہیں۔ اور صورتِ حال کیا ہے کہ قومی سلامتی کو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن نے پُرخطر بنا رکھا ہے۔ قومی حفاظت کا ڈھانچہ سے ہے کہ عوامی معیشت کی وسیع بنیادوں پر استوار نہیں اور اسی لئے دفاعی ضروریات کے لئے ملک غیروں کا محتاج ہے۔ سامراجی قوتوں کی تسکین ہوں کو قومی ضرورت قرار دیا جاتا ہے اور خارجی قوتوں کا دباؤ ہمارے روزمرّہ طریقِ عمل کا رُخ معیّن کرتا ہے۔

رزق کے وسائل عام نہیں ہیں۔ امیر امیر تر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور غریب غریب تر، زمیندار کسان کا حق لے جا رہا ہے اور سرمایہ دار مزدور کا حق چھین رہا ہے۔ عوام کی اکثریت بار آور کاموں میں مصروف نہیں۔ قومی دولت پر چند لوگوں کا قبضہ ہے اور عوام زندگی کی ضروریات کو ترس رہے ہیں، سرمایہ نے محنت کو غلام بنا رکھا ہے۔ معاشی و معاشرتی زندگی کی ناہمواریاں ظلم کا منبع بن گئی ہیں۔ سیاسی آزادی ایک واہمہ ہے۔ لوگوں کی رضا حکومت کو بدلنے پر قادر نہیں۔ پریس کی آزادی قصّہ پارینہ بن چکی ہے۔ شہری آزادیاں ناپید ہیں۔ ریاست کی نظریاتی اساس کو بھلا دیا گیا ہے۔ پوری کی پوری زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ انصاف کی راہیں لمبی ہیں اور غاصب دراز دستوں میں بے باک، مظلوموں کو فریاد رسی کا یقین نہیں کیونکہ دولت و قوت انصاف کی راہوں میں حائل ہیں۔ ایک کھوکھلے معاشرے نے انسانی شرف کا گلا گھونٹ دیا ہے سب بے اصولی اصول بن چکی ہے۔ دیانت داری مشکلات میں اضافہ کرنے کا سبب ہے۔ شرافتِ انسانی کمزوری شمار ہوتی ہے۔ خوشامد دانشمندی کی معراج ٹھہری ہے اور منافقت قومی مزاج بن چکی ہے۔

جمہوری عمل کی نشوونما ختم ہو گئی ہے۔ سیاسی تنظیمیں خدمتِ ملی کے لئے نہیں، حاکمیت کا شبط پورا کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ قیادت کا معیار ایثار اور خدمت نہیں۔ حکومتی جماعت ایک فردِ واحد کی آمریت کا شکار رہے۔ عوام اپنے دشمنوں سے نپٹنے میں بے بس ہے۔ سیاسی رہنما عوام کے سامنے جواب دہ نہیں۔ سیاست میں موقع پرستی کا دور دورہ ہے، وہ عوامی گروہ جو مظلوم ہیں اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہیں۔ اسی لئے سیاسی جماعتوں میں کوئی جگہ نہیں اور اس لئے سیاسی سرگرمیوں نے عوام میں زندگی کی نئی لہر پیدا نہیں کی۔ سنا انہیں عمل پر آمادہ کیا ہے۔ قائداعظمؒ کے وہ مقدس جذبات کہ پاکستان کی بنیاد معاشرتی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے گی ابھی تک ایک حقیقت بننے کے منتظر ہیں، ضمیر کی آواز گنگ ہو چکی ہے۔ ایک عظیم قوم اپنے زوال کا بے حسی سے تماشا کر رہی ہے اور ایک شاندار جمعیت بدعہدی و بے وفائی کا شکار ہو گئی ہے۔

لیکن تاریخ کا دھارا بہتا رہے گا، عظیم قوموں کی عروج و ترقی میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ پاکستان کا یہ قافلہ اپنی منزلِ مراد تک پہنچنے کے لئے رواں دواں رہے گا۔ دستِ ستمگر جھٹک دیا جائے گا۔ اور عوام پر ظلم و ستم کی رات ڈھل کر رہے گی۔ پاکستان کے مقدر میں ایک عظیم اور طاقتور مملکت بننا لکھا جا چکا ہے۔

پاکستانی عوام ایک نئی قیادت کے لئے چشم براہ ہیں۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کو بے تاب ہیں جو ان کی آرزوؤں اور امنگوں کی صحیح نمائندگی کریں۔ محنت کشوں کا مظلوم طبقہ ظالم سرمایہ دار کے خلاف جنگ میں اُترنے کا منتظر ہے نئی نئی امیدوں کی شمعیں روشن ہو گئی ہیں اور صبح نو طلوع ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم سب عوام کسان، مزدور، سپاہی، کاریگر، دکاندار، دفتری، کارکن طالب علم، استاد، دانشور، مرد اور عورت ...... جو لاہور کی اس تاریخی سرزمین میں پاکستان کے ہر گوشے سے

سے اس کنونشن میں جمع ہیں، پیپلز پارٹی کے جھنڈے تلے متحد ہوتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ

ہمارا ایمان ہے ———

کہ اس دنیا میں انسانی تخلیق کی غرض وغایت ایک مسلسل اور کبھی ختم نہ ہونے والی جدوجہد ہے جسے کہ اس ذریعہ انسان اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور زورِ بازو سے انسانی اقدار کی حفاظت کرتا ہوا اپنے عروج کی منزلیں طے کرجاتا ہے۔ اس کی منزل یہ ہے کہ انسان اور انسان کی جو مصنوعی حد بندیاں ہیں انہیں گرادے اور خدمتِ خلق کو انسانی شرف کا معیار قرار دے۔ اس کا مقصود ایسے معاشرے کا قیام ہے جہاں کوئی مظلوم ہو نہ کوئی غلام۔ حریّت، اخوت اور مساوات کے اصول جاری وساری ہوں انسان بھرپور زندگی گزار سکے۔ بنیادی انسانی حقوق محفوظ ہوں۔ انسانی محنت نہ کہ سرمایہ کو قومی دولت کی اساس سمجھا جائے۔ تشدّد کی بجائے تعلیم قائل کرنے کا ذریعہ ہو۔ مرد اور عورت کو ترقی کے یکساں مواقع میتسر ہوں۔ قانون کی عملداری ہو اور جمہوریت سر بلند ہو۔

ہمارا ایمان ہے کہ ———

- پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اور اس کا اتحاد ویگانگت ایک مقدس امانت۔ پاکستان کی خدمت کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے۔
- ہمیں غیر مشتبہ طور پر یقین ہے کہ عوام آزادانہ طریق سے جو بھی راستہ منتخب کریں وہی حق کی راہ ہی ہوتی ہے۔ عوام ہی قوت کا منبع ہیں اور قانون کے سامنے ہر شہری برابر ہے۔
- ہم انتقادِ قوت کے مکمل اشتراک میں ایمان رکھتے ہیں۔ جس کے لئے پیداوار اور تقسیم کے سارے وسائل عوامی ملکیت میں لانا ضروری ہے۔ استحصال اور

استبداد ختم ہونا چاہیئے۔ چاہے وہ انسان کا انسان سے ہو یا علاقہ کا دوسرے علاقے سے یا ایک خطہ کا دوسرے خطے سے۔ معیشت کی منصوبہ بندی لازمی طور پر اس طریقہ سے ہو کہ انسانی اور مادی مسائل سے بہترین منفعت حاصل کی جاسکے۔ قوم کا انحصار صرف اپنے آپ پر ہو۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ــــــــــ

- ملک کے دونوں حصوں میں نومبر ۱۹۶۷ء میں جب پاکستان پیپلز پارٹی وجود میں آئی تو ملک مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان پر مشتمل تھا اور علاقائی طور پر بھی اقتصادی عدمِ مساوات اور ناہمواری موجود ہے۔ یہ صورت حال سرمایہ دارانہ معیشت کا قدرتی نتیجہ ہے جسے کم سے کم عرصہ میں کلی طور پر ختم کردینا ضروری ہے۔
- ملکی دفاع کو اولین اہمیت حاصل ہے اور اس کے لئے عام فوجی تربیت لازمی ہے۔
- کشمیر کے مظلوم عوام کا یہ ناقابل تنسیخ حق ہے کہ وہ آزادانہ استصواب سے اپنے مستقبل اور ریاست جموں کشمیر کی سیاسی نوعیت کا فیصلہ کریں۔
- بھارت کی آبادی کے بہت بڑے حصے نے اب بھی تخلیق پاکستان سے ذہنی سمجھوتہ نہیں کیا اور اسی وجہ سے پاکستان کی بقا کو عظیم خطرہ لاحق ہے۔ بھارتی مسلمان جو ایک اقلیت کے طور پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کا ثقافتی ورثہ اعتقادات اور امنگیں ہمارے ساتھ ایک قریبی رشتہ رکھتی ہیں۔ ان کی سلامتی اور ترقی پاکستان کی ایک اہم فکرمندی ہے۔

— پاکستان دنیا کی ساری قوموں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کا خواہش مند ہے۔ پاکستانی عوام سامراجی اور نوآبادیاتی قوتوں کے خلاف دنیابھر کے مظلوم عوام کی جنگ آزادی میں ان کے معاون اور شریک ہیں۔ پاکستانی عوام رنگ اور نسل کی بنیاد پر ہر قسم کی تفریق کے مخالف ہیں۔

اعلانِ عزم

قسم ہے رب العالمین کی کہ جب
انسان کو سیدھا راستہ ٹیڑھا دکھائی دے
اور وہ ظلم کی نشاندہی نہ کر سکے
اور ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھائے

اور جب
لاتعلقی انسان کا شیوہ بن جائے
اور وہ اپنے فیصلے دوسروں پر چھوڑ دے
زندگی بے کار معلوم ہو
اور دل مردہ ہو جائے
انسان خود ایک طرف ہو کر بیٹھ رہے
اور دوسروں سے عمل کی توقع رکھے

اور جب
حقیقت سے آنکھیں بند کر لی جائیں
تاریخ سے عبرت نہ پکڑی جائے
جہالت کے اندھیرے پھیل جائیں
بصیرت ماند پڑ جائے
عالم علم کا سودا کرے

اور تخلیق کے سوتے سوکھ جائیں۔

تو یقیناً

انسان اپنی راہ سے بھٹک چکا ہے

اور جب

رزق کے وسائل عام نہ ہوں

امیر امیر تر ہوتے چلے جائیں

غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں

زمیندار کسان کا حق لے جائے

سرمایہ دار مزدور کا حق چھین لے

سرمایہ محنت پر غالب آجائے

قومی دولت پر چند لوگوں کا قبضہ ہو

اور عوام زندگی کی ضروریات کو ترسیں

اور جب

انصاف کی راہیں لمبی ہو جائیں

غاصبوں کی رسی دراز ہو

مظلوموں کو فریاد رسی کا یقین نہ ہو

دولت اور اقتدار انصاف کے راستے میں حائل ہو جائیں

تو یقیناً

انسان سخت خسارے میں پڑ چکا ہے

اور جب

بے اصولی اصول بن جائے

دیانت داری مشکلات میں اضافہ کرے
شرافت انسانی کمزوری شمار ہو
خوشامد دانشمندی کی معراج ٹھہرے
منافقت قومی مزاج بن جائے

اور جب

ریاست کی اساس دین پر نہ ہو
ریاست کی نظریاتی بنیادیں نظرانداز کر دی جائیں
ریاست کے معاملات باہم مشورے سے طے نہ پائیں
شہری آزادیاں نایاب ہوں
لوگوں کی رضا حکومت کو بدلنے پر قادر نہ ہو
اور قومی تقاضوں پر بیرونی دباؤ حاوی ہو جائے

اور جب

معاشی اور معاشرتی ناہمواریاں ظلم کا منبع بن جائیں
عوام میں اتحاد اور تنظیم نہ ہو
اور ایثار اور خدمت کو قیادت کی کسوٹی نہ سمجھا جائے

تو یقیناً

معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں

اور جب

انسان اپنی راہ سے بھٹک چکا ہو
اور سخت خسارے میں پڑ چکا ہو
اور معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہوں

تو ان لوگوں کیلئے

جو مظلوم ہیں

جو نوجوان ہیں

اور جو اتحادِ عوام کے لئے کوشاں ہیں

جہاد کی راہ ہی سیدھی راہ ہے

جہاد، نام ہے اس ابدی جدوجہد کا

جس میں انسان اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور زورِ بازو سے انسانی اقدار کی حفاظت کرے اور اپنے عروج کی منزلیں طے کرتا چلا جائے۔

جہاد: نام ہے عوام کے اس اتحاد کا

جو مصنوعی امتیازات مٹا کر تقویٰ کو انسانی شرف کا معیار ٹھہرائے

جہاد: نام ہے ایسا معاشرہ قائم کرنے کا

جس میں خدا کی حاکمیت کا اقرار کیا جائے

دین زندگی کی سب سے بڑی انقلابی قوت ہو

بھلائی کے فروغ اور برائی کے تدارک کا سامان ہو

کوئی مظلوم اور کوئی محکوم نہ رہے

حریت، اخوت اور مساوات کے اصول جاری وساری ہوں

انسان بھرپور زندگی گزار سکے

اور دنیا وآخرت میں سرخرو ہو

جہاد: نام ہے ایسا نظامِ حکومت قائم کرنے کا

جس میں عوام کی بنیادی ضروریات پوری کی جائیں

بنیادی انسانی حقوق محفوظ ہوں

انسانی محنت کو قومی دولت کی اساس سمجھا جائے
فرد کی عزتِ نفس کا احترام ہو
تشدّد کے بجائے تعلیم قائل کرنے کا ذریعہ ہو
مرد اور عورت کو ترقی کے یکساں مواقع میسّر ہوں
قانون کی عملداری ہو
اور جمہوریت سربلند ہو

جہاد: نام ہے حق کے لئے سینہ سپر ہو جانے کا
اور ظلم کے خلاف شہادت دینے کا
جہاد: نام ہے اس ہمہ گیر تیاری کا
جو ملک اور قوم کو ناقابلِ تسخیر بنا دے
جس کے باعث دشمنوں کے دل ہیبت سے لرزتے ہیں
اور جس سے دنیا بھر کے مظلوموں اور محکوموں کو تقویت ملتی ہو

اس لئے ہم سب عوام

کسان، مزدور، سپاہی، کاریگر، دکاندار، دفتری، کارکن
طالب علم، استاد، دانشور، مرد اور عورت
اتحادِ عوام کا اعلان کرتے ہیں

اور عہد کرتے ہیں کہ

ہم جہاد کریں گے
جہالت کے خلاف اور علم کے حق میں
منافقت کے خلاف اور دیانت کے حق میں
ظلم کے خلاف اور انصاف کے حق میں

استحصال کے خلاف اور مساوات کے حق میں
غلامی کے خلاف اور آزادی کے حق میں

ہم جہاد کریں گے

اپنی جان سے، مال سے، زبان سے، قلم سے

ہم جہاد کریں گے

یہاں تک کہ خدا کی زمین خدا کے نُور سے جگمگا اُٹھے

جموں و کشمیر

(دستاویز نمبر ۸)

پاکستانی عوام تنازعہ کشمیر کی کربناک تاریخ سے پوری طرح واقف ہیں اُسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ کیسے پیدا ہوا اور گزشتہ ۲۰ سال کے عرصے میں سے اسے کن سنگین مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔

تمام دنیا جانتی ہے کہ کس مکاری سے اقتدار کو چھوڑ کر بھاگتے ہوئے ایک جابر حاکم کی ایک جنبش قلم سے جموّں و کشمیر کے عوام کو ان کے پیدائشی حق خود اختیاری سے محروم کر دیا گیا تھا۔ دنیا کو یہ بھی معلوم ہے کہ بھارت کی غاصب حکومت نے طاقت کے بل بوتے پر کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد روز روشن میں کشمیری عوام اور اقوام عالم کے روبرو یہ وعدہ کیا تھا کہ ریاست کے عوام کو حق خود اختیاری استعمال کرنے کا حق دیا جائے گا۔

گذشتہ ۲۰ سال کے عرصے میں بھارتی وعدوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ لیکن جموّں و کشمیر کے عوام میں اپنا پیدائشی حق استعمال کرنے کا عزم اور کشمیریوں کو حق خود ارادیت دلانے کے لئے پاکستانی عوام کی حمایت اور استحکام میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان، تاریخ اور جغرافیہ کے اعتبار سے کشمیری عوام پاکستان کے ساتھ نہ ٹوٹنے والے رشتے میں منسلک ہیں اور بھارت کی کوئی بھی عیارانہ چال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی آزادی پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتی۔

چاہے ان کی راہ میں کتنی ہی رکاوٹیں کھڑی کیوں نہ کی جائیں اور انہیں دبانے کے لئے انتھک کوششیں کیوں نہ کی جائیں۔ جموں وکشمیر کے عوام پاکستان کی برادری میں شامل ہوکر رہیں گے۔ یہ پاکستانی عوام کا ایمان، اور پارٹی کا اعلیٰ ترین مشن ہے۔

اس مشن کو پارٹی کی تمام اندرونی اور بیرونی ذمہ داریوں پر فوقیت حاصل ہے۔ جموں وکشمیر کے عوام کا مستقبل پاکستان کے اپنے مستقبل کا ایک حصہ ہے۔ اس ریاست کے لوگ پاکستان کا ایسے ہی حصہ ہیں جیسے پنجاب، بنگال، سندھ، بلوچستان اور سرحد میں رہنے والے لوگ اور بھارت سے آنے والے مہاجرین ہیں۔ پاکستان کشمیر کے بغیر ایسے ہی ادھورا ہے جیسے ایک جسم سر کے بغیر ہوتا ہے۔ بیس سال تک کشمیر کے نہتے عوام نے بھارتی قبضے کے خلاف جدوجہد کی ہے۔ ان کی جدوجہد آزادی پاکستان کو مکمل کرنے کی جدوجہد ہے۔ کشمیری عوام سے کئے گئے وعدہ کو پورا کرانے کے مقابلے میں پاکستان میں اور کوئی کام اس سے اہم نہیں ہوسکتا اور کوئی دوسرا فرض افضل نہیں ہوسکتا۔ اس ذمہ داری سے پہلوتہی پاکستان کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

بھارت نے ریاست کو غلامی میں جکڑ رکھا ہے اور وہ انسانیت کی مجموعی احساس، ضمیر اور عالمی رائے عامہ کا مذاق اڑا رہا ہے۔ بھارت یہ سب کچھ اس لئے نہیں کررہا کہ اسے علاقائی ہوس ہے۔ اس تمام کارروائی سے بھارت کا مقصد دو قوموں کے نظریئے کی جو پاکستان کی بنیاد ہے نفی کرنا ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے پاکستان نے ایک عرصے تک اقوام متحدہ اور بڑی طاقتوں پر انحصار کیا ہے اقوام متحدہ کی مداخلت ہمیں کسی ایسی حل کے قریب نہیں لائی ہے جو حق خود اختیاری پر مبنی ہو۔ اس کے برعکس یہ محض ایک سراب ہے اور بے عملی کی پردہ پوشی

ہے۔ اسی طرح بڑی بڑی طاقتوں کی مداخلت نے اس تنازعہ کے لئے انصاف کی راہیں ہموار کرنے کے بجائے پیچیدگیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ نہ اقوام متحدہ اور نہ ہی بڑی طاقتیں کشمیر کے ستم زدہ عوام کو امن کے راستے دکھائیں گی بلکہ اس شدید ناانصافی کو ختم کرنے کی تمام تر ذمہ داری پاکستان اور کشمیر کے عوام پر عائد ہوتی ہے۔

۴۰ سال گزر گئے ہیں لیکن اس جدوجہد میں مزید طویل عرصہ درکار ہوگا اور آخری فتح حاصل کرنے تک مزید قربانیاں دینی پڑیں گی۔ چاہے اس کے لئے کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں، مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور یہ جدوجہد کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اس بات میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ بالآخر آخری فتح کشمیری عوام اور پاکستان ہی کو حاصل ہوگی کیونکہ جس مقصد کی سربلندی کے لئے وہ جدوجہد کر رہے ہیں وہ حق وانصاف اور اخلاقی اقدار پر مبنی ہے قوم اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے آگے قدم بڑھانے کو تیار ہے۔

پاکستان سچائی کو جنس بازار نہیں بنا سکتا۔ اس کے عوام اپنے عقیدوں کا سودا نہیں کر سکتے۔ ہم ایک سچے موقف سے دستبردار نہیں ہو سکتے اور پائیدار اصولوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اگر عوام میں سے کچھ لوگ جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں اور جن کے کچھ اپنے ذاتی مفاد بھی وابستہ ہیں اس مسئلہ کو بنیادی ذمہ داری سمجھنے کی بجائے اپنی ذات کے لئے ہوا خیال کرنے لگے ہیں تو دنیا کو جان لینا چاہیئے کہ پاکستانی عوام ان کے حرف وہراس میں شریک نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنی جدوجہد کو آخر تک چاہے وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو جاری رکھنا چاہتے ہیں اور بین الاقوامی طاقتوں کی سیاسی مداخلت یا طاقت کے اثرات انہیں خوفزدہ نہیں کر سکتے۔ پاکستان کے لوگ کبھی شکست تسلیم نہیں کریں گے اور اگر برسراقتدار لوگوں میں سے کچھ افراد نے حالات کے دباؤ یا

خوف کے تحت جھکنے کی کوشش بھی کی تو عوام اسے کبھی برداشت نہیں کریں گے۔

پاکستان اس مسئلہ کا پر امن حل چاہتا ہے اور یہ حل حق خود اختیاری پر مبنی ہونا چاہیئے
ہم طاقت کا استعمال کئے بغیر ان وعدوں کو پورا ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں جو جموں و کشمیر
کے لوگوں سے کئے گئے تھے لیکن جنگ کا خوف جنگ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔
پاکستان جنگ کی تباہ کاریوں اور خون خرابے سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس نے اپنی
چھوٹی سی عمر میں دو مرتبہ بڑے پیمانے پر جنگ اور اس کے خون خرابے کا مشاہدہ کیا ہے
ہم پوری سنجیدگی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم جنگ اور تصادم نہیں چاہتے ہم امن چاہتے
ہیں لیکن ہم کشمیر کے سودے پر امن نہیں خرید سکتے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تصادم سے
بچنے کی خاطر اور امن کی امید میں پاکستان نے بہت سے علاقے بھارت کے حوالے کر
دیئے ہیں اور وہ ابھی تک ہمیں دھوکے میں رکھے ہوئے ہے۔ گذشتہ ۲۰ سال کے عرصہ
میں یہ رویہ اختیار کرنے کے باوجود پاکستان دو مرتبہ میدان کارزار بن چکا ہے اور یہاں
کے عوام جنگ کے سائے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جنگ کی غیر موجودگی میں پاکستان
کے لوگ امن سے ہمکنار نہیں ہوئے۔ امن کی شرائط جن کے لئے ہم بہت خواہش
رکھتے ہیں اپنے حقوق سے دستبرداری کی بجائے حقوق کی حفاظت کرنے سے حاصل
ہوں گی۔

گورداسپور، فیروزپور، امرتسر کے کچھ حصوں آسام اور حیدرآباد سے واپس ہٹنے میں
اس لئے مصلحت سمجھی گئی تھی کہ بھارت نے اپنی بھری ہوئی توپوں کا رُخ پاکستان کی
طرف موڑ رکھا تھا۔ باوجودیکہ ہم اپنے کچھ علاقوں سے دستبردار ہوگئے۔ بھارت کی توپیں
اب بھی پاکستان پر نشانہ لگائے ہوئے ہیں۔ اگر اسی غلط قسم کی منطق کے تحت ہم کشمیر
یا اس کے کسی ایک حصے سے امن خریدنے کی امید میں واپس ہٹ جاتے ہیں تو ہماری
ناامیدی کی انتہا اتنی ہی ہوگی جس طرح زندگی کے بعد موت کا سامنا کرنے میں ہوتی

ہے بھارت کشمیر نہیں چاہتا بلکہ کشمیر کو پاکستان کے حوالے کرنے سے انکار کر کے پاکستان کو ختم کرنے کی فکر میں ہے۔ پاکستان کا بنیادی نظریہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر پاکستان مسلم اکثریت کے علاقے کو بھارت کا حصہ بننے کے اصول کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے بھارت کشمیر پر اپنا شکنجہ مضبوط تر کرتا چلا جا رہا ہے۔ بغیر کسی شک و شبہ کے بھارت کو یہ واضح کر لینا چاہیئے کہ پاکستان مزید مراعات دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہمیں یہ لائحہ عمل اختیار کرنا ہی ہو گا اور بہتر یہی ہے کہ ہم اس تنازعہ پر بھی یہ رویّہ اختیار کر لیں۔ ہمیں اپنے حقوق کے اس آخری قلعے کی حفاظت کے لئے اپنے پرچم کو اور عزم کو بلند رکھنا چاہیئے۔

بھارت کھوکھلے بیانات یا اقوام متحدہ کی قراردادوں سے پاکستان کے اس عزم کو نہیں سمجھے گا۔

اس کو سمجھانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ہم اس پر واضح کر دیں کہ ہم جموں و کشمیر میں انصاف کی پاسبانی کرنے کا تہیّہ کیے ہوئے ہیں۔ بھارت ہمارے موڈ، نقل و حرکت، ہماری تیاری، جرأت کے مظاہرے، عوام کے جذبے اور راہنماؤں کے رویے سے ہماری نیت اور عزم کا اندازہ کرے گا۔

ایسی فضا پیدا کی جانی چاہیئے۔ یہ فضا اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے اگر ہم سر جھکانے کی بجائے سینہ تان کر ہر مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اب وقت ہے کہ ہم بھارت کے دفاعی بجٹ کے اعداد و شمار اور اس کی جنگی تیاریوں کو بار بار بیان کر کے پاکستانی عوام کو خوفزدہ کرنے سے باز آ جائیں۔ ہمیں گھٹنوں کے بل ہو کر امن کی درخواستیں کر کے پاکستانی عوام اور جموں و کشمیر کے حوصلے جو جدوجہد آزادی میں مصروف ہیں کم نہیں کرنے چاہئیں۔ بھارت مناسب موقع کی تلاش میں ہے اور وہ پاکستان پر ضرور حملہ کرے گا بھارت پاکستان کی طرف سے امن کی تجاویز

اور بامقصد مذاکرات کی پیش کش کے پیش نظر ہتھیار نہیں ڈالے گا اور نہ ہی وہ غیر ملکی طاقتوں کی اپیل پر اپنے دفاعی اخراجات میں کمی کرے گا۔ وہ اپنی فوجی قوت میں اضافہ کرنے کی مہم جاری رکھے گا۔

ہمیں باتیں کرنے کی بجائے حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیئے۔ بھارت اپنی روایتی پالیسیوں کے رُخ کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے تعصب کی جڑیں صدیوں پیچھے جنم لیتی ہیں اور اگر خدانخواستہ وہ کشمیر کو ہڑپ کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا تو وہ اسی پر اکتفا نہیں کرے گا۔ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ پاکستان کو ختم نہیں کر دیتا۔

کیا برصغیر کی ہزاروں سال پرانی تاریخ پاکستان کے لوگوں کو یہ سبق نہیں سکھلاتی کہ بھارت الفاظ پر کبھی دھیان نہیں دھرے گا؟ بھارت منو کے الفاظ کا پیروکار ہے جو ہماری کتابوں سے راہنمائی حاصل نہیں کرے گا بلکہ اس کا قائد کوٹلیہ ہے۔ ہتھیار بند بھارت کا جواب پاکستان کے مسلح ہونے میں ہے۔ تم اس بات کی کوشش مت کرو کہ بھارت کو ہتھیار نہ دیئے جائیں کیونکہ یہ تمہارا فرض نہیں ہے کہ تم عادی جارح کو غیر مسلح کرو۔ اس کی بجائے تم اپنے عوام کو بندوقیں دو۔ جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کا جواب یہی ہے کہ پوری قوم اپنے وطن اور حقوق کی حفاظت کے لئے تیار ہو۔ جب پوری قوم مسلح ہو تو اس صورت میں تباہی ضرور ہو سکتی ہے مگر شکست کبھی نہیں ہو سکتی۔ ویت نام کی جنگ سے یہی سبق ملتا ہے۔ اگر ہم ان کی بہادری سے سبق حاصل نہیں کرتے تو پھر ہم کبھی سبق حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے خدا کے نام پر بھارتی قوت اور اس کے حجم اور اس کے اثرات کے بارے میں باتیں کرنا چھوڑ دو۔ قوم کو تیار کرو تا کہ وہ فرائض سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اگر ویت نام کے بہادر عوام اپنی جدوجہد کو اسی منطق پر آزماتے

اور حالات کو جوں کا توں تسلیم کر لیتے تو وہ بھی اپنے دفاع میں ایک گولی چلائے بغیر دنیا کی طاقت ور ترین قوم کے آگے ہتھیار ڈال دیتے۔ لیکن یہ سبق ویت نام کا نہیں ہے اور نہ ہی یہ سبق رومنوں کے زمانے سے لے کر اب تک تاریخ کا ہے۔

اگر انصاف اور دھاندلی، جابر و مجبور کے درمیان فیصلہ طاقت کے بل بوتے پر ہی ہوتا تو آج دنیا میں رومن حکمرانی کرتے نظر آتے لیکن تاریخ ہمیں اس سے مختلف سبق دیتی ہے۔ کسی ملک پر قبضہ ہمیشہ قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قوموں کی آزادی سلب نہیں کی جا سکتی۔ جارحیت کو ہمیشہ کے لئے کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ بہر حال ناجائز دباؤ ختم ہو کر ہی رہتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آج پوری دنیا زنجیروں میں جکڑی ہوتی اور موجودہ تہذیب کا جو اپنی پوری تابانی کے ساتھ دنیا میں قائم ہے کوئی وجود نہ ہوتا اور دنیا ایک قید خانے کی صورت اختیار کر جاتی۔ دنیا کی ابتدا سے لے کر اب تک محکوم حاکموں اور جابروں کے خلاف جدوجہد کرتے چلے آئے ہیں۔ اس جدوجہد کی بدولت انسانیت نے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوا ہے کہ ہمیشہ کمزور نے انصاف اور برابری کے نام پر طاقت ور پر فتح پائی ہے۔

اگر ہتھیاروں کی برتری پر سب کچھ منحصر ہوتا تو دنیا میں کوئی بھی جنگ آزادی نہ لڑی جاتی۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ نہتے عوام نے اپنے خالی ہاتھوں کی مدد سے طاقت ور حملہ آوروں کو شکست دی ہے۔ اور چھوٹی قوموں نے ناقابلِ تسخیر فوجوں کے مقابلے میں آزادی حاصل کی۔ جموں و کشمیر کے عوام تاریخ کے اس دھارے سے مختلف نہیں ہو سکتے۔ انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ تہذیب کے رُخ کی نفی کریں۔ بھارت وہ پہلا حملہ آور نہیں ہو سکتا جو اپنی تباہی کے انجام سے بچ سکے۔ بھارت دنیا کی ان تمام طاقت ور سلطنتوں سے زیادہ

طاقت ور نہیں ہے جن کے قلعے ماضی میں مسمار ہو چکے ہیں۔ جموں و کشمیر کے عوام نے خدا اور اس کے آدمیوں کے خلاف کوئی ایسا جُرم نہیں کیا ہے کہ وہ ہمیشہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہیں۔ بھارت کی ذات پات سے متاثر بیمار سوسائٹی کو پیغمبروں کی کون سی دعائیں حاصل ہیں کہ وہ ہمیشہ فاتح کے روپ میں قائم رہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ بھارت طاقت ور اور ناقابل شکست ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ کمزور اور بزدل ہوگئے ہیں۔ اسی خوف کی بنا پر کہا گیا ہے کہ کشمیر پاکستان کے لئے ہے اور پاکستان کشمیر کے لئے نہیں ہے اور یہ ہم کشمیر کے لئے پاکستان کے وجود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔ یہ یہ عجیب وغریب دلائل خود مختاری کے ابتدائی فوائد کے بھی خلاف ہیں۔ یہی وہ منطق ہے جو بتدریج پاکستان کی جدوجہد کو کمزور کرنے کا باعث بنے گی۔ کیا یہ فراموش کیا جا چکا ہے کہ پاکستان کے عوام اپنی مادرِ وطن کے ایک ایک اِنچ کی حفاظت کرنے کے لئے تیار رہیں اور یہ ملک کے کسی ایک حصے پر حملہ پورے ملک پر حملے کے برابر ہے۔

اس دلیل کی قوت اسی صورت حاوی ہوسکتی ہے اگر ہم پاکستان کو قسطوں میں دوسروں کے حوالے کر دینے کے لئے تیار ہو گئے ہوں۔ حقوق کی حفاظت کی خاطر قوموں نے دوسرے لوگوں کے لئے جنگیں لڑی ہیں۔ عظیم جنگیں انسانی حقوق کی حفاظت اور جارح کو ختم کرنے کے لئے لڑی گئی تھیں۔

اگر دنیا میں ایسی قومیں موجود ہیں جو دوسروں کے حقوق کے لئے لڑنے کے لئے تیار رہیں تو ہمیں کم از کم اپنے علاقے کی حفاظت کے لئے جنگ کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ آؤ ہم عہد کریں کہ ہم ان دلائل کو نہیں سنیں گے جن سے حملہ آوروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور جن سے ہمارے عوام کی رسوائی ہوتی ہے۔

جموں وکشمیر کے تنازعہ کا حق خود اختیاری کی بنیاد پر حل ہونا چاہیئے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کی اور کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جب ہم اس تنازعہ کے حل کے بارے میں بار بار لچک دار زبان استعمال ہوتے سنتے ہیں تو ہمیں تشویش ہوتی ہے۔ قدم بہ قدم ہم نے حق خود اختیاری کا موقف چھوڑ کر بامقصد مذاکرات کا ذکر شروع کر دیا ہے۔

اس مسئلہ کا باعزت حل حق خود اختیاری کے استعمال میں ہے، یہ اس لئے ہے کہ جموں وکشمیر کسی جاگیردار کا ٹکڑا نہیں ہے کہ اس پر تجارتی سطح پر بات چیت کی جائے۔ اگر ایک دفعہ ہم حق خود اختیاری کے اصول سے دستبردار ہو جاتے ہیں تو ہم اس اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں جو جنگ کے تمام ہتھیاروں سے زیادہ اہم ہے۔ یہ سوال غیر لچکدار ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ سفیرانہ زبان سے دھوکہ کھا جانے کا ہے۔ پاکستان کو اس سلسلے میں کوئی رعایت نہیں روا رکھنی چاہیئے۔ یہ بھارت ہے جو حملہ آور ہے، یہ بھارت ہی ہے جس نے جموں وکشمیر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے یہ پاکستان کے لئے نہیں کہ وہ معقول رویہ اختیار کرے۔ یہ بھارت ہے جس نے غیر معقول رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ پاکستان کے لئے نہیں کہ وہ اپنے رویئے میں لچک پیدا کرے۔ یہ بھارت ہے جس نے غیر لچک دار رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ جب یہ کہا گیا تھا کہ ہم ایک ہزار سال تک جنگ لڑنے کے لئے تیار ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم لفظوں کے لغوی معنوں کے پیش نظر جسمانی طور پر ایک ہزار سال تک جنگ جاری رکھیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کسی حالت میں حق خود اختیاری کے اصول پر سودہ بازی نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا عزم کبھی کمزور نہیں پڑے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کبھی ناجائز دباؤ برداشت نہیں کریں گے۔

یہ بہتر ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہ ہو، بجائے اس کے کہ ہم اس کا غیر منصفانہ حل قبول کر لیں۔ اس مسئلہ کا غیر منصفانہ حل غیر یقینی صورت حال سے بدتر ہے۔ آخری حل کے لئے ضروری ہے کہ وہ انصاف پر مبنی ہو۔ اسی وجہ سے ہمارے اندر اتنا صبر اور حوصلہ ہونا چاہیئے کہ ہم منصفانہ حل تلاش ہونے تک انتظار کر سکیں۔ ہمیں حوصلہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ہمیں دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمیں با ہوش رہنا چاہیئے اور مناسب موقع کا انتظار کرنا چاہیئے۔ آئندہ بھی مناسب مواقع آئیں گے جس طرح ماضی میں آتے رہے ہیں۔ پاکستان تین مرتبہ اس مسئلہ کے باعزت حل کے قریب آ گیا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں ہم سرینگر کے قرب و جوار میں تھے ۱۹۶۲ء میں بھارت و چین کے درمیان تصادم میں دوسرا موقع تھا۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان جموں و کشمیر کو آزاد کرانے کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔

اگر گذشتہ ۲۰ سال کے عرصے میں تین مختلف مواقع پر پاکستان اپنے حقوق حاصل کرنے کے قریب تر ہو گیا تھا تو اس امر کا بہت زیادہ امکان ہے کہ آئندہ بھی ایسے مواقع پیدا ہوں گے۔ ہمیں اس موقع کا انتظار کرنا چاہیئے اور مخالفت کی پالیسی پر کاربند رہنا چاہیئے۔

تمام دنیا میں بہت سے واقعات رونما ہو رہے ہیں، بھارت میں بھی کئی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ وقت کا دھارا ہماری موافقت میں ہے۔ ہمیں جلدی میں کوئی کام نہیں کرنا چاہیئے۔ بھارتی توپوں کو دیکھ کر کانپنا نہیں چاہیئے۔ یہ بات پاکستانی عوام کے خمیر میں شامل نہیں ہے کہ وہ کانپیں، عوام تیار ہیں اور اب یہ قیادت پر ہے کہ وہ عوام کو ان کے آخری مقصد سے ہمکنار کرے۔ یہ جنگ کرنے کا مطالبہ نہیں ہے۔ یہ مطالبہ انصاف کا تقاضا کرتا ہے۔ ہم امن کے خواہاں ہیں لیکن ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے اور اپنی قوم کو سفارتی بلیک میل کا نشانہ نہیں

بنانا چاہیئے۔

بھارت کے ساتھ میل جول کے سلسلے میں گذشتہ ایک ہزار سال کا تجربہ ہمارے سامنے ہے ۔ آئندہ ایک ہزار سال کی تاریخ بھی ہمارے سامنے ہوگی ہمارا مستقبل اتنا ہی درخشندہ ہو گا جتنا کہ ہمارا ماضی تھا بشرطیکہ ہم اپنے ایمان کو پرکھنا اور اس سے قوت حاصل کرنا جان جائیں۔ اگر ہم اپنے نظریۂ حیات اور وعدوں پر کاربند ہو جائیں تو ہم کامیاب ہو جائیں گے اور جموں وکشمیر کے لوگ پاکستانی عوام کے ساتھ خونی رشتے میں منسلک ہو جائیں گے۔

اگر ہم نے اپنے ماضی کی تاریخ سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کیا تو ہم صرف جموں وکشمیر کو ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ پوری قوم کے لئے بدنامی کا باعث بنیں گے اور ملک کو خطرے سے دوچار کر دیں گے۔

یہ پارٹی کا عہد ہے کہ وہ عزت کے راستے سے کبھی نہیں ہٹے گی اور جموں وکشمیر کو آزاد کرانے کے عہد سے کبھی نہیں پھرے گی۔ نتائج سے بے نیاز ہو کر پارٹی خدا اور انسان سے کئے گئے وعدے کو پورا کرے گی۔

پاکستان کے آسام کے ساتھ تعلقات

(دستاویز نمبر ۹)

ریڈ کلف ایوارڈ کی ناانصافیوں سے پاکستان کے عوام اچھی طرح واقف ہیں۔ ریڈ کلف کمیشن نے تقسیم کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے من مانی کاروائی سے گورداسپور اور فیروز پور کے اضلاع اور امرتسر کا بہت سا علاقہ ہندوستان کر دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ علاقے پاکستان کو ملنے چاہئیں تھے۔ پاکستان کے قومی علاقوں کے اس نقصان کو لاکھوں بے گناہ انسانوں کے قتل عام نے جو ان علاقوں سے بے گھر کر دیئے گئے تھے اور بھی المناک بنا دیا۔ شاید انہی المناک حالات کے سبب اس کا بہت کم علم ہے کہ مشرقی حصہ میں بھی پاکستان کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی روا رکھی گئی۔

آج جب کہ ہم جموں و کشمیر کے بارے میں ہندوستان کے ساتھ مفاہمت کا ذکر بار بار سن رہے ہیں جس کی بنیاد حق خود اختیاری پر نہیں بلکہ چند من مانے انتظامات پر ہے تو یہ مناسب ہوگا کہ ہم ان یادوں کا اعادہ کریں کہ آسام کیسے پاکستان سے چھین لیا گیا اور یہ مسئلہ کیسے کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے چاہے

بظاہر اس کے بارے میں آخری سمجھوتہ ہو چکا تھا۔

۸ ،اور ۹ ،اپریل ۱۹۴۶ء کو مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلمان ممبروں کا ایک کنونشن دہلی میں قائداعظم کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ حسین شہید سہروردی کی تجویز پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ان دو حصّوں کی وضاحت کی گئی تھی جن پر پاکستان مشتمل ہونا تھا۔

" ہندوستان کے شمال مشرق بنگال اور آسام پر مشتمل اور شمال مغرب میں پنجاب سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان پر مشتمل وہ منطقے ــــ یعنی پاکستان کے منطقے ــــ جہاں مسلمان واضح اکثریت میں ہیں انہیں خود مختار مملکت میں تشکیل کر دیا جائے اور غیر مبہم یقین دلایا جائے کہ پاکستان کا قیام بلاتاخیر عمل میں لایا جائے گا "

یہ ٹھیک ہے کہ غیر منقسم بنگال میں ہندوؤں کی آبادی کافی ہوتی لیکن یہاں صورت حال غیر منقسم پنجاب سے بُری نہ ہوتی جہاں سکھ اور ہندو دونوں بڑی اقلیت میں موجود ہوتے۔ ان حالات میں پنجاب کی تقسیم ناگزیر تھی اور جب اصول ایک دفعہ مان لیا گیا تو بنگال کی تقسیم سے بھی مفر نہیں تھا۔

برطانوی حکومت نے تقسیم ہند کے جس منصوبہ کا اعلان ۳ جون ۱۹۴۷ء کو کیا تھا اس میں آسام کی تقسیم کی تجویز بھی تھی (متن کا پیرا ۱۳)

" اگرچہ آسام ایک غیر مسلم اکثریتی صوبہ ہے لیکن سلہٹ کے ضلع میں جو بنگال سے متصل ہے غالب مسلم اکثریت ہے۔ یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر بنگال کی تقسیم ہونا ہی ہے تو سلہٹ کو مسلم بنگال میں مدغم کر دیا جائے "

یہ واضح تھا کہ اس تجویز کی قبولیت کے بعد آسام کا ایک اکائی کے طور پر پاکستان میں شامل ہونا بعید از امکان تھا۔ اسی لئے آسام کی نسبت بونڈری کیشن

کے دریافت طلب مسائل کو ضلع سلہٹ تک محدود کر دیا گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ آسام کی اکثر آبادی مسلمان نہیں تھی لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثریت ہندو تھی؟

انگریز اس اصول پر مصر تھے کہ آبادی کو مسلم وغیر مسلم میں اس مفروضہ پر تقسیم کر دیا جائے کہ سارے غیر مسلم خود کو مسلمانوں میں گنے جانے کی نسبت ہندوؤں میں گنے جانے کو ترجیح دیں گے۔ کیا یہ مفروضہ جو پنجاب میں سکھوں کی نسبت تو صحیح ہو سکتا ہے آسام پر بھی قابلِ اطلاق تھا؟ ہم پہلے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی روشنی میں آسام کی فرقہ وارانہ ہیئتِ ترکیبی پر بحث کریں گے۔ برطانوی حکومت اور دوسرے فریقوں نے اپنے مذاکرات اور تنازعوں میں انہی اعداد و شمار کو رہنما بنایا تھا۔

تقسیم سے متعلق امور کے فیصلوں کے لئے انگریزوں نے صرف مندرجہ ذیل فرقوں کی علاقائی عددی قوت پر توجہ دی۔ ہندو، اچھوت، ہندوستانی، عیسائی، سکھ اور مسلمان، برطانیہ کی نگاہوں میں دوسرے فرقوں کی عددی قوت اتنی کافی نہ تھی کہ وہ مرکزی فیصلہ یعنی تقسیم کے بارے میں کوئی بات کہنے کا حق رکھتے۔

اگر یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ہندوستان کو دو مملکتوں سے زیادہ میں تقسیم نہیں کرنا چاہیئے تو پھر وہ اس میں حق بجانب تھے کہ ان گروہوں کے سارے مسائل کو نظر انداز کر دیتے جو ان متنازعہ منطقوں کے باہر تھے جن کا پاکستان نے دعویٰ کیا تھا۔ مغربی منطقہ میں ساری آبادی مذکورہ قوموں پر ہی مشتمل تھی لیکن مشرقی منطقہ میں آبادی کی صورتِ حال بالکل مختلف تھی۔

آسام میں مختلف قوموں کی قوت:

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق سارے آسام میں کوئی سکھ نہیں تھا۔ وہاں

جو قومیں آباد تھیں وہ (۱) ہندو۔ (۲) اچھوت۔ (۳) ہندوستانی عیسائی۔ (۴) مسلمان۔ (۵) وہ قومیں جن کی اوپر بتائی ہوئی قوموں میں تخصیص نہیں کی جا سکتی۔

اس آخری گروہ کا انگریزوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا جو اصول وضع کیا گیا تھا وہ یہی تھا کہ آبادی کو صرف مسلم اور غیر مسلم پر مشتمل تصور کیا جائے۔

آسام کی کل آبادی ۱۰،۲۰۴،۷۳۳ دی گئی تھی۔ اس میں سے مسلمانوں کی تعداد ۳،۴۴۲،۴۷۹ تھی اور ہندوؤں کی ۳،۵۳۶،۹۳۲ یہ بات دیکھی جائے گی کہ دونوں قوموں کی تعداد میں بہت کم فرق تھا اتنا کم کہ جسے تخمینہ کی غلطی شمار کیا جا سکتا ہے۔

اچھوتوں کی تعداد ۶،۷۶،۲۹۱ دی گئی ہے اور ہندوستانی عیسائیوں کی ۴۷،۵۰۔ اگر مسلمان، ہندو، اچھوت اور ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد جمع کی جائے تو وہ ۷،۶۷۳،۴۵۲ بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ۲،۵۳۱،۲۸۱ لوگ جو کافی بڑی تعداد میں اب بھی باقی رہ جاتے ہیں کسی گنتی میں لانا چاہیئے۔ آیئے ہم ان اعداد و شمار پر ساری آبادی کے فیصد کی صورت میں نظر ڈالیں۔

مُسلم	۳۳٫۷ فیصدی	ہندوستانی عیسائی	۰٫۴ فیصدی
ہندو	۳۴٫۶ فیصدی	دوسرے	۲۴٫۷ فیصدی
اچھوت	۶٫۶ فیصدی		

مسلمان اور ہندو تقریباً برابر تعداد میں تھے۔ یعنی ہر قوم آبادی کا تقریباً ایک تہائی تھی۔ اچھوت جن کی تعداد صرف ۶٫۶ فیصد تھی فیصلہ کن ووٹ کے بشکل حقدار سمجھے جا سکتے تھے۔ ہندوستانی عیسائی بالکل ناقابل لحاظ تھے اور اسی لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے مفادات ترازو کے پلڑوں کو ایک طرف یا دوسری طرف جھکا سکتے تھے۔ اب ہمارے پاس صرف وہی مجمع غفیر رہ جاتا ہے جنہیں ہم "دوسرے"

کہیں گے۔ ان کی تعداد پوری آبادی کا ایک چوتھائی ہے۔ اُن کے مفادات کو اس مفروضے پر نظر انداز کر دیا گیا کہ انہیں اپنی الگ شخصیت کو "غیر مسلم" کی منفی درجہ بندی میں گم کر دینا ضروری ہے۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ مغربی حصّہ کی تقسیم کے مسائل نپٹاتے وقت سارے غیر مسلموں کو اکٹھے گن لینے کا کچھ جواز تو ہو سکتا تھا۔ ہندوؤں، اچھوتوں، سکھوں اور ہندوستانی عیسائیوں کے علاوہ مغرب میں کوئی غیر مسلم اقلیتیں ایسی نہیں تھیں جن کی عددی قوت نہ ہونے کے برابر نہ ہو۔ کچھ پارسی جو سندھ میں آباد ہیں ان کی یہی صورت ہے۔ جب ہم مغربی منطقے کی ان غیر مسلم قوتوں کے بارے میں سوچتے ہیں جو ہندو نہیں تو ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ پارسیوں کے سوا یہ سارے نسبی طور پر ہندو ہیں یا ہندو جاتی کے دور تک پھیلے ہوئے سلسلے کی بیرونی کڑی ہیں۔ بلاشبہ سکھ اپنے نسب کا ماخذ ہندوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ اور یہی حال ہندوستانی عیسائیوں کا ہے جن کی بہت بڑی اکثریت اونچی ذات کے ہندوؤں یا نیچی ذات کے ہندوؤں سے نئے مذہب میں داخل ہوئی۔ اچھوت تو ہندوؤں کی ایک مخبطی قوم ہیں۔

آسام میں صورتِ حال بالکل مختلف تھی۔ کل آبادی کے ایک چوتھائی کا ہندو قوم سے کوئی رشتہ نہیں تھا اگرچہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ ہر عہد میں انہوں نے ہندو غلبہ کی مزاحمت کی اور اتنی کامیابی سے کہ ان کے مقبوضہ علاقوں میں ہندو مداخلت انگریزی راج کے بعد ہی شروع ہو سکی انہوں نے تو خود کو ہندوستانی بھی کبھی نہیں مانا اور نہ وہ اب مانتے ہیں۔

برطانوی منتظمین کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ غیر ہندوستانی آبادی استحصال کا بری طرح شکار ہو جائے گی۔ اگر انہیں ہندو جاتی کے تاجروں، بنیوں، سود خوروں

کی غارت گری سے محفوظ نہ کیا گیا۔ غیر ہندوستانی آبادی کے علاقوں میں خصوصی انتظامی اقدامات کیے گئے تھے۔ انگریزوں کا اس کے علاوہ اپنا بھی ایک مفاد تھا۔ پہاڑی علاقوں میں چائے کے وسیع باغات کے لئے انہیں سستے مزدوروں کی ضرورت تھی۔

وہ فارمولا جس کا اطلاق مغربی خطّے پر ہو سکتا تھا یا بنگال کی صورت میں بھی قابلِ قبول تھا۔ آسام کے لئے بالکل انمل بے جوڑ تھا۔ آسام میں ہندو اور مسلمان عملاً مساوی تعداد میں تھے۔ ایک چوتھائی آبادی کا مفاد اس میں نہیں تھا کہ وہ ہندوستان میں مدغم ہو۔ بعد کے واقعات یعنی ناگا اور میزو قبائل کی بغاوت، نکسل باڑی میں گڑبڑ اور آسام کے دوسرے علاقوں میں بے اطمینانی نے واضح طور پر ثابت کر دیا کہ آسام کی قسمت کا فیصلہ اس طرح کرنا غلط تھا کہ سارے غیر مسلموں کو ایک اکائی سمجھ لیا جائے۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آسام کے جغرافیائی محل وقوع اور اس کی آبادی میں غیر ہندو اکثریت کے باوجود انگریز کیوں بے تاب تھا کہ آسام بھارت کو دان کر دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ انگریز اس بات سے احتراز کر رہا تھا کہ پاکستان کی سرحدیں کہیں بھی چین یا وسطی ایشیاء سے متصّل ہوں۔ مغربی حصّہ میں وہ اس حکمتِ عملی میں صرف اس لئے ناکام ہو گیا کہ مہاراجہ کے خلاف کشمیر کے شمال مغربی خطّہ کی بغاوت کو دبانا مشکل ہو گیا تھا۔ مشرقی حصّہ میں ان کی پالیسی کامیاب رہی۔ انہوں نے آسام کے اصل مسئلہ کا رُخ سلہٹ کی علیٰحدگی کی طرف موڑ دیا جہاں کہ مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

دوسری وجہ جس کی بنا پر انگریز جو چاہتے تھے کر گزرے، چائے کی صنعت کا مفاد تھا جو زیادہ تر انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ آسام میں چائے کے بڑے بڑے باغات انگریزوں کی ملکیت تھے۔ ان پر کثیر سرمایہ لگ چکا تھا اور بہت زیادہ

منافع کا ذریعہ تھے۔

دارجیلنگ میں چائے کے عظیم باغات بھی برطانوی ملکیت تھے۔ اگر آسام پاکستان کا حصہ بنتا تو امکان یہی تھا کہ دارجیلنگ بھی پاکستان کو دے دیا جاتا۔ لیکن اگر دارجیلنگ ہندوستان میں ہی رہتا تو انگریزوں کی چائے کی وسیع صنعت دو ملکوں میں بٹ کر رہ جاتی۔ انگریزوں کے لئے بہتر یہی تھا کہ چائے کی صنعت متحد رکھی جائے اور اس ملک میں رہے جہاں انہوں نے کثرت سے سرمایہ لگا رکھا ہے یعنی بھارت میں۔ چائے کی برطانوی صنعت کے لئے سکم اور بھوٹان بھی سروکار رکھتے تھے۔ برطانیہ کو یہ یقین نہیں تھا کہ حالات کیا رُخ اختیار کریں گے اگر پاکستان کی سرحدیں ان سے متصل ہوگئیں اگر ان ریاستوں نے خود اختیاری کا فیصلہ کر لیا تو دارجیلنگ کی چائے پر برطانوی اجارہ داری رکھنے میں کافی الجھاؤ پیدا ہوں گے۔ پاکستان کے مرکزی علاقوں میں برطانوی سرمایہ بہت کم لگا ہوا تھا۔ مزید برآں تقسیم کے وقت یہ بھی غیر یقینی تھا کہ پاکستان کس قسم کی اقتصادی پالیسی اپنائے گا۔ کسی طرح بھی یہ حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پاکستان مغربی ممالک کی آغوش میں آگرے گا۔

آسام کی تقسیم

آسام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا فیصلہ ۳ جون کے منصوبہ میں کر دیا گیا تھا اور اس طرح یہ فیصلہ برطانیہ کا سوچا سمجھا ہوا فیصلہ تھا۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ برطانیہ نے یہ گمراہ کن فیصلہ اپنے نوآبادیاتی مفادات کے لئے کیا جو دو تھے :۔

۱۔ پاکستان کو مرکزی ایشیا اور چین کی سرحدوں تک رسائی حاصل نہ کرنے دی جائے۔

۲۔ چائے کی برطانوی املاک کی حفاظت۔

آیئے ہم اس پر غور کریں کہ اگر تقسیم ضروری ہی تھی تو کیا پاکستان کو صرف

سلہٹ کا اکثر حصہ دے دینا ہی کافی تھا۔ سلہٹ میں مسلمانوں کی قطعی اکثریت تھی اور ان کا تناسب ۶۰،۷ فیصدی تھا۔ ہندو ۲۵،۲ فیصدی، اچھوت ۱۱،۷ فیصدی اور ہندوستانی عیسائی ۰،۰۸ فیصدی۔ دوسرے بہت ہی کم تعداد میں تھے یعنی ۲،۳ فیصدی۔ سلہٹ سے متصل ضلع کچھار ہے جس کی کل آبادی ۶۴۱،۱۸۱ ہے اور مختلف قوموں کی قوت حسب ذیل ہے:۔

مسلمان	۳۶،۳ فیصدی	ہندوستانی عیسائی	۰،۰۶ فیصدی
ہندو	۲۷،۱ "	دوسرے	۲۸،۴۴ "
	اچھوت	۸،۱ فیصدی	

غیر ہندو نسب کے لوگوں کی تعداد ہندوؤں سے زیادہ تھی، مسلمانوں سے مل کر ان کی آبادی ۶۴،۷۵ فیصدی تھی یعنی تقریباً ۶۵ فیصدی ہو جاتی تھی۔ مسلم لیگ نے کچھار کا ایک حصہ مانگا تھا کیونکہ یہاں مسلمانوں کی آبادی گنجان تھی، ریڈکلف نے نہ صرف سارا کچھار ہندوستان کو دے دیا بلکہ سلہٹ کا ٹکڑا بھی کاٹ ڈالا تاکہ بھارت کے لئے تری پورہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

مسلم لیگ کا مطالبہ واجبی سا ہی تھا کیونکہ اس نے ایسے بہت بڑے علاقے بھی ہندوستان کے لئے چھوڑ دیئے جہاں ہندو آبادی مقابلتاً ناقابلِ اعتنا تھی۔ مسلم لیگ نے سلہٹ کے علاوہ مندرج ذیل علاقوں کا مطالبہ کیا۔

۱۔ لوشائی کی پہاڑیاں
۲۔ کچھار کا ایک حصہ
۳۔ گارو کی پہاڑیاں
۴۔ گولپاڑا
۵۔ کامروپ کا تھوڑا سا حصہ

آسیئے ہم ان ضلعوں کا جائزہ لیں جہاں ہندو قطعی اکثریت میں تھے۔ ان کی یہ پوزیشن صرف تین جگہوں پر تھی۔ کاماروپ، سب ساگر اور لاکھی پور۔ جہاں وہ بالترتیب ۵۰ء۴۰ فیصد، ۶۰ء۵۵ فیصد اور ۵۱ء۱۷ فیصد تھے، تاہم کاماروپ میں مسلمان کسی طرح بھی ناقابلِ لحاظ نہیں تھے۔ ان کی آبادی ۳۴ء۹۱ فیصدی تھی اس لئے مسلم لیگ نے جو خطِ تقسیم تجویز کیا تھا، وہ منصفانہ تھا۔

گارو کے پہاڑی علاقوں میں مسلمان اور ہندو دونوں کا تناسب ایک جیسا کم تھا جہاں بالترتیب ۵ء۴ فیصد اور ۸ء۵ فیصد تھے۔ باقی کے تقریباً ۹۰ء۰ فیصد لوگ مقامی باشندے تھے جن کی تعداد ۰۰۰ء۲۰۱ کے لگ بھگ تھی۔ لوشائی کے پہاڑی علاقے بھی کلیتہً مقامی آبادی سے بھرے ہوئے تھے۔

اگرچہ مسلم لیگ نے کھاسی اور جینتا کے پہاڑی علاقوں پر حق نہیں جمایا تھا لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہاں ہندوؤں کی تعداد ۷ء۱۰ فیصدی تھی اور اسی طرح ناگا میں ۲ء۲۲ فیصدی تھی۔ ہم یہاں اس کا بھی اضافہ کر دیں کہ نوگانگ میں مسلمانوں کا تناسب ہندوؤں سے زیادہ تھا کیونکہ وہ ۲۵ء۲ فیصد تھے اور ہندو صرف ۲۳ء۲ فیصد۔

نتیجہ اخذ

تقسیم کے بعد کے واقعات نے حتمی طور پر واضح کر دیا ہے کہ آسام کی مقامی غیر ہندو آبادی کے لئے ایک خود مختارانہ وجود زیادہ قابلِ قبول تھا۔ ان کے لئے یہ مقام ہندوستانی یونین کے اندر ممکن نہیں۔ ہندوستانی حکومت نے جو بھی رعائتیں انہیں اب دی ہیں وہ زیادہ مدت کے لئے ان کی نسلی وجود کی ضمانت نہیں دے سکتیں۔ تقسیم کے وقت ان کی آزادانہ خواہشات نہیں پوچھی گئیں۔ انگریز اپنی چائے کی صنعت محفوظ رکھنے کو زیادہ بے قرار تھا۔ بہ نسبت اس کے کہ مقامی قبیلوں کے حقوق کی نگہداشت کرتا۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ تقسیم کے اصولوں کے مطابق ہندوستان کا آسام پر کوئی تاریخی دعویٰ نہیں تھا۔ آبادی کے لحاظ سے ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے برابر تھی، مقامی قبیلوں کے مفادات اور جغرافیائی نقطہ نگاہ سے اُسے پاکستان سے وابستہ ہونا چاہیئے تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر پاکستان کے لئے ضروری ہے کہ وہ آسام کے لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلقات رکھے۔

اس خطّہ میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر، جب کہ آسام کے مسلمانوں کو پاکستان میں دھکیلا جا رہا ہے، ناگا اور میزو حق خود اختیاری کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں اور ہمالہ میں سکم اور بھوٹان کی ریاستیں اپنے قومی حقوق کے لئے حق جتا رہی ہیں تو پاکستان کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ چوکنا اور ہوشیار رہے۔ اگر فرانس کینیڈا کے صوبہ کیوبک سے خصوصی تعلقات رکھ سکتا ہے تو پاکستان کو بھی اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنا ہی حق ضرور پہنچتا ہے کہ وہ بھی صوبہ آسام کے ساتھ خصوصی تعلقات کی داغ بیل ڈالے۔

تحریکِ استقلال

جس طرح پاکستان پیپلز پارٹی پر پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کی گہری چھاپ ہے۔ اس طرح تحریکِ استقلال پر ایئر مارشل (ریٹائرڈ) محمد اصغر خان کی شخصیت چھائی ہوئی ہے۔ پیپلز پارٹی کی سوچ، مزاج اور طریق کار مرحوم بھٹو کی سوچ، مزاج اور طریق کار کا عکس ہے۔ تحریکِ استقلال میں بہت سے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے والے افراد موجود ہیں مگر وہ ٹیم کے طور پر کام کرتے ہیں اور ذہناً اپنے لیڈر کے اندازِ نظر سے متفق ہیں۔

صدر محمد ایوب خان کے خلاف جب بہت سی سیاسی جماعتوں نے متحد ہو کر تحریک شروع کی اور پاکستانی عوام آمریت سے نجات حاصل کرنے کے لئے احتجاجی مظاہرے کرنے کو سڑکوں پر نکل آئے اور بالخصوص جب ذوالفقار علی بھٹو کو ایوب خان نے گرفتار کر لیا اور اس گرفتاری پر عوام میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی تو یہ وہ وقت تھا جب اصغر خان ایک جمہوریت پسند رہنما کے طور پر عوام کے سامنے آئے اور انہوں نے اپنی شخصیت کا سارا وزن آمریت کے خلاف اور جمہوری طاقتوں کے پلڑے میں ڈال دیا۔ اور ملک کے طول و عرض میں اس نووارد سیاست کا بڑے والہانہ انداز میں استقبال کیا گیا۔ سیاست میں داخل ہوتے ہی اصغر خان نے اس امر پر زور دیا کہ اگر ملک میں دو تین بڑی پارٹیاں ہوں اور لوگ ان میں سے کسی کو انتخاب کر کے سیاسی عمل میں حصہ لیں تو پارلیمانی جمہوریت کا کاروبار بہتر طور پر چل سکتا ہے۔ اس کے برعکس سیاسی جماعتوں کی زیادہ تعداد جمہوری عمل میں رکاوٹ کا باعث

بھی بن سکتی ہے۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ چوہدری محمد علی کی نظام اسلام پارٹی، نوابزادہ نصراللہ خان کی عوامی لیگ اور قومی جمہوری محاذ مل گئے اور اس طرح پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی وجود میں آئی۔ مگر اصغر خان نے خود اس دوران میں ایک سیاسی جماعت (بعض سیاسی رہنماؤں کے رویے کے ردعمل کے طور پر) جسٹس پارٹی کے نام سے بنائی تھی۔ وہ جماعت بھی پی ڈی پی میں شامل ہو گئی مگر اصغر خان اس سے الگ ہو گئے اور کچھ عرصے کے بعد تحریک استقلال وجود میں آئی جس کی سربراہی کے فرائض اصغر خان انجام دے رہے ہیں۔ ایک مبصر کے الفاظ میں "پیپلز پارٹی کے اقتدار سنبھالنے کے بعد اصغر خان نے تحریک استقلال کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے بہت محنت کی" انہوں نے کم و بیش وہی طریقہ کار اختیار کیا جو زیڈ۔ اے بھٹو نے پیپلز پارٹی کے لئے اختیار کیا تھا۔ تاہم ایک تو اس وقت اور حالات مختلف تھے۔ بھٹو عوام میں اپنا سکہ جما چکے تھے۔ دوسرے اصغر خان کے پاس مخلص کارکنوں کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ اس کے باوجود پیپلز پارٹی کے عہد حکومت میں تحریکِ استقلال سب سے بڑی مخالف جماعت کے طور پر ابھرنے میں کامیاب رہی۔

تحریکِ استقلال کے بارے میں چند باتیں وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہیں۔ (۱) کامیابی سے زیادہ اسے اصولوں کی پابندی کا خیال ہے۔ یہ جماعت اصولوں کی سیاست پر یقین رکھتی ہے۔ (۲) تحریک استقلال کوشش کرتی ہے کہ اپنے کارکنوں اور حامیوں کی ذہنی و سیاسی تربیت کا فریضہ بھی انجام دے۔ (۳) تحریک کے رہنما ملک کے مسائل پر مسلسل غور و فکر کرنے اور اپنے خیالات و افکار کو مضامین پمفلٹ اور کتابوں کی صورت میں پیش کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ (۴) حزب اختلاف کی ایک جماعت ہونے کی حیثیت سے تحریک کی تنقید واضح اور دوٹوک

ہوتی ہے اور مصلحت بینی اس کے کردار اور تنقید کا حصہ نہیں (۵) تحریک کے رہنما وقت کے ساتھ فکری و ذہنی ارتقاء کے قائل ہیں۔ گذشتہ کچھ مدت سے اصغر خان اور ان کی جماعت سیاست میں سیکولرازم پر زور دے رہے ہیں جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ملک میں سیاست وحکومت کا کاروبار خالص انسانی اور قومی سطح پر چلانے کی ضرورت ہے۔ سیاست کو مذہبی فرقہ آرائی اور فقہی اختلافات و تنازعات سے بالاتر رہنا چاہیئے۔ (۶) اگر بھٹو کے دور میں تحریک نے ایک مخالف جماعت کا کردار ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی تو اس نے مارشل لاء کے تمام عرصے میں ویسا ہی جرأت مندانہ کردار ادا کیا ہے اور جنرل ضیاءُ الحق کے ساتھ کسی قسم کے تعاون سے گریز کی راہ اپنائے رکھی ہے۔ (۷) تحریک استقلال رفتہ رفتہ سماجی جمہوریت Social democracy کی علمبردار بن گئی ہے۔ سوشل ڈیماکرسی کو کچھ لوگ اشتراکی جمہوریت کا نام دیتے ہیں اور کچھ لوگ اسے سماجی جمہوریت کہنا پسند کرتے ہیں۔ تحریک استقلال اپنے تصورِ جمہوریت کو سماجی جمہوریت کہتی ہے۔ یہ جمہوریت کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے جس میں سیاسی جمہوریت کے ساتھ سماجی اور معاشی جمہوریت بطور خاص شامل ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ملک میں عوام کو فقط ووٹ کا حق اور حکومت کو قائم کرنے اور اسے بدلنے کا حق ہی حاصل نہ ہو بلکہ ان کو ملک کی معیشت اور خوشحالی میں بھی برابر کا حقدار سمجھا جائے اور معاشرتی اور سماجی اعتبار سے بھی وہ ملک کے دوسروں طبقوں کے برابر تسلیم ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ رائے اور ووٹ کا حق تو عوام اور ہر بالغ مرد اور عورت کو مل جائے مگر اس کی تقدیر نہ بدلے۔ اس کی نہ غریبی دور ہو اور نہ وہ امیر اور جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے کے برابر معاشرے میں کوئی باعزت مقام حاصل کر سکے۔ اگر ملک پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا قبضہ ہو اور ان کی رعونت اور فرعونیت ہر طرف دندناتی پھرے

تو عوام کا فقط حق رائے دہی یا ووٹ کا حق ان کے کس کام آئے گا! اصغر خان کے پمفلٹ سماجی جمہوریت سے ایک پیراگراف یہاں درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کی نگاہ میں آج کی صورتِ حال کیسی اور کیوں ہے۔

"برطانوی راج نے اپنے اقتصادی اور فوجی استحصال کو جاری رکھنے کے لئے اس خطے میں بدترین قسم کا جاگیر دارانہ اور زمیندارانہ نظام مسلط کیا تھا۔ جو پاکستان کے قیام کے وقت ایک صدی سے چلا آرہا تھا۔ پاکستان کے قیام کے بعد اس نظام میں کوئی خاص تبدیلی یا کمی نہیں آئی۔ مزید برآں بیرونی قرضوں اور امداد نے اس معیشت کو تقویت دینے کی بجائے ایسی صنعتوں کو پھیلایا گیا۔ جن کا واحد مقصد مغربی ملکوں کی مصنوعات کی نکاسی کو عام کرنا تھا۔ امریکی اور بیرونی سرمایہ کاروں نے غیر جمہوری حکومتوں اور مقامی گماشتوں کے توسط و اعانت سے جگہ جگہ پیکنگ اور اسمبلنگ (بیرون ملک تیار کردہ پرزوں کو جوڑنے کا کام) کی فیکٹریاں کھول کر پاکستان کو اپنی مخصوص تجارتی منڈی اور اجارہ داری کا گڑھ بنا لیا ہے۔ پاکستان وہ واحد بدقسمت ملک ہے جو آزادی کے بعد ۳۸ سال گزرنے کے باوجود ایک مکمل جمہوری اور دستوری حکومت کے نظام سے محروم چلا آرہا ہے۔ پھر یہ ایشیا کے ان بدنصیب ملکوں میں بھی شامل ہے جسے آزادی کے تھوڑی مدت بعد امریکی بلاک اور امریکی دوستی کے دائرے میں مقید کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی فوجی جرنیل اس ملک کے اقتدار پر قابض ہو کر سیاہ و سفید کے مالک بن گئے!!

• اصغر خان کی سوچ اور انداز فکر کا اندازہ کرنے کے لئے اس تحریر کا ابتدائی پیراگراف بھی قابل توجہ ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں "اس وقت پاکستان صرف سیاسی بحران ہی کا شکار نہیں بلکہ شدید سماجی اور بدترین اقتصادی بحران کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ ۱۹۸۱ء میں پاکستان پر بیرونی قرض، دفاعی قرضوں سمیت ۱۲۔ ارب ڈالر ہو چکا

تھا جس پر سالانہ سود کی رقم ۹۶ کروڑ ۵۰ لاکھ بنتی تھی۔ پاکستان کی معیشت بیرونی قرضوں کے بوجھ سے نیم جان ہے۔ مسلسل افراطِ زر نے جس کی شرح میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ معاشی طور پر اُسے ادھموا کرکے رکھ دیا ہے۔ افراطِ زر میں اضافہ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری معیشت میں غیر پیداواری شعبوں میں شرح اضافہ پیداواری شعبوں یعنی زراعت وصنعت کی نسبت کافی زیادہ رہی ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے پاکستان کی بنیادی معیشت یعنی زرعی معیشت کی کمر توڑ دی ہے اور حکومت کے انتظامی اور فوجی اخراجات، قومی آمدنی کا ایک بڑا حصہ (یعنی جی۔ این۔ پی کا ۱۰ فیصد) ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں مرکزی حکومت کے دفاعی اور سول اخراجات ۲۵ ارب روپیہ تھے جبکہ ۷۱-۱۹۷۰ء میں یہ اخراجات صرف ۳ ارب ۲۵ کروڑ ۹ لاکھ روپیہ تھے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۵ افراد کے ایک اوسط خاندان نے حکومت ۲ ہزار ۵ سو ۳۰ روپے ٹیکس ادا کیا جو بالواسطہ طور پر غریب اور محنت کش عوام سے مہنگائی کی صورت میں وصول کیا گیا۔"

"تحریکِ استقلال" کیوں وجود میں آئی اور اس کے قیام کے محرکات ومقاصد کیا تھے؟ یحییٰ خان نے جب انتخابات کا ڈول ڈالا اور "ون یونٹ" توڑ دیا گیا اور مغربی پاکستان میں پھر سے چار صوبے بحال ہوگئے تو چھوٹے صوبوں میں سیاسی واقتصادی محرومیوں کا احساس شدت کے ساتھ۔ اُدھر مشرقی پاکستان ایوب خانی دور میں رفتہ رفتہ مغربی پاکستان سے دور جا چکا تھا۔ اس صورتِ حال میں انتخابات کی آمد آمد پر کل پاکستان سطح کی بجائے سیاست نے علاقائی رنگ اختیار کر لیا۔ بہ قول شخصے پنجاب اور سندھ میں پی پی پی نے زور پکڑا۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ مقبولیت کے پھریرے اڑانے لگی اور سرحد اور بلوچستان میں نیپ اور جمعیت علمائے اسلام کی برتری کے آثار تھے۔ ایسے میں بعض افراد کی سوچ تھی کہ کسی جماعت کا رول کل پاکستان بنیاد پر استوار ہونا چاہیے جو مشرقی پاکستان میں بھی اپنا وجود رکھتی ہو اور مغربی پاکستان کے سب صوبوں میں بھی

اس کی حیثیت وقیع ہو۔ اس خیال نے تحریک استقلال کو جنم دیا" چنانچہ محبِ وطن حلقوں میں یہ بات شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ اس وقت ملک میں ایک ایسی جماعت منظم کی جائے جس کا اولین نصب العین اور مدعا کل قومی کیرکٹر کو ابھارنا اور بروئے کار لانا ہو جس کے دائرہ میں علاقائی اور صوبائی مفادات کی بھی گنجائش ہو اور ہر سطح پر ایک ایسی قیادت مہیا کرے جو مراعات اور مفاد پرستی
سے مبرّا ہو۔ تحریک استقلال کے قیام کا محرک یہی جذبہ ہوا۔ اور اس لئے اس کا بنیادی نصب العین یہ قرار پایا کہ تمام صوبوں کی خود مختاری اور برابری کی اساس پر مختلف علاقوں کے عوام کو کل پاکستان قومی سطح پر مربوط و متحد کیا جائے اور غربت کے خاتمے اور ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے جدوجہد کی جائے۔" تحریک استقلال: عہد بہ عہد" صفحہ ۸۰۷۔

تحریک استقلال کے موڈ اور مزاج کا مظاہرہ اصغر خان کے مندرجہ ذیل دو بیانات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

"تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان نے کہا ہے کہ تحریک نے آئندہ بلدیاتی انتخاب میں خواہ یہ جماعتی ہوں یا غیر جماعتی حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تحریک مسلم لیگ اور پی پی پی کے مقابلے میں اپنے امیدوار کھڑے کرے گی۔ گذشتہ شام بہاولپور پریس کلب میں" میٹ دی پریس" پروگرام میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق جماعتی بنیادوں پر انتخابات نگران حکومت کے تحت کرانے کا مطالبہ کرنے والی ہم خیال جماعتوں سے اتفاق کیا جائے گا۔ تاہم ہم کسی نئے سیاسی یا انتخابی اتحاد میں شامل نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ قومی یک جہتی کے لئے ایسے اتحاد کے قیام سے اتفاق کرتے ہیں۔ اصغر خان نے کہا کہ تحریک اقتدار میں آنے کے بعد

ملکی دولت لُوٹنے والے جرنیلوں اور بیورو کریٹس کے خلاف اسلامی تعزیرات کے تحت مقدمات چلائے گی اور مجرموں کو سرِعام پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ اور ملکی دولت کو واپس لایا جائے گا۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ شریعت بل فراڈ ہے اور حکومت کو مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے" (جنگ، لاہور مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۸۷ء)

"تحریکِ استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خان نے کہا ہے قائدِاعظم نے پاکستان بنایا تھا اور اس پر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہ لوگ ہر دور میں قابض رہے ہیں۔ آج بھی بھیس بدل کر حکومت میں گھسے ہوئے ہیں اور غریبوں کا خون چوس رہے ہیں۔ وہ آج یہاں حاصل پور میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ عدالتوں اور تھانوں میں اسلام کہیں نظر نہیں آتا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کا شریعت بل ایک دھوکا ہے۔ ہم حکومت کو ۱۹۹۰ء سے قبل الیکشن کرانے پر مجبور کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ زکوٰۃ کی بھاری رقوم کو خورد برد کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ملک میں بھکاریوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کو لاکھوں روپے بطور رشوت دے رہی ہے انہوں نے کہا کہ کراچی میں خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی اور قانون نافذ کرنے والے ادارے تماشہ دیکھتے رہے ہیں" (نوائے وقت، لاہور، مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۸۷ء)

تحریکِ استقلال کی تین دستاویزیں شامل کتاب کی جاتی ہیں۔ اول "تحریکِ استقلال، عہد بہ عہد" ایک پمفلٹ جس میں پاکستان کی سیاست کا ایک مختصر مگر بے لاگ جائزہ ہے اور تحریک کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ دوسری تحریر "سماجی جمہوریت" پر ہے اور تیسری تحریک کا منشور ہے جو ۱۹۷۰ء میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ منشور ملک کی معیشت و معاشرت میں بنیادی تبدیلیوں کا علمبردار ہے اور ایک ایسی سوچ کا مظہر ہے جس میں خلوص اور دیانت کے ساتھ عزم و فہم پایا جاتا ہے۔

منشورِ تحریکِ استقلال

تمہیدی بیان

(مارچ ۱۹۷۰ء کے اس اجلاس میں منظور ہوا جس میں پارٹی کی بنیاد رکھی گئی بعد میں پارٹی آئین کا حصہ بنا۔)

(۱) نظریۂ پاکستان کے تحت ملک کے ہر باشندے پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ انصاف، مساوات، آزادی اور انسان کی عظمت کے اسلامی اصولوں کے مطابق جمہوری معاشرتی نظام قائم کرنے کے لئے کوشش کرے۔ تحریکِ استقلال کے آئین میں پارٹی کے جو اغراض و مقاصد مقرر کیے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(ا) قرآن و سنت کی روشنی میں ملکی آئین کی تیاری اور اس کی حفاظت میں مدد دینا۔

(ب) ملک کے مختلف علاقوں میں بسنے والے عوام میں ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا۔

(پ) پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھتے ہوئے سارے صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری کی ضمانت دینا۔

(ت) پاکستان کے مختلف علاقوں اور مختلف حصوں کے عوام کے درمیان جو فرق یا اونچ نیچ موجود ہے اُسے کم سے کم عرصے میں ختم کرنا تاکہ پورے ملک کے عوام قومی اور ملکی معاملات میں بھرپور حصہ لے سکیں۔

(ٹ) ملک کے تمام باشندوں کے لئے مساوی حقوق کی ضمانت دینا۔

(ث) محنت کے بلند رتبہ کی ضمانت دینا، افرادی قوت سمیت تمام دستیاب وسیلوں کو کام میں لانے کے لئے مؤثر منصوبہ بندی کرنا۔

(ج) لوٹ کھسوٹ کے ہر طریقے کو ختم کرنا۔

(چ) خواتین کو جائز تمام حقوق دلانا تاکہ وہ معاشرے میں مفید اور تعمیری کردار ادا کر سکیں۔

(ح) بنیادی تعلیم کا کم از کم معیار مقرر کر کے ملک کے تمام شہریوں کو تعلیم حاصل کرنے کے برابر مواقع فراہم کرنا اور قابلیت کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنا۔

(خ) یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ساری دولت اللہ کی ملکیت ہے، اس بات کو یقینی بنانا کہ پاکستان کے تمام باشندے اس دولت کو اللہ کی امانت سمجھ کر انصاف اور مساوات کی بنیاد پر کام میں لائیں۔

(د) آزاد عدالتی نظام قائم کرنا اور جمہوری اداروں کے ذریعے قانون کی حکمرانی قائم کرنا۔

(ڈ) یہ امر یقینی بنانا کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں کسی بھی قسم کا اختیار ہے، وہ بدعنوانیوں سے پاک ہوں اور کسی طور نا اہل نہ ہوں اور یہ کہ وہ دیانت داری، کفایت شعاری، سخت محنت اور سادہ زندگی کا نمونہ پیش کریں۔

(ذ) قومی مفاد اور عالمی امن پر مبنی آزاد خارجہ پالیسی پر عمل کرنا۔

(ر) اسلامی ملکوں کے ساتھ قریبی دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور اسلامی دنیا کے اتحاد کے لئے سرگرمی سے کام کرنا۔

(ڑ) جموں و کشمیر، جونا گڑھ، مناودر اور منگرول کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کرتے رہنا۔

*

عہد

ہم نے اپنی پارٹی کے جو اغراض و مقاصد بیان کئے ہیں، ان کو پورا کرنے کا عہد کرتے ہیں اور خاص طور پر عزم کرتے ہیں کہ

(ا) پاکستانی عوام کے اتحاد، ان کی فلاح و بہبود اور انہیں طاقتور بنانے کے لئے کام کریں گے۔

(ب) اسلامی سماجی انصاف اور برابری کی بنیاد پر مبنی ترقی پسند معاشرہ قائم کریں گے اور اسے مضبوط بنائیں گے۔

(پ) پوری دیانت داری اور محنت کے ساتھ اپنے ملک اور عوام کی خدمت کریں گے۔

(ت) ملک کے مفاد کو علاقائی، فرقہ دارانہ اور پارٹی کے مفادات پر ترجیح دیں گے۔

بُنیادی حقوق

شہریوں کے حقوق

خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ (انسان تو کیا)
اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی
بھوکا رہا تو عمرؓ سے اس کی باز پرس ہو گی۔

۳۲ سال پہلے پاکستان کے عوام نے اپنا خون دے کر آزادی حاصل کی۔ مگر وہ آج بھی حقیقی آزادی کو ترس رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ انہیں سیاسی ظلم و تشدد، معاشرتی اونچ نیچ اور اقتصادی ناانصافی سے نجات حاصل ہو۔

اس سارے عرصے میں جتنے بھی حکمران آئے انہوں نے عوام کے مفاد میں کام کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا۔ جس کسی نے بھی ان کے خلاف آواز اٹھائی اُسے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ظالمانہ نوآبادیاتی نظام کو ایک نئے پُرتشدد نظام میں تبدیل کر دیا گیا۔ انسانی آزادی اور عظمت کی بے حرمتی میں ہر نئے حکمران نے پہلے حکمران کو مات دی۔

تحریکِ استقلال نے تہیہ کر لیا ہے کہ آئندہ ایسے واقعات دہرائے جانے کے امکانات ختم کر دینے کے لئے مندرجہ ذیل آئینی اور قانونی تحفظات مہیا کئے جائیں:۔

۱۔ (و) تمام باشندوں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔ خلاف ورزی کی صورت میں انہیں عدالت سے رجوع کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو گی۔

(ب) تمام کالے قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے۔

(پ) مقدمہ چلائے بغیر کسی شخص کو قید نہیں کیا جائے گا۔

(ت) کسی بھی سویلین پر فوجی قانون کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

۔ پاکستان کے تمام باشندوں کے مذہب اور تہذیب وتمدن کو پورا تحفظ دیا جائے گا اور تمام پاکستانیوں کو ملک کی سیاسی اور معاشرتی زندگی میں یکساں حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کو اُن کا پورا حصہ دیا جائے گا۔

۔ قانون کے مطابق تمام باشندوں کو زندگی اور جائیداد کے تحفظ، عزت و وقار اور آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔

۴۔ تمام باشندوں کو تقریر اور اجتماع کے حق کی ضمانت دی جائے گی۔

۵۔ قانون کے پابند ہر باشندے کو معمولی سی فیس ادا کرنے کے بعد ایک ہتھیار رکھنے کی اجازت ہوگی۔

۶۔ تمام محتاجوں کی دیکھ بھال کے لئے بہبودی مراکز قائم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔

۷۔ گداگری کی تمام صورتوں کی ممانعت ہوگی۔

*

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ
(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸)

عورتوں کے حقوق

اور عورتوں کا بھی مردوں پر ویسا ہی حق ہے
جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر دستور کے مطابق

اسلام نے عورت کو نہ صرف عزت و وقار اور انفرادیت عطا کی ہے بلکہ اُسے استحصال سے بچانے کے لئے تحفظات بھی فراہم کئے ہیں۔ مگر ہمارے ملک میں رائج رسموں، رواجوں اور اقتصادی و سیاسی نظام نے عورت کا مقام اس قدر گھٹا دیا ہے کہ وہ قومی ترقی میں کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتی۔

ان پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود پاکستانی عورتیں اس ملک کے باشندوں کے حقوق کی ہر جدوجہد میں آگے رہی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام ان کی قربانیوں کی بدولت ہی ممکن بنا اور ۱۹۷۷ء کی عوامی تحریک کی کامیابی انہی کے عزم اور ہمت کا نتیجہ ہے۔ قوم کا مقدر سنوارنے میں عورتوں کو ان کے جائز کردار سے محروم رکھنا ملک کی آدھی آبادی کی صلاحیتوں کو ضائع کر دینے کے برابر ہے۔ یہ بے انصافی ہی نہیں بلکہ ایک زبردست حماقت ہوگی، لہٰذا ہم عہد کرتے ہیں کہ:

۱۔ عورتوں کے خلاف امتیاز پیدا کرنے والے تمام رسم و رواج قانونی تحفظ کے ساتھ ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کے حقوق کا مناسب قانونی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

۲۔ خواتین کو موقع دیا جائے گا کہ وہ اسمبلی کی دس فیصد نشستیں، مردوں اور عورتوں کے براہ راست ووٹ کے ذریعے حاصل کر سکیں۔

۳۔ عائلی عدالتوں میں کم از کم پچاس فیصد خاتون ججوں کو مقرر کیا جائے گا۔

۴۔ قانون میں یہ شق شامل کر دی جائے گی کہ عائلی عدالتیں خواتین کی طرف سے دائر کیے گئے طلاق کے مقدمات کا فیصلہ چھ ماہ کے اندر کر دیں گی اور اس میں بچوں کی تحویل، گذارہ الاؤنس، اور حق مہر جیسے مسائل کا تصفیہ بھی شامل ہوگا۔

۵۔ طلاق کے نتیجے میں جائیداد سے متعلق تمام جھگڑوں کی سماعت عائلی عدالتوں کے سپرد کر دی جائے گی اور ایسے تمام جھگڑوں کا فیصلہ ایک سال کے اندر کر دیا جائے گا۔

۶۔ طلاق، طلاق کے بعد گزارہ اور بچوں کی تحویل جیسے معاملات میں خواتین سے بے انصافی روا رکھی جاتی ہے اور انہیں معاشرتی استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خواتین کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے عائلی قوانین میں مناسب ردوبدل کیا جائے گا۔

۷۔ دوسری شادی پر عائد موجودہ پابندی برقرار رکھی جائے گی۔

۸۔ وراثت کے معاملے میں بیوہ اور نابالغ بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص اقدامات کیے جائیں گے۔

۹۔ شہری جائیداد اور زرعی زمین پر قبضہ کے سلسلے میں بیواؤں اور نابالغ بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں گے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ انہیں زرعی پیداوار سے مناسب حصہ ضرور ملے۔

۱۰۔ عورتوں کو مردوں کے مساوی تنخواہ ملے گی اور برابری کی بنیاد پر ہر سرکاری ملازمت کے لئے مقابلہ کرنے کی اجازت ہوگی۔

۱۱۔ خواتین کو علوم و فنون کی تمام شاخوں میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے

کی سہولتیں دی جائیں گی۔

۱۲۔ بچوں کے لئے خصوصاً ملازمت کرنے والی خواتین کے بچوں کے لئے نرسریاں قائم کی جائیں گی۔

۱۳۔ سرکاری بسوں اور ریل میں سفر کرنے والی خواتین کے لئے سہولتوں کو بہتر بنایا جائے گا اور ان میں مزید اضافہ کر دیا جائے گا۔

۱۴۔ سرکاری یا پرائیویٹ کارخانوں میں کام کرنے والی خواتین کو وہ تمام سہولتیں دی جائیں گی جو عالمی مزدور تنظیم (آئی۔ایل۔او) کی سفارشات کے تحت انہیں حاصل ہونی چاہئیں۔

*

اقلیتوں کے حقوق

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ
(سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۶)

دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے

اقلیتیں پاکستانی قوم کا ایک اہم حصہ ہیں اور وہ ملک کی اقتصادی ترقی میں نمایاں کردار ادا کرنے کے علاوہ قومی ثقافت کے حُسن کا نشان ہیں۔ ان کے سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور ثقافتی حقوق مملکت کے دوسرے شہریوں کے مساوی ہیں۔ اس کے بارے میں تمام خدشات دور کرنے اور مستقل ضمانت فراہم کرنے کے لئے تحریکِ استقلال مندرجہ ذیل اقدامات کرے گی۔

۱۔ تحریک استقلال جمہوری اداروں اور جمہوری عمل میں اقلیتوں کو اکثریت کے شانہ بشانہ حصہ لینے کے حق کی حمایت کرے گی۔ تاکہ اقلیتیں اپنے آپ کو پاکستانی قومیت میں مکمل طور پر جذب کرلیں۔

۲۔ اقلیتوں کو اپنے عقیدے اور ثقافت پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی اور انہیں اپنے عقیدے اور تمدن کی بنیاد پر مذہبی ادارے قائم کرنے اور چلانے کی مکمل آزادی اور ضمانت دی جائے گی۔

۳۔ ماضی کی محرومیوں کا ازالہ کرنے کے لئے انہیں تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں خصوصی سہولتیں دی جائیں گی۔

۴۔ سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کو پورا حصہ دیا جائے گا۔

حضرت معقل بن یسارؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص یا حاکم جو مسلمانوں کے کاموں کا مالک ہو پھر وہ نہ محنت کرے اور نہ ہی ان کے لئے خیرخواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے اگلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں ان کا کوئی شریف (دولتمند) کوئی جرم کرتا تھا تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر غریب ویسا ہی جرم کرتا تو اسے سزا دیتے تھے۔

وفاقی ڈھانچہ

عدلیہ

پاکستان کے وفاقی ڈھانچے کے تحت پارلیمنٹ میں ایک صوبے سے آنے والے ممبروں کی تعداد باقی تمام صوبوں کی مجموعی پارلیمانی قوت سے زیادہ ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے اس صورتِ حال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ جس طرح مشرقی پاکستان کی آبادی مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کی مجموعی آبادی سے زیادہ تھی اسی طرح اب پنجاب کی آبادی باقی تینوں صوبوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ بدقسمتی سے تنگ دلانہ علاقائی مفادات، سیاسی استحصال، سالہا سال کے آمرانہ تسلط اور محلاتی سازشوں نے صوبوں کے درمیان بداعتمادی اور غلط فہمیوں کو بڑھایا ہے۔

ان حالات میں جب کہ وفاق کے ایک صوبے کی آبادی باقی تینوں صوبوں کی آبادی سے بھی زیادہ ہے، یہ بات لازمی ہوگئی ہے کہ چھوٹے صوبوں کو مناسب تحفظات کے ساتھ اس بات کی ضمانت دی جائے کہ ان کے اہم مفادات کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس پر عمل کر کے ہم یہ یقین حاصل کر سکتے ہیں کہ ملک میں پچھلے چوبیس سال کے واقعات دہرائے نہیں جائیں گے۔ اور اسی طرح ایک ایسے متحد اور مستحکم پاکستان کی دیرپا بنیاد رکھی جا سکتی ہے جس میں تمام صوبوں کے عوام برابری کی بنیاد پر بھائی چارے کے ساتھ رہ سکیں۔ لہٰذا تحریک نے فیصلہ کیا ہے کہ

۱۔ وفاقی حکومت کو امورِ خارجہ، دفاع، کرنسی، صوبوں کے درمیان باہمی تجارت،

مواصلات اور غیر ملکی تجارت کی ذمہ داری سونپی جائے گی۔

۲۔ وفاقی حکومت کو وفاق کے مقاصد کے لئے ٹیکس لگانے اور وصول کرنے کا اختیار ہوگا۔

۳۔ صوبے اگر چاہیں تو انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی بھی اضافی ذمہ داری مرکز کے سپرد کر سکیں گے۔

۴۔ ایک صوبے سے دوسرے صوبے یا ایک ضلع سے دوسرے ضلع کے درمیان اشیاء کی نقل و حمل پر پابندی اور ہر قسم کے بین الصوبائی ٹیکس ممنوع قرار دیئے جائیں گے اور شاہراہوں پر سے تمام غیر ضروری رکاوٹیں ہٹا دی جائیں گی۔

۵۔ سینٹ کے اختیارات میں اضافہ کیا جائے گا۔

۶۔ ووٹر کی عمر کی حد گھٹا کر اٹھارہ سال کر دی جائے گی۔

۷۔ قبائلی علاقوں میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرائے جائیں گے۔

*

آئینی ڈھانچہ

اسلامی معاشرے میں عدلیہ کو بڑی سختی کے ساتھ، مکمل غیر جانبدار ہونا چاہیئے۔ انصاف فوراً ملنا چاہیئے اور انصاف کرتے وقت کسی کے رتبے کا کوئی خیال نہیں ہونا چاہیئے۔ کوئی بھی شخص قانون سے بالا نہیں ہونا چاہیئے اور کوئی شخص محض اس وجہ سے قانونی چارہ جوئی سے محروم نہ رہے کہ وہ قانونی عمل کے اخراجات ادا کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ اس لئے ہم اپنے اس پختہ عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ

۱۔ عدلیہ انتظامی اثرات سے مکمل طور پر آزاد ہوگی، اور ججوں کی تقرری انتظامیہ کے اختیار سے باہر ہوگی۔

۲۔ ضلعی سطح کی عدالتوں میں جیوری کا نظام رائج کیا جائے گا۔ جیوری کو منتخب کیا جایا کرے گا۔ ضابطہ فوجداری و دیوانی اور قانونِ شہادت کو آسان بنایا جائے گا۔

۳۔ پورے عدالتی نظام پر نظر ثانی کی جائے گی اور اُسے ایک ترقی پسند معاشرہ کی ضروریات کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ مقدمات کے جلد از جلد فیصلہ کو یقینی بنانے کے لئے یہ اقدامات کئے جائیں گے۔

(ا) اگر کسی فوجداری مقدمے کا فیصلہ عدالت میں پہلی بار چالان پیش کئے جانے کے چھ ماہ کے اندر اندر نہ ہوسکے تو ملزم کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔ اور مقدمے کا فیصلہ اگلے چھ ماہ میں کر دیا جائے گا۔

(ب) دیوانی مقدمات کا فیصلہ ایک سال کے اندر کر دیا جائے گا۔

(ج) علیحدہ عائلی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔

(د) کورٹ فیس ختم کر دی جائے گی۔

انتظامیہ

پاکستان میں آج بھی انتظامیہ کا وہی نظام رائج ہے جو نوآبادیاتی حکمرانوں نے اپنے مقاصد پورے کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کے تحت رعایا کو سرکاری افسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ ان میں غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے کے لئے انہیں ہر حکم کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ قیام پاکستان کے بعد عوام نے ایک آزاد ملک کے شہریوں کے حقوق طلب کرنے کی جو بھی کوشش کی اُسے افسر شاہی نے ناکام بنا دیا۔

ہمارے ہاں محاسبے کا عمل نہ ہونے کے برابر ہے اس لئے یہ نظام نااہلیت اور بدعنوانیوں کو فروغ دینے کے علاوہ عوام کے مفادات کی جگہ برسرِاقتدار حکومت کے مخصوص مفادات پورے کرتا رہا۔ چونکہ یہ نظام بنایا ہی اس غرض سے گیا تھا لہٰذا اس کی طاقت کا بڑا سبب یہ ہے کہ مرکز میں برسر اقتدار حکومت کو مقامی آبادی پر قابو رکھنے کے لائق بنایا جائے۔ بہرحال آزادی کے بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ عوام کو اپنے مقامی مسائل مقامی طور پر حل کرنے کی ترغیب دی جاتی اور زیادہ سے زیادہ ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالی جاتی مگر ہوا یہ کہ اس اصول کو زیادہ سے زیادہ پس پشت ڈالا گیا۔ سرکاری ملازمین کو سیاسی طور پر غیر جانبدار رہنے کا پابند بنانے کی بجائے ایک کے بعد ایک آنے والی حکومت نے انہیں اپنے سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ آزادی کے بعد قائم کی جانے والی قومی اور صوبائی اسمبلیاں اور بلدیاتی ادارے بھی عوام کو بدعنوانیوں اور مصیبتوں سے چھڑانے میں ناکام رہے ہیں۔

اس نظام کے لازمی نتیجے کے طور پر عوام کے لئے مصیبتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

جب تک ایسے مصیبت پیدا کرنے والے نظام کو آئینی ضابطوں کا پابند نہیں بنایا جاتا اس وقت تک جمہوری اداروں کے پھلنے پھولنے کا امکان بہت کم ہے۔ سب سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ حقیقی معنوں میں وفاقی نظام چلایا جائے اور صوبوں کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اختیارات اور خودمختاری دی جائے۔ دوسرے یہ کہ مؤثر بلدیاتی ادارے قائم کئے جائیں اور انہیں آزادی سے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ سرکاری انتظامیہ کو اس طرح بدلا جائے کہ وہ نئے سانچے میں ڈھل جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہم انتظامیہ میں مندرجہ ذیل انقلابی تبدیلیاں لانے کا عہد کرتے ہیں:۔

۱۔ (الف) ہر صوبے کو انتظامی لحاظ سے "گاؤں" "حلقہ" اور "ضلع" میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ "حلقہ" کی حدود وہ ہوں گی، جو صوبائی اسمبلی کی ایک نشست کی ہیں۔

(ب) گاؤں کی سطح پر ایک پنچایت یا جرگے کے انتخابات منعقد کیے جائیں گے۔ "پنچایت" مصالحتی کمیٹی اور عدالت کے طور پر کام کرے گی۔ اُسے چھوٹے موٹے جرائم کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ یہ پرائمری سکول اور شفاخانے قائم کرے گی اور ان کی دیکھ بھال کرے گی۔ "گاؤں" اور "حلقہ" کی انتظامیہ کے درمیان رابطے کا کام کرے گی۔ یہ پیدائش اور اموات کا ریکارڈ رکھے گی۔ زمین کے کاغذات میں تبدیلی کی تصدیق کرے گی۔ پولیس میں جو پرچہ درج کرایا جائے گا اس کی نقل فوری طور پر پنچایت یا جرگہ کو پہنچا دی جائے گی۔

(ج) حلقہ کی سطح پر ساری انتظامی ذمہ داری حلقہ اسمبلی کے سپرد ہوگی، جسے

حلقہ کے عوام منتخب کریں گے۔ نظم ونسق، تعلیم، صحت، زراعت، زمین کے ریکارڈ اور زمین کے مالیہ جیسے تمام امور جو اس وقت صوبائی حکومت کے اختیار میں آتے ہیں، حلقہ اسمبلی کے سپرد کر دیئے جائیں گے، جو یہ کام اپنی انتظامی کمیٹی کے ذریعے پورے کرے گی۔

(د) ضلع کی سطح پر ایک ضلعی کونسل بنائی جائے گی۔ اس ضلع سے منتخب ہونے والے قومی اور صوبائی اسمبلی کے تمام ارکان اس کونسل کے ممبر ہوں گے۔ یہ ضلعی کمیٹی حلقوں کے کام میں ربط قائم کرے گی اور جہاں کہیں ضروری ہوا متعلقہ حلقہ کمیٹیوں کے مشترکہ اجلاس منعقد کرے گی۔ ضلعی کونسل حلقہ اسمبلیوں کے روزمرہ امور میں دخل دیئے بغیر فنی مشورہ یا فنی خدمات مہیا کرے گی اور صوبائی انتظامیہ اور حلقہ کے درمیان رابطے کا فرض انجام دے گی۔

(ر) صوبائی ہیڈکوارٹرز آرگنائزیشن صوبائی اسمبلیوں کے ماتحت قانون سازی، پالیسی بنانا، پلاننگ اور بجٹ بنانے کا کام کرے گی۔ یہ حلقہ کو انجینئرنگ، صحت، زراعت اور تعلیم جیسے فنی معاملات میں خدمات فراہم کرے گی اور صوبائی سطح پر ہسپتالوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور اس قسم کے دوسرے اداروں کی دیکھ بھال کرے گی۔ صوبائی ہیڈکوارٹرز کو ریزرو پولیس رکھنے کی بھی اجازت ہوگی۔

۲۔ صوبوں کو صوبائی ملازمین کی بھرتی اور ان کو مختلف جگہوں پر مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ ملک کے داخلی اور خارجی وسائل کو صوبوں کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے مخصوص کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا جس میں تمام صوبوں اور مرکز کو برابری کی بنیاد پر نمائندگی حاصل ہوگی۔ اگر کسی معاملہ میں تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور ہائی کورٹ

کے چیف جسٹسوں پر مشتمل کمیٹی کرے گی۔ وفاق کو جو وسائل حاصل ہیں اگر عوام پر استعمال کے بعد ان میں سے کچھ بچ جائے تو وہ اس اصول کے تحت تقسیم کیا جائے گا کہ ملک کے کس صوبے یا حصے کو باقی ملک کی خوشحالی کی سطح پر لانے کے لئے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

۳۔ حلقہ اور ضلع کی انتظامیہ کو اپنے عملہ پر مکمل کنٹرول حاصل ہوگا۔ صوبائی ترقیاتی منصوبوں کے تحت مخصوص کئے گئے بجٹ کے مطابق اپنے دائرہ کار کے اندر عمل کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

۴۔ مرکز، صوبوں اور اضلاع کے گروپوں کے اپنے پبلک سروس کمیشن ہوں گے جنہیں ہائی کورٹ کے ججوں جیسا آئینی تحفظ حاصل ہوگا۔ یہ کمیشن ملازمین کو بھرتی کریں گے اور انتظامی عہدہ رکھنے والے جن ملازمین کے خلاف محکمانہ کارروائی کی جائے گی ان کی اپیلوں کی سماعت بھی کریں گے۔ کلرکوں اور دوسرے ماتحت عملہ کی بھرتی اور ان سے متعلق تمام معاملات متعلقہ انتظامی اداروں کی سطح پر نپٹائے جائیں گے۔

۵۔ مرکزی، صوبائی اور حلقہ اسمبلیوں میں مختلف امور کو سرانجام دینے کے لئے مجالس قائمہ (سٹینڈنگ کمیٹی) کی آئینی گنجائش پیدا کی جائے گی۔ ان میں عوامی نمائندوں کے کردار کا جائزہ لینے والی مجالس قائمہ بھی شامل ہوں گی۔

۶۔ صوبائی چیف سیکرٹریوں کی آسامیوں کو ختم کر دیا جائے گا اور سیکرٹریٹ کے عملہ میں زبردست کمی کر کے ہر محکمہ میں چند افسروں سے کام چلایا جائے گا۔

۷۔ ڈویژنل کمشنروں، ڈپٹی کمشنروں، اسسٹنٹ کمشنروں، تحصیل داروں اور مجسٹریٹوں کی آسامیوں کو ان کی موجودہ صورت میں ختم کر دیا جائے گا۔

۸۔ افسروں اور عام ملازموں کی تنخواہوں میں موجودہ وسیع خلیج کو ختم کر دیا جائے گا۔ تنخواہ کے علاوہ افسران کی عیاشیوں پر خرچ جو قومی خزانے پر بڑا بوجھ ہے ختم کر دیا جائے گا۔ سربراہ مملکت وزراء، گورنروں اور تمام سرکاری افسروں کو سادہ زندگی گزارنے کا پابند کیا جائے گا۔

۹۔ موجودہ دفتری نظام کو انتہائی سادہ و مؤثر بنایا جائے گا تاکہ کام کو جلد نپٹایا جا سکے۔

*

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ذ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوا ط (سورۃ المائدۃ آیت ۸)

اے ایمان والو کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کو اور محض کسی قوم کی دشمنی کی بنا پر تم ان سے بے انصافی نہ کرو۔

پالیسی برائے قومی امور

امورِ خارجہ

پچھلے بیس سال کے دوران یہ ثابت ہوا ہے کہ مسلم ممالک مستقبل میں اقوامِ عالم کی برادری میں ایک موثر سیاسی و اقتصادی قوت بن کر ابھر سکتے ہیں ان کے پاس دنیا کے تیل کے پچاس فیصد ذخائر محفوظ ہیں اور تیل وہ توانائی ہے جس کی دنیا کو اس وقت اشد ضرورت ہے، دوسرے مسلم ممالک کے پاس بے پناہ افرادی قوت موجود ہے۔ ان میں سے بہت سے ممالک جغرافیائی لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں۔ اجتماعی حیثیت میں یہ مسلم ممالک مغرب کے ترقی یافتہ یا نوآبادیاتی تسلط سے نئی آزادی حاصل کرنے والے ملکوں کے درمیان ایک نمایاں حیثیت حاصل کر سکتے ہیں۔

مسلم ممالک بھی ماضی میں نوآبادیاتی حکمرانوں کے ہاتھوں اُسی طرح استحصال کا نشانہ بنے جس طرح نوآبادیاتی تسلط کے شکار دوسرے ممالک، مگر ان کے مذہبی اور ثقافتی ورثے نے انہیں سامراجی قوتوں کی ذہنی غلامی قبول کرنے سے بچائے رکھا۔ مسلم ممالک ایک گروپ کے طور پر بڑی طاقتوں کے درمیان رسہ کشی میں توازن برقرار رکھنے والا عنصر اور یوں عالمی کشیدگی میں کمی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ مسلم ممالک لوٹ کھسوٹ کا شکار بننے والے تیسری دنیا کے ممالک کے لئے مادی اور روحانی قوت کا ذریعہ بھی ہیں۔ ان ممالک کے ساتھ ان کے قریبی تاریخی ثقافتی اور جغرافیائی تعلقات قائم ہیں۔ دنیا کے امن اور تیسری دنیا کے عوام کے حقوق کی حفاظت کے لئے بے حد اہمیت رکھنے والی قوت کو مکمل ترقی دینا تحریکِ استقلال کی خارجہ پالیسی کا بنیادی نقطہ ہے۔

اس لئے تحریکِ استقلال کا یہ عزم ہے کہ

۱۔ مسلم ممالک کے ساتھ انتہائی قریبی تعلقات کو فروغ دیا جائے گا اور ان کے ساتھ مؤثر تعاون کیا جائے گا۔

۲۔ بنگلہ دیش کے ساتھ اس انداز سے سیاسی اور اقتصادی رشتے استوار کیے جائیں گے کہ مستقبل میں دونوں ممالک کی ایک کنفیڈریشن قائم کی جا سکے۔

۳۔ جموں وکشمیر کے عوام کے حقِ خودارادیت کے حصول کی جدوجہد کی جائے گی۔

۴۔ فلسطینی بھائیوں کو آزادی کی جدوجہد میں کھلے دل کے ساتھ مادی اور اخلاقی مدد دی جائے گی۔

۵۔ تیسری دنیا کے عوام جو نوآبادیاتی قوتوں کی حاکمیت اور ان کے اقتصادی تسلط سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کی مدد کی جائے گی۔

۶۔ تمام بین الاقوامی معاہدوں کو پاکستان کے بہترین مفاد میں بنانے کے لئے اُن پر نظرثانی کی جائے گی۔

۷۔ وزارت خارجہ امور بیرونی سفارتخانوں کے ڈھانچے، عملے اور طریق کار میں انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں گی۔

۸۔ وزارتِ امورکشمیر کو ختم کر دیا جائے گا کیونکہ یہ آزاد جموں وکشمیر کے نظم ونسق میں بے جا مداخلت کے سوا کچھ نہیں کرتی۔

*

دفاع

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں کے تجربات نے دفاعی ڈھانچے کے تصور کو یکسر بدل دینے کی اہمیت واضح کر دی ہے۔ پاکستان کی دفاعی قوت کا زیادہ تر انحصار ملکی وسائل پر ہونا چاہیئے۔ غیر ملکی ذرائع پر موجودہ انحصار غیر مناسب ہے اور اس میں خوفناک خطرہ پوشیدہ ہے اس لئے اس صورت حال کو بدلنا نہایت ضروری ہے۔

اس کے مدِنظر ہم مندرجہ ذیل پالیسی اختیار کریں گے۔

۱۔ افواج پاکستان کو نئے سرے سے منظم کیا جائے گا اور انہیں قومی دفاع کے تقاضے زیادہ مؤثر طور پر پورے کرنے کے لئے مضبوط بنایا جائے گا۔ یہ کام اس انداز میں کیا جائے گا کہ قومی خزانے پر آج کی نسبت کم بوجھ پڑے، اسلحہ کی سپلائی کے لئے غیر ملکی ذرائع پر انحصار کم کیا جائے گا۔

۲۔ تمام غیر ضروری اخراجات ختم کر دیئے جائیں گے۔ فوج کے اس حصّے کو جو میدان جنگ میں استعمال ہوتا ہے کی جنگی قوت کو زیادہ مؤثر بنایا جائے گا۔ ملک کے تمام حصوں، خصوصاً سندھ اور بلوچستان کے عوام کی قومی دفاع میں شرکت کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ قوم کی افرادی قوت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا۔

۳۔ بلوچستان میں ایک کیڈٹ کالج قائم کیا جائے گا۔

۴۔ بچت کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک کے تمام صوبوں میں دفاعی پیداوار کی صلاحیت پیدا کی جائے گی۔

۵۔ افواج پاکستان کو ملک کی تعمیری اور قومی پیدا وار کے کاموں میں استعمال کیا جائے گا تاکہ قوم پر مالی بوجھ کم کیا جا سکے افواجِ پاکستان کے نوآبادیاتی ڈھانچے کو قومی کردار میں بدل دیا جائے گا جس کی بدولت مسلح افواج ملک کی تعمیر و ترقی میں بھرپور کردار ادا کر سکیں گی۔

تعلیم

اَلْعِلْمُ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے

پاکستان میں تعلیم کا موجودہ نظام وہی ہے، جسے برطانوی حکمرانوں نے اس مقصد کے لئے ترتیب دیا تھا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی راج کے لئے کلرک پیدا کر سکیں۔ تعلیمی اداروں میں پرائمری سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم کا معیار افسوسناک حد تک پست ہے۔ اس نظام تعلیم میں تخلیقی فکر، منتخب مطالعہ اور اختراع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تدریس کو ایک ترقی پسند معاشرے میں نہایت معزز مقام حاصل ہونا چاہیئے مگر ہمارے یہاں اساتذہ کا شمار معاشرے کے سب سے نچلے طبقوں میں ہوتا ہے۔ پرائمری کی سطح تک کے استاد نوجوانوں کے کردار اور تعلیم کی بنیاد رکھتے ہیں مگر ان کی تنخواہ سرکاری افسروں کے گھریلو ملازمین کی تنخواہ سے بھی کم ہے۔ اس غیر تسلی بخش صورت حال کو تبدیل کرنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل اقدامات کریں گے۔

۱۔ اساتذہ کی شرائطِ ملازمت کو بہتر بنایا جائے گا اور ان کی تنخواہیں بڑھائی جائیں گی، ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے ذریعے اساتذہ معاشرے میں اپنا اصل مقام حاصل کر سکیں۔

۲۔ غیر پیداواری اخراجات میں زبردست کمی کر کے بجٹ میں تعلیم کے لئے رقوم بڑھا دی جائیں گی۔

۳۔ تعلیم کے شعبے میں پہلی اہمیت اس بات کو دی جائے گی کہ موجودہ تعلیمی اداروں

کی اہلیت تسلّی بخش سطح تک لائی جائے اور ان میں جو کمی ہے اُسے پورا کیا جائے۔

۴۔ پرائمری اور فنی تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی جائے گی۔

۵۔ بیرونی ملکوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظائف کے پروگرام کو پھیلایا جائے گا تاکہ زیادہ نوجوانوں کو خصوصی علوم حاصل کرنے کا موقع دیا جاسکے۔

۶۔ تعلیم مکمل کرلینے کے بعد ملازمتوں کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر کیا جائے گا البتہ غریب خاندانوں کے بچوں کو ترجیح دی جائے گی۔

۷۔ تعلیم کی بنیاد اسلام کی اُن روحانی، تاریخی، معاشرتی، ثقافتی اور اخلاقی قدروں پر رکھی جائے گی، جو فرد کے کردار اور شخصیت کی تعمیر میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

۸۔ جن مساجد میں پرائمری تعلیم دینے کا بندوبست ہے ان کے خطیبوں کو خواندگی کے پروگرام میں حصّہ لینے کی بنیاد پر معاوضہ دیا جائے گا۔

۹۔ تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نصابِ تعلیم کو بہتر بنایا جائے گا تاکہ نہ صرف تعلیم کا معیار بلند ہو بلکہ خصوصی رجحان رکھنے والے طلباء کی حوصلہ افزائی ہو۔

۱۰۔ خواتین کے لئے مزید کالج قائم کیے جائیں گے۔

۱۱۔ غریب بچوں کو اہلیت اور موزونیت کی بنیاد پر بہترین فنی اور غیر فنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدد دی جائے گی۔

۱۲۔ تعلیمی اداروں میں موجودہ سہولتوں کو بہتر بنایا جائے گا۔ اور ان میں زیادہ طلبأ وطالبات کے داخلے کا انتظام کیا جائے گا۔

۱۳۔ صنعتی اداروں کو اس امر کا پابند بنایا جائے گا کہ وہ اپرنٹس ٹریننگ کے پروگرام شروع کریں۔

۱۴۔ زرعی اور صنعتی کارکنوں کی مہارت میں اضافہ کے لئے خصوصی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۱۵۔ یونیورسٹیاں خود مختار ہوں گی اور انہیں تعلیمی اور انتظامی امور میں آزادی حاصل ہو گی۔

۱۶۔ تعلیمی اداروں کی مناسب دیکھ بھال، طلباء کے والدین اور اساتذہ کے درمیان رابطہ اور تعاون پیدا کرنے کے لئے سکولوں اور کالجوں کو "حلقہ اسمبلیوں" کی ذمہ داری بنا دیا جائے گا۔

۱۷۔ نصابِ تعلیم کو معیاری بنایا جائے گا۔ ریڈیو اور ٹی وی کو وسیع انقلابی بنیادوں پر تعلیم کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

*

صحت

دو چیزوں کی قدر اس وقت تک نہیں ہوتی جب
تک وہ کھونہ جائیں۔ شباب اور تندرستی

پاکستان کا شمار دنیا کے ان ملکوں میں ہوتا ہے جن میں عمر کی شرح سب سے کم ہے اور صحت وصفائی کی حالت بدترین ہے یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جو قدرتی دولت سے مالا مال ہے اور جس کے باشندے بہترین نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی انتہائی اہم ہے کہ گذشتہ بتیس سالوں کے دوران صحت کا معیار اور میسر خوراک کی مقدار کم ہو گئی ہے۔ دولت کی نامنصفانہ تقسیم اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ غریب تو خوراک کی کمی کی وجہ سے مر جاتے ہیں اور امیر لوگ ان بیماریوں میں مبتلا ہیں جو زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، کم خوراکی کے علاوہ عوام کی خراب صحت کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ پینے کے لئے صاف پانی میسر نہیں ہوتا۔ شہری اور دیہی علاقوں کے بہت بڑے حصے میں پینے کا پانی جراثیم سے آلودہ ہوتا ہے اور بے شمار بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

شہری علاقوں کی غریب آبادیوں اور دیہی علاقوں میں تپ دق انتڑیوں کی بیماریوں اور ملیریا سے اموات کی بھاری شرح کا سبب بھی یہی حالات ہیں۔ آبادیوں میں صفائی کا بندوبست نہیں ہے۔ بیماریوں کی روک تھام کے ناکافی انتظامات نے صورتِ حال کو زیادہ بگاڑ دیا ہے۔ وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی بیماریوں سے جہاں انسانی مسائل میں اضافہ ہوا ہے وہاں ملکی معیشت کو بھی زبردست نقصان

پہنچا ہے۔

ملک میں ہسپتالوں کی شدید کمی ہے۔ پورے ملک کے ہسپتالوں میں بستروں کی مجموعی تعداد چالیس ہزار سے بھی کم ہے۔ ساڑھے سات کروڑ کی آبادی میں رجسٹرڈ ڈاکٹروں کی تعداد تقریباً انیس ہزار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چار ہزار افراد کے لئے صرف ایک ڈاکٹر ہے۔ یہ شرح کم ضرور ہے مگر مایوس کن نہیں۔ پاکستان کے کے جو ڈاکٹر مشرق وسطیٰ، افریقہ یورپ اور شمالی امریکہ جا بسے ہیں۔ ان میں سے بعض کو واپسی پر آمادہ کر کے اور ان ممالک کے لئے ڈاکٹروں کی تربیت ختم کر کے موجودہ صورتِ حال کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

ہم صحت اور سماجی بہبود کے لئے مندرجہ ذیل پالیسی پر عمل کریں گے:

۱۔ بیماریوں کی وجوہات کو ختم کرنے کے لئے صاف پانی اور آبادیوں میں صفائی کی بہتر سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

۲۔ بیرونی ملکوں میں کام کرنے والے ڈاکٹروں کو واپس آنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں کی جائیں گی۔

۳۔ خاص طور پر دیہی علاقوں میں طبی سہولتیں بڑھانے کے لئے میڈیکل لائسنس رکھنے والے افراد کی قابلیت بڑھانے کے واسطے خصوصی کورسز شروع کئے جائیں گے۔

۴۔ نرسوں، مڈوائفوں، ڈسپنسروں اور دوسرے میڈیکل سٹاف کی تربیت کا ہنگامی پروگرام مرتب کیا جائے گا تاکہ عوام کی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے۔

۵۔ دیہی علاقوں میں بنیادی طبی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے "قومی دیہی صحت سکیم" شروع کی جائے گی۔

۶۔ قومی پیمانے پر نیشنل ہیلتھ انشورنس کا پروگرام شروع کیا جائے گا۔

۷۔ قومی صحت کو بہتر بنانے کے لئے حکیموں اور ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا جائے گا۔

۸۔ ہسپتالوں کی سہولتوں کو تیزی کے ساتھ پھیلا دیا جائے گا۔ اور ہسپتالوں کی حالت بہتر بنائی جائے گی۔

۹۔ مچھروں اور مکھیوں کو ختم کرنے کی مہم چلائی جائے گی۔

۱۰۔ "ریبیز" کے خاتمے کے لئے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے تاکہ پاگل کتوں کے کاٹنے کے خطرے سے نجات حاصل ہو سکے۔

۱۱۔ دیہی علاقوں میں طبی سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور شہری علاقوں میں ان سہولتوں کو بہتر بنایا جائے گا۔

رہائش

پاکستان میں رہائش کا مسئلہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس رفتار سے آبادی میں اضافہ ہوا ہے اس رفتار سے غریبوں کے لئے رہائش کا بندوبست نہیں کیا گیا۔ دیہی علاقوں سے لوگ مسلسل شہروں اور قصبوں میں آکر آباد ہو رہے ہیں اس وجہ سے شہروں کے بہت بڑے حصے جھونپڑیوں اور کھولیوں میں بدل گئے ہیں۔ دیہات میں مزارعے دستکار زرعی مزدور اپنی رہائش کو اس وجہ سے بہتر نہیں بنا سکتے کہ زمین کے جس ٹکڑے پر انہوں نے مٹی کی جھونپڑیاں بنا رکھی ہیں وہ ان کی اپنی نہیں۔ غریبوں اور امیروں کی رہائش میں معیار اور رقبے کا بہت بڑا فرق موجود ہے۔

پاکستان پہلے ہی غریبوں کے لئے رہائش کے سلسلے میں بہت پیچھے ہے۔ دوسرے اس صدی کے ختم ہونے تک موجودہ شرح پیدائش کے حساب سے اس کی آبادی دوگنا ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اضافی آبادی کو بسانے کے لئے کراچی جیسے بیس شہروں کے برابر کی آبادی کو رہائشی سہولتیں بہم پہنچانا ہوں گی دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر اس مسئلے کو حل کرنا ہے تو ہمیں ایک زبردست تعمیراتی پروگرام شروع کرنا ہوگا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے سوچ کے انداز میں انقلابی تبدیلی پیدا کرنا لازمی ہے۔ اس سنگین مسئلے کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو عوام کی مصیبتوں میں اضافہ ہو جائے گا یا پھر ایسی مشکلات پیدا ہو جائیں گی جن کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس زبردست مسئلہ کو حل کرنے کی ہمت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو دور اندیش ہیں اور اپنے مقصد کے حصول میں دیانت دار ہیں کہ یہ مسئلہ کامیابی

کے ساتھ صرف اسی صورت حل ہو سکتا ہے، جب عوام کا تعاون حاصل ہو۔ تمام قومی وسائل کو پوری طرح حرکت میں لایا جائے اور غیر پیداواری اخراجات میں زبردست کمی کی جائے۔

تحریکِ استقلال کا نقطۂ نظر ہے کہ پاکستان کا ہر کنبہ رہائش کے لئے ذاتی مکان کا حقدار ہے مگر اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ آبادی کی بہت تھوڑی تعداد وسیع وعریض عالیشان محلات میں رہتی ہے اور آبادی کی بھاری اکثریت یا تو بے گھر ہے یا کھولیوں میں گل سڑ رہی ہے اس صورتِ حال کی اصلاح ضروری ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں گے۔

۱۔ عالی شان سرکاری عمارتوں کی تعمیر روک دی جائے گی۔ تعمیرات کا موجودہ تصوّر بدل جائے گا۔ شہری اور دیہی علاقوں میں بڑے پیمانے پر کم لاگت والی بستیاں بسائی جائیں گی۔

۲۔ عالیشان سرکاری رہائش گاہیں خالی کرا کے عوامی استعمال میں لائی جائیں گی۔

۳۔ دیہی علاقوں میں رہنے والے جن کنبوں کے پاس کہیں بھی مکان نہیں ہے انہیں مالکانہ حقوق کے ساتھ گھر دیئے جائیں گے۔

۴۔ کم آمدنی والے ہر اُس کنبے کو جس کے پاس اپنا گھر نہیں ہے اُسے مکان بنانے کے لئے پلاٹ مہیا کیا جائے گا۔

۵۔ شہروں اور قصبوں میں مکان بنانے کے لئے پلاٹ کے رقبے کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی تاکہ کم وسائل رکھنے والے افراد کے لئے زیادہ زمین اور مالی وسائل میسّر آسکیں۔

۶۔ کچی آبادیوں کے مسائل ہنگامی بنیادوں پر حل کئے جائیں گے ان میں رہنے والوں کو مالکانہ حقوق دے دیئے جائیں گے۔

۷۔ ملک بھر میں بہت بڑے پیمانے پر تمام سہولتوں کے حامل "قصبہ ترقیاتی پروگرام" شروع کیے جائیں گے۔

۸۔ نجی مکانوں کی تعمیر کے لئے رقبہ اور اخراجات پر پابندیاں عائد کی جائیں گی۔

۹۔ سیمنٹ اور لوہے کی کھپت میں بچت کے لئے گارے اور اینٹوں سے تعمیر کیے جانے والے مکانات کے لئے رعائتیں اور ٹیکس میں چھوٹ دی جائے گی۔

۱۰۔ اینٹوں کی قیمت کم کرنے کے لئے بھٹہ کے مالکوں کو کنٹرول نرخ پر کوئلہ مہیا کیا جائے گا۔

*

پبلک ٹرانسپورٹ

پاکستان میں ٹرانسپورٹ کی دستیابی ایک شرمناک تضاد پیش کرتی ہے۔ ایک طرف وہ مٹھی بھر لوگ ہیں جنہوں نے دولت کے انبار اکٹھے کر رکھے ہیں، دوسری طرف وہ لاکھوں عوام ہیں جو آمدورفت کی معمولی سہولتوں سے بھی محروم ہیں۔ ملک میں کاروں کی تعداد دو لاکھ ہے۔ جب کہ بسوں کی کل تعداد پینتیس ہزار ہے مگر ان میں سے تین چوتھائی بسیں سڑکوں پر چلنے کے لائق نہیں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دو لاکھ سے بھی تھوڑے خاندانوں کے لئے دو لاکھ کاریں موجود ہیں مگر ساڑھے سات کروڑ عوام کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے چالو حالت میں صرف پندرہ ہزار بسیں ہیں۔ ریلوے کی صورت حال بھی غریبوں کی ضروریات سے لاپرواہی اور بے تعلقی کی المناک تصویر پیش کرتی ہے، ۱۹۴۷ء کے بعد سے ریل کی پٹڑی میں صرف ۲۶۲ کلومیٹر کا برائے نام اضافہ کیا گیا ہے۔ اور آج ریلوے لائن کی کل لمبائی ۸۸۱۵ کلومیٹر ہے۔ وسائل کی نامناسب تخصیص اور بدانتظامی نے مل کر ریلوے کے پورے نظام کو بے کار بنا دیا ہے۔ پاکستان کے بعض شہروں میں آج بھی سائیکل رکشا چلتے ہیں۔ یہ ماضی کے نوآبادیاتی نظام کی غیر انسانی یادگار ہے۔

غریبوں کی ضروریات سے مجرمانہ چشم پوشی افسر شاہی اور پولیس کی نااہلی اور وسیع پیمانے پر رشوت ستانی نے مل کر پبلک ٹرانسپورٹ کو سخت غیر تسلی بخش بنا دیا ہے۔ روزانہ بکثرت حادثوں میں قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور قومی وسائل کو بے حساب نقصان پہنچتا ہے۔

کراچی کی بندرگاہ میں کارکردگی کی نا اہلی اور بھیڑ بھاڑ کا یہ عالم ہے کہ جہازوں کا مال اُتارنے کے لئے چار چار ماہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس تاخیر کا حکومت کو بھاری خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۷ء کے درمیانی عرصہ میں لادے یا اتارے جانے والے سامان کا وزن ایک کروڑ پانچ لاکھ بارہ ہزار تین سو ٹن سے گھٹ کر ۹۵ لاکھ نوے ہزار ٹن رہ گیا ہے۔

روڈ ٹرانسپورٹ، ریلوے اور بندرگاہ کی ابتر حالت کے باعث عام باشندوں کو آمدورفت میں زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے ملکی ترقی اور پورے معاشرتی ڈھانچہ کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ تحریک استقلال نے پبلک ٹرانسپورٹ کو بہتر بنانے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۔ روڈ ٹرانسپورٹ کے تمام شعبوں میں نجی سرمایہ کاروں کو حصہ لینے اور سرکاری ٹرانسپورٹ کا مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کو چنے ہوئے روٹوں پر اجارہ نہیں دیا جائے گا بلکہ اسے تمام روٹوں پر عام کاروباری انداز میں پرائیویٹ کمپنیوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

۲۔ قومی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی مقدار میں بسوں اور ٹرکوں کے چیسس درآمد کئے جائیں گے۔

۳۔ شہروں میں ٹرانسپورٹ کے نظام کو ترجیحی بنیاد پر دوبارہ مرتب کیا جائے گا۔ پرائیویٹ ٹرانسپورٹ کمپنیوں کو شہری علاقوں میں بسیں چلانے کی سہولتیں دی جائیں گی۔ منتخب راستوں پر مسافروں کی گنجائش دوگنی کرنے کے لئے بسوں کے سائز کے بے انجن ٹریلر چلائے جائیں گے۔

۴۔ سرکاری افسروں کے لئے ٹاٹھ دار کاروں کا استعمال ممنوع قرار دے دیا جائے گا۔ اور ایسی تمام کاروں کو نیلام کر کے پبلک ٹرانسپورٹ کی سہولت میں اضافہ

کیا جائے گا۔

۵۔ ریلوے کے نظام کو از سر نو منظم کیا جائے گا۔ اور جدید سطح پر لایا جائے گا۔ ریلوے لائن کی لمبائی بار برداری اور مسافروں کی گنجائش میں اضافہ کیا جائے گا۔

۶۔ کراچی سے پشاور تک ریل کی ساری پٹڑی ڈبل کر دی جائے گی۔

۷۔ انڈس ہائی وے پراجیکٹ کو ترجیح دی جائے گی۔

۸۔ مزید بندرگاہوں کی تعمیر اور انہیں ریل اور سڑک سے ملانے کا کام تیز کر دیا جائے گا۔

۹۔ موٹر سائیکل، سکوٹر اور سائیکل اور ان کے پُرزے بنانے کے لئے صنعتیں قائم قائم کی جائیں گی۔ عوام بلا منافع بنیاد پر سائیکل مہیا کیے جائیں گے۔

۱۰۔ ٹیکسیاں، رکشے اور تانگے چلانے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ کوئی انہیں ہراساں نہ کرے، اور وہ محنت کا جائز منافع حاصل کر سکیں۔

۱۱۔ ۳۰ جون ۱۹۷۰ء تک رجسٹرڈ کیے گئے سائیکل رکشاؤں کی جگہ موٹر سائیکل رکشا دیئے جائیں گے اور ان کی قیمت آمدنی میں سے آسان قسطوں میں وصول کی جائے گی۔

۱۲۔ شاہراہوں سے تمام رکاوٹیں ہٹا دی جائیں گی۔

۱۳۔ پبلک روڈ ٹرانسپورٹ اور ریل کے ذریعے سفر کرنے والی خواتین کے لئے سہولتوں کو بہتر بنایا جائے گا اور ان میں اضافہ کیا جائے گا۔

۱۴۔ مسافروں کی سہولت کے لئے ملک بھر میں سرائے کی قسم کے سستے اور ستھرے ہوٹلوں کا جال پھیلا دیا جائے گا۔

*

پریس، ریڈیو، ٹیلی ویژن

تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جن معاشروں میں سوچنے کی آزادی، ضمیر کی آزادی اور رائے ظاہر کرنے کی آزادی چھین لی جاتی ہے ان معاشروں کو زوال آجاتا ہے اور وہ نئی زندگی حاصل کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔

۱۹۵۸ء کے بعد برسراقتدار آنے والی ہر حکومت نے ذہنی اور سیاسی آزادی کو دبانے یا اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کی ہے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ ان ہتھکنڈوں کے ذریعے نکتہ چینی اور شکایات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اس کھلے مغالطے نے قومی زندگی کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ زندہ اور قوت عمل رکھنے والا کوئی معاشرہ صرف ایک ہی راہ اختیار کر سکتا ہے۔ یعنی وہ راہ جس میں افراد کو آزاد سیاسی اور ذہنی فضا میں اپنی ذہنی قوتوں کو چمکانے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔

وفاقی وزارت اطلاعات کو اخباروں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو لگام دینے، عوام کو گمراہ کرنے اور برسراقتدار شخص کی شخصیت کو ابھارنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ وزارتِ اطلاعات نے حاکم وقت یا اس کی حکومت کے پیکر کو تو کیا ابھارنا تھا البتہ اس کا اعتبار گنوادیا۔ وزارتِ اطلاعات جوں جوں کوشش کرتی گئی توں توں ہمارے حکمرانوں کی ساکھ تباہ ہوتی گئی۔ لہٰذا تحریکِ استقلال نے فیصلہ کیا ہے کہ:۔

۱۔ وفاقی وزارت اطلاعات کو ختم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قومی خزانے پر غیر ضروری بوجھ بن گئی ہے اور اس سے قومی مفادات کو فائدہ نہیں پہنچا۔

۲۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کو ختم کر دیا جائے گا۔

۳۔ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس منسوخ کر دیا جائے گا۔

۴۔ حقیقی معنوں میں پریس کی آزادی کو یقینی بنایا جائے گا تاکہ یہ فرد کی آزادی کی حفاظت اور رائے عامہ کی عکاسی کر سکے۔

۵۔ اخباری کاغذ کے حصول پر عائد تمام پابندیاں ہٹا دی جائیں گی اور تمام پبلشر اخبارات اور رسائل اخباری کاغذ حاصل کر سکیں گے۔

۶۔ سرکاری اشتہارات مساویانہ طور پر تقسیم کئے جائیں گے۔

۷۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو سیاسی مداخلت سے آزاد کر دیا جائے گا۔ اور ان کے خود مختارانہ کردار کو یقینی بنایا جائے گا۔

۸۔ صحافت کے میدان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے مواقع مہیا کیے جائیں گے اور اس مقصد کے لئے مراکز قائم کیے جائیں گے۔

*

بیرونی ممالک میں مقیم پاکستانی

بیرونی ملکوں میں مقیم پاکستانی باشندوں نے جن ممالک میں عارضی رہائش اختیار کر رکھی ہے۔ وہاں انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔ عام طور پر ان سے تفریق برتی جاتی ہے۔ وہ وطن کو جو زرمبادلہ بھیجتے ہیں اسے بڑی محنت اور بے شمار مصیبتوں کا مقابلہ کر کے کماتے ہیں اس میں انہیں اپنے ملک کے سفارتخانوں سے کوئی مدد یا ہمدردی نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے تو برائے نام۔

جب وہ وطن لوٹتے ہیں تو کسٹم، امیگریشن، انکم ٹیکس اور پولیس کے اہلکار انہیں ہراساں انہیں اپنی بچت کو پاکستان کے پیداواری اداروں میں لگانے کے لئے کوئی مدد اور سہولت نہیں دی جاتی۔ ترقی سے متعلق ملکی امور میں ان کی آواز سنی نہیں جاتی حالانکہ ملک کی ترقی میں یہ لوگ اہم حصہ لے رہے ہیں، لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ:

۱۔ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے مفاد کی دیکھ بھال کے لئے ایک الگ وزارت قائم کی جائے گی۔

۲۔ جن ملکوں میں پاکستانی باشندے آباد ہیں ان میں ایسے دفاتر کھولے جائیں گے جو افسر شاہی کے کنٹرول سے آزاد ہوں گے۔ یہ دفاتر اپنے ملک کے ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لئے پاکستانیوں کی رہنمائی کریں گے۔

۳۔ پاکستان کے اندر بھی ایسے انتظامات کئے جائیں گے کہ بیرونی ممالک میں مقیم پاکستانی اپنے کمائے ہوئے زرمبادلہ کو نفع بخش منصوبوں میں لگا سکیں۔ انہیں حق دیا جائے گا کہ وہ جو زرمبادلہ وطن کو بھیجتے ہیں اسے ملک کے اندر

اپنی پسند کی صنعتوں میں لگا سکیں۔ اس پالیسی کی بدولت قیمتوں کو گھٹانے اور روزگار کے مواقع بڑھانے میں مدد ملے گی۔

۴۔ اس امر کو یقینی بنایا جائے گا کہ امیگریشن کسٹمز اور دوسرے محکموں کے اہل کار باہر سے آنے والے پاکستانیوں کا احترام کریں اور ان کے مسائل پر پوری توجہ دیں۔

۵۔ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کو ووٹ کا حق دیا جائے گا۔ اسے ممکن بنانے کے لئے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے۔

*

اقتصادی پالیسی

قومی دولت اور سرکاری اخراجات

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝

(سُورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۷)

بے شک بے جا اڑانے والا فضول خرچ شیطانوں کا بھائی ہے اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے

پاکستان کا شمار دُنیا کے ان بیس ملکوں میں ہوتا ہے جن کی فی کس سالانہ آمدنی ایک ہزار سات سو روپے سے کم ہے۔ مگر اس قومی دولت میں سے سرکاری اخراجات کے لحاظ سے پاکستان کا شمار دنیا کے چند نہایت خرچیلے ملکوں میں ہوتا ہے۔ بمثال کے طور پر حکومت جاپان اپنی ملکی دولت کا صرف دس فیصد حصّہ انتظامیہ پر خرچ کرتی ہے مگر پاکستان اپنی ملکی دولت کا پینتیس فیصد حصّہ انتظامیہ پر خرچ کر رہا ہے۔ اس وحشیانہ فضول خرچی اور بے کار اخراجات کو پورا کرنے کے لئے عوام کی کمائی پر جو ٹیکس لگائے گئے ہیں ان کی تناسبی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ ۱۹۷۰-۷۱ء میں جب پاکستان متحد تھا تو وفاقی حکومت کے انتظامی اخراجات پانچ ارب پچھتر کروڑ (۵۷۵ کروڑ) روپے تھے۔ مگر اس سال انتظامیہ پر خرچ کی جانے والی رقم انتیس ارب چوّن کروڑ (۲۹۵۴ کروڑ) روپے تھی۔ اس وجہ سے عوام پر عائد ٹیکسوں کی شرح پریشان کُن حد تک بڑھا دی گئی ہے۔

اس طرح برسرِ اقتدار اور دولت مند طبقے اپنی فضول خرچیوں سے ملکی دولت کو ناقابلِ معافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ امیروں نے زندگی کا جو شاہانہ انداز اپنایا ہے اور جس بے دردی کے ساتھ قومی وسائل کو تباہ کر رہے ہیں۔ حالیہ برسوں

میں اس کے بُرے اثرات پورے معاشرہ میں پھیل گئے ہیں اور زندگی کے غلط اور جھوٹے معیار قائم ہو گئے ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جس کے باشندوں کی اکثریت جسم اور جان کا رشتہ برقرار رکھنے کو تڑپ رہی ہو۔ وہاں فالتو دولت اور وسائل کو شاہانہ زندگی بڑی عمارتوں ٹھاٹھ دار کاروں، قیمتی کپڑوں اور آرائش وزیبائش پر برباد کیا جارہا ہے۔ اس سے نمائش پسندی کو ہوا ملی ہے، اور یہی چیز بدعنوانیوں میں بے تحاشا اضافے کا موجب بنی ہے۔ معاشرہ کے سب سے نچلے طبقوں کی بدعنوانی بعض اوقات زندگی برقرار رکھنے کے لئے ہوتی ہے، مگر اونچے طبقوں میں بدعنوانی کا عام سبب مصنوعی معیار زندگی اختیار کرنے کی خواہش ہے۔ پاکستان کے اقتصادی حالات اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے۔

ان غیر پیداواری اور فضول اخراجات نے غیر ملکی قرضوں کو آٹھ سو اسی ارب (۸۰ بلین) روپے تک پہنچا دیا ہے۔ یہی بے رحمانہ فضول خرچی ملکی ترقی کو روکنے، بدعنوانیوں اور بیروزگاری میں اضافہ اور افرادی قوت کے ملک سے نکل جانے کی ذمہ دار ہے۔ مہنگائی اور عام آدمی کی غربت بھی اسی صورت حال کا نتیجہ ہے۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے تحریک استقلال مندرجہ ذیل اقدامات کرے گی۔

۱۔ حکومت کے غیر پیداواری اخراجات میں زبردست کمی کر دی جائے گی۔

۲۔ ٹیکسوں میں کمی کی جائے گی۔ اس طرح عوام کے پاس جو زیادہ وسائل بچ جائیں گے انہیں وہ پیداوار بڑھانے اور اپنی آمدنی میں اضافہ کے لئے استعمال کر سکیں گے۔

۳۔ مکان تعمیر کرنے کے لئے بعض حدود مقرر کر دی جائیں گی۔ شان وشوکت

والے اور بڑے مکانوں پر ٹیکس لگا دیا جائے گا۔ مکان جتنا بڑا ہوگا اس پر ٹیکس بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

۴۔ بے فائدہ یعنی غیر پیداواری نجی جائیداد پر پابندیاں عائد کی جائیں گی۔

۵۔ سامان تعیش کی درآمد پر پابندی لگا دی جائے گی۔

۶۔ صنعت اور زراعت میں سرمایہ کاری پر ٹیکس کم کر دیئے جائیں گے۔

۷۔ محصول چونگی کو ختم کر دیا جائے گا کیونکہ یہ چیز عوام کی پریشانی اور خوف وہراس پھیلانے کا سبب ہے۔ علاوہ ازیں اس سے میونسپل اداروں کو زیادہ آمدنی بھی نہیں ہوتی۔ جس کا اندازہ بائیس کروڑ روپے سالانہ لگایا گیا ہے۔ محصول چونگی کے خاتمہ سے میونسپل اداروں کو جو نقصان ہوگا اسے حکومت پورا کرے گی۔

*

صنعتی پالیسی

صنعتوں کو دھڑا دھڑ قومی ملکیت میں لینے کے عمل نے پاکستان کی ترقی کی رفتار اور پیداواری صلاحیتوں کو زبردست نقصان پہنچایا ہے جس ملک میں افسر شاہی کی قابلیت اور کارکردگی کا معیار بہت گرا ہوا ہو اور رشوت ستانی انتہائی عروج پر ہو، وہاں صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کا لازمی نتیجہ کم پیداوار، زیادہ لاگت، بڑھتی ہوئی قیمتیں اور وسیع تر بدعنوانی ہی ہو سکتا ہے۔ اس طرح قومی خوشحالی میں اضافے کی بجائے بدحالی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ماضی میں بلا سوچے سمجھے قومیانے کی پالیسی کی وجہ سے وہ صنعتیں جو نجی ملکیت میں منافع کما رہی تھیں۔ حکومت کو ٹیکس ادا کرتی تھیں۔ اور قومی بچت میں اضافے کا باعث تھیں اب وہی صنعتیں افسر شاہی کے انتظام میں آنے کے بعد نقصان میں جا رہی ہیں اور قومی خزانے پر بوجھ بن چکی ہیں۔ حکومت ایسی صورتحال میں اپنی اجارہ دارانہ حیثیت کو استعمال کرتے ہوئے قیمتوں میں تیزی سے اضافہ کرتی رہی اور اس طرح قومی ملکیت میں لی گئی صنعتوں کی انتظامیہ کی نااہلی کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑا۔

دوسری طرف صنعتوں کو اندھا دھند قومی ملکیت میں دینے سے بے یقینی اور عدم تحفظ کی ایسی صورت حال پیدا ہوئی جس میں سرمایہ کاری رُک گئی اور پہلے سے لگی ہوئی صنعتوں میں سے سرمایہ نکال کر بیرونی ملکوں میں پہنچانے کا رجحان زور پکڑ گیا۔ سرمایہ کاروں نے روپیہ صنعتوں میں لگانے کی بجائے تجارت میں لگانا شروع کر

دیا۔ جس کے نتیجے میں صنعتی ترقی رک گئی اور اشیائے صرف کی قلت پیدا ہو گئی قیمتیں بڑھتی رہیں اور درآمدات میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

ہم مندرجہ ذیل پالیسیوں کو ملک اور صارفین کے بہترین مفاد میں سمجھتے ہیں۔

۱۔ دفاعی صنعتیں، بجلی، فولاد، ریل، ہوائی کمپنی، جہاز سازی، بھاری کیمیکلز، ٹریکٹر، وہیکلز، پیٹرو کیمیکلز، ایندھن اور توانائی کے جو کارخانے پہلے سے قومی ملکیت میں ہیں انہیں جوں کا توں رہنے دیا جائے گا۔ ان صنعتوں کے بعض شعبوں میں نجی سرمایہ کاری کی اجازت دے دی جائے گی۔

۲۔ سرکاری شعبوں میں ہر صنعت کی سالانہ بیلنس شیٹ اور رپورٹیں عوام کو مہیا کی جائیں گی اور انہیں متعلقہ اسمبلیوں میں زیر بحث لایا جائے گا۔

۳۔ اقتصادی فیصلوں کے لئے مرکزیت کے نظام کو ختم کر دیا جائے گا اور فیصلوں میں وزارتی عمل دخل کی بجائے صنعت کاروں اور صنعت سے متعلق دوسرے افراد کو فیصلے کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

۴۔ صنعتیں قائم کرنے کے بارے میں سرکاری معلومات، منصوبوں، پالیسیوں اور فیصلوں کو عوام کے لئے قابل حصول بنانے کی گنجائش پیدا کی جائے گی۔

۵۔ طیارے، بحری جہاز، جیپیں، ٹرک، بسیں، الیکٹرانک آلات فوجی اور دوسری گاڑیاں ملک میں تیار کی جائیں گی۔

۶۔ تمام بنکوں اور مالیاتی اداروں کو اس امر کا پابند کر دیا جائے گا کہ وہ عوام کی طرف سے دی گئی قرضوں کی درخواستوں کا قطعی فیصلہ متعلقہ صوبے کے اندر ہی کریں۔

۷۔ صنعتیں قائم کرنے اور سرمایہ لگانے کے لئے حکومت سے کسی اجازت نامے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

۸۔ نجی اور سرکاری صنعتی اداروں کے مینجنگ بورڈز میں کارکنوں کو نمائندگی دی جائے گی۔

۹۔ نجی اور سرکاری صنعتوں کے منافع کو مندرجہ ذیل تین حصّوں میں تقسیم کر دیا جائیگا

(الف) دوبارہ سرمایہ کاری کے لئے حصّہ

(ب) مالک کا حصّہ

(ج) مزدوروں کا حصّہ

۱۰۔ کاریگر بنک قائم کیے جائیں گے۔ ان کی شاخیں دیہاتوں میں کھولی جائیں گی تاکہ کاریگروں اور ہنرمندوں کو آسان قسطوں پر قرضے دیئے جا سکیں۔

۱۱۔ دیہی علاقوں میں ہنر اور دست کاریوں کے تربیتی مراکز قائم کیے جائیں گے۔

۱۲۔ دست کاروں اور کاریگروں کو امداد باہمی کی بنیاد پر انجمنیں قائم کرنے کے سلسلہ میں حوصلہ افزائی اور مدد دی جائے گی۔

۱۳۔ دست کاروں اور کاریگروں کو اپنی تنظیمیں قائم کرنے میں مدد دی جائے گی تاکہ وہ اپنے پیشہ دارانہ مفادات کی حفاظت کر سکیں۔

*

محنت (لیبر)

صنعت کار اور مزدور کے درمیان موجودہ کشیدگی اس دولت کی نا منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے، جو صنعت کار کی سرمایہ کاری اور مزدور کی محنت سے پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تضاد اس وقت مزید واضح ہو جاتا جب ایک طرف بڑے صنعت کار اور اعلیٰ منتظمین شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور دوسری طرف مزدور غربت و افلاس میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ تحریک استقلال کی پالیسی کا بنیادی نقطہ نظر یہ ہو گا کہ پیداوار بڑھائی جائے، دولت کی نا منصفانہ تقسیم ختم کی جائے اور قومی دولت کو شاہانہ زندگی گزارنے پر ضائع کرنے کا سلسلہ روک جائے۔

تحریک استقلال ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے، جس میں فضول خرچی اور دولت کی نا منصفانہ تقسیم کو ختم کر دیا جائے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے درج ذیل پالیسی پر عمل کیا جائے گا۔

۱۔ نجی اور سرکاری کارخانوں اور اداروں کو چلانے والے انتظامی بورڈز میں کارکنوں کو نمائندگی دی جائے گی۔

۲۔ نجی اور سرکاری شعبوں میں قائم صنعتوں کے منافع کو تین فنڈز میں تقسیم کر دیا جائیگا۔

(الف) دوبارہ سرمایہ کاری کا فنڈ

(ب) مالک کا فنڈ

(ج) مزدور کا فنڈ

۳۔ تمام صنعتوں میں مزدوروں کی محنت سے جو نفع حاصل ہو گا اس میں مالک کے ساتھ

مزدوروں کو بھی حصّہ دیا جائے گا۔

۴۔ مزدوروں پر عائد تمام جابرانہ قوانین ختم کر دیئے جائیں گے۔ ٹریڈ یونینز ایکٹ اور متعلقہ ضابطوں میں ترمیم کر کے انہیں عالمی ادارہ محنت (آئی۔ ایل۔ او) کے کنونشن کی ان دفعات کے مطابق بنایا جائے گا جن پر پاکستان نے دستخط کر رکھے ہیں۔

۵۔ ٹریڈ یونینوں کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

۶۔ پیداوار کو ایک مقررہ حد سے اوپر لے جانے پر مزدوروں کو حوصلہ افزائی کے خصوصی بونس دیئے جائیں گے۔

۷۔ مزدوروں کو ان کے کارخانوں کے نزدیک رہائش مہیّا کی جائے گی۔

۸۔ مزدوروں کو بڑھاپے میں پینشن دی جائے گی اور کام کے دوران معذور ہو جانے پر معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

۹۔ بیماری میں علاج معالجہ اور موت کی صورت میں بیوہ اور یتیموں کی دیکھ بھال کے انتظامات کئے جائیں گے۔

۱۰۔ یومیہ اُجرت یا ٹھیکے پر کام کرنے والے ہر قسم کے مزدوروں کے حقوق کو تحفظ دیا جائے گا۔ ایجنٹوں یا دلالوں کی طرف سے کی جانے والی لوٹ کھسوٹ کو ختم کر دیا جائے گا۔

۱۱۔ مزدوروں کو اس بات کے مواقع دیئے جائیں گے کہ وہ جن اداروں میں کام کرتے ہیں ان کے حصص خرید سکیں اور ان کے انتظام میں شریک ہو کر زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کریں تاکہ دستیاب وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۱۲۔ تمام نجی اور سرکاری کارخانوں میں کام کرنے والی عورتوں کو وہ ساری سہولتیں دی جائیں گی جن کی وہ عالمی ادارہ محنت (آئی۔ ایل۔ او) کے کنونشن کے تحت حقدار ہیں۔

۱۳۔ بچّوں کے لئے خصوصاً ملازمت کرنے والی خواتین کے بچّوں کے لئے نرسریاں قائم کی جائیں گی۔

زمین اور زراعت

پاکستان کے کاشت کار کو صدیوں سے لوٹا اور ظلم وستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ انہیں ان کی محنت کے پھل سے محروم رکھا جاتا ہے بلکہ اکثر اوقات غلاموں کے درجہ تک گرا دیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں سالہا سال سے سیاسی قوت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہے وہ ان لاکھوں کروڑوں غریب عوام کو دبا کر رکھتے آئے ہیں۔ جن کی زندگی اور خوشی براہ راست "زمین اور زراعت" کے حالات پر منحصر ہے۔

تحریک استقلال نے معاشرہ کے اس اہم شعبہ میں لوٹ کھسوٹ کو ختم کر دینے کے لئے فیصلہ کیا ہے کہ:۔

۱۔ "زمین اس کی ہے، جو اس پر محنت کرتا ہے" اس بنیادی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں گی۔

۲۔ ملکیت کی موجودہ حد آٹھ ہزار پیداواری یونٹ فی کس کی حد کو گھٹا کر ایک ہزار سات سو پچاس یونٹ کر دیا جائے گا۔ (تقریباً پچیس ایکڑ) اس پر عمل کرتے ہوئے جو زمین حاصل ہوگی اس کا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

۳۔ زمینداروں سے حاصل کی گئی زمین کے علاوہ ایسی تنظیموں اور اداروں کی زمین بھی جو زرعی پیداوار کے عمل میں حصہ نہیں لیتے، بے زمین مزارعوں اور کھیت مزدوروں میں بانٹ دی جائے گی۔

۴۔ ایسی قابل کاشت اراضی جسے تین سال سے غیر مزروعہ رکھا گیا ہوگا اسے بے زمین

کسانوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

۵۔ سرکاری اراضی کا وسیع وعریض فالتو رقبہ بے زمین کسانوں کو بانٹ دیا جائے گا۔

۶۔ سرکار اور اوقاف کی جو اراضی عملاً بڑے زمینداروں کے قبضہ میں ہے، اسے چھڑا کر بے زمین کسانوں میں بانٹ دیا جائے گا تاکہ وہ اس میں کاشتکاری کر سکیں۔

۷۔ دیہات میں رہنے والے جن لوگوں کے پاس نہ تو مکان ہے اور نہ ہی کوئی پلاٹ ہے انہیں رہائشی پلاٹ مفت دیئے جائیں گے۔

۸۔ مزارعوں کی غیر قانونی بے دخلی کی قطعاً اجازت نہیں دی جائے گی۔

۹۔ کسانوں کو ان کی پیداوار کی مناسب قیمت ملنے کی ضمانت دی جائے گی۔

۱۰۔ زراعت کے شعبہ میں سرکاری سرمایہ کاری میں اضافہ کر دیا جائے گا تاکہ کاشتکاروں کو مشینیں، ٹریکٹر، زرعی آلات، کھادیں اور بیج رعائتی قیمت پر بہم پہنچائے جا سکیں۔

۱۱۔ ایسی صنعتوں کے قیام اور فروغ کو بہت زیادہ ترجیح دی جائے گی جن سے زراعت کو مدد ملتی ہے۔ ملک میں ٹریکٹر سازی تین سال کے اندر شروع کر دی جائے گی۔

۱۲۔ جب تک ملک میں ٹریکٹر بنانا شروع نہیں کر دیا جاتا تب تک ٹریکٹروں کی درآمد پر ڈیوٹی ختم کر دی جائے گی۔

۱۳۔ کسانوں کو مالی امداد دینے کے لئے کافی مقدار میں رقوم مخصوص کی جائیں گی۔

۱۴۔ چھوٹے زمینداروں کی کواپریٹو بنانے پر حوصلہ افزائی کی جائے گی اور اس سلسلے میں خصوصی مدد کی جائے گی۔

۱۵۔ آبپاشی کے نظام میں توسیع کی جائے گی۔ موجودہ نظام کو از سرِ نو ترتیب دیا جائے گا اور اسے بہتر بنایا جائے گا۔

۱۶۔ آبپاشی کے نظام کے "کاریز" میں توسیع کی جائے گی اور اسے بہتر بنایا جائے گا۔

*

دیہی ترقی

اگرچہ پاکستان کی ستر فیصد سے زیادہ آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے، مگر حکومت کے سالانہ ترقیاتی اخراجات کا تیس فیصد سے بھی کم حصہ دیہی علاقوں پر صرف کیا جاتا ہے۔ اس غفلت کے باعث دیہی علاقوں کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ منصوبہ بندی اور ترقیات میں اس عدم توازن کو ختم کرنے اور دیہی علاقوں کا معیار زندگی بہتر بنانے کو اولین ترجیح دینا ضروری ہے۔ اس کی بدولت دیہی علاقوں سے بڑے شہروں کی طرف نقل مکانی کی شرح بھی کم ہو جائے گی۔ اس نقل مکانی کی وجہ سے بڑے شہر جھونپڑیوں اور کھولیوں میں بدل گئے ہیں اور ان میں زندگی کا معیار بہت گر گیا ہے۔ دیہی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۔ دیہی علاقوں کو ترقی دینے کے لئے سر توڑ کوششیں کی جائیں گی اور زیادہ سے زیادہ وسائل مخصوص کیے جائیں گے۔

۲۔ جو گاؤں اور چھوٹے قصبے عملی اعتبار سے دیہی علاقوں سے منسلک ہیں انہیں معاشرتی سرگرمیوں کے مراکز کے طور پر ترقی دی جائے گی تاکہ دیہی آبادی زندگی کی بنیادی سہولتیں آسانی کے ساتھ حاصل کر سکے۔ یہ مراکز دستکاروں کو سہولتیں مہیّا کریں گے۔ زرعی پیداوار کے لئے منڈیوں کا کام دیں گے دیگر ضروریات پوری کرنے کے علاوہ طبی امداد، تعلیم اور تفریح کی سہولتیں بہم پہنچائیں گے۔

۳۔ دیہی علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر اور بجلی پہنچانے کے لئے خصوصی اقدامات

کئے جائیں گے۔ ایک ہزار سے زیادہ آبادی والے دیہات میں پانچ سال کے اندر اندر بجلی پہنچا دی جائے گی۔ اور ان دیہات میں رابطہ سڑکیں تعمیر کر دی جائیں گی۔

۴۔ دیہی علاقوں میں نئے سکول اور شفاخانے قائم کرنے اور پہلے سے موجود سکولوں اور شفاخانوں کی مناسب دیکھ بھال کو انتہائی ترجیح دی جائے گی۔

۵۔ دیہی علاقوں میں صنعتیں قائم کی جائیں گی تاکہ دیہی آبادی کو روزگار میسّر آئے اور اس کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔

۶۔ کاریگروں کو تربیت دینے کے لئے فنی تربیت کے مراکز قائم کیے جائیں گے۔

۷۔ چھوٹے کاشت کاروں کو قرضے دینے کے لئے کاریگر بنک قائم کیے جائیں گے۔

۸۔ حکومت اس امر کو یقینی بنائے گی کہ وہ مختلف طبقوں کے درمیان معاشرتی اونچ نیچ مکمل طور پر ختم کر دی جائے۔

۹۔ درخت اور جنگلات لگانے پر خاص توجہ دی جائے گی۔

۱۰۔ چراگاہوں کی حفاظت اور انہیں بہتر بنانے کے لئے اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۱۔ دیہی اور دور افتادہ علاقوں میں وسیع پیمانہ پر طبی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۱۲۔ سارے ملک میں مویشیوں کے شفاخانے قائم کئے جائیں گے۔

*

حرفِ آخر

تحریکِ استقلال کے اس منشور میں جن پروگراموں اور پالیسیوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ ہمارے عزم اور ایمان کا مظہر ہے تحریکِ استقلال کا یہ منشور ہمارے لئے ایمان کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی سیاسی جماعت نے اسلام کی تعلیمات پر مبنی اس قدر جامع پروگرام پیش کیا ہے۔ ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم نے جو وعدے قوم سے کئے ہیں وہ پورے کئے جا سکتے ہیں اور ہم انہیں پورا کر کے رہیں گے کیونکہ ہم نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا، جو ہمارے نزدیک غیر حقیقی یا ناقابل عمل ہو۔ ہم نے ایسی کوئی چیز پیش نہیں کی جو ہمارے ملک کی صلاحیتوں سے باہر ہو۔

بدلتی وفاداریوں، بنیادی تضادات بلا امتیاز لوٹ کھسوٹ، سیاسی جماعتوں کی بے لگام مطلق العنانی اور جن لوگوں نے قوم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ سبق اور تجربہ حاصل کر کے تحریکِ استقلال نے قوم کے سامنے اپنے کو پیش کیا ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ ہم رائے دہندگان کی اُمیدوں اور امنگوں کی تکمیل میں تعمیری حصّہ لے سکتے ہیں۔

تحریکِ استقلال عہد بہ عہد

پاکستان قائم ہوا تو ہندوستان کی تقسیم اور اس کے اثرات سے نئے ملک کی زندگی کا ہر شعبہ تقسیم اور متاثر ہوا۔

متحدہ ہندوستان میں اکثر سیاسی جماعتیں "کل ہند" بنیاد پر قائم ہوئیں تھیں اور نصف صدی سے زیادہ سے اسی بنیاد پر کام کرتی چلی آ رہی تھیں۔ ان سیاسی جماعتوں کے ہیڈ کوارٹر اور مراکز بھی زیادہ تر ان شہروں اور مقامات پر واقع تھے۔ جو تقسیم کے بعد پاکستان کا حصہ نہیں بنے۔ خود مسلم لیگ کا ہیڈ کوارٹر بھی، جس نے پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنایا تھا۔ پاکستان کے حصہ میں آنے والے شہروں میں سے کسی میں نہیں تھا۔

چنانچہ تقسیم نے جب علاقوں، خطوں، خاندانوں اور زندگی کے دوسرے شعبوں کو تقسیم کیا تو وہ سیاسی جماعتیں بھی تقسیم ہو گئیں جو "کل ہند" حیثیت میں کام کرتی چلی آ رہی تھی۔ اور ان میں آل انڈیا مسلم لیگ بھی شامل تھی۔ تقسیم کے کئی ماہ بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا ڈھانچہ جدا کیا گیا۔ لیکن پاکستان مسلم لیگ بوجوہ نئے ملک میں اپنا "کل قومی کیریکٹر" نہیں بنا سکی۔ کچھ عرصہ یو۔ پی سے ترکِ وطن کر کے آنے والے چوہدری خلیق الزماں مرحوم کی صدارت میں اس کا سطحی وجود باقی رہا۔ پھر قائداعظم کے انتقال کے بعد پاکستان مسلم لیگ کی صدارت وزیراعظم لیاقت علی خان کے قبضہ میں چلی گئی اور وہ ایک سرکاری جماعت بن کر رہ گئی۔

تحریکِ پاکستان کی مخالف کسی سیاسی جماعت کے لئے پاکستان میں کل قومی سطح کی سیاسی جماعت بننے کی گنجائش باقی ہی نہیں رہی۔ اس لئے شروع دن سے ہی

پاکستان میں کل قومی سطح کی سیاست اور نیشنل کیرکٹر کا زبردست خلا پیدا ہو گیا تھا۔ اس طرح ہندوستان کے جن حصوں کی علیٰحدگی سے پاکستان کی تشکیل کی گئی تھی وہ حصے ہندوستان کے دوسرے حصوں کی نسبت تقریباً ہر شعبے میں پسماندہ تھے اور انگریزی حکومت کے قائم کردہ ایک سخت گیر جاگیردارانہ نظام معیشت میں جکڑے ہوئے تھے بعض حصے اس وقت تک قبائلی زندگی کے دور سے آگے نہیں آپائے تھے۔ بیشتر علاقے خاندانوں اور برادریوں کے زیر اثر تھے۔ چنانچہ پاکستان مسلم لیگ اور اس کے بعد بننے والی نئی سیاسی جماعتوں پر جاگیرداروں، سرداروں، خانوں اور برادریوں کا اثر بڑھتا چلا گیا۔ جس میں کل قومی کیرکٹر پیدا ہونے کے بجائے شخصیتوں اور علاقائی رجحانات جڑ پکڑتے رہے۔

پاکستان میں جاگیرداری کے گہرے اور ہمہ گیر اثرات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب یہاں سوشلسٹ نظریات پر تنظیمی کام شروع کیا گیا تو اس کی سربراہی بھی پنجاب کے ایک جاگیردار خاندان کے فرد میاں افتخار الدین کے حصہ میں آئی۔

تقسیم کے نتیجہ میں لاکھوں انسانوں کے نقل وطن نے بے شمار مسائل سے پاکستان کو دوچار کر دیا تھا۔ اور کئی سال تک ایک طرح کا عدم استحکام جاری رہا تھا۔ اس لئے کل قومی سطح کی سیاست پر عمل پیرا ہونے کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔ مزید براں شروع سے ہی حکمرانوں کا رویہ جمہوریت اور جمہوری عمل کی حوصلہ شکنی رہا۔ اسی لئے بھی خالص سیاسی اور جمہوری مسائل کی حامل کسی سیاسی جماعت اور تحریک کے لئے کام کرنے کے مواقع کم سے کم تر ہوتے چلے گئے اور سیاسی رد و بدل کا عمل علاقہ کے جاگیرداروں اور با اثر افراد کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ایک دوسرے کے مخالف گروپوں کے درمیان کشمکش پیدا کر کے انجام دیا جانے لگا۔

چنانچہ سیاست میں موقع پرستی تیزی کے ساتھ داخل ہوگئی۔ سہروردی مرحوم نے کل پاکستان سطح پر اپوزیشن پارٹی کی تشکیل کا کام شروع کیا۔ اور پنجاب کے میاں افتخارالدین اور ان کے رفقاء نے بھی آزاد پاکستان پارٹی کے نام سے ایک حزب اختلاف قائم کی۔ لیکن یہ سب جماعتیں بھی دراصل "گروپس" ہی تھے جن میں کسی نہ کسی جاگیردار، سردار یا با اثر شخصیت کا دخل ضرور تھا۔

۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان کے انتخابات نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ پاکستان مسلم لیگ قومی ہی نہیں صوبائی سطح پر بھی با اثر اور عوام دوست نہیں رہی ہے اور اس کے مقابلہ میں جو سیاسی طاقت کامیاب ہوتی ہے۔ وہ مختلف گروپوں کا مجموعہ ہے اس مجموعہ کو بھی کل قومی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ مغربی پاکستان کے صوبوں میں بھی صورتِ حال ایسی ہی تھی۔ مسلم لیگ ٹوٹ چکی تھی۔ اور اس کے بطن سے متعدد جماعتیں وجود میں آگئی تھیں۔ جو جاگیردارانہ رقابتوں کی مرہونِ منت تھیں۔

اس کھیل میں بیوروکریسی بھی داخل ہوگئی تھی۔ اور کل قومی سطح کی کسی سیاسی جماعت کے بننے، پھیلنے اور بڑھنے کے امکانات کم سے کم ہو چکے تھے۔

ایسے خلاء میں ایک طرف فرقہ وارانہ مذہبی جماعتیں عوام میں اپنی جگہ بناتی رہیں اور دوسری طرف مذہبی نعروں پر مبنی سیاست کی صدائیں گونجنے لگیں۔ فقہی تفریق کی بنیاد پر گروپ تشکیل پانے لگے اور اس طرح قومی سطح کی کوئی خالص سیاسی جماعت وجود میں نہ آسکی۔

حکمرانوں نے اور مفاد پرست طبقات نے اس صورتِ حال کو اپنے لئے بڑا موزوں پایا اور ملک خالص قومی جمہوری سیاست سے محروم ہوگیا۔

وزیراعظم لیاقت علی خان کے قتل کے بعد دھیرے دھیرے نوکرشاہی اقتدار پر قبضہ کرتی چلی گئی اور آخر ایک وقت ایسا آیا کہ پورے ملک کا اقتدار فوج کے ہاتھوں

میں چلا گیا۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خان نے پورے ملک پر مارشل لا لگا دیا اور تمام اختیارات اپنے قبضہ میں کر لئے۔ سیاست بالکل ممنوع قرار دے دی گئی اور تمام سیاسی جماعتیں توڑ دی گئیں۔

۴ سال تک مارشل لا جاری رہا اور جب اسے ختم کیا گیا تو ایوب خان نے ایک خودساختہ دستور کے تحت تمام اختیارات بحیثیت صدرِ مملکت اپنے قبضہ میں رکھ کر سیاسی جماعتوں کی بحالی کی اجازت دے دی۔

۱۹۵۸ء کے مارشل لاء نے ملک کو جو نقصان پہنچائے۔ ان میں سب سے بڑا نقصان افتراق کی وہ خلیج تھی جو مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان اور مغربی پاکستان میں ضم چھوٹے صوبوں اور بڑے صوبے پنجاب کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ ایوب خان کے مارشل لاء اور آمریت کے دوران جاگیرداری کے ساتھ امریکی امداد کے توسط سے پیدا ہونے والی گماشتہ سرمایہ داری کی لعنت بھی پاکستان کے عوام پر مسلط ہو گئی تھی۔ اس صورتِ حال کے نتیجہ میں سیاسی سطح پر کل پاکستان نیشنل کیرکٹر پیدا ہونے کے امکانات اور بھی دور چلے گئے۔

جمہوریت کے معدوم ہو جانے اور جاگیرداریت، سرمایہ داریت کے غالب آ جانے نیز نوکر شاہی کی سخت گرفت اور بدعنوانیوں نے عوام کے اندر علاقائی سطح کا احساس محرومی بھی پیدا کیا اور معاشی بدحالی کی بیماری بھی لاحق کر دی۔

چنانچہ عوام میں اس کا ردِعمل ہوا اور ایوب خان کی آمریت کے خلاف ہر سطح پر جدوجہد شروع ہو گئی۔

اس جدوجہد کے کئی پہلو سامنے آئے۔ مذہب کے نام پر سیاست کرنے والی جماعتوں نے نظریت پرستی پر زور دیا۔ علاقائی شکایات رکھنے والے عناصر نے صوبائیت کے احساس کو اجاگر کیا اور معاشی دباؤ کے شکار عوام میں بائیں بازو کے رجحانات

نے جگہ بنائی، لیکن کل قومی سطح کا جمہوری عمل اور جمہوری سیاست پھر بھی نہ ابھری اور ملک و قوم ایسی سیاست سے محروم رہے جو ایک قومی کردار و تشخص کی بھرپور طور پر عکاسی ہوتی۔

اپوزیشن کی جماعتوں میں سے بعض کے رجحانات خالص نظریت پرستی کی طرف تھے خواہ مذہب کے حوالہ سے خواہ سوشلزم کے حوالے سے، بعض کے علاقائی وصوبائیت کی طرف اور بعض کے محض بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جمہوری انتخابات کے مطالبہ کی حد تک ایوب خاں کی مخالفت جب عروج پر پہنچی تو ۱۹۶۹ء کے اوائل میں راولپنڈی کی گول میز کانفرنس کے فوراً بعد ہی پاکستان افواج کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان نے فیلڈ مارشل ایوب خان سے اقتدار لے لیا اور ایوب خان کا وضع کردہ دستور منسوخ کر کے ملک بھر میں نیا مارشل لاء لگا دیا۔

تحریک استقلال ۱۹۷۰ء کے آواخر میں قائم ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یحییٰ خان نے " ون یونٹ" ختم کر کے مغربی پاکستان کی جگہ چاروں صوبوں، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کو بحال کر دیا تھا اور ایک قانونی ڈھانچہ نافذ کر کے دسمبر ۱۹۷۰ء میں دستور ساز قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا شیڈول دے دیا تھا۔ ایوب خان کی دس سالہ آمریت نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان شکوک و بداعتمادی کی وسیع خلیج پیدا کر دی تھی اور " ون یونٹ" کے نظام نے مغربی پاکستان میں بھی چھوٹے صوبوں کے اندر سیاسی اور اقتصادی محرومیوں کے احساس کو شدید تر بنا دیا تھا۔ انتخابی سیاست جب شروع ہوئی تو سارا زور یا تو علاقائیت کی طرف تھا یا علاقائیت کی معاندانہ مخالفت پر۔ چنانچہ محب وطن حلقوں میں یہ بات شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ اس وقت ملک میں ایک ایسی جماعت منظم کی جائے جس کا اولین نصب العین اور مدعا " کل قومی کیرکٹر" کو ابھارنا اور بروئے کار

لانا ہو۔ جس کے دائرہ میں علاقائی اور صوبائی مفادات کی بھی گنجائش ہو اور ہر سطح پر ایک ایسی قیادت مہیا کرے جو مراعات اور مفاد پرستی Vested interest سے مبرّا ہو۔ تحریکِ استقلال کے قیام کا محرک یہی جذبہ ہوا۔ اور اسی لئے اس کا بنیادی نصب العین یہ قرار پایا کہ تمام صوبوں کی خود مختاری اور برابری کی اساس پر مختلف علاقوں کے عوام کو کل پاکستان قومی سطح پر مربوط و متحد کیا جائے اور غربت کے خاتمہ اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے جدوجہد کی جائے۔

اس طرح قیام پاکستان کے وقت سے کل قومی سطح پر جو سیاسی خلا چلا آرہا تھا اسے پُر کرنے کے لئے پہلی مرتبہ صحیح اور واضح نصب العین کے ساتھ جس میں صوبائی خود مختاری اور علاقائی برابری کی پوری پوری گنجائش موجود تھی اور جو ہر طرح کے طبقاتی مفادات سے بالاتر تھی، اصغر خان کی زیرِ قیادت تحریکِ استقلال کی صورت میں ایک سیاسی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔

تحریکِ استقلال نے فوراً ہی پاکستان کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں اپنی شاخیں کھولنی شروع کر دیں۔ جب کہ پاکستان کی ایک دعویدار جماعت کے سربراہ نے نہ تو وہاں کوئی جلسہ کیا اور نہ ہی وہاں اپنی کوئی شاخ قائم کی۔

اسی دوران دسمبر ۱۹۷۰ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مکمل ہو گئے اور ان کے نتائج سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ پیپلز پارٹی کا اثر و رسوخ پاکستان کے مغربی حصّے کے صرف دو صوبوں پنجاب اور سندھ تک محدود ہے۔ عوامی لیگ کا دائرہ اثر صرف مشرقی پاکستان تک پھیلا ہوا ہے اور نیپ اور جمعیت علماءِ اسلام صرف سرحد و بلوچستان تک محدود ہیں۔ کامیاب سیاسی جماعتوں میں کوئی بھی "کل قومی سطح" کی حامل نہیں ہے اور قوم کو ایک ملک گیر قومی سطح کی سیاسی جماعت اور سیاسی قیادت کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ تحریکِ استقلال نے اس ضرورت کو

پورا کرنے کا عزم کر لیا۔

تحریکِ استقلال کے سربراہ اصغر خان نے ان ہنگامہ خیز دنوں میں جب مشرقی پاکستان ایک سیاسی طوفان کی لپیٹ میں تھا۔ تو مغربی پاکستان کے وہ واحد قومی رہنما تھے۔ جنہوں نے مشرقی پاکستان کے کئی دورے کئے اور مشرقی پاکستان کے متعدد بڑے اور چھوٹے شہروں میں عوام کے عظیم اجتماعات سے خطاب کیا اور مشرقی پاکستان کے عوام نے انہیں پوری توجہ اور اطمینان کے ساتھ سنا۔

یہ اس بات کی واضح علامت تھی کہ تحریکِ استقلال نے قومی اتحاد اور یکجہتی کی جو مہم شروع کی ہے۔ وہ مشرقی پاکستان میں بھی زبردست مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ لیکن یحییٰ خان نے جلد ہی وہاں فوجی کارروائی شروع کی اور تحریکِ استقلال کی قومی یکجہتی کی مہم کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

تحریکِ استقلال نے یحییٰ خان کی فوجی کارروائی کی شدید مذمت اور سخت مخالفت کی اور بار بار متنبہ کیا کہ ملک کو (۱۹۷۱ء میں) جبکہ بحران کا سامنا ہے اسے فوجی طاقت سے حل کرنے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے۔

تحریک کے سربراہ اصغر خان نے قوم کو اس امر سے آگاہ کرنے کے لئے کہ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کا نتیجہ ملک کی شکست و ریخت ہوگا، مغربی پاکستان کے وسیع تر دورے کئے اور رائے عامہ کے ذریعہ حکومت کو خبردار کیا کہ وہ بنگالیوں پر تشدد کو فوراً بند کرائے اور اقتدار منتخب شدہ نمائندوں کے حوالے کر دے ورنہ ملک ٹوٹ جائے گا۔

اصغر خان نے یہ دورے اور رائے عامہ سے یہ رابطے ایسے حالات میں کئے جب مغربی پاکستان میں یحییٰ حکومت کے اس ظالمانہ اور ناعاقبت اندیشانہ ملک شکن اقدام کے خلاف بہت ہی کم زبانیں کھل رہی تھیں۔

آخر کار فوجی کارروائیوں کا وہی انجام نکلا جس کا تحریکِ استقلال کو خدشہ تھا اور مشرقی پاکستان علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔

اس وقت بھی تحریکِ استقلال کے سربراہ اصغر خان نے جرأت کے ساتھ یہ مطالبہ کیا کہ نئے ملک بنگلہ دیش کو فوراً تسلیم کر کے پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان پھر سے برادرانہ رشتے استوار کیے جائیں اور کسی تیسری طاقت کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ ہمارے برادرانہ رشتوں میں حائل ہو جائے۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد تحریکِ استقلال نے بقیہ ملک کو اس قسم کے سانحہ کے دوبارہ رونما ہونے سے بچانے کے لئے اپنی جدوجہد اس کے باوجود جاری رکھی کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے قدم قدم پر اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ لیکن اس نے اپنی آواز اور اپنا پروگرام ملک کے ہر محلے اور ہر کونے تک پہنچایا۔

تحریک نے ملک کو ایک مکمل جمہوری وفاقی ڈھانچہ میں مربوط و متحد رکھنے کے مقصد کے ساتھ اپنے نصب العین میں ملک سے جاگیردارانہ نظام کے مکمل خاتمے اور اس کی جگہ ایک منصفانہ اقتصادی نظام کے قیام کا پروگرام بھی شامل کیا۔

۱۹۷۰ء کے عشرہ میں تحریکِ استقلال پیپلز پارٹی کی حکومت سے بار بار مطالبہ کرتی رہی کہ وہ اپنے سماجی اقتصادی منشور پر عمل درآمد کرے۔ جس کو اس نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے وقت عوام کے سامنے پیش کیا تھا اور جاگیردارانہ نظام کے تحفظ کی جو پالیسی اس نے اختیار کر لی ہے اسے ترک کر دے۔

جب مرکزی حکومت نے نیپ، جمعیت حکومتوں کو بلوچستان اور سرحد سے برخاست کیا اور بلوچستان میں فوجی کارروائی شروع کی تو تحریکِ استقلال نے مرکزی حکومت کی اس کارروائی کی شدید مخالفت کی اور خبردار کیا کہ اس سے قومی یکجہتی

کو سخت ضرب پہنچے گی۔

۱۹۷۰ء کے عشرہ کی ابتدا میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف یو۔ڈی۔ایف کا جو محاذ بنا تھا۔ اس میں تحریک نے اسی لئے شرکت نہیں کی تھی کہ وہ اپنے صوبائی خودمختاری اور برابری پر مبنی نیشنل کیرکٹر اور جاگیردارانہ نظام کے مخالف مقاصد کو ترک نہیں کر سکتی تھی۔

پی۔این۔اے کا قیام خالص سیاسی بنیادوں اور نشستوں کی تقسیم کا تناسب طے کرنے کے بعد عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کا واحد مقصد آمریت کا مقابلہ کرتے ہوئے آزادانہ ومنصفانہ انتخابات اور جمہوری عمل کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔ اس دور میں تحریک استقلال اور اس کے سربراہ اصغر خان نے انتخابی مہم اور پھر دھاندلیوں کے خلاف تحریک میں بے مثال کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ مگر جب ۵۔جولائی ۷۷ء کو ملک میں ضیاءالحق کا مارشل لاء لگا اور تین ماہ بعد پھر الیکشن کا اعلان ہوا تو پی۔این۔اے میں شامل بیشتر جماعتیں درپردہ مارشل لاء حکومت سے مل کر سازشیں کرنے لگیں۔ تب ان لوگوں نے مارشل لاء کے ذریعے اسلام کے نفاذ اور سابقہ حکمرانوں کے خلاف احتساب کے لئے بیانات دینا شروع کر دیئے۔ نتیجتاً انتخابات ملتوی کر دیئے گئے۔ پی این اے میں شامل سیاسی جماعتوں کے ساتھ تلخ تجربے کے بعد جب تحریک استقلال کو یہ یقین ہو گیا کہ اس میں شامل بعض عناصر کو حقیقتاً جمہوریت سے کوئی دلچسپی نہیں اور وہ مارشل لاء کی حمایت اور غیرجمہوری حکومت میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ایسے حالات میں اُس کا پی۔این۔اے میں شامل رہنا قومی مفاد کے خلاف تھا۔ چنانچہ تحریک استقلال عوام کے مفاد میں پی۔این۔اے سے علیحدہ ہو گئی اور پھر پی۔این۔اے میں شامل جماعتوں نے مارشل لاء کے تحت وزارتیں قبول کر لیں اور جمہوریت کے لئے بلند بانگ دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے اور

ان جماعتوں کی دوغلی پالیسی کھل کر سامنے آ گئی۔ اس طرح انہوں نے نفاذِ اسلام کی آڑ میں مارشل لاء کو تقویت اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کو تحفظ بخشا۔

تحریکِ استقلال کے نزدیک مکمل جمہوری، وفاقی اور صوبہ جاتی برابری پر مبنی پاکستان کی قومی سلامتی پہلا بنیادی مقصد ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ جاگیرداری کا مکمل خاتمہ اور اس کی جگہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں انصاف پر مبنی سماجی، اقتصادی نظام کا قیام لازمی سمجھتی ہے۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد کے دوران نفاذِ اسلام کی بات بڑے زور شور سے کی گئی تھی۔ مگر جب مسلم لیگ کو اقتدار حاصل ہوا تو قائداعظم کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلم لیگی لیڈر اپنی جاگیروں و سرمایہ کے تحفظ، متروکہ املاک کی تقسیم اور لوٹ کھسوٹ میں لگ گئے۔ اور عوام کے حقوق غصب کر لئے۔ مسلم لیگ نے انگریزی حکومت کے دور کے ظالمانہ قوانین، اقتصادی نظام، جاگیرداری، سرمایہ داری اور نوکر شاہی کو بدترین شکل میں مزید سختی کے ساتھ عوام پر مسلط کر دیا۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے شکم سے نکلی ہوئی مختلف جماعتوں کے نام سے جو لوگ برسراقتدار آئے، وہ بھی اسلام کا نام محض آمریت اور اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کی خاطر لیتے رہے اور یہی کچھ فوجی جرنیل اور ان کے حواری مسلم لیگی جاگیردار اور وڈیرے مختلف چولے بدل کر کرتے رہے۔ عوام کو لوٹنا اور اپنا الو سیدھا کرنا ہمیشہ سے ان کا وطیرہ رہا ہے اور آج بھی موجودہ فوجی حکمران اور ان کے کاسہ لیس وہی پرانے جاگیردار اور سرمایہ دار بڑے زور شور سے اسلام کا نام لے رہے ہیں جس طرح تحریک پاکستان کے دوران اور بعد میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے لیتے رہے تھے۔ دراصل ان کا مقصد اسلام کی آڑ میں لوگوں کو بے وقوف بنانا اور اپنی کرسی کا تحفظ ہے۔ اس لئے جب تک ملک انگریزی حکومت کے دور کے ظالمانہ اقتصادی

نظام جاگیرداریت سے مکمل نجات حاصل نہیں کرلیتا اور پوری قوم کو اس کے مکمل جمہوری اور وفاقی حقوق حاصل نہیں ہو جاتے۔ اس وقت تک اسلام کی بات کا مطلب محض آمریت کے لئے جواز پیدا کرنا اور مخصوص مفادات رکھنے والے طبقوں کو تحفظ فراہم کرنا رہ جاتا ہے۔ اس لئے تحریکِ استقلال اسلام کے مقدس نام کو استعمال کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی وہ کرنا چاہتی ہے اس نے اپنے منشور میں واضح طور پر تحریر کر دیا ہے۔

تحریکِ استقلال ۵-جولائی ۱۹۷۷ء کے وقت سے ہی جب کہ جنرل ضیاالحق نے مارشل لاء نافذ کیا تھا ایک ہی مطالبہ کرتی چلی آرہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت انتخابات کرا کے اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ اسلام کا نافذ کرنا یا اور دوسرے کام انجام دینا یہ عوام کی منتخب کردہ اور نمائندہ حکومت کا کام ہے جرنیلوں یا آمروں کا کام نہیں ہے۔

اسی مطالبہ کی پاداش میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے تحریکِ استقلال کے ساتھ دشمنانہ رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔

تحریک کے سربراہ محمد اصغر خان چار سال سے بھی زیادہ عرصہ سے حراست اور نظر بندی میں ہیں۔ اور تحریک کے کارکنان و عہدہ داران بحالی جمہوریت کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اور جگہ جگہ گرفتاریاں پیش کر رہے ہیں۔

تحریکِ استقلال کی اس مختصر اور عہد بہ عہد روداد کے ساتھ نامناسب نہیں ہوگا اگر اجمالاً کچھ تذکرہ تحریک کے بانی جناب محمد اصغر خاں کے سیاسی میدان میں آنے اور ایک سرگرم قومی سیاستدان کی حیثیت اختیار کرنے کا بھی کر دیا جائے تاکہ اصغر خان کے سیاسی کردار کی روشنی میں تحریک کے مقاصد مزید واضح ہو جائیں۔

اصغر خان ۱۹۶۸ء کے نصف آخر میں جنرل ایوب خان کی آمریت کے خلاف

احتجاج کرتے ہوئے تنہا میدانِ سیاست میں اترے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب حکومت بے پناہ تشدد کے ذریعہ اپوزیشن کو قریب قریب مفلوج بنا چکی تھی بے شمار سیاسی کارکن قید و بند کی سزائیں بھگت رہے تھے۔ متعدد سیاسی قتل ہو چکے تھے اور عوام مایوسی اور بددلی کا شکار ہو رہے تھے۔

اصغر خان نے پاکستان ائیر فورس کی سربراہی سے ۱۹۶۵ء کے اوائل میں ایوب حکومت کی بعض پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔

بعد میں انہوں پی آئی اے کو منظم اور مؤثر بنانے کے لئے اپنی خدمات اس کے حوالہ کیں۔ لیکن اس کی سربراہی سے بھی حکومت کے بعض اقدامات کو ناپسند کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

انہوں نے سیاست میں جب قدم رکھا تو حکومت کے عطا کردہ اعزازات "ہلالِ قائداعظم" اور "ہلالِ پاکستان" بھی واپس کر دیئے اور پاکستان میں پہلی بار نظریت پرستی اور دائیں اور بائیں بازو کے رجحانات سے پاک خالص نیشنل کیرکٹر پر مبنی سیاست کے لئے آمریت کے خاتمہ اور مکمل جمہوریت کی بحالی کے مطالبہ کے ساتھ آواز بلند کی۔

اصغر خان اس وقت پاکستان کی سیاست میں نو وارد تھے اور یکہ و تنہا اس میدان میں نکلے تھے کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ نہیں ہوئے تھے اور نہ کسی بااثر سیاسی شخصیت کا سہارا لے کر آئے تھے لیکن اس کے باوجود مغرب سے مشرق تک پوری قوم نے اصغر خان کی آواز سنی اور لبیک کہا۔

برصغیر ہندوستان و پاکستان کی سیاست میں اصغر خان غالباً پہلے شخص ہیں جو کسی سابقہ سیاسی، سماجی یا طبقاتی پس منظر اور سہارے کے بغیر سیاسی میدان

میں قدم رکھتے ہی پوٹی کے رہنما کی حیثیت سے پوری پاکستانی قوم کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے اور یہ صرف اس لئے ممکن ہوا تھا کہ انہوں نے اپنی سیاست کی اساس خالصتاً نیشنل کیرکٹر پر رکھی تھی ورنہ اس دور میں ایسی اور بھی آوازیں بلند ہوئیں اور فضائے سیاست میں گم ہوگئیں۔ اصغر خان کی بات اس لئے سنی گئی کہ ۲۵ سال بعد قوم کے کانوں میں ایک ایسی سیاسی آواز پڑی تھی جو سیاسی گروہ بندیوں مذہبی فرقہ داریوں، نظریات پرستیوں، جاگیردارانہ مکاریوں، سرمایہ دارانہ عیاریوں اور بیرونی عناصر کی منصوبہ بندیوں سے آزاد اور پاک تھی اور ان باتوں کے علاوہ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ اور دور بینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ واحد شخصیت تھی جس نے اعلان کیا تھا اور یحییٰ خان سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ پہلے صرف آئین سازی کے لئے انتخابات کرائے جائیں اور جب آئین بن جائے تو پھر آئین ساز اسمبلی کو توڑ کر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرائے جائیں اگر اس وقت ان کی یہ بات مان لی جاتی تو پاکستان بچ جاتا یحییٰ خان اور اس کے حواریوں کو سازشوں کا موقع نہ ملتا۔ اور پاکستان ہمیشہ کے لئے جمہوری راستے پر گامزن ہو جاتا۔

انہوں نے تحریکِ استقلال کی بنیاد اسی امتیاز اور تشخص کے ساتھ رکھی کہ نیشنل کیرکٹر پر مبنی اس سیاست میں ہر صوبے کا آدمی اپنے صوبائی تشخص و امتیاز کے ساتھ برابر کے درجہ کا پاکستانی قوم کا ایک فرد ہے اور کسی بھی مذہب کا پیرو ہوتے ہوئے برابر کے درجہ کا پاکستانی شہری ہے۔ اپنے اس قومی کیرکٹر میں پاکستان کا ہر مرد اور ہر عورت یکساں حیثیت کے ساتھ شریک ہیں اور پاکستان کو ایک سچی اور مکمل قومی سیاسی جمہوریت کی ضرورت ہے۔

تحریکِ استقلال اسی کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔ اور پاکستان کی

بقاء استحکام اور خوش حالی کا اب یہ ہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔
چنانچہ آج کے حالات میں قوم کے ہر فرد پر بلا امتیاز یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس راستہ پر فوراً گامزن ہو اور تحریکِ استقلال کے قافلہ میں شامل ہو کر قوم کے کارواں کو اس کی اصل منزل تک پہنچانے میں مددگار بنے۔

سماجی جمہوریت

اس وقت پاکستان صرف سیاسی بحران کا ہی شکار نہیں بلکہ شدید سماجی اور بدترین اقتصادی بحران کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ ۱۹۸۱ء میں پاکستان پر بیرونی قرض دفاعی قرضوں سمیت ۱۲۔ارب ڈالر ہو چکا تھا۔ جس پر سالانہ سود کی رقم ۹۲ کروڑ ۵۰ لاکھ بنتی تھی۔ پاکستان کی معیشت بیرونی قرضوں کے بوجھ سے نیم جان ہے۔ مسلسل افراط زر نے جس کی شرح میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے معاشی طور پر اسے ادھمُوا کرکے رکھ دیا ہے۔ افراطِ زر میں اضافہ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری معیشت میں غیر پیداواری شعبوں یعنی زراعت اور صنعت کی نسبت کافی زیادہ رہی ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے پاکستان کی بنیادی معیشت یعنی زرعی معیشت کی کمر توڑ دی ہے اور حکومت کے انتظامی اور فوجی اخراجات، قومی آمدنی کا ایک بڑا حصہ (یعنی G-N-P کا ۱۰ فیصد) ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں مرکزی حکومت کے دفاعی اور سول اخراجات ۲۵ ارب روپیہ تھے۔ جب کہ ۷۱-۱۹۷۰ء میں یہ اخراجات صرف ۳۔ارب ۲۵ کروڑ، ۶ لاکھ روپیہ تھے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۵ افراد کے ایک اوسط خاندان نے حکومت کو ۶ ہزار ۵ سو ۳۰ روپیہ ٹیکس ادا کیا جو بلواسطہ طور پر غریب اور محنت کش عوام سے مہنگائی کی صورت میں وصول کیا گیا۔ ایجنٹ سرمایہ کار اور سرمایہ داری قومی دولت کو ملک میں باقی نہیں رہنے دیتیں اور مخصوص مفادات کے پیش نظر سارا سرمایہ باہر چلا جاتا ہے۔ افسر شاہی کی بدعنوانیاں بھی قومی معیشت کو پنپنے سے روکتی رہتی ہیں۔ مارشل لأ حکومت کے وزیر بلدیات نے ایک بیان میں اعترافاً کہا ہے کہ "پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں کے عوام کی اکثریت انتہائی غربت کی زندگی بسر کرتی ہے۔ جہاں ۸۵ فیصد عوام

کو پینے کا صاف پانی تک میسر نہیں اور جہاں حکمران بڑی شاہانہ زندگی بسر کر رہے ہیں" (بحوالہ روزنامہ مسلم ۱۷۔مئی ۱۹۸۲ء صفحہ ۸) یہ بیان پاکستان کی شدید بحرانی کیفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کا بہت سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ سیاسی طور پر پاکستان میں جمہوری عمل کا گلہ گھونٹ دیا گیا ہے اور معاشی طور پر اس ملک کی معیشت تہہ بر تہہ چند طبقات کی گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ جن میں جاگیردار گماشتہ (ایجنٹ) تاجر، نوکر شاہی اور فوجی جرنیل پیش پیش ہیں۔

برطانوی راج نے اپنے اقتصادی اور فوجی استحصال کو جاری رکھنے کے لئے اس خطے میں بدترین قسم کا جاگیردارانہ اور زمیندارانہ نظام مسلط کیا تھا۔ جو پاکستان کے قیام کے وقت ایک صدی سے جاری چلا آ رہا تھا، پاکستان کے قیام کے بعد اس نظام میں کوئی خاص تبدیلی یا کمی نہیں آئی مزید برآں بیرونی قرضوں اور امداد نے اس معیشت کی حالت اور کمزور کر ڈالی ہے۔ ان قرضوں اور امداد سے زرعی معیشت کو تقویت دینے کی بجائے ایسی صنعتوں کو پھیلایا گیا جن کا واحد مقصد مغربی ملکوں کی مصنوعات کی نکاسی کو عام کرنا تھا۔ امریکی اور بیرونی سرمایہ کاروں نے غیر جمہوری حکومتوں اور مقامی گماشتوں کے توسط و اعانت سے جگہ جگہ پیکنگ اور اسمبلنگ (بیرون ملک تیار کردہ پرزوں کو جوڑنے کا کام) کی فیکٹریاں کھول کر پاکستان کو اپنی مخصوص تجارتی منڈی اور اجارہ داری کا گڑھ بنا لیا ہے۔ پاکستان دنیا کا واحد وہ بدقسمت ملک ہے جو آزادی کے بعد ۳۶ سال گزرنے کے باوجود ایک مکمل جمہوری اور دستوری حکومت کے نظام سے عملاً محروم چلا آ رہا ہے، پھر یہ ایشیا کے ان بدنصیب ملکوں میں بھی شامل ہے جسے آزادی کے تھوڑی مدت بعد امریکی بلاک اور امریکی دوستی کے دائرے میں مقید کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی فوجی جرنیل اس ملک کے اقتدار پر قابض اور سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔

پاکستان ایک نیا ملک تھا جو برصغیر ہندوستان کے مسلم اکثریتی خطوں کو ملا کر بنایا گیا تھا اور اس کا وجود تمام تر سیاسی عمل اور جمہوری رائے سے ممکن ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان خصوصیات کے حامل ملک کا استحکام، اتحاد، ترقی اور خوشحالی اس بات پر منحصر تھی کہ ملک میں سیاسی عمل آزادی کے ساتھ جاری رہتا جمہوریت پروان چڑھتی رہتی۔ ملک کا نظم و نسق عوام کے منتخب اور پسندیدہ نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوتا۔ تمام فیصلے عوام کی پسند اور مرضی سے کئے جاتے، انگریز حکمرانوں کے دور کی تمام پابندیاں ختم کر دی جاتیں۔ زرعی معیشت کو جاگیرداری کے شکنجے سے آزاد کر دیا جاتا۔ مقامی اور دیہی صنعتوں کو نشو و نما کے مواقع مہیا کئے جاتے مذہب کے نام سے سیاسی اقتدار کے حصول کی کشمکش کو روکا جاتا۔ ہر صوبے اور ہر علاقے کے عوام کو برابر کی حیثیت سے ملک کے تمام معاملات میں شریک بنایا جاتا۔ اُن کے تشخصات اور امتیازات کو ترقی کرنے کے مواقع دیئے جاتے۔ جدید صنعتیں ملک کے ہر حصے میں پھیلا کر لگائی جاتیں۔ ملک کو عالمی طاقتوں کی کشمکش سے بچا کر رکھا جاتا اور پاکستان کے عوام میں بھرپور قومی تشخص National character پیدا کرنے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلنے اور جڑ پکڑنے کا موقع دیا جاتا جس میں پاکستان کا ہر شہری اور پاکستان کا ہر علاقہ اور صوبہ اپنے تحفظ اور پرامید مستقبل کے روشن امکانات پاتا اور اس پر فخر محسوس کرتا۔ یہ قومی کردار فرقہ واریت سے پاک اور تمام باشندوں سے یکساں حقوق اور مساوی حیثیت کے ساتھ جاری رکھا جاتا تو یقیناً پاکستان آج ۳۶ سال بعد نہ صرف موجودہ بحرانوں سے آزاد ہوتا بلکہ دنیا بھر کی قوموں نیز ایشیائی و مسلمان ملکوں میں ایک نمایاں اور عظیم کردار کا حامل بن چکا ہوتا۔ بس آج بھی قوم کو اسی قومی کیرکٹر کی ضرورت ہے اور اس کیرکٹر کی اساس پر سیاسی، سماجی اقتصادی تبدیلیاں لانے کی حاجت ہے۔ یہ قومی تشخص، سماجی جمہوریت کے بھرپور اجزاء سے تشکیل

پاسکتا ہے۔ چنانچہ پاکستان کو باقی رکھنے، اسے خطرات سے نکالنے اور متحد و مستحکم بنانے کی ایک ہی راہ ہے کہ یہاں "سماجی جمہوریت" کے قیام کی بنیاد ڈالی جائے اور جمہوری سیاسی عمل اس کے محور پر جاری رہے۔ صوبے اپنی خودمختاری اور خود کفالت کا احساس رکھیں اور مرکز و وفاق میں پوری طرح شریک ہوں نیز ملک کے معاشی وسائل سب کے لئے یکساں درجے پر ہوں۔

تحریکِ استقلال کا سیاسی فکر یہی ہے کہ وہ سیاست میں نظریات کے نام پر عوام کے استحصال کو غلط سمجھتی ہے خواہ اسے مذہب اور دین کے مقدس ناموں کی صورت میں پیش کیا جائے، خواہ دائیں یا بائیں بازوؤں کے انتہا پسندانہ رجحانات کی شکل میں۔ اس کے نزدیک پاکستان کے داخلی اور خارجی حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ قوم کا تشخص (قومی کیرکٹر) قائم ہو اور سماجی جمہوریت بروئے کار آئے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ۱۴۔ اگست، ۱۹۴۷ء کو برصغیر کے جن خطوں پر مشتمل پاکستان کے نام سے نیا وطن تشکیل پایا تھا اُن خطوں میں رہنے والے صدیوں سے اپنے جداگانہ سماجی شناخت کے ساتھ زندگیاں بسر کرتے چلے آرہے تھے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ترک وطن کر کے آنے والے لوگ بھی اپنے اپنے سماجی تشخصات ساتھ لے کر یہاں آئے۔ نئے قائم ہونے والے وطن پاکستان کا قومی تشخص ان تمام سماجی تشخصات کے اجتماع اور مجموعہ سے بنا تھا۔ چنانچہ جس قدر یہ سماجی تشخصات جِلا پائیں گی۔ پاکستان کا قومی تشخص بھی اتنا ہی ابھرے گا۔ اور نمایاں ہوگا۔ پاکستان کا قومی کیریکٹر اس میں شامل تمام سماجی تشخصات کے توازن، اعتدال اور مساوی اجتماعیت سے ہی بنتا ہے۔

پاکستان کے قومی تشخص اور قومی استحکام کا تقاضا ہے کہ صوبائی اور مقامی سطح کے سماجی تشخصات مساوی حیثیت میں بھرپور طور پر اپنا اپنا کردار انجام دیں، سیاسی،

سماجی اقتصادی اور انتظامی امور پر زیادہ سے زیادہ گرفت صوبائی مقامی اور نچلے دائروں کو حاصل ہو۔ وفاقِ پاکستان کے پاس کل قومی سطح کے معاملات ہوں اور وفاق میں صوبوں کی مساوی شرکت کے اصول پر ان معاملات کو چلایا جائے۔ سماجی جمہوریت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ملک کا اقتصادی اور معاشی نظام ایسا بنایا جائے جس میں پاکستان کے ہر شہری کے لئے ہر شعبہ میں یکساں درجے کے حقوق متعین ہوں اور کسی کے لئے کسی قسم کی خصوصی مراعات نہ رکھی جائیں۔ ہر شہری کا سیاسی مرتبہ ایک سطح کا ہو اور عدالتوں سے انصاف کا حصول ہر شخص کے لئے آسان ہو جائے، فوج، انتظامیہ اور شہری سب کے لئے ایک جیسا ہی قانون ہو اور دستور کے دائرے میں سب پر عدالتی انصاف کا اطلاق ایک ہی طرح ہو۔ یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب یہاں کے فرسودہ اقتصادی و سماجی ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں تاکہ انگریز سامراج کے زمانے کا جاگیردارانہ اور ظالم نظام جو اب تک رائج ہے اور ہماری قومی سیاست اور ثقافت پر اس کے منفی اثرات نظر آتے ہیں، کو ایک منصفانہ نظام سے تبدیل کیا جائے۔ ایک ایسا نظام جس میں عوام کو اس بات کا یقین ہو کہ ان کی محنت کا ان کو منصفانہ معاوضہ دیا جائے گا اور ان کی محنت کے خلاف انصاف کا دروازہ کھلا ہو گا۔ اس صورت حال میں پورے ملک کے عوام اور علاقائی وحدتیں لازماً یہ محسوس کریں گی کہ ان کی نجات اسی معاشرے اور اسی ملک کی ترقی میں مضمر ہے۔ اس طرح سماجی جمہوریت کے دائرے میں پاکستان کا ہر شہری بلا امتیاز اور پاکستان کا ہر حصہ بلا تخصیص اپنے پورے پورے شہری جمہوری اور معاشی حقوق کا حامل ہو گا اور اسے اپنے عقیدے، نظریے، مذہب اور مسلک پر عمل پیرا رہنے کی پوری پوری آزادی حاصل رہے گی۔

سماجی سدھار، سماجی ارتقاء، سماجی تبدیلیاں اور سماجی انقلاب تو سماجی جمہوریت کا لازمی جز ہوں گے۔ لیکن کسی فوجی انقلاب اور فوجی شخصی یا یک جماعتی آمریت کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی نہ اس میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور فرقہ داریت کے غلبہ کی جگہ ہوگی۔ کوئی شہری، کسی شہری پر فوقیت نہیں رکھے گا۔ کسی علاقے کو کسی قسم کی بالادستی حاصل نہیں ہوگی۔ یکساں حیثیت میں سب ایک دوسرے کے ساتھ شریک عمل ہوں گے۔ معاشی ذرائع اور وسائل پر سب کا یکساں حق ہوگا۔ اور ان تمام امتیازات اور مراعات سے سماجی قومی زندگی کو پوری طرح پاک کر دیا جائے گا جن کی وجہ سے کسی خاص فرد یا طبقہ کو دوسرے افراد یا طبقات پر اقتصادی، سیاسی اور معاشی برتری حاصل ہوجاتی ہے۔ انفرادی انسانی حقوق، انفرادی ملکیتیں انفرادی محنت کے نتائج و فوائد ہر شخص کے لئے محفوظ ہوں گے۔ لیکن دوسرے افراد کے بنیادی انسانی حقوق، ملکیتوں اور محنت کے نتائج اور معاشی استحقاق کو کوئی سلب و غصب کرے، ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ نوکر شاہی کا نظام سیاسی اداروں کے تابع ہوکر کام کرے گا۔

یہ ہے تحریکِ استقلال کا "سماجی جمہوریت" کا ایک خاکہ جس کی اساس پر ملک و قوم کا نیشنل کیریکٹر تعمیر ہوگا اور جو ایک متحد، مضبوط، خوشحال اور بڑی طاقتوں کے اثر سے آزاد پاکستان کا ضامن و محافظ بنے گا۔ ہمارے ہاں ایک حقیقی جمہوری نظام اسی وقت پروان چڑھ سکے گا۔ جب یہاں جاگیرداری نظام کا مکمل خاتمہ ہو، تاکہ وہ مزارع، بے زمین زرعی کارکن اور چھوٹے کاشتکار جو اس وقت سسک سسک کر زندگی گزار رہے ہیں اور جن کی ہماری دیہی

آبادی میں اکثریت ہے۔ کو ہمہ گیر زرعی اصلاحات کے ذریعہ مالکانہ حقوق کے علاوہ عزتِ نفس، سیاسی اقتدار میں حصہ اور تمام شہری حقوق میسر ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بڑی طاقتوں کو اپنے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سے روکنا ہوگا اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ ہم اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کریں تاکہ ہم اپنے غیر ضروری فوجی اخراجات میں کمی کرکے یہ رقم عوام کی بہبود پر خرچ کرسکیں۔

نیشنل پیپلز پارٹی

نیشنل پیپلز پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی کی کوکھ سے نکلی ہے مگر اس کے عزائم جوان اور توانا ہیں۔ غلام مصطفےٰ جتوئی، غلام مصطفیٰ کھر اور محمد حنیف رامے پیپلز پارٹی کے بنانے والوں میں شامل تھے اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے دست و بازو بن کر پیپلز پارٹی کو خاص وعام میں مقبول بنایا۔ ان افراد کے مسٹر بھٹو سے بھی اختلاف ہوئے اور بعد میں بیگم نصرت بھٹو اور مس بے نظیر بھٹو سے بھی۔ یہ اختلافات جو کچھ ذاتی ہیں اور کچھ اصولی اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان کے جاننے سے پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی ورکنگ اور داخلی طریق کار پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ غلام مصطفےٰ جتوئی کی افتتاحی تقریر (جو شامل کتاب ہے) اُن اختلافات کو سامنے لاتی ہے جو نئی جماعت کے بنانے کا موجب ہوئے اور ان عزائم کو ظاہر کرتی ہے جو الگ ہونے والوں یا الگ کر دیئے جانے والوں کے پیشِ نظر ہیں۔ اس تقریر کے آخر میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں ان کے بغیر پاکستان کی موجودہ سیاست کو صحیح تناظر میں جاننا ممکن نہیں۔

جہاں تک موجودہ حالات کے تجزیے کا تعلق ہے نیشنل پیپلز پارٹی کی اساسی دستاویز کے ابتدائیے میں اسے بڑے واضح اور حقیقت پسندانہ طریق سے بیان کیا گیا ہے۔ ہم جتوئی صاحب کی اس تقریر کے کچھ حصے یہاں درج کرتے ہیں جن سے اس پارٹی کے ذہن کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ پاکستان کیوں بنا اور اس کے بنانے والوں کے سامنے

کیا مقاصد تھے، اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے غلام مصطفیٰ جتوئی کہتے ہیں:

" پاکستان کے قیام کی بنیاد یہ نظریہ تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔ اس کے قیام کے لئے بیش بہا قربانیاں دی گئیں اور آزادی کی سحر بے اندازہ امیدوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ مسلم عوام نے ایک ایسے خطۂ زمین کا خواب دیکھا تھا جو مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ اور ان کی عظمت کے احیاء کا ذریعہ ہوگا۔ ان کا تصوّر تھا کہ پاکستان ایک جدید جمہوری ریاست ہوگا۔ برصغیر کے مسلمانوں کا وطن ہوگا۔ جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی و تحقیق کا مرکز ہوگا۔ یہ ایک ایسا ملک ہوگا جو پڑوسیوں کے ساتھ امن و سکون سے رہ سکے گا۔ انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ پاکستان میں خوشحالی ہوگی اور عوام کے معاشی مسائل حل ہوجائیں گے۔ معاشرے کے ہر طبقے کو یہ امید تھی کہ ان کا نیا وطن ہر ایک کو مساوی تحفظ فراہم کرے گا۔ عورتوں کو ان کے حقوق دے گا۔ تمام مردوں اور عورتوں کو روزگار فراہم کرے گا۔ ہر پاکستانی کو بلاتفریق مکمل مذہبی آزادی، سماجی سرگرمیوں اور انجمن سازی کی اجازت ہوگی۔ انہیں یہ امید تھی کہ ملک میں ایک خودکفالتی زرعی وصنعتی معیشت کی بنیاد رکھی جائے گی۔ نئی سڑکیں، پُل، فنی درسگاہیں، ثقافتی مرکز، پاور اسٹیشن وغیرہ بنائے جائیں گے۔ ہر دیہات میں بجلی فراہم کی جائے گی۔ لوگوں کو جدید تمدن کی روشنی میسّر آئے گی اور اس طرح ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے گا۔ جو ہر قسم کے استحصال سے پاک ہو اور جس کے عوام کو خوشحالی، تحفظ اور امن وسکون کی نعمت حاصل ہو۔"

لیکن یہ ہوا کیوں نہیں؟ جواب جتوئی کی زبانی سنئے:

" لیکن افسوس کہ ہم ان بلند مقاصد کے حصول میں ناکام ہوگئے۔ مختصر وقفوں کے سوا ملک میں غیر منتخب حکمران اقتدار پر قابض رہے۔ عوام کے بنیادی حقوق معطل رہے۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کو برطرف کیا جاتا رہا۔ قومی پریس پر پابندیاں عائد کردی گئیں۔ سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اقلیتوں کے ساتھ ناروا سلوک

کیا گیا۔ ان تمام حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندرونی و بیرونی سازشوں کے نتیجے میں پاکستان کا دفاق ۱۹۷۱ء میں دولخت ہو گیا۔ ۱۹۷۷ء میں نافذ ہونے والا مارشل لاء ملک کا طویل ترین مارشل لاء ثابت ہوا۔ اور ایک ایسے سیاہ دور کا شکار ہو گیا جو دراصل غلامی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس نو سالہ مارشل لاء کے نتیجے میں ملک میں جرائم بے انتہا بڑھ گئے۔ دن دہاڑے ڈکیتیاں ہونے لگیں۔ سیاست میں تشدد کا عنصر داخل ہو گیا۔ بڑے پیمانے پر بے روزگاری پھیل گئی۔ دھوکہ دہی اور فراڈ کے واقعات میں بے انتہا اضافہ ہو گیا۔ علاوہ ازیں ٹیکس کی چوری، اسمگلنگ، ہیروئن کی تجارت، ریکارڈ توڑ بدعنوانیاں اور معاشرے میں امن وامان کا مکمل طور پر تہہ و بالا ہو جانا، ایسے تلخ حقائق ہیں جنہوں نے اسلامائزیشن کے اس عمل کو جس کا حکمران دعویٰ کرتے ہیں، ایک مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔"

این پی پی کے سربراہ اس داستانِ الم کو آگے بڑھاتے ہیں۔

"۱۹۷۳ء کا آئین جو سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور کا ایک اہم کارنامہ تھا، تمام سیاسی جماعتوں نے متفقہ طور پر اسمبلی میں منظور کیا تھا۔ یہ آئین پاکستان کے اصل تصور کی طرف لوٹنے کا ایک ذریعہ تھا۔ بدنصیبی سے موجودہ حکمرانوں نے قوم کی اس فکری یک جہتی کو برباد کر دیا اور آئینی مسائل کے لامتناہی سلسلہ کا دوبارہ آغاز کر دیا جو اب ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس لئے فرقہ پرستی، صوبائیت، علیحدگی پسندی یہاں تک کہ ملک توڑنے کی نامبارک آوازیں بھی فضا میں گونج رہی ہیں۔ وطن کے بعض شہریوں نے بڑے دکھ کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انہیں اس تاریک رات کا خاتمہ ہونے اور سحر طلوع ہونے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ ملک خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔"

اور آخر میں کہتے ہیں "اب وقت آگیا ہے کہ وہ تمام وطن پرست، جمہوریت پسند اور ترقی پسند لوگ جو پاکستان کو ایک متحد اور جدید مملکت دیکھنا چاہتے ہیں ایک پلیٹ فارم

پر جمع ہوں اور قوم کو متحد کریں۔"

جہاں تک این پی پی کے دستور کا تعلق ہے۔ اس میں اسلام اور جمہوریت کے بارے میں بڑا واضح موقف اختیار کیا گیا ہے۔ اسلام اور جمہوریت کے ساتھ قومی وحدت اور صوبائی خود مختاری کو اہمیت حاصل ہے اور غربت کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ان مقاصد کی وضاحت بڑی دلنشین ہے۔ اور کہنے والوں کے خلوص کا پتہ دیتی ہے۔ اسلام کے بارے میں یہ سطریں کس قدر واضح اور روشن ہیں، نیشنل پیپلز پارٹی اسلام پر لازوال اعتقاد رکھتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ اسلام پارٹی کا رہنما اور منبع ہدایت ہوگا۔ اسلام نہ صرف یہ کہ ملوکیت، آمریت اور ظلم کا مخالف ہے بلکہ یہ ہمیں ان ظالمانہ اور عوام دشمن نظاموں کے خلاف جدوجہد کی ہدایت بھی کرتا ہے۔ قائداعظمؒ نے فرمایا تھا "اپنے لئے ایک علیحدہ مملکت کا حصول ایک مقصد کی تکمیل کا ذریعہ تھا، بجائے خود کوئی مقصد نہ تھا۔ ہمارا مطمح نظر ایک ایسی ریاست کا حصول تھا۔ جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح سانس لے سکیں اور جسے ہم اپنی تہذیب و ثقافت اور تصورات کے مطابق ترقی دے سکیں اور جہاں اسلام کے سماجی انصاف کے اصولوں پر عمل کیا جائے۔"

جمہوریت کے بارے میں جو لائن اختیار کی گئی ہے اس کا بیان یوں ہے، یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے جمہوری جدوجہد کے ذریعے پاکستان حاصل کیا تھا۔ پاکستانیوں کے لئے جمہوریت محض سیاسی نظام نہیں بلکہ زندگی کا ایک رویہ بھی ہے۔ نیشنل پیپلز پارٹی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہے کہ پاکستان میں کبھی جمہوریت کو کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ جس کی وجہ سے قومی ادارے عوام کی خدمت کی بجائے حکمرانوں کے مفادات کی تکمیل کا ذریعہ بن گئے۔

این پی پی نئی جماعت ہے مگر اس کے رہنما میدانِ سیاست کے پرانے اور آزمودہ کار کھلاڑی ہیں اور ان میں سے بعض اپنے اپنے علاقوں میں بڑی مقبولیت کے حامل ہیں۔ اگر یہ جماعت صحیح معنوں میں منظم ہو سکے تو کسی مرحلے پر جب پاکستان پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار ہو تو یہ کامیاب حزبِ مخالف کا کردار ادا کر سکتی ہے، اور جو جماعت ایک عرصے تک کامیاب حزبِ مخالف ثابت ہو جمہوریت میں اس کے ابھرنے اور حزبِ اقتدار بننے کے مواقع روشن ہوتے ہیں۔

ہم یہاں پارٹی کے سربراہ غلام مصطفےٰ جتوئی کی ۳۰ اگست اور ۳۱ اگست ۸۶ء کی تقریریں اور پارٹی کی اساسی دستاویز جسے ۳۱ اگست ۸۶ء کو پارٹی کے تاسیسی کنونشن میں منظور کیا گیا تھا۔ درج کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس اساسی دستاویز کے سرورق پر پارٹی کے یہ نعرے بھی درج ہیں۔ ہمارا نصب العین: شرافت، جمہوریت، انصاف اور ہماری منزل: فلاحی ریاست۔

افتتاحی تقریر

(جناب غلام مصطفیٰ جتوئی)

یہ تقریر ۳۰ اگست ۱۹۸۶ء کو ٹھوکر نیاز بیگ لاہور میں سیاسی کارکنوں کے قومی کنونشن کے افتتاح کے موقع پر کی گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمہوری جدوجہد کے محترم سپاہیو، میرے دوستو، بھائیو اور بہنو!

السلام علیکم

آج ہم اپنی تاریخ کے ایک نہایت اہم دوراہے پر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ موجودہ حالات اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی سنگین ہیں، جہاں تک نظر جاتی ہے ناامیدی کے سائے لہراتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز سے محبت کرنے والا ہر پاکستانی پریشان اور ہراساں ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ عقل، ہوش، رواداری اور انسانیت پر ذاتی مفاد، وحشت اور تنگ نظری نے غلبہ حاصل کر لیا ہو اور قومی مفاد کو علاقائی اور گروہی مفادات کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہو، وہ لوگ قابلِ تحسین ہیں جو دردمندی اور جرأت کے ساتھ حالات کا رُخ موڑنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔

دوستو!

آج آپ سے خطاب کرتے ہوئے مجھے حالات کی نزاکت کا پورا احساس ہے، میں جانتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے جس جمہوریت اور پاکیزہ معاشرے کا خواب دیکھا تھا وہ آج بھی تعبیر سے محروم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم سب گذشتہ نو برس سے جس آمریت کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں اب وہ ایک نیا لبادہ اوڑھ کر، ایک نیا نقاب اپنے چہرے پر سجا کر عوام پر ظلم کر رہی ہے، یہ نام نہاد اسمبلیاں، یہ سول حکومت، یہ سب کچھ ایک کھلا دھوکا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ایک نئے انداز سے عوام کو حقوق سے محروم رکھا جائے اور ان کی آنے والی نسلوں کو سیاسی غلام زادوں کی نسلیں بنا دیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ یہ سول حکومت، دراصل

مارشل لاہی کا دوسرا چہرہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس پر نہایت بھونڈے پن سے جمہوریت کا غازہ تھوپنے کی کوشش کی گئی ہے، آج ملک میں محاذ آرائی اور خانہ جنگی کے جو رجحانات آپ دیکھ رہے ہیں وہ دراصل اس ظالمانہ نظام کا منطقی نتیجہ ہیں جو ہم پر زبردستی تھوپ دیا گیا ہے۔

محترم ساتھیو!

ہوسکتا ہے اس وقت بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب ہمیں حالات کی اس سنگینی کا ادراک ہے تو اس ماہ کے وسط میں جس جمہوری جدوجہد کا آغاز ہوا اور جو جانی و مالی قربانیوں کے باوجود بہت جلد دم توڑ گئی۔ ہم نے اس میں حصہ کیوں نہیں لیا؟ اور ہم بیٹھے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتے رہے۔ ہم تو ہمیشہ ہر دور میں قربانیاں دینے والے لوگ ہیں، عوام کے دکھ درد میں شریک رہنے والے لوگ ہیں، آزادی اور جمہوریت کی کی ہر تحریک کو اپنے خون سے سینچنے والے لوگ ہیں، پر ایسا کیوں ہے کہ ہمارے بھائی جیلوں میں ہیں اور ہم باتیں کر رہے ہیں۔ کیا ہم نے اپنے آپ کو عوام سے الگ کر لیا ہے؟ کیا ہم نے اپنے ماضی سے رشتہ توڑ لیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ــــ! اگر ہم اپنے عوام سے الگ ہونے والے ہوتے تو ۱۹۷۰ء میں ہو جاتے۔ جب زیر عتاب بھٹو صاحب کا ساتھ چھوڑنے پر مقتدر ترین حکمران ایوب خان کی مہربانیاں حاضر تھیں، مگر ہم نے ایک بااختیار دوست کی مہربانیاں چھوڑ کر ایک مصیبت میں آئے ہوئے دوست ذوالفقار علی بھٹو کا ساتھ دیا مجھ پر مقدمات بنے، میرے بھائی کو ہسٹری شیٹر بنا کر ان کے نام تھانوں میں لگائے گئے۔ میرے دوستوں پر غنڈہ ایکٹ کے مقدمات بنائے گئے لیکن ہم نہیں جھکے۔ یہ ہماری تربیت ہی نہیں کہ مصیبت میں آئے ہوئے دوست کو ڈر کے چھوڑ جائیں، اگر ہم عوام سے رشتہ توڑنے والے ہوتے تو ۱۹۷۰ء میں توڑتے، جب ملک کے سرمایہ دار اور یحییٰ خان کا فوجی ٹولہ پیپلز پارٹی کو ملیامیٹ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

ہم پر اور ہمارے قائد پر قاتلانہ حملے ہو رہے تھے ، سندھ میں گولیوں کی بوچھاڑ کے وقت ہم اپنے لیڈر کے ساتھ کھڑے تھے ۔ قادر پور راں میں گولیوں کی بارش کو چیرتے ہوئے غلام مصطفیٰ کھر اپنے قائد کو زندہ سلامت نکال لائے تھے ۔ یہ گولیاں ، یہ قاتلانہ حملے اور تباہ و برباد کرنے کی دھمکیاں ہمارا سر نہ جھکا سکیں ۔

ہمیں عوام کا ساتھ چھوڑنا ہوتا تو ، ۱۹۷۷ء میں چھوڑتے ۔ جب معاشرے کی تمام منظم قوتیں جمع ہو کر ایک طوفان برپا کر رہی تھیں ۔ جب پیپلز پارٹی کا نام لینے پر گھر جلائے جا رہے تھے ، فوج اور افسر شاہی حکومت کو گھٹنوں کے بل جھکا ہوا دیکھنا چاہتی تھی ۔ قومی اتحاد کی تحریک میں شدت بڑھتی جا رہی تھی لیکن ہم ساتھ چھوڑ کر نہیں بھاگے بلکہ غلام مصطفیٰ کھر اپنے اور اپنے دل و جان سے پیارے ساتھیوں کا ہر دکھ بھلا کر مصیبت میں آئے ہوئے دوست اور لیڈر کا ساتھ نباہنے آ ملے تھے ، اس وقت حکومت آ تو نہیں رہی تھی ۔ سب جانتے تھے کہ جا رہی ہے ۔ لیکن کھر صاحب نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے دوست اور اپنے لیڈر کا ساتھ دیا ۔ ہم نے ساتھ دیا ۔

دوستو !

ہم عوام کا ساتھ چھوڑنے والے ہوتے تو اس وقت چھوڑتے جب میرے دوست میرے لیڈر بھٹو صاحب کے ساتھ ساتھ ہمارے سروں پر بھی پھانسیوں کے رسّے جھول رہے تھے ۔ ہم ساتھ چھوڑنے والے ہوتے تو اس وقت چھوڑ جاتے جب چند نادانوں نے پی آئی اے کا طیارہ اغوا کر کے ہمیں سزائے موت کے منہ تک پہنچا دیا تھا ۔ ہم ساتھ چھوڑنے والے ہوتے تو اس وقت چھوڑتے جب قید کے بدلے میں ملک کی پرائم منسٹر شپ ہمیں دی جا رہی تھی ۔ مجھے یہ بات بار بار دہراتے ہوئے مناسب نہیں لگتا ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ پرائم منسٹر کا عہدہ معمولی نہیں ہوتا اس پر تو محمد خان جونیجو بھی بیٹھ جائے تو اسے قبول کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ ضیاء تو ہمیں گرفتار کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن جونیجو نے نہیں کیا ۔ پرائم منسٹر وہ عہدہ جس پر فائز ہونے والے محمد خان کو عارضی طور پر

قبول کر لیا جاتا ہے۔ پرائم منسٹر کا عہدہ بڑی ظالم چیز ہے۔ اس عہدے کے لئے لوگ ان حکومتوں کی خوشامدیں کرتے بھی چلے جاتے ہیں جن پر وہ اپنے باپ کے قتل کا الزام لگاتے تھے۔ پرائم منسٹر کا عہدہ وہ چیز ہے جس کے لئے اولاد باپ کے نظریات قربان کر دیتی ہے۔ اس کے دوستوں کا احترام چھوڑ دیتی ہے۔ اس کی بنائی ہوئی پارٹی کے ٹکڑے کر کے رکھ دیتی ہے کہ شاید اس مرمت کے بدلے میں یہ عہدہ نصیب ہو جائے لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہم نے اپنے دوست اور اپنے لیڈر کی بیوہ، اپنی بہن اور اپنے قائد کے ایک اشارے پر اس عہدے کو ایک نہیں، دو مرتبہ ٹھوکر مار دی ہے۔

جناب! ہم ساتھ چھوڑنے والے ہوتے تو اس وقت چھوڑتے جب ۱۹۸۳ء کی تحریک بحالی جمہوریت چل رہی تھی۔ ہمارے پورے خاندان پر عذاب نازل کیا جا رہا تھا۔ میرے بیٹے غلام مرتضیٰ پر قتل کے مقدمے بنائے گئے تھے۔ میرے بھائی غلام مجتبیٰ خان کو گرفتار کر کے ملک کی بدترین جیل مچھ میں رکھا گیا۔ میرے بہنوئی عاشق حسین جتوئی کو ملٹری کورٹ سے سزا بھی سنائی گئی۔ میرے سارے دوستوں نے تحریک میں حصہ لیا اور ان کو جیلوں میں سخت ایذائیں پہنچائی گئیں۔ پاکستان اور سندھ کا ہر نوجوان میرا بیٹا ہے۔ میرے سینکڑوں بیٹوں کو شہید کیا گیا تھا۔ میرے کارکن ساتھیوں کو تشدد اور ظلم کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ مغرب کی آزاد فضا چھوڑ کر وطن میں قید کاٹنے کون واپس آیا؟ اور وطن کی قید سے بھاگ کر یورپ کی آزاد اور ٹھنڈی فضاؤں میں آرام کی زندگی گزارنے کے لئے باہر جانا کس نے قبول کیا؟ کس نے اپنی آزادی کے لئے جیلوں میں پڑے ہزاروں کارکنوں کو فراموش کر دیا اور پوری تحریک کے حق میں ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا۔

میرے دوستو!

ہم ساتھ چھوڑنے والے لوگ نہیں، ساتھ ہمارا چھوڑا گیا ہے۔ خدا جانے حقیقت کیا ہے؛ لیکن سننے میں یہ آیا کہ پیپلز پارٹی کی قیادت نے امریکہ کو منا لیا ہے۔ پتہ نہیں امریکہ مانا یا نہیں، قیادت نے بہر حال یہ سمجھ لیا کہ اب اقتدار اس کی جھولی میں گرنے والا ہے، اتنی سی بات نے قیامت برپا کر دی، پارٹی کا بنیادی فلسفہ ترک کر دیا گیا۔ ضیاء حکومت کی ساری پالیسیاں درست قرار دے کر انہیں جوں کا توں رکھنے کا اعلان کر دیا گیا، عالمی مالیاتی اداروں کی تمام شرائط قبول کر لی گئیں۔ پرانے ساتھی نکال باہر کئے گئے۔ پارٹی سے مشورہ کرنا توہین سمجھا گیا۔ شیخ رشید صاحب نے اس بے اصولی پر اعتراض کیا تو انہیں پارٹی کے معاملات سے الگ کر دیا گیا۔ کھر صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی تو انہیں پارٹی سے الگ کر دیا گیا۔ میں یہ سب کچھ پڑھتا اور سنتا رہا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، پارٹی تو بڑی ہے۔ ایک مکان بھی تین دوستوں نے مل کر تعمیر کیا ہو تو ایک کی اولاد باقی دو کو دھکا دے کر نہیں نکال سکتی۔ ایوب خان کی حکومت سے ٹکرانے کا فیصلہ قومی اسمبلی کے ہم پانچ اراکین، ذوالفقار علی بھٹو، غلام مصطفیٰ جتوئی غلام مصطفیٰ کھر، ممتاز بھٹو، اور مشرقی پاکستان کے میسح الرحمان نے کیا تھا۔ میسح الرحمان نے اپنی سیاست الگ کر لی مگر باقی ہم چار ایم۔ این۔ اے ساتھ رہے، تین ایسے تھے جن سے ایوب خان کو کوئی شکایت نہیں تھی اور ایک کے وہ سخت خلاف تھے اور وہ بھٹو صاحب سے ایوب خان جیسے آمر سخت ناراض تھے تو جناب یہ تھے اس وقت بھٹو صاحب، رہ گئی یہ بات کہ وہ وزیر رہ چکے تھے تو آج میں یہ بھی بتا دوں کہ بھٹو صاحب کی وزارت کے حق میں، بطور ایم۔ این اے میں نے اپنا حق ترک کر دیا تھا۔ ان کو وزیر بنانے میں ہمارا حصہ تھا، یقیناً وہ بہت ذہین تھے، اچھے سیاست دان تھے، اسی لئے تو ہم نے انہیں اپنا لیڈر تسلیم کیا تھا۔ صرف تسلیم ہی نہیں کیا، ہر قسم کی قربانیاں دے کر قوم

کو بھی ان کی قیادت کا قائل کیا۔ صرف یو۔ این۔ او کی تقریریں آدمی کو لیڈر بنا سکتیں تو سر ظفر اللہ خان لیڈر بن سکتے تھے، اچھی تقریر لیڈر بنا سکتی تو درجنوں ان سے اچھے مقرر موجود ہیں۔ ذہانت لیڈر بنا سکتی تو محترم میاں ممتاز دولتانہ بہت ذہین انسان ہیں۔ لیڈر میں یہ ساری خوبیاں ہونی چاہئیں۔ ان کے بغیر بڑا لیڈر نہیں بنا جا سکتا۔ لیکن صرف یہ خوبیاں لیڈر نہیں بنا سکتیں، لیڈر کے ساتھ جاں نثار اور محبت کرنے والے ساتھیوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ وہی دور تھا کہ جب بھٹو صاحب کے ساتھ کھر جیسے ساتھی تھے جن کی وجہ سے پولیس کی ہڑتال ایک چھرا چلائے بغیر ختم کر دی گئی تھی۔ لیکن غلام مصطفےٰ کھر الگ ہوئے تو کیا ہوا؟ اور ان کے بعد جب حنیف رامے بھی چھوڑ گئے تو کیا گزری؟ بھٹو صاحب تو وہی تھے، لیکن ان ساتھیوں کے بعد وہ دلائی کیمپ بنا کر بھی حالات پر قابو نہ پا سکے۔

تو جناب یہ طعنہ ٹھیک نہیں کہ بھٹو صاحب کے بغیر ہم کیا تھے؟ ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ تھے، ایک دوسرے کی طاقت تھے، اگر ہم ان کے بغیر کچھ نہیں تھے تو وہ بھی ہمارے بغیر نامکمل تھے۔ یہ درست ہے کہ ہم کارکن تھے اور وہ لیڈر تھے۔ ہم ان کی وجہ سے تھے اور وہ آپ جیسے جاں نثار ورکرز اور ہم جیسے ساتھیوں کی وجہ سے تھے۔ ہم نے یہ رشتہ نبھایا اور اپنے دوست اور اپنے لیڈر کو بچانے کے لئے جو خدمت یا جو جتن مجھ سے ہو سکا، میں نے کیا۔ اس معاملے میں میرا ضمیر مطمئن ہے اور میرا خدا گواہ۔ مگر پیپلز پارٹی کی قیادت اس جذباتی مسئلے کو بھی سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہے، اس کا خیال ہے کہ اس طرح ہمیں بلیک میل کیا جا سکے گا۔ میں دردمندی کے ساتھ اپیل کروں گا کہ خدا کے لئے میرے دوست اور میرے لیڈر کے خون کو سیاسی دکانداری کے لئے استعمال نہ کرو۔ اس نے یہ خون اپنے خاندان یا اپنے رشتہ داروں کے لئے نہیں بہایا، یہ خون غریب عوام کی خاطر بہایا گیا ہے۔ یہ خون ساری قوم کے لئے محترم ہے۔ ہم سب کے لئے مقدس ہے۔ لہٰذا میں درخواست کرتا ہوں کہ اس

خون کو استعمال نہ کرو، یہ میرے بھی دوست کا خون ہے۔ میرے بھی بھائی کا خون ہے، میرے بھی لیڈر کا خون ہے۔ جو لینا ہے جو بنانا ہے اس کے نام سے بنا لو۔ میرے لیڈر کا نام بہت بڑا ہے، موجودہ قیادت جتنی چھوٹی خواہشیں رکھتی ہے انہیں پورا کرنے کے لئے تو میرے لیڈر کا نام ہی بڑا ہے۔ اس کے نام کا سہارا لے کر بہت سے بچے بہت دیر تک عوام کے جذبات سے کھیل سکتے ہیں۔ اس لئے میں ایک بار پھر التجا کروں گا کہ میرے بھائی کے خون کو اقتدار کی سیاست میں نہ لاؤ۔ جو پتھر باقی رہ گئے ہیں انہیں ہمارے محترم ساتھیوں کی طرف پھینکنے کی بجائے سیمنٹ لو، جو تیر بچ گئے ہیں انہیں اپنے ترکش میں واپس رکھ لو، ہم بھی مٹی سے بنے ہوئے انسان ہیں کب تک زبان کٹنے پر خنجر کو مرحبا کہیں گے۔ اب ہم نے راستہ بدل لیا ہے اس لئے شاید میں آخری بار آپ کو نصیحت کر رہا ہوں کہ آپ شیشے کے گھر میں بیٹھے ہیں۔ وقار اور شائستگی کے ساتھ رہیں جیسے ہم نے کبھی شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ہماری زبان نہ کھلوائیں۔ اگر ہم نے زبان کھولی تو آپ کے قامت کی درازی کا بھرم کھل جائے گا۔ آپ کی جمہوریت سے وفاداری کا بھرم کھل جائے گا، بعض سمجھوتوں کا بھید کھل جائے گا۔

دوستو! میں نے عرض کیا کہ ساتھ ہم نے نہیں چھوڑا، ہم نے ہر آزمائش اور ہر مصیبت میں ساتھ دیا۔ ہاں جب ان کی مصیبتیں ختم ہوئیں انہیں اقتدار ملتا نظر آیا تو انہوں نے ایسے کارکنوں سے نظریں پھیر لیں جو نو سال سے قربانیاں دیتے آئے تھے، ان کا خیال ہوگا کہ میں اپنے مفاد سے مطلب رکھوں گا، کارکنوں کی بات نہیں کروں گا۔ ستمبر ۱۹۸۵ء کہا گیا کہ عہدوں پر نامزدگیاں کر دیں۔ میں نے کہا "ہم جمہوریت کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اب تک حالات خراب تھے تو اور بات تھی۔ اب مارشل لاء اٹھانے کی تاریخ دے دی گئی ہے۔ یہ بات پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس لئے ہمیں انتظار

کرنا چاہیئے۔ مارشل لاء ختم ہوتے ہی ہم انتخابات کرا دیں گے۔" لیکن قیادت کی طرف سے نامزدگیوں پر اصرار کیا گیا۔ اس پر میں نے رائے دی کہ اگر نامزدگیاں ہی کرنی ہیں تو ان کارکنوں کو آگے لائیں جو قربانیاں دیتے آئے ہیں۔ پارٹی کے عہدے ان کا حق ہیں۔ میں نے ایسے کارکنوں کی فہرست تیار کی۔ ہر ایک کے نام کے ساتھ اس کی قربانیوں کی پوری تفصیل درج کی اور وجہ بتائی کہ انہیں عہدے دینے کی ضرورت کیوں ہے؟ یہ وہ لوگ تھے جو نو سال تک وفاداری کے ہر امتحان میں کامیاب رہے، جو بار بار جیل جاتے رہے جو ٹارچر سیل میں خوفناک تشدّد کا نشانہ بنائے گئے، جن کے جسموں پر بے رحمی سے کوڑے برسائے گئے۔ ظاہر ہے یہ بہادر کارکن میرے سر کا تاج ہیں، میری راہوں کا اجالا ہیں۔ میرا انمول سرمایہ ہیں۔ میں ان کی حق تلفی کیسے دیکھ سکتا تھا۔ یہی میرا گناہ تھا میں نے انہی کارکنوں کے لئے سفارشات کیں اور فہرست مرتب کر کے ان کے حوالے کر دی۔ لیکن قیادت کی طرف سے عہدے داروں کی جو فہرست منظور کر کے مجھے ارسال کی گئی، اس کا حلیہ ہی بگڑا ہوا تھا۔ اس میں ایسے لوگ عہدے دار بنائے گئے تھے کہ ان کے نام جاری کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی۔ جنرل ضیاء الحق کو ہار پہنانے والوں کو عہدے دیئے گئے۔ ان کے قصیدے پڑھنے والوں کو نوازا گیا۔ انہیں اجرک پہنانے والوں کو نامزد کیا گیا۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں سے تمغے حاصل کرنے والوں کو عزت دی گئی۔ چیف منسٹر کی دعوتیں کرنے والے عہدیدار بنے۔ ظاہر ہے میں اپنے ساتھ قربانیاں دینے والوں کی حق تلفی برداشت نہ کر سکا۔ چنانچہ میں نے اس فہرست کو جاری کرنے سے انکار کر دیا اس پر مجھ سے کہا گیا کہ میں لندن آ کر بات کروں۔ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے جب میں وہاں پہنچا تو مجھ سے کہا گیا کہ اس میں ردّوبدل کیا جائے گا، لیکن پرانی فہرست اخبارات کو جاری کر دی گئی۔ اگرچہ مجھے تو پھر ایک دفعہ اس فہرست میں صدر نامزد کیا گیا تھا لیکن میں نے مارشل لاء کے خوشامدیوں کو اپنی پارٹی کے

عہدے دار قبول کرنے سے انکار کر دیا یہ اصولی موقف اختیار کر کے جب میں وطن واپس آیا تو پارٹی قیادت کے روکنے کے باوجود کارکنوں نے جس والہانہ انداز میں میرا استقبال کیا اس سے ظاہر ہو گیا کہ ان کی اکثریت مجھ سے اتفاق کرتی ہے، انہیں بھی یہ بات پسند نہیں کہ جس پارٹی کو ان کے لیڈر نے اپنے خون سے سینچا ہوا ور جسے خود کارکنوں نے قربانیاں دے کر پروان چڑھایا ہو، اس پر مارشل لاء حکومت کے خوشامدی قبضہ کرلیں۔

جواں عزم ساتھیو!

یہ تو تھا ایک مسئلہ۔ اب آیئے ایک اور مسئلے کی طرف۔

جب کنفیڈریشن کا نعرہ بلند ہوا اور اس کے بانیوں نے کہا کہ ہم پارٹی سے جدا نہیں ہیں ہمارے پروگرام کو قیادت کی منظوری حاصل ہے تو میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر موصوفہ سے کہا کہ یہ کیا تماشا ہو رہا ہے۔ ہماری پارٹی تو فیڈریشن کی علمبردار ہے۔ وہ کنفیڈریشن کی حمایت کس طرح کر سکتی ہیں، میں ذاتی طور پر ان پرانے دوستوں کا احترام کرتا ہوں لیکن یہ پروگرام ہمیں منظور نہیں؛ اس کو مسترد کر دیں، اس سے لاتعلقی کا اعلان کریں۔ پارٹی کے کارکن کنفیوژن کا شکار ہو رہے ہیں۔ بعض مقامات پر کنفیڈریشن کے حامیوں نے پارٹی کے دفتروں میں اپنے جلسے کئے تھے، میں نے کہا کہ لوگوں نے آنسوؤں کے ساتھ آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ خدارا فوراً اس سے لاتعلقی کا اعلان کیجئے۔ لیکن ہوا یہ کہ طویل عرصے تک اس پر ٹال مٹول سے کام لیا جاتا رہا میں نے خود اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے کنفیڈریشن سے مکمل لاتعلقی کا اعلان کیا اور واضح کیا کہ یہ ہمارے نظریے اور پارٹی پروگرام کے خلاف ہے۔ لیکن انہوں نے بہت عرصے تک خاموشی اختیار کئے رکھی۔ پھر جب اعلان کیا بھی تو بہت نرم دلی اور دھیمے پن سے۔ پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ کنفیڈریشن کے سرگرم حامیوں کو صوبہ سندھ

میں اہم عہدے دیئے گئے۔ صوبے کے صدر کی حیثیت سے میرا یہ حق ہی نہیں فرض بھی تھا کہ میں ان معاملات پر اپنی بے اطمینانی اور اضطراب کا اظہار کروں، لیکن وہاں شکایت سننے کا مزاج ہی نہیں ہے۔ اب مفاد پرستوں اور خطرناک عزائم رکھنے والوں نے اپنا گھیرا اور بھی تنگ کر لیا ہے۔ کم نظر لوگوں نے چاپلوسی کا جال باندھ دیا ہے اور چاروں طرف بے گانگی کی دیواریں کھڑی کر دی ہیں اور ان کی ناتجربہ کاری، جلد بازی اور گرم مزاجی کو پورے طور پر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان کے حواریوں نے ان کی موجودگی میں اپنی زبان سے وہ باتیں کہی ہیں کہ محب وطن پاکستانی سن کر غم و غصہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس جماعت کے تحت ہم نے "اسلام ہمارا دین ہے" کا نعرہ لگایا تھا اس کا ایک صوبائی صدر، قیادت کا ایک منظور نظر کہتا ہے کہ ہماری پارٹی، پاکستان کے نام سے "اسلامی" کا لفظ ہٹا دے گی اور اس کا نیا نام رکھے گی۔ سندھ کے موجودہ صدر کی بصیرت کا یہ عالم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے رہنما کو وزیراعظم نہ بنایا گیا تو "پاکستان توڑ دو" کا نعرہ لگائیں گے۔ اس کے علاوہ اور بھی اذیت ناک آوازیں بلند کی گئی ہیں۔ جی نہیں چاہتا کہ ان کو دہرایا جائے کیونکہ ہم تو عوام کے مابین محبتوں اور چاہتوں کا تبادلہ چاہتے ہیں۔ لیکن وہاں ایسے لوگوں کو صدارت کے عہدے سے نوازا گیا ہے جو نہایت ظالمانہ طریقے سے یہ کہتے ہیں کہ "ہم اپنے صوبے سے پنجاب کو لاشیں روانہ کریں گے۔"

میرے باشعور ساتھیو!

اسی لئے جب لوگ پوچھتے ہیں تو بجا پوچھتے ہیں کہ آخر پھر آپ ہی کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیوں اور وہ بھی اتنی جاں نثاری اور خدمت گذاری کے بعد کہ پوری سینٹرل کمیٹی کے صرف دو، تین ارکان کو رات کے اندھیروں میں گھروں سے بلا کر آپ کو سندھ کی صدارت سے کیوں علیحدہ کیا گیا؟ کیا کوئی قیادت کا جھگڑا تھا؟ مگر سب جانتے ہیں کہ

ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ چنانچہ مجھ پر زور دیا گیا کہ میں حقیقی پیپلز پارٹی کا تحفظ کروں،

سوال یہ ہے کہ حقیقی پیپلز پارٹی کیا تھی؟ پیپلز پارٹی، پاکستان کے غریب اور محنت کش عوام کا ایک ایسا سیاسی پلیٹ فارم تھا جہاں سے انہوں نے پہلی مرتبہ اتنے وسیع پیمانے پر انقلابی جد وجہد کا آغاز کیا۔ اس انقلابی جدوجہد کے دو رُخ تھے، بیرونی دنیا میں یہ قومی آزادی وخود مختاری کی جد وجہد تھی جس کا مقصد پاکستان کو سامراج کے استحصالی نظام سے نجات دلوانا اور اس کے خلاف لڑنے والے دنیا بھر کے غریب عوام کی حمایت کرنا تھا اور اندرونی طور پر اس کی منزل سوشلزم کے اقتصادی اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک فلاحی مسلم معاشرہ قائم کرنا تھا۔ یہ اندرونی و بیرونی جدوجہد آپس میں مربوط تھی۔ آپ عالمی سامراج کی گرفت سے آزاد ہوئے بغیر اندرونی استحصال ختم نہیں کرسکتے اور اندرونی استحصال کا خاتمہ کئے بغیر عالمی سرمایہ داری کے جال سے نہیں نکل سکتے۔ یہ ایک بہت اُلجھی ہوئی جدوجہد ہے۔ ابھی ہم اس کی اُلجھنوں کو سمجھ کر ان سے نکلنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ ہمیں دبوچ لیا گیا۔ ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہمارے قائد کو ہم سے جُدا کر دیا گیا۔ عوام کو اپنی آزادی اور نجات کے لئے بڑی عظیم قربانیاں دینی پڑتی ہیں لیکن سچے اور مخلص انقلابی کارکنوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ عوام کی ان قربانیوں کو ضائع نہ جانے دیں۔ انہیں اپنی جدوجہد کا اثاثہ بنا کر آگے چلیں، ماضی کی ناکامیوں سے سبق سیکھیں اور غلطیوں کو اپنا استاد مانیں اور حقیقی منزل یعنی استحصال سے پاک معاشرے کے قیام کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ لیکن مجھے بڑے دُکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی قیادت نے یہ سب کچھ ختم کر دیا۔ بیرونی لحاظ سے پارٹی نے عالمی سرمایہ داری نظام کی غلامی قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ داخلی طور پر اس نے تمام استحصالی طبقوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی پالیسی اختیار کی، پارٹی کے اندر جمہوریت کا مکمل خاتمہ کر کے اسے فرد واحد

کی ذاتی ملکیت بنا دیا گیا اور اس چیز کا نام بھٹوازم رکھ کر میرے دوست اور میرے قائد کو بدنام کرنا شروع کر دیا گیا۔

اب ہم پرانے کارکنوں کے سامنے کیا راستہ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا ہم واشنگٹن اور ماسکو سے ڈگری مانگنے والی قیادت کے چوبدار بن کر باادب باملاحظہ کی آوازیں لگائیں۔ یا غیرت مند سیاسی کارکنوں کی طرح اپنی قوم اور اپنے وطن کی عزت کریں؛ کیا ہم موجودہ نام نہاد سول حکومت کے تیار کردہ بجٹ پر عمل درآمد کے لئے اپنی خدمات پیش کریں یا میثاق کو اپنے نظریات کی روشنی میں ترتیب دیں؛ کیا ہم چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ہاتھ چومنے والوں سے مل کر اقتدار کے خواب دیکھیں یا عوام کی قوت پر بھروسہ کرتے ہوئے جمہوری اصولوں کی سربلندی کے لئے لڑیں؛ اس سلسلے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ سیاست ہم پر اچانک نہیں گری۔ ہم نے سوچ سمجھ کر یہ راستہ چُنا ہے، ہم کچھ اصولوں اور نظریات کو حقیقت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے نکلے ہیں۔ ہمارے کچھ خواب ہیں جن کی ہم تکمیل چاہتے ہیں، کچھ مقاصد ہیں، کچھ مقاصد ہیں جن کا حصول ہماری منزل ہے۔ ہم اپنے ضمیر کے سامنے جوابدہ ہیں، ہم اسی دھرتی سے اُٹھے ہیں، ہمیں اسی دھرتی پر رہنا ہے اسی دھرتی پر جانا ہے، ہم اسے چھوڑ کر باہر نہیں جا سکتے، ہم اپنی مٹی سے ناراض ہو کر اسے ٹھوکر نہیں مار سکتے، نہ ہم ہوس اقتدار میں مبتلا کسی شخص کو یہ اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ اسے ٹھوکر مارے یا اپنے پیروں تلے روندنے کی جرأت کرے۔ لہذا ہم مجبور ہیں کہ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اکٹھے ہوں۔ ایک تنظیم میں ڈھل جائیں۔ یہی مقاصد سامنے رکھ کر ہم نے پیپلز پارٹی بنائی تھی۔ یہی مقاصد آج ہمارے سامنے ہیں۔ ہمیں ایک بار پھر نئے سفر کا آغاز کرنا ہے۔ یہ نیا سفر اس دور پر مکمل ہو گا جب جمہور کا سورج طلوع ہو گا چاروں صوبوں کے عوام کو یکجہتی حاصل ہو گی۔ امن و آشتی کا دور دورہ ہو گا، تہذیب و

شائستگی کا بول بالا ہو گا۔ شرافت و جمہوریت، عدل و انصاف اور انسانوں کی عزت و احترام کے پرچم کو بلند کیا جائے گا، استحصال، ظلم، ناانصافی، محرومی صوبائی تعصب، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، رشوت، انتشار کی سیاست اور شخصی آمریت کے تمام بتوں کو پاش پاش کیا جائے گا اور تعمیری سیاست کی، قومی سیاست کی اور عوامی سیاست کی شاہراہیں تعمیر کی جائیں گی۔ وہ شاہراہیں جو ایک مہذب، صاف ستھرے اور فلاحی معاشرے کی منزل تک عوام کے قافلے کو لے جائیں گی۔ وہ شاہراہیں جن پر جمہوریت کے شہیدوں نے اپنے ہاتھوں سے قربانیوں کے سنگ میل نصب کیے ہیں۔

لیکن دوستو! نیا سفر شروع کرنے سے پہلے پچھلے سفر کا ایک جائزہ ضرور لے لینا چاہیئے تاکہ اندازہ کیا جاسکے کہ ہم سے کہاں غلطی ہوئی؟ کہاں بھول ہوئی؟ اگلے سفر میں ہمیں ان غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ آپ تمام ساتھیوں کو یکجا کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ کے خیالات کو سنوں۔ آپ سے سیکھوں، آپ سے رہنمائی حاصل کروں۔ اب تک مختلف دوستوں کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے کے بعد میں جو اندازہ کرسکا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں فوری طور سے ان مسائل پر سوچنے کی ضرورت ہے۔

- ایک انقلابی، قومی، جمہوری جماعت تشکیل دینے کے لئے ہمیں کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیئے؟
- پارٹی کے اندر جمہوریت کی رُوح بیدار رکھنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟
- وفاقِ پاکستان کو اس وقت کون کون سے خطرات لاحق ہیں؟ اور ان خطرات سے پاکستان کو بچانے کے لئے کیا کیا جائے۔
- ملک میں کشیدگی، انتہا پسندی اور تصادم کی فضا ختم کرنے کے لئے ہم کیا

کردار ادا کر سکتے ہیں؛

- مہذب، شریفانہ اور باہمی احترام پر مبنی جمہوری روایات کیسے قائم کی جائیں؛
- نئے جغرافیائی حقائق کو پاکستان کی سالمیت، آزادی اور خود مختاری کے تقاضوں سے کیسے ہم آہنگ کیا جائے؛
- عوام کو روٹی، روزگار، رہائش، تعلیم، علاج اور انصاف کی فراہمی کی ضمانتیں کیسے مہیّا کی جائیں؛
- ملک میں فلاحی مملکت کیسے قائم کی جائے۔
- ملک کو جاگیرداری کے فرسودہ نظام سے نجات دلا کر صنعت و ٹیکنالوجی کے نئے دور میں داخل ہونے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے کہ حالیہ و گزشتہ آمریتوں کی وجہ سے رُکی ہوئی ترقی کی کمی پوری ہو سکے۔؛
- وطن سے غریبی کیسے ختم کی جائے؛
- سچائی، انصاف اور شرافت کو معاشرے میں کیسے رائج کیا جائے؛
- نیا انتظامی ڈھانچہ کیسے مرتب کیا جائے کہ جو سامراجی مقاصد کے لئے قائم کی گئی۔ ریاستی مشینری کی جگہ لے سکے؛

میرے ساتھیو!

میں اِن موضوعات پر اور ان کے علاوہ ہر موضوع پر آپ کے خیالات سننے کا بے تابی سے منتظر ہوں۔ آپ کو سن کر جو کچھ میں سمجھ سکوں گا آخر میں آپ کے سامنے دہراؤں گا اور آپ سے دریافت کروں گا کہ میں اچھا سیکھنے والا ہوں یا نہیں۔

اساسی دستاویز

*

یہ دستاویز ۳۱ اگست ۱۹۸۶ء کو ٹھوکر نیاز بیگ لاہور میں نیشنل پیپلز پارٹی کے تاسیسی کنونشن میں متفقہ طور پر منظور کی گئی۔

ابتدائیہ

نیشنل پیپلز پارٹی کی اساسی دستاویز

آج پاکستان ایک بار پھر تاریخ کے دوراہے پر ہے۔ نو سالہ غیر نمائندہ اور استبداد دور حکومت نے قوم کو ایسے نظریاتی، آئینی اور اقتصادی بحرانوں میں مبتلا کر دیا ہے جو اس کی بقا کے لئے سنگین خطرات کا باعث بن گئے ہیں۔ ۳۹ سال قبل قیام پاکستان کے موقع پر بابائے ملت نے فرمایا تھا کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لئے بنا ہے۔ لیکن ہم ان کی توقعات کو پورا کرنے میں ناکام رہے۔ پاکستان جمہوری جدوجہد کے نتیجہ میں وجود میں آیا تھا۔ یہ اسی صورت میں قائم دوائم رہ سکتا ہے کہ عوام اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ مملکت کے اقتدار کے مالک ہوں۔ برصغیر کی جدید سیاسی تاریخ کا آغاز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کے خونیں انجام سے ہوتا ہے جس میں مسلمان قوم آزادی کے قافلے کا ہراول دستہ تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے حق خود اختیاری کا استعمال کر کے پاکستان کو جنم دیا۔ یہ حق مسلم عوام کو اپنی اس بے غرض اور مخلصانہ جدوجہد کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا جس کی رہنمائی ہمارے محبوب بابائے ملت قائداعظم محمد علی جناح فرما رہے تھے حضرت قائداعظم کی بے وقت وفات اور پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد یہ ملک سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا مرکز بن گیا۔ جس کے نتیجہ میں نوکر شاہی سے تعلق رکھنے والے ایک گورنر جنرل نے ۱۹۵۴ء میں ملک کی آئین ساز اسمبلی کو توڑ دیا۔ جمہوریت کی راہ سے اس پہلے انحراف کے بعد سے اب تک قوم

جمہوریت کے حصول کی ناکام کوشش میں مصروف ہے۔ بعد ازاں ۱۹۵۶ء کے آئین کے ذریعہ، جمہوریت کا جو مختصر سا دور آیا تھا اسے ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خان کے مارشل لائے تہہ و بالا کر دیا۔ صف اول کے بیشتر سیاسی رہنماؤں کو ایبڈو کا نشانہ بنا کر سیاسی دھارے سے الگ کر دیا گیا جس کی وجہ سے قومی سطح کی قیادت کا خلا پیدا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۷۱ء میں ہم ایک بہت بڑے المیہ سے دوچار ہوئے اور مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو گیا علیحدگی کے صدمے کے باوجود منتخب قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر ۱۹۷۳ء کا آئین منظور کیا لیکن بدنصیبی سے جمہوریت کو کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور ۵ جولائی، ۱۹۷۷ء کو مارشل نافذ کر دیا گیا۔ جو پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین اور بدترین مارشل لاء ثابت ہوا۔

۱۹۸۵ء کے انتخابات غیر جماعتی بنیاد پر کرائے گئے لیکن بعد میں حکمران جماعت کی مصنوعی ولادت عمل میں لائی گئی اور اس کے لئے ان لوگوں پر انحصار کیا گیا جن کا نہ تو کوئی پروگرام ہے اور نہ ہی کوئی سیاسی عقیدہ۔ پاکستان کے عوام ان سیاسی مہمات سے بیزار ہو گئے ہیں۔ پاکستان کے عوام چاہتے ہیں کہ جمہوری اور سیاسی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہوں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ صرف ایک وطن پرست تجربہ کار، مخلص باصلاحیت اور ترقی پسند قیادت ہی ملک کو سنگین بحران سے بچا سکتی ہے اور ملک کے استحکام کی ضمانت دے سکتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ صرف ایسی قیادت ہی ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتی ہے، وقت کے تقاضوں کی تکمیل کر سکتی ہے اور پاکستان کو بالآخر دنیا کے ترقی یافتہ اور جدید ملکوں کی صف میں شامل کر سکتی ہے۔

پاکستان کے قیام کی بنیاد یہ نظریہ تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں اس کے قیام کے لئے بیش بہا قربانیاں دی گئیں اور آزادی کی سحر بے اندازہ امیدوں کے ساتھ نمودار ہوئی، مسلم عوام نے ایک ایسے خطۂ زمین کا خواب دیکھا تھا جو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ

اور ان کی عظمت کے احیاء کا ذریعہ ہوگا۔ ان کا تصور تھا کہ پاکستان ایک جدید جمہوری ریاست ہوگا۔ برصغیر کے مسلمانوں کا وطن ہوگا۔ جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی و تحقیق کا مرکز ہو گا، یہ ایک ایسا ملک ہوگا جو پڑوسیوں کے ساتھ امن و سکون سے رہ سکے گا۔ انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ پاکستان میں خوشحالی ہوگی اور عوام کے معاشی مسائل حل ہو جائیں گے۔ معاشرے کے ہر طبقے کو یہ امید تھی کہ ان کا نیا وطن ہر ایک کو مساوی تحفظ فراہم کرے گا۔ عورتوں کو ان کے حقوق دے گا، تمام مردوں اور عورتوں کو روزگار فراہم کرے گا۔ ہر پاکستانی کو بلاتفریق مکمل مذہبی آزادی، سماجی سرگرمیوں اور انجمن سازی کی اجازت ہوگی۔ انہیں یہ امید تھی کہ ملک میں ایک خود کفالتی زرعی و صنعتی معیشت کی بنیاد رکھی جائے گی، نئی سڑکیں، پل، فنی درسگاہیں ثقافتی مراکز، پاور اسٹیشن وغیرہ بنائے جائیں گے۔ ہر دیہات میں بجلی فراہم کی جائے گی، لوگوں کی جدید تمدن کی روشنی فراہم کی جائے گی اور اس طرح ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے گا جو ہر قسم کے استحصال سے پاک ہوا اور جس کے عوام کو خوشحالی، تحفظ اور امن و سکون کی نعمت حاصل ہو۔

لیکن افسوس کہ ہم ان بلند مقاصد کے حصول میں ناکام ہوگئے۔ مختصر وقفوں کے سوا ملک پر غیر منتخب حکمران اقتدار پر قابض رہے، عوام کے بنیادی حقوق معطل رہے، سپریم کورٹ اور ہائیکورٹ کے جج صاحبان کو برطرف کیا جاتا رہا۔ قومی پریس پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دیا جاتا رہا۔ اقلیتوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔ ان تمام حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندرونی و بیرونی سازشوں کے نتیجے میں پاکستان کا وفاق ۱۹۷۱ء میں دو لخت ہوگیا۔ ۱۹۷۷ء میں نافذ ہونے والا مارشل لاء ملک کا طویل ترین مارشل لاء ثابت ہوا اور ملک ایک ایسے سیاہ دور کا شکار ہوگیا جو دراصل غلامی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس نو سالہ مارشل لاء کے نتیجہ میں ملک میں جرائم بے انتہا بڑھ گئے۔ دن دہاڑے ڈکیتیاں ہونے لگیں۔ سیاست میں تشدد کا عنصر داخل ہوگیا، بڑے

پیمانے پر بے روزگاری پھیل گئی، دھوکہ دہی اور فراڈ کے واقعات میں بے انتہا اضافہ ہوگیا۔ علاوہ ازیں ٹیکس کی چوری اسمگلنگ، ہیروئن کی تجارت، ریکارڈ توڑ بدعنوانیاں اور معاشرے میں امن وامان کا مکمل طور پر تہہ و بالا ہو جانا، ایسے تلخ حقائق ہیں جنہوں نے اسلامائزیشن کے اس عمل کو جس کا حکمران دعویٰ کرتے ہیں ایک مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔

۱۹۷۳ء کا آئین جو سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور کا ایک اہم کارنامہ تھا۔ تمام سیاسی جماعتوں نے متفقہ طور پر اسمبلی میں منظور کیا تھا۔ یہ آئین پاکستان کے اصل تصور کی طرف لوٹنے کا ایک ذریعہ تھا۔ بدنصیبی سے موجودہ حکمرانوں نے قوم کی اس فکری یکجہتی کو برباد کر دیا اور آئینی مسائل کے لاتناہی سلسلہ کا دوبارہ آغاز کر دیا جواب ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ فرقہ پرستی، صوبائیت، علٰحدگی پسندی، یہاں تک کہ ملک کو توڑنے کی نامبارک آوازیں بھی فضا میں گونج رہی ہیں، وطن کے بعض شہریوں نے بڑے دکھ کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انہیں اس تاریک رات کا خاتمہ ہونے اور سحر طلوع ہونے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ ملک خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ تمام وطن پرست، جمہوریت پسند اور ترقی پسند لوگ جو پاکستان کو ایک متحد اور جدید مملکت دیکھنا چاہتے ہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور قوم کو متحد کریں۔

اب وقت آگیا ہے کہ ایک نئی سیاسی جماعت قائم کی جائے جو قوم میں فکری ہم آہنگی اور نظریاتی سوچ پیدا کرے اور وطن کو مسائل اور مصائب کے بحران سے آزاد کرائے۔ نیشنل پیپلز پارٹی قوم کی وحدت پر لازوال اعتقاد رکھتی ہے، اور ان ہم وطنوں پر مشتمل ہے جو ایک ایسے ارفع نصب العین کے لئے خود کو وقف کر دینا چاہتے ہیں، جس کا مقصد پاکستان کو ایک جمہوری وفاقی اور جدید فلاحی ریاست

بنانا ہو۔ ایسا پاکستان جس میں زراعت وصنعت کو جدید بنیادوں پر استوار کیا جائے جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جائے اور وطن کے دفاع کے مناسب انتظامات ہوں اور جہاں غربت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے غیر طبقاتی معاشرہ قائم کیا جائے۔

نیشنل پیپلز پارٹی کے اصول

۱۔ اسلام

نیشنل پیپلز پارٹی اسلام پر لازوال اعتقاد رکھتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ اسلام پارٹی کا رہنما اور منبع ہدایت ہوگا۔ اسلام نہ صرف یہ کہ ملوکیت، آمریت اور ظلم کا مخالف ہے بلکہ یہ ہمیں ان ظالمانہ اور عوام دشمن نظاموں کے خلاف جدوجہد کی ہدایت بھی کرتا ہے۔ اسلام ہمیں ذاتی اور اجتماعی زندگی کے روشن اور رہنما اصول عطا کرتا ہے اور تمام مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ان ارفع مقاصد کے حصول کے لئے انتہائی خلوص اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ جدوجہد کریں۔ نیشنل پیپلز پارٹی عہد کرتی ہے کہ وہ خدا کی عطاکردہ اس مملکت میں اسلام کی سربلندی کے لئے ہرممکن جدوجہد کرے گی۔ قائداعظمؒ نے فرمایا تھا "اپنے لئے ایک مملکت کا حصول، ایک مقصد کی تکمیل کا ذریعہ تھا، بجائے خود کوئی مقصد نہ تھا، ہمارا مطمح نظر ایک ریاست کا حصول تھا جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح سانس لے سکیں اور جسے ہم اپنی تہذیب و ثقافت اور تصورات کے مطابق ترقی دے سکیں اور جہاں اسلام کے سماجی انصاف کے اصولوں پر عمل کیا جائے۔ آیئے ہم حقیقی اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق اپنے ملک میں جمہوریت کی بنیاد رکھیں۔ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ مملکت کے بارے میں ہمارے فیصلے مذاکرات اور مشاورت سے ہونے چاہئیں"

۲۔ جمہوریت

یہ ایک ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے جمہوری جدوجہد کے ذریعے پاکستان حاصل کیا۔ پاکستانیوں کے لئے جمہوریت محض سیاسی نظام ہی نہیں بلکہ زندگی کا ایک رویہ بھی ہے۔ نیشنل پیپلز پارٹی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہے کہ پاکستان میں کبھی جمہوریت کو کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے قومی ادارے عوام کی خدمت کی بجائے حکمرانوں کے مفادات کی تکمیل کا ذریعہ بن گئے۔

آمرانہ نظام نے قومی سوچ کے دھارے خشک کر دیئے، علاقائی، گروہی اور فرقہ وارانہ نعروں سے ملکی فضا آلودہ ہونے لگی۔ آمریت نے عوام سے سرخوشی اور ولولہ چھین کر ان میں بددلی، مایوسی اور بے یقینی پھیلا دی۔ ہماری قوم نے جمہوریت سے انحراف کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے لہٰذا نیشنل پیپلز پارٹی، پاکستان کی وحدت اور اس کی بقاء کے لئے جمہوریت کو لازمی سمجھتی ہے اور عزم کرتی ہے کہ ملک میں سچا، وفاقی جمہوری نظام قائم کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کرے گی۔

نیشنل پیپلز پارٹی یقین رکھتی ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں جمہوری طریقے پر ترمیم کر کے صوبوں کو زیادہ سے زیادہ آئینی خودمختاری دی جائے تو یہ آئین، ملک کو ایک دیرپا آئینی انتظام فراہم کر سکتا ہے۔

قائداعظمؒ کا ارشاد ہے "حکومت کے پیش نظر اس مقصد کو اوّلیت حاصل ہونی چاہیئے کہ وہ لوگوں کی خدمت، ان کی فلاح اور بہتری کے لئے کون سے ذرائع استعمال میں لائے۔ یاد رکھیے! یہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کسی حکومت کو اقتدار میں لائیں یا اسے ہٹا دیں لیکن اس کے لئے ہجوم کو استعمال کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ عوام کو بڑی قوت حاصل ہے۔ ہم میں قومی مقاصد کے لئے عوامی قوت کو

بروئے کار لانے کا سلیقہ ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کسی حکومت سے انتہائی حد تک غیر مطمئن ہیں تو یہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ اسے ہٹا کر دوسری حکومت قائم کریں۔

۳۔ قومی وحدت اور صوبائی خود مختاری

پاکستان کے معماروں نے اس عظیم الشان مملکت میں وفاقی جمہوریت قائم کرنے کا عہد کیا تھا، لیکن مفاد پرست حکمرانوں نے ملک پر آمریت کے اندھیرے مسلط کر کے قومی وحدت کو سنگین خطرات میں مبتلا کر دیا ہے۔ نیشنل پیپلز پارٹی ایک حقیقی وفاقی نظام کی علمبردار ہے جس میں تمام صوبوں کو وفاق پاکستان کے دائرے میں مکمل خود مختاری حاصل ہو۔ پارٹی صوبائی خود مختاری اور قومی وحدت کو جدا نہیں سمجھتی بلکہ یہ یقین رکھتی ہے کہ دونوں آپس میں مربوط اور لازم و ملزوم ہیں۔ یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ خوشحال اور مطمئن صوبے ہی دراصل مستحکم اور مضبوط وفاق کی ضمانت فراہم کرتے ہیں اسی لئے پارٹی صوبوں کے عوام کی خواہشات کے مطابق مکمل صوبائی خود مختاری کے حصول کے لئے جدوجہد کا پختہ عہد کرتی ہے اور تمام صوبوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے قومی وحدت کو ناقابل تسخیر بنانے کا عزم کرتی ہے پارٹی ان تمام رجحانات کے خلاف بے خوفی سے جدوجہد کرنے کا اعلان کرتی ہے جن کا مقصد صوبائیت علیحدگی پسندی اور فرقہ واریت کے ذریعے عوام کو تقسیم کر کے قومی وحدت کو نقصان پہنچانا ہے۔

۴۔ غربت کے خلاف جنگ اور فلاحی معاشرے کا قیام

نیشنل پیپلز پارٹی غربت کو پاکستان کے خوبصورت چہرے پر بدنما داغ قرار دیتی ہے، وہ اس لعنت سے نجات حاصل کرنے کے لئے ثابت قدمی اور حوصلے کے ساتھ جنگ کرنے کا اعلان کرتی ہے اسے یقین ہے کہ خوشحالی اور معاشی آسودگی،

بلاامتیاز، ہر پاکستانی کا حق ہے۔ پارٹی تمام پیداواری طاقتوں کو از سرِ نو منظم کرے گی، ان کے حقوق و فرائض کا موجودہ حقائق کی روشنی میں دوبارہ تعین کرے گی، وہ عوام کی خواہشات کے مطابق جدید معاشی منصوبہ بندی کرے گی اور پوری قوم کی پیداواری صلاحیتوں کو انقلابی جذبے سے ہم آہنگ کر کے ایک جدید فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لائے گی۔ نیشنل پیپلز پارٹی کو یقین ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے پاکستانی عوام بے اندازہ اور حیران کن پیداداری صلاحیتوں کے مالک ہیں، پارٹی عوام کی اہلیت پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے موجودہ حالات اور تقاضوں کے مطابق ملک کی معیشت کی تنظیم نو کرے گی۔

نیشنل پیپلز پارٹی کا واضح نظریہ ہے کہ عوام کو تعلیم اور صحت کی بہتر سہولتیں مہیا ہونی چاہئیں، تمام لوگوں کو روزگار حاصل ہونا چاہیئے اور حکومت کو یہ ضمانت فراہم کرنی چاہیئے کہ کوئی بھی پاکستانی مرد، بچہ یا عورت زندگی کی بنیادی ضرورتوں یعنی روزگار، علاج، تعلیم، رہائش اور بہتر معیارِ زندگی سے محروم نہ رہ جائے۔ معاشرے کے کمزور طبقوں یعنی نادار بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کی کفالت حکومت کی ذمہ داری ہونی چاہیئے۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لئے موجودہ معروضی حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد نیشنل پیپلز پارٹی یقین رکھتی ہے کہ اب فلاحی معاشرے کا قیام ناگزیر ہوگیا ہے، پارٹی عہد کرتی ہے کہ وہ معاشی اور سماجی استحصال کا مکمل خاتمہ کر کے ایک غیر طبقاتی معاشرہ اور فلاحی ریاست قائم کرے گی تاکہ پاکستان کے عوام کو آسودہ اور خوشحال زندگی حاصل ہو اور قوموں کی برادری میں پاکستان کو ایک جدید اور ترقی یافتہ مملکت کا درجہ حاصل ہو جائے۔

۵۔ سماجی انصاف

نیشنل پیپلز پارٹی وفاق کی تمام اکائیوں، یعنی صوبوں کے مابین اور عوام کے

مختلف طبقات کے درمیان تمام ناہمواریوں کو دور کر کے سماجی انصاف کو یقینی بنائے گی۔ وہ ایسے اقدامات کرے گی کہ تمام محنت کشوں، ہنرمندوں اور ہر طبقہ کے افراد کو سماجی انصاف اور تحفظ حاصل ہو اور اقلیتوں سمیت ہر پاکستانی کے حقوق ومفادات کی حفاظت ہو سکے۔ پارٹی، معیشت کی اس طرح تنظیم نو کرے گی کہ زندگی کے تمام طبقوں کو ان کے جائز حقوق حاصل ہو جائیں اور کسی بھی شہری یا طبقے کی حق تلفی نہ ہو سکے۔

نیشنل پیپلز پارٹی اس حقیقت کا پورا شعور رکھتی ہے کہ مخصوص مفادات رکھنے والوں نے ہمیشہ سماجی انصاف کے حصول کی راہ میں دشواریاں پیدا کی ہیں، اسی لئے پارٹی فلاحی معاشرہ کو اپنا نصب العین قرار دیتی ہے۔ کیونکہ فلاحی معاشرہ ہی سماجی انصاف کی ضمانت مہیا کر سکتا ہے اور قومی مقاصد کو اولیت حاصل ہو سکتی ہے۔

۷۔ شہریوں کا تحفظ

نیشنل پیپلز پارٹی ان کربناک حالات سے پوری طرح آگاہ ہے کہ عدم تحفظ کے احساس نے پاکستانیوں کی زندگی سے اطمینان اور خوشی چھین کر انہیں ذہنی عذاب اور نفسیاتی دباؤ کا شکار کر دیا ہے۔ پارٹی عہد کرتی ہے کہ وہ بلا امتیاز ہر پاکستانی کی جان ومال، عزتِ نفس، اثاثہ جات جائیداد اور عزت واحترام کے تحفظ کی ضمانت دے گی۔ وہ انتظامیہ کو عوام کی حفاظت اور ان کی خدمت کا پابند کرے گی۔ پارٹی عوام کی عظیم طاقت اور پُرجوش حمایت سے معاشرے کو ڈاکوؤں، لٹیروں، اسمگلروں، تشدد پسندوں اور جرائم پیشہ عناصر سے یکسر پاک کر دے گی اور سماج کے ہر طبقہ میں امن وسکون اور اعتقاد کی روح پھونک دے گی۔

۷۔ بدعنوانیوں کا خاتمہ

نیشنل پیپلز پارٹی یقین رکھتی ہے کہ رشوت ستانی، منشیات فروشی، چوربازاری اور اقربا پروری جیسی سماجی لعنتوں کی موجودگی میں ایک پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کا مشن کبھی پورا نہیں ہوسکتا لہٰذا نیشنل پیپلز پارٹی عہد کرتی ہے کہ وہ ہر قسم کی بدعنوانیوں کو جڑسے اکھاڑ پھینکے گی اور ایسے تمام اقدامات بروئے کار لائے گی کہ بیمار معاشرے کی ان علامتوں کا قلع قمع ہوجائے۔ پارٹی عوام کی استحصال کرنے والے اہلکاروں کا سختی سے احتساب کرے گی، انتظامیہ کی تطہیر کرے گی اور ایسی فرض شناس انتظامیہ کی تشکیل کرے گی جو عوام کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتی ہو۔ نیشنل پیپلز پارٹی کو اعتماد ہے کہ عوام کی حمایت سے قائم ہونے والا جمہوری نظام بدعنوانیوں کو نیست ونابود کردے گا اور صاف ستھری انتظامیہ کو بااعتماد اور مستحکم کرے گا۔ پارٹی دیانتدار اور فرض شناس انتظامیہ کی ملازمتوں کو تحفظ فراہم کرے گی تاکہ وہ کسی دباؤ کے بغیر دلجمعی سے عوام کی خدمت کرسکے۔

نیشنل پیپلز پارٹی رشوت ستانی اور دیگر بدعنوانیوں کے خاتمے کو اپنا اوّلین فرض قرار دیتی ہے اور پاکستان کے عوام سے عہد کرتی ہے کہ وہ اس عظیم فریضہ کی ادائیگی سے کبھی غافل نہیں ہوگی اور اس مشن میں کسی سفارش، مصلحت یا دباؤ کو قطعاً حائل ہونے نہیں دے گی۔

۸۔ غیر وابستہ خارجہ پالیسی

حقیقی غیر وابستگی ملک کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اصول ہوگا۔ پارٹی ہمسایہ ملکوں کے ساتھ دوستانہ اور قریبی تعلقات استوار کرنے کو اوّلین ترجیح دے گی، اور قومی مفاد

کی روشنی میں خارجہ پالیسی کی بنیادوں کا تعین کرے گی۔ پارٹی ان تمام اقوام کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کرتی ہے جو قومی آزادی کے حصول کے لئے سامراجی، نوآبادیاتی اور نسل پرست غاصب حکمرانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

۹۔ آزاد عدلیہ اور پریس

نیشنل پیپلز پارٹی آزاد عدلیہ کو مہذب اور خودمختار قوم کا لازمی ادارہ سمجھتی ہے کیونکہ آزاد عدلیہ کے بغیر نہ تو عوام کو انصاف فراہم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان میں آزادی کے احساس کو پختہ کیا جا سکتا ہے۔ عدلیہ ایسا اہم قومی ادارہ ہے جسے ہر صورت میں وقتی، سیاسی اور جماعتی مصلحتوں سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ پارٹی عوام کے ہر طبقہ کے لئے انصاف کے حصول کو سہل اور یقینی بنانا چاہتی ہے اور یہ عہد کرتی ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لائے گی۔

نیشنل پیپلز پارٹی جمہوریت کے فروغ کے لئے آزاد عدلیہ اور پریس کو ناگزیر سمجھتی ہے، وہ ایسے تمام قوانین کی تنسیخ کا پُرزور مطالبہ کرتی ہے جن کا مقصد آزادئ تحریر اور پریس پر ناروا پابندیاں عائد کرنا ہے۔ پارٹی پریس سمیت تمام قومی ذرائع ابلاغ کو مخصوص مفادات کے بجائے وسیع تر قومی مفاد سے ہم آہنگ کرے گی۔ اس کے ساتھ ہی پارٹی ادیبوں، شاعروں، فنکاروں اور کارکن صحافیوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور معاشرے کے اس احساس اور ذی شعور طبقہ کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کا عہد کرتی ہے۔

۱۰۔ نوجوانوں کے مسائل اور تعلیمی نظام

نیشنل پیپلز پارٹی اس تکلیف دہ حقیقت کا بے لاگ اظہار کرتی ہے کہ موجودہ

ملکی نظام نے نوجوانوں کا بڑی طرح استحصال کیا ہے، نوجوانوں کے احساسات اور مسائل کو، جو ملک کے مستقبل کے مالک ہیں، بیدردی سے نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا ہے کہ نوجوان ہی دراصل قومی ترقی کا مظہر ہوتے ہیں۔ اس تشویشناک حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارا تعلیمی نظام مکمل تباہی کا شکار ہو چکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علموں کے کئی قیمتی سال یونہی ضائع ہو جاتے ہیں اور ان تمام مراحل سے گزر کر جب نوجوان اعلیٰ تعلیمی اسناد لئے عملی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ ناانصافی، اقربا پروری اور حق تلفی کا شکار ہو جاتے ہیں، آج ہزارہا تعلیم یافتہ نوجوان بیروزگاری کا عذاب جھیل رہے ہیں اور ان کی تعمیری صلاحیتیں برباد ہو رہی ہیں۔

نیشنل پیپلز پارٹی نوآبادیاتی دور کی اس تعلیمی پالیسی کو جو اب سنگین تباہی کا شکار ہو چکی ہے مسترد کرتی ہے اور عہد کرتی ہے کہ وہ ماہرین تعلیم، قابل اساتذہ اور دانشوروں کی مدد سے ایک ایسی تعلیمی پالیسی مرتب کرے گی جو قومی تقاضوں اور افرادی طاقت کی ضرورتوں کے عین مطابق ہو۔ پارٹی نوجوانوں کے لئے لازمی روزگار مہیا کرنے کا عزم کرتی ہے۔ علاوہ ازیں نوجوانوں میں صحت مند ادبی و سماجی سرگرمیوں اور کھیلوں کی ضرورت سے پارٹی پوری طرح آگاہ ہے اور اس سلسلے میں جدوجہد کا عزم کرتی ہے۔

۱۱۔ دیہاتی علاقوں کی ترقی اور زرعی صنعتوں کا فروغ

نیشنل پیپلز پارٹی دیہی علاقوں میں آبادی اکثریت کے مسائل کو اولین اہمیت دیتی ہے، وہ ملک کے تمام دیہات کو جدید عہد کی سہولتیں فراہم کرنا چاہتی ہے۔ پارٹی اس حقیقت کا شعور رکھتی ہے کہ ہمارا معاشرہ بتدریج صنعتی عہد کی طرف پیش قدمی کر رہا

ہے، اس سلسلے میں مناسب منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے کثیر دیہی آبادی روزگار کی تلاش میں بڑے شہروں کا رُخ کرنے پر مجبور ہوگئی ہے جس کی وجہ سے بے اندازہ معاشی وسماجی مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ نیشنل پیپلز پارٹی ترقی پسند نکتہ نظر کے مطابق دیہی بنیاد رکھنے والی صنعتوں کا قیام عمل میں لائے گی تاکہ دیہی علاقوں میں روزگار کے کثیر مواقع پیدا ہوں۔ پیداواری لاگت میں کمی ہو، اشیائے صرف سستی ہوں اور ان کی فراہمی آسان ہو۔ اس طرح سارے ملک میں خوشحالی کے دور کا آغاز ہوسکے گا۔ اس مقصد کے لئے پارٹی ان تمام طریقوں سے استفادہ کرے گی جن پر عمل کرکے جدید معاشروں نے اپنے عوام بالخصوص دیہی آبادی کو خوشحالی سے ہمکنار کیا ہے۔

۱۲۔ خواتین کے مساوی حقوق

نیشنل پیپلز پارٹی کا موقف ہے کہ خواتین کو معاشی اور سماجی ارتقاء میں مردوں کے شانہ بہ شانہ شریک ہونے کا مساوی موقع ملنا چاہیئے تاکہ وہ ملکی ترقی اور خوشحالی میں اپنا بھرپور کردار انجام دے سکیں۔ پارٹی زندگی کے ہر شعبہ میں عورتوں کے مساوی حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کا عزم کرتی ہے۔

نیشنل پیپلز پارٹی ان وطن پرست جمہوری اور ترقی پسند قوتوں پر مشتمل ہے جو پاکستان کے وفاق پر لازوال یقین رکھتے ہیں اور پاکستان کو ایک جدید جمہوری وفاقی اور فلاحی مملکت بنانا چاہتے ہیں۔ ہماری منزل ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جو ہر قسم کے ظلم واستحصال، حق تلفی وناانصافی اور عدم مساوات سے پاک ہو اور جس میں تمام صوبوں اور تمام طبقوں سے تعلق رکھنے والے سب پاکستانی مردوں اور عورتوں کو رنگ ونسل، زبان، عقیدہ اور تہذیب وثقافت کے امتیاز کے بغیر مساوی مواقع اور وافر سہولتیں حاصل ہوں۔ اپنے ملک کے حالات کا ہوشمندانہ تجزیہ اور عہد

حاضر کے تقاضوں کا مطالعہ ہمیں یہ شعور دیتا ہے کہ انسانیت کے اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے ایک غیر طبقاتی معاشرے کا قیام ناگزیر ہے۔ نیشنل پیپلز پارٹی پیہم جدوجہد اور مربوط منصوبہ بندی کے ذریعہ تمام ناہمواریوں کو دور کرنے کا پختہ عزم کرتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ اس کا نصب العین بالآخر پاکستان میں ایک غیر طبقاتی معاشرے کا قیام ہے۔

اختتامی تقریر

(چیئرمین نیشنل پیپلز پارٹی)

یہ تقریر ۳۱۔ اگست ۱۹۸۶ء کو نیشنل پیپلز پارٹی کے
تاسیسی کنونشن منعقدہ لاہور میں کی گئی۔

میرے محترم بزرگو، نوجوانو اور ساتھیو

سب سے پہلے تو میں آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ
نے اس ناچیز پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے، اپنی جماعت کا چیئرمین منتخب کرکے آپ
نے مجھ پر جو مہربانی کی ہے میں اس پر اپنے جذبات کے اظہار سے قاصر ہوں اس لئے
کہ میرے پاس وہ الفاظ اور مجھ میں وہ طاقت نہیں، کہ اس بے اندازہ محبت، خلوص
اور اعتماد پر آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ میں ایک عاجز انسان ہوں، ہر انسان کی قوت
محدود ہوتی ہے۔ لامحدود قوت کا مالک تو صرف خدا ہے۔ میں تو ایک ناچیز ہوں، ایک
ادنیٰ بندہ ہوں اپنے اللہ کا، میرے پاس کوئی بھی قوت نہیں ہے۔ ہاں وہ عزم اور
حوصلہ ضرور ہے جو مجھے خدا نے عطا کیا ہے۔ اسی لئے میں آج آپ کی نگاہوں
کے سامنے اپنے مالک کو، اپنے اللہ کو گواہ بنا کر آپ سے یہ عہد کرتا ہوں، پاکستان
کے عوام سے یہ عہد کرتا ہوں کہ ایک انسان کی حیثیت سے جو کچھ بھی میرے اختیار
میں ہے میں ضرور کروں گا، میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ انتہائی خلوص اور دیانتداری
سے، پوری محنت اور ایمانداری سے میں اپنے ملک، اپنی قوم، اپنی پارٹی اور پاکستانی
عوام کی ہر ممکن خدمت کروں گا، میرا ایمان ہے۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ عزت اور
ذلت خدا کی جانب سے ہوتی ہے۔ آج آپ نے مجھے جو عزت دی ہے، جو مقام دیا
ہے اس کا تقاضا ہے کہ میں اپنی ذات، اپنی پسند اور اپنے خاندان سے بلند ہو کر پاکستان
کے غریبوں سے وفاداری کے عہد پر کاربند رہوں، پاکستان خدمت کے لئے اور اس
کے پرچم کو اونچا رکھنے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کروں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں میں

آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ میں آخر دم تک اپنے عہد پر قائم رہوں گا۔

عزیز ساتھیو!

ہم سب لوگوں کا ایک دوسرے سے نظریاتی رشتہ ہے، ہم سب یہاں کسی ایک شخص یا چند افراد کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ ہم نظریاتی اور شعوری رشتے کی وجہ سے یہاں آئے ہیں۔ اسی رشتے نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم مل بیٹھیں، اپنے وطن اور اس کے عوام کی بہتری کے لئے لائحہ عمل بنائیں۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس کنونشن کے تمام مندوبین اپنی سیاسی فکر اور جدوجہد کے سبب یہاں تشریف لائے ہیں۔ شخصی یا خاندانی عقیدت کی وجہ سے نہیں، یہ باشعور اور حوصلہ مند لوگوں کا کنونشن ہے، جو کسی فردِ واحد سے نہیں بلکہ اپنے مقاصد اور نظریات سے وفاداری رکھتے ہیں۔ یہاں موجود تمام لوگوں کی وفاؤں کا رشتہ نصب العین سے ہے جتوئی یا کھر کی ذات سے نہیں۔ سیاست میں دوستی کا معیار نظریاتی ہم آہنگی ہوتی ہے، اگر یہ نہ ہو تو دوستی سیاسی رفاقت میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ جب ہم نے مرحوم بھٹو صاحب کی حمایت کا فیصلہ کیا تھا تو ان کے ساتھ بلاشبہ ذاتی دوستی کا رشتہ تھا، لیکن یہ ذاتی دوستی سیاسی رفاقت میں اس لئے ڈھل گئی کہ ہم دونوں کے نظریات میں یکسانیت تھی۔

محترم ساتھیو! ہم نے ملک میں شرافت، انصاف اور جمہوریت کے قیام کے لئے آواز بلند کی ہے۔ آپ نے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے یہ پارٹی قائم کی ہے۔ نیشنل پیپلز پارٹی کا قیام موجودہ سیاسی عہد کا ایک تاریخ ساز واقعہ ہے۔ یہ اُن بیدار، نظریاتی اور وطن پرست لوگوں کی جماعت ہے جو وطن کی مقدس زمین سے آمریت، ظلم، ناانصافی اور جہالت کے اندھیروں کو دور کرنا چاہتے ہیں جو غریب عوام کے دُکھوں کو دور کرنا چاہتے ہیں، جو نفرت نہیں بلکہ محبت کا پیغام عام کرنا چاہتے ہیں۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آپ کی کامیابی، پاکستان کے عوام کی کامیابی ہے۔ تمام محنت کشوں نوجوانوں، ہنرمندوں اور باشعور لوگوں کی کامیابی ہے۔ آپ کے جذبے اور ولولے کو دیکھتے ہوئے آپ کے پختہ شعور اور حوصلے کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ انشاءاللہ بہت جلد ملک کے کونے کونے میں نیشنل پیپلز پارٹی کی شاخیں قائم ہو جائیں گی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں سے پاکستان کے ہر شہر، ہر گاؤں، ہر فیکٹری، ہر دکان، ہر کھیت، ہر گلی اور ہر محلے سے ہماری آوازوں کا جواب آئے گا، ہر مقام سے یہی آواز بلند ہوگی کہ ہم انتشار کی سیاست کو مسترد کر کے تعمیری سیاست چاہتے ہیں۔ ہم انصاف اور جمہوریت چاہتے ہیں۔ ہم سچائی اور شرافت چاہتے ہیں مجھے یقین ہے کہ نیشنل پیپلز پارٹی عوام کے اس عظیم قافلے کا ہراول دستہ ہوگی جو منزل کی طرف ایک نئے جذبے کے ساتھ رواں دواں ہوگا اور ایک نئے عہد کی تعمیر کرے گا۔

میرے عزیز دوستو!

آپ نے جس پُرجوش طریقے پُرخلوص اور سچائی کے ساتھ مجھے اپنا رہنما بنایا ہے وہ دراصل آپ کی جانب سے مجھ ناچیز پر عظیم اعتماد کا اظہار ہے۔ میں دل کی گہرائی سے آپ کا شکرگزار ہوں اور یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی آپ سب خواتین و حضرات پر بے پناہ اعتماد ہے، مجھے کسی کی نیت پر شک نہیں ہے۔ آپ سب ہی مخلص اور دیانت دار ہیں، جمہوریت پسند اور محبّ وطن ہیں، لیکن آپ کے منتخب نمائندے کی حیثیت سے یہ عرض کرنا میرا فرض ہے اور میں آپ سے مؤدبانہ گزارش کرتا ہوں کہ اس تاریخی حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیجئے کہ پارٹی کی اصل کمزوری اس کے اندر سے پیدا ہوتی ہے، ہمیں تاریخ سے سبق سیکھنا ہوگا کہ گروہ بندی ہی دراصل وہ لعنت ہے جو سیاسی جماعتوں کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے اسی لئے میں

آپ سے گذارش کرتا ہوں، بار بار عرض کرتا ہوں اور کرتا ہی جاؤں گا کہ خدارا اپنی پارٹی کو گروہ بندی کی لعنت سے محفوظ رکھیئے۔ اس لئے کہ جس جماعت کو یہ دیمک لگ جانے اس کی بنیادیں اکھڑنے لگتی ہیں۔ آج پاکستان کے عوام کی نگاہیں آپ کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ انہیں امید ہے کہ آپ ان کے لئے خوشحال، محفوظ اور آبرومند زندگی کا اہتمام کریں گے آپ کو پورے اتحاد، یک جہتی اور ہم آہنگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا اسی طرح جیسے کنونشن میں آپ اپنے بلند شعور اور بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ آپ یقین کیجئے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ کی پارٹی ملک کی عظیم پارٹی ہوگی۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہربانی سے انشاء اللہ خیبر سے کیماڑی تک، بلوچستان کے پہاڑوں سے سندھ کے ریگزاروں اور صوبہ سرحد کی وادیوں سے پنجاب کے کھیتوں تک نیشنل پیپلز پارٹی کا پیغام پہنچے گا اور ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے عوام شاندار جذبے کے ساتھ ہمارے قافلے میں شامل ہو جائیں گے۔

محترم دوستو!

پاکستان کے عوام انتہائی باشعور ہیں۔ محض نعروں سے ان کو بہلانا ممکن نہیں انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ جذباتی انداز اختیار کر کے اُن کی حمایت حاصل کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ہمارے عوام گزشتہ ۳۹ برسوں میں بہت سے نشیب و فراز سے گزرے ہیں۔ اب وہ ہر آنے والے کا کردار دیکھیں گے۔ آپ نے مجھے اپنا رہبر منتخب کیا ہے اس لئے وہ سب سے پہلے میرا کردار دیکھیں گے۔ میرے قول و عمل کو جانچیں گے۔ پھر آپ تمام خواتین و حضرات کے طرزِ عمل کا جائزہ لیں گے، آپ سب ایک قومی پارٹی کے ذمہ دار ارکان ہیں۔ مجھے آپ کے اخلاص، آپ کی صلاحیت اور آپ کے جذبے پر ایک لمحے کے لئے بھی شک نہیں ہوتا۔ مجھے آپ سب پر بھرپور اعتماد ہے۔ اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ عوام کو بتائیں کہ وہ کون

سے حالات ہیں جن کی وجہ سے نیشنل پیپلز پارٹی کا قیام ناگزیر ہو گیا تھا۔ آپ
ان کے سامنے اپنا تجزیہ پیش کیجئے اور انہیں بتائیے کہ ایک جانب تو حکومت ہے
جو ہر قیمت پر اپنے اقتدار کو قائم رکھنا چاہتی ہے حالانکہ اس کے سربراہ زندگی کے
تمام اہم شعبوں میں اپنی بدترین ناکامی کا علی الاعلان اعتراف کر چکے ہیں لیکن وہ
پھر بھی اقتدار پر غیر قانونی طور پر قابض رہنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ
عوام کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتے دوسری جانب وہ کم نظر قوتیں ہیں
جو صوبائی علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب کے شعلے بھڑکا رہی ہیں۔ یہ طاقتیں عوام کو
عوام سے لڑانا چاہتی ہیں۔ وہ غریبوں، محنت کشوں اور معصوم لوگوں کا خون بہانا
چاہتی ہیں۔ تیسری جانب وہ عناصر ہیں جو انقلابوں اور ازموں کا نام لے کر پاکستان
کے غریب عوام کو اپنی ہوس اقتدار کی خاطر، کسی منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر حکومتی طاقت
سے ٹکرا دیتے ہیں تا کہ اپنے ہوس اقتدار کی تسکین کر سکیں خواہ اس کے لئے غریبوں کو ناحق
قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ایسے حالات میں وطن سے محبت کرنے والوں، شعور رکھنے
والوں کا درد رکھنے والوں کا یہی فرض تھا کہ پوری سنجیدگی کے ساتھ حالات کا تجزیہ کریں
اور اپنے ملک اور عوام کو ان لوگوں سے بچائیں جو اپنے مفادات کے لئے بے رحمی
کے ساتھ عوام کا لہو بہانا چاہتے ہیں، اس عظیم مقصد کے لئے منظم جدوجہد ضروری
ہے اور یہ بغیر ایک قومی سیاسی جماعت کے ممکن نہیں اسی لئے ہم نے اور آپ
سب نے مل کر یہ قافلہ ترتیب دیا ہے۔ ہمارا پیغام جمہوریت، شرافت اور انصاف
ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ پارٹی کے پیغام کو لے کر عوام میں پھیل جائیں
گے۔ بڑے پیمانے پر ممبر سازی کریں گے تا کہ جس قدر جلد ہو سکے پارٹی میں انتخابات
کا عمل شروع ہو سکے۔ یقیناً آپ نے مجھے اختیار دیا ہے لیکن یہ ایک عبوری انتظام
ہے۔ میں آپ پر اپنے فیصلے مسلط نہیں کرنا چاہتا۔ میں جمہوری طریقے پر عمل کرنا چاہتا

ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ پارٹی کی شاخیں کھولی جائیں۔ نچلی سطح تک یعنی وارڈ کی سطح تک تنظیمیں بنائی جائیں۔ یہی پارٹی کی اصل بنیاد ہے۔ یہیں سے نئی قیادت ابھر کر آئے گی۔ یہ بہت اہم کام ہے۔ میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ اس پر پوری توجہ دیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی جانب سے جو تجاویز موصول ہو رہی ہیں وہ ہم نے نوٹ کر لی ہیں، ان کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ان میں سے بیشتر تجاویز کو بنیادی دستاویز اور آئین میں شامل کیا گیا ہے مزید تجاویز کو بھی ضرور پیش نظر رکھیں گے۔ پارٹی کی اصول کمیٹی بنیادی دستاویز اور آئین کو آخری شکل دے رہی ہے۔ یہ ایک تفصیلی کام تھا، بہرحال میری گذارشات کے بعد کمیٹی کے سیکرٹری آپ کے سامنے اپنی رپورٹ اور آئین کا مسودہ پیش کریں گے۔ آپ کی جو تجاویز اس میں شامل کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اگر کوئی تجویز ہو تو ضرور دیجئے۔ یہ آپ ہی کی جماعت کا آئین ہے، آپ ہی اس کی منظوری دیں گے، آپ ہی کی مرضی سے پارٹی کا ڈھانچہ بنایا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے فرائض پوری توجہ سے ادا کرے گا۔ میں ہر سطح پر پارٹی کی تنظیم بنانے کے لئے اس لئے زور دے رہا ہوں کہ ہم ایک سال کے اندر پارٹی میں الیکشن کروانے کا عزم کر چکے ہیں۔ خواہ کچھ بھی ہو لیکن انشاء اللہ پارٹی میں الیکشن ضرور ہوں گے، کیونکہ یہ میری ذاتی یا خاندانی پارٹی نہیں ہے۔ یہ تو آپ سب کی پارٹی ہے۔ یہ تو پاکستان کے عوام کی پارٹی ہے۔ ہم کسی بھی صورت میں جمہوری اقدار سے انحراف نہیں کریں گے، آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ یہاں جو بھی فیصلے ہوئے وہ کسی فردِ واحد، یا چند مخصوص لوگوں کی مرضی سے نہیں ہوئے۔ تمام معاملوں پر مکمل جمہوری انداز میں فیصلہ ہوا۔ ہر معاملے پر پہلے مختلف حضرات نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ہر نکتۂ نظر کو اظہار کا موقعہ ملا۔ ہر شخص نے اپنا موقف بے لاگ انداز میں پیش کیا اور آخر میں جمہوری طریقے پر آپ سب نے رائے شماری کے ذریعہ فیصلہ کیا۔

آپ ہی نے پارٹی کے پرچم کی منظوری دی آپ ہی نے پارٹی کے چیئرمین کا انتخاب کیا اور آپ ہی نے پارٹی کے نام کا فیصلہ بھی کیا مختلف تجاویز کے مطابق تین نام سامنے آئے تھے۔ یعنی نیشنل پیپلز پارٹی، ڈیموکریٹک پیپلز پارٹی اور سوشل ڈیموکریٹک پارٹی۔ ان کے علاوہ میں نے بعد میں مزید پانچ نام بھی آپ کے سامنے رکھے تھے۔ میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے جو نام آپ پسند کریں گے۔ وہی نام اختیار کیا جائے گا۔ آپ نے بھاری اکثریت سے نیشنل پیپلز پارٹی کا نام پسند کیا۔ یہ آپ کا فیصلہ ہے لہٰذا اب یہ میرا فیصلہ ہے۔ میرے تمام ساتھیوں کا فیصلہ ہے۔ کل کے اجلاس میں اس معاملے پر آپ نے مجھے اختیار دیا تھا کہ ان تین ناموں میں سے کوئی ایک نام منتخب کروں۔ لیکن میں نے دانستہ یہ اختیار استعمال نہیں کیا، کیونکہ یہ آپ کا حق تھا اور مجھے خوشی ہے کہ آپ نے جمہوری اسپرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ اہم ترین فیصلہ بھی خود ہی کیا۔ بعض دوستوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو کونسا نام پسند تھا میں نے عرض کیا کہ جب پارٹی کے ان بانی ارکان نے اس کا نام طے کر دیا تو اب میری پسند معلوم کرنے کا کیا جواز ہے۔ اگر مجھے کوئی اور نام پسند تھا بھی تو اب مجھے وہی نام پسند ہے جو آپ سب خواتین و حضرات کو پسند ہے، جس کے حق میں آپ نے فیصلہ کر دیا وہی میری پارٹی کا نام ہے اور اس نام کو اونچا رکھنا، اسے شاندار بنانا اور سیاسی عمل کا ایک محترم نام بنانا اب میرا مشن ہوگا میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ اہم معاملہ جمہوری طور پر طے کیا گیا۔ ہمارے ملک میں ایسی روایت نہیں تھی عموماً یہ ہوتا تھا کہ لیڈر صاحبان خود ہی نام طے کر لیتے تھے یا محض نمائشی انداز اختیار کرتے تھے لیکن یہاں جس طرح اس موضوع پر گرماگرم بحث ہوئی، دونوں طرف سے دلائل دیئے گئے، تاریخی حوالوں اور مستقبل کے اندازوں کا ذکر کر کے اپنے اپنے موقف کو واضح کیا گیا اور آخر کار جس طرح رائے شماری میں

واضح اکثریت نے اپنا فیصلہ دیا۔ اس سے ہم سب کا سر اونچا ہوا ہے۔ ہم اپنے عوام سے کہہ سکتے ہیں کہ دیکھیں جمہوریت کا نعرہ صرف ہمارے لبوں پر ہی نہیں ہے بلکہ جمہوریت ہمارے خمیر میں شامل ہے۔ ہماری رُوح میں شامل ہے۔

بعض دوستوں نے لفظ پیپلز کو پارٹی کے نام میں شامل کرنے کے بارے میں خدشات کا اظہار کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس معاملے پر ہمیں واضح بات کرنی چاہیئے۔ اپنے ذہن کو صاف کر لینا چاہیئے پیپلز کا لفظ نام میں شامل کرنے کا مقصد یہ قطعی نہیں ہے کہ ہم کسی اور جماعت سے مماثلت ظاہر کریں۔ ہمارا اب اُس جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے نام کا مخفف تھری پی (PPP) ہے، ہماری پارٹی کا نام نیشنل پیپلز پارٹی ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس لفظ کو کیوں نہ اپنائیں پیپلز کا مطلب ہے عوام۔ میں پوچھتا ہوں کیا عوام کسی ایک خاندان کی جاگیر ہیں؟ کیا عوام پر کسی مخصوص شخص یا گروہ کی اجارہ داری ہے؟ نہیں بالکل نہیں، ہم ان خدشات کو سختی کے ساتھ مسترد کرتے ہیں اور عوام کے ساتھ لازوال وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے پیپلز کے لفظ کے تقدس اور اس کے احترام کو بحال کرنے کا پختہ عزم کرتے ہیں۔ ہاں یہ سوال بھی سامنے آیا کہ کہیں کوئی ہمیں طعنہ نہ دے کہ ہم نے پیپلز کا لفظ اپنا کر کسی اور کا سہارا لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال انتہائی لغو ہے۔ ہم نے کسی کا سہارا نہیں لیا۔ خدا نہ کرے ہمیں کسی کا سہارا لینا پڑے۔ کیونکہ ہم نے اللہ کا سہارا لیا ہے اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سہارا لیا ہے۔ اپنے ملک کے عوام کا سہارا لیا ہے۔ ملک کے محنت کشوں، نوجوانوں، دانشوروں اور محبّ وطن پاکستانیوں کا سہارا لیا ہے اور ہم ان سہاروں پر فخر کرتے ہیں۔ اب کسی اور کے سہارے یا کسی اور سے تعلق کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ اب ہماری پارٹی الگ ہے، ہمارا جھنڈا بھی الگ ہے۔ ہمارا پروگرام الگ ہے۔ ہمارا طریقۂ کار الگ

ہے۔ محض پیپلز کے لفظ سے کوئی مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ نام پاکستان کے عوام کی ملکیت ہے۔ کسی ایک شخصیت یا گروہ کی جاگیر نہیں ہے۔ اگر اس مخصوص حوالے سے بات کی جائے تب بھی آپ کا حق سب سے زیادہ ہے اس خاکسار نے اپنی جوانی، خون پسینہ سب کچھ اس نام پر نچھاور کیا ہے۔ میں اکیلا نہیں، آپ سب لوگوں نے دکھ جھیلے ہیں، سزائیں سہی ہیں، مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ قربانیاں دی ہیں، کوڑے کھائے ہیں پیپلز کا لفظ اپنانے کا حق آپ سے زیادہ کس کو ہو سکتا ہے؟ سُنا ہے کہ آج کے اخبارات میں اس مسئلہ پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ انہوں نے آپ کے خلاف بیانات جاری کیے ہیں لیکن میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ان باتوں کو، ان لوگوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ اپنی جدوجہد پر توجہ کریں۔ میں اُن سے بھی کہتا ہوں، بہت نرمی اور رواداری سے کہتا ہوں کہ دیکھیں اب ہمارا راستہ آپ سے جدا ہو چکا ہے۔ آپ اپنا پروگرام لے کر چلیں، ہم اپنا پروگرام عوام تک لے جائیں گے، آپ اپنی سوچ کے مطابق کام کریں، ہم اپنی فکر کے دیئے جلائیں گے، مگر خدارا تہذیب کے دائرے میں رہیں ناشائستگی سے پرہیز کریں، سیاست میں بدزبانی، جھوٹ، بلیک میلنگ کی گندگی داخل نہ کریں۔

عزیز دوستو!

ہماری پارٹی کے لئے یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ اس کنونشن میں بہت سے ایسے جیالے کارکن شریک ہیں جنہوں نے جیلیں کاٹیں، تشدد کا نشانہ بنے اور جن کی پشت پر ظالموں نے کوڑے برسائے تھے بعض زبان دراز لوگوں نے کہا تھا کہ نئی پارٹی کو قربانیاں دینے والوں اور کوڑے کھانے والوں کی حمایت حاصل نہیں ہو گی۔ آج میں فخر سے کہتا ہوں کہ ہمارے بنیادی ارکان میں غالب اکثریت یعنی ۰، سے ۵۰ فیصد تعداد ان بہادر اور سرفروش لوگوں کی ہے جو بدترین سزاؤں کا نشانہ بنائے

گئے اور جنہوں نے کبھی آمریت کے آگے سر نہیں جھکایا۔ یہی وجہ ہے کہ جیل کی سزا بھگتنے والے ساتھیوں کے ساتھ کوڑے کھانے والے بہادر کارکن بھی آج اصول کمیٹی میں شامل ہیں اور آپ کے سامنے اسٹیج پر تشریف رکھتے ہیں۔

میں ایک بار پھر قربانیاں دینے والوں، قید کی سزا کاٹنے والوں اور کوڑے کھانے والے تمام جیالے دوستوں کو سلام کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جمہوری جدوجہد کی تاریخ میں ان کے نام سنہری حروف میں لکھے جائیں گے۔ تاریخ اور آنے والی نسلیں انہیں شاندار خراج تحسین پیش کریں گی۔

عزیز ساتھیو! آپ نے اپنی تقاریر میں ذکر کیا کہ بعض "مہربانوں" نے ہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ ہم نے سوشلزم کو اپنی پارٹی کے پروگرام میں شامل نہ کرکے بہت بڑی خطا کی ہے۔ یہ ایک اہم نظریاتی معاملہ ہے۔ میں دو ٹوک انداز میں بات کروں گا اسلام ہمارا دین ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اس مقدس نام کو بھی اس ملک میں سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کئی سیاسی جماعتیں اسلامی نظام کی دعویدار ہیں۔ خود جنرل ضیاء بھی اسلامی نظام کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں لیکن عوام جانتے ہیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی نظام کی حمایت کا محض زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔ تو سوال محض اسلام کا مقدس نام لینا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ آپ اسلام سے کتنے مخلص ہیں اس کی کونسی تعبیر اور کونسی تعلیمات آپ کے ذہن میں ہیں تو ساتھیو۔ جہاں ہمارے مقدس دین کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی مذموم کوششیں ہوتی رہیں اور ہو رہی ہیں وہیں سوشلزم کے نام کا بھی بہت استحصال ہوا۔ پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ سوشلزم کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ہر ایک کا اپنا پروگرام اور طریقہ کار ہے۔ ماضی میں سوشلزم کے ساتھ یہ تماشا ہوا کہ پہلے سائنٹفک سوشلزم کا نعرہ دیا گیا، بعد میں صرف سوشلزم کہا گیا۔ پھر وہ اسلامی سوشلزم ہو گیا اور آخر کار اس کی مذہبی تعبیریں

ہونے لگیں، اس طرح تضادات اور نظریاتی اختلافات کا سلسلہ شروع ہوگیا جس کے نتیجہ میں کسی کو بھی کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ خاص طور پر قوم بُری طرح خسارے میں رہی۔ لہٰذا ہماری سوچی سمجھی رائے میں محض اصطلاحات اور نعرے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اصل بات مقصد کی ہے۔ ہم لفظوں کے ہیر پھیر کا شکار نہیں ہوں گے۔ ہم ان چکروں میں نہیں پڑیں گے۔ ہم عوام کو واضح ہی نہیں بلکہ انتہائی واضح پروگرام دیں گے۔ ہم لفظوں کے جال میں نہ خود پھنسیں گے نہ غریب عوام کو پھنسائیں گے بلکہ ہم تو ان سے وہی وعدہ کریں گے جو ہم پورا بھی کر سکیں، ہم انہیں اس منزل کی طرف لے کر چلیں گے جو امن، خیر اور خوشحالی کی منزل ہوگی۔ جو سچائی، شرافت اور جمہوریت کی منزل ہوگی، جو انصاف، آزادی اور انسانیت کی منزل ہوگی۔ یعنی ہر قسم کے ظلم، استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے پاک فلاحی معاشرے کی منزل۔

عزیز ساتھیو!

آپ اپنی رُوحوں کی سچائی کے ساتھ یہ عہد کیجئے کہ ہم خدا کی دی ہوئی اس عظیم مملکت میں ایک جدید و فاقی اور فلاحی ریاست قائم کریں گے۔ ایک جدید ویلفیئر اسٹیٹ ہی ہماری منزل ہوگی۔ اگر خدا نے موقع عطا کیا۔ اگر عوام نے مہربانی کی تو انشاءاللہ ہم پاکستان کو ضرور ویلفیئر اسٹیٹ بنائیں گے۔ آپ عوام کے پاس جا کر کہیں کہ ویلفیئر اسٹیٹ آپ کے دل کی آواز ہے۔ انہیں بتائیے کہ آپ غربت، جہالت، بیماری، ناخواندگی اور ناانصافیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتے ہیں اور آپ ایک عظیم الشان فلاحی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں، آپ عوام کو بتائیں کہ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ اسے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں شامل کرنے کے لئے لازمی ہے کہ اسے ایک جدید فلاحی ریاست بنایا جائے —— ہم جانتے ہیں کہ ہمارے مزدور، کسان، کاریگر اور پیشہ ور ماہرین سب ہی بے اندازہ پیداواری صلاحیت کے مالک ہیں ان کو

اعتماد میں لیا جائے، ان کو قومی ترقی کے دھارے میں شامل کیا جائے تو ہم حیران کن کامیابیاں حاصل کریں گے۔ اس طرح ہم پیداوار میں انتہائی اضافہ کریں گے، ہم نئی صنعتوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ ہم رشوت، بدعنوانی اور سُرخ فیتہ کی لعنت کو ختم کرکے سرمایہ کاری کے لئے بہترین مواقع فراہم کریں گے اور پیداوار میں اضافہ کو محنت کشوں کی فلاح اور سماجی انصاف کے ساتھ مشروط کریں گے۔ نیشنل پیپلز پارٹی کے بنیادی ارکان کی حیثیت سے یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ عوام کو بتائیں کہ غربت بے روزگاری اور ناانصافی ختم کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ملک کی پیداواری طاقتوں کو منظم کیا جائے، زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کیا جائے، نئی صنعتوں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ہر صوبے میں بڑے پیمانے پر ترقیاتی کام کئے جائیں تاکہ روزگار کے کثیر مواقع حاصل ہوں، ہر شخص کو روزگار، علاج کی سہولت، تعلیم، رہائش اور ایک بہتر زندگی حاصل ہو۔ ہم فلاحی معاشرے کے قیام کا عہد کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ عوام کی خوشحالی کا واحد راستہ ہے۔ سستے نعروں اور کھوکھلے دعوؤں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اب عوام کو فریب دینے کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ اسی لئے ہم ایک واضح اور قابلِ عمل پروگرام دیں گے اور اس کی بنیاد پر انشاء اللہ عوام کی معاشی خوشحالی اور ترقی کے لئے فلاحی ریاست قائم کرکے رہیں گے۔

عزیز ساتھیو!

یہاں ایک دلچسپ بات بھی ہوئی۔ بعض دوستوں نے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ کہیں میں بھی خوشامدی اور چاپلوس لوگوں میں نہ گھر جاؤں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دعوتیں کھلانے والے، "پجارو"[1] رکھنے والے سپاسنامے پیش کرنے والے اور واہ واہ کرنے والے مجھے بھی اپنے نرغے میں لے لیں۔ میں پہلے تو آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتا

---

[1]: پجارو۔ ایک جیپ کا نام

ہوں کہ آپ نے کھل کر اپنے خدشات کا اظہار کیا ہے، آپ یقین کیجئے مجھے بہت خوشی ہوئی یہ سب سن کر، اس لئے کہ یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ ماضی کے تکلیف دہ واقعات کو بھولے نہیں بلکہ ان سے سبق حاصل کیا ہے اور پہلے سے کہیں زیادہ باشعور ہوگئے ہیں، دوسرے یہ کہ یہ باتیں آپ کے بے انتہا خلوص کی آئینہ دار بھی ہیں کیونکہ آپ نہیں چاہتے کہ غلط لوگوں میں پھنس جاؤں بخدا مجھے اس وقت فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں اندھی عقیدت رکھنے والے بے بصیرت کارکنوں کے درمیان نہیں بلکہ ہوشمند اور بیدار ساتھیوں کے درمیان کھڑا ہوں۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ ایسے لوگ ہر دور میں ہوتے ہیں۔ خدا جانے یہ کہاں سے نکل آتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ دوست نہیں دشمن ہوتے ہیں، یہ خاکسار ۲۲ برس کی عمر سے سیاست کے اس خارزار میں ہے۔ ہم بھی ایسے ادوار سے گزرے ہیں، کچھ تجربہ ہمارا بھی ہے لیکن ہم نے بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھی ہیں، ذاتی طور پر میں پوری طرح محتاط ہوں کیونکہ اگر ہم نے اب بھی نہیں سیکھا تو کیا قبر میں جا کر سیکھیں گے؛ لہٰذا آپ مطمئن رہیں ـــــ انشاء اللہ میں خوشامدی اور چاپلوس لوگوں کے جال میں نہیں آؤں گا۔ خواہ کیسی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے۔ مجھے اپنے ساتھیوں سے، پارٹی کے کارکنوں سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ گو آپ نے مجھے کافی اختیارات دیئے ہیں لیکن میں ہر فیصلہ آپ کے مشورے سے کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ سیاست میں دباؤ کی تکنیک کس طرح استعمال کی جاتی ہے لیکن اب ہم ان ترکیبوں کو نہیں چلنے دیں گے۔ کیونکہ اگر ہم کسی ایک گروپ کے دباؤ میں آگئے تو ہو سکتا ہے کہ مخلص ساتھیوں سے محروم ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ حقدار کی حق تلفی ہو جائے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جلد از جلد کراچی میں پارٹی کا سینٹرل سیکرٹریٹ قائم کیا جائے گا۔ آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی تجاویز اور قیمتی آراء مجھے لکھ کر بھیجا کریں۔ اس کے

علاوہ اگر آپ کہیں بھی کوئی دھاندلی، بے اصولی یا حق تلفی دیکھیں یا پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی دیکھیں تو ازراہ کرم مجھے ضرور لکھیں۔ یہ میری درخواست ہے آپ سب لوگوں سے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ آپ کا فرض ہوگا کہ ایسی کوئی حرکت آپ دیکھیں تو مجھے ضرور اطلاع دیں تاکہ میں لوگوں کے حق کی حفاظت کرسکوں میں آپ کے تمام خطوط خود دیکھا کروں گا۔ سب کے جواب بھی دوں گا۔ اس میں تھوڑا سا وقت لگ سکتا ہے لیکن انشاءاللہ ہر معاملے کی تحقیقات ہوگی، اور غلطیوں کا فوراً ازالہ کیا جائے گا تاکہ یہ پھیل کر ناسور نہ بن جائیں۔

بہادر ساتھیو! آپ نے اپنی تقریروں اور پُرجوش نعروں میں اس ناچیز کے لئے جن نیک جذبات کا اظہار کیا ہے، میں اس کے لئے تہہ دل سے آپ سب کا ممنون ہوں۔ پیار کے یہ الفاظ، محبت کا یہ اظہار، میرے لئے عظیم سرمایہ ہے۔ آپ نے میری بہت عزت افزائی کی ہے، میرے تصوّر سے زیادہ میری پذیرائی کی ہے۔ میں ایک بار پھر دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن بہت ادب کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ محبت کے اس اظہار میں اعتدال قائم رکھئے۔ اتنے زیادہ اچھے الفاظ کا شاید میں مستحق بھی نہیں ہوں۔ میں مؤدبانہ درخواست کرتا ہوں کہ ایسی باتوں سے میرا دماغ بھی خراب نہ کردیں، میں بھی مٹی سے بنا ہوا انسان ہوں۔ میں تو صرف آپ کا ساتھی ہوں، بھائی ہوں، پاکستانی عوام کا ادنیٰ کارکن ہوں۔ پاکستان کے غریبوں کا خدمت گذار ہوں۔ یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھے اپنی ٹیم کا کپتان بنایا ہے، لیکن انشاءاللہ آپ مجھے ہمیشہ اسی طرح پائیں گے۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے۔ یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے مجھے اپنا چیئرمین منتخب کیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ کارکنوں کے دل دکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بہت سے زخم کھائے ہیں۔ بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ ان کی عزّتِ نفس اور ان کی آرزوؤں

کو بُری طرح پامال کیا گیا ہے۔ بے مثال قربانیاں دینے والوں کی اہانت کی گئی ہے۔ ان کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے لیکن انشاء اللہ۔ یہ دور اب ختم ہوا۔
ہم تمام ساتھیوں اور تمام کارکنوں کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں۔ ہماری پارٹی کی بنیادی کارکن ہیں ہماری پارٹی کے باقی ہی کارکن ہیں۔ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ انشاءاللہ ماضی کے ان تکلیف دہ واقعات کا کسی صورت میں اعادہ نہیں ہوگا نیشنل پیپلز پارٹی انشاءاللہ ایک منظم جماعت ہوگی۔ ہر سطح پر اس کا کیڈر ہوگا۔ ہر گاؤں، تحصیل شہر، ضلع، ڈویژن، اور صوبے میں اس کی باضابطہ تنظیمیں ہوں گی، ہر سطح پر کپتان مقرر کیے جائیں گے۔
میں درخواست کروں گا کہ جب آپ کسی شخص کو ایک مرتبہ منتخب کرلیں تو پھر اس کی ٹانگ گھسیٹنے کی کوشش نہ کریں۔ جب ایک مرتبہ اعتماد کیا ہے تو پھر اسے کام کرنے دیں۔ اس کی مدد اور رہنمائی کریں۔ ہاں اگر وہ خدانخواستہ عوام کے مفاد کے خلاف یا پارٹی کے اصولوں کے خلاف عمل کرے تب ضرور اس کا احتساب ہونا چاہیئے۔ اس پر ضرور تنقید ہونی چاہیئے۔ کیونکہ پاکستان، عوام اور پارٹی کے اصول ہر شخص سے بالاتر ہیں ان سے وفاداری اولین شرط ہے۔ مجھ سمیت ہر شخص کو اس شرط کی تکمیل کرنا لازم ہے۔ میں خود آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اگر میں غلط اقدامات کروں تو مجھ پر ضرور تنقید کیجئے۔ مجھے خوشی ہوتی ہے جب کوئی مجھ پر تنقید کرتا ہے۔ کیونکہ اس طرح میری رہنمائی ہوتی ہے۔ میں بھی انسان ہوں غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی ہے بلکہ یقیناً غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ اسی سلئے میں پہلے بھی دو موقعوں پر ان تمام لوگوں سے جنہیں مجھ سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو، معافی مانگ چکا ہوں۔ یہ کنونشن ایک بڑا فورم ہے یہاں چاروں صوبوں کے نمائندے تشریف رکھتے ہیں، اسی لئے میں آپ سب خواتین و حضرات کی وساطت سے ایک بار پھر ہر اس شخص سے معافی مانگتا ہوں جسے مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ میں نے دانستہ کبھی غریبوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کیا۔

بلکہ ہمیشہ ان کا احترام کیا ہے لیکن اگر کسی غریب کا دل میری وجہ سے دُکھا ہو تو میں پھر معافی مانگتا ہوں اور آپ سب حضرات سے التجا کرتا ہوں کہ آپ میرے حق میں دُعا فرمائیں کہ اللہ مجھے معاف کرے اور میری بخشش فرمائے۔

عزیز ساتھیو!

ایک اور مسئلہ بھی سیاسی جماعتوں میں پیدا ہوتا ہے اور وہ ہے نئے اور پرانے کارکنوں کا مسئلہ اس موقع پر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ درحقیقت پی پی پی کے ہزاروں پرانے کارکن ہی تھے جنہوں نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ ہر کڑے وقت میں انہوں نے مجھ پر مہربانیاں کی ہیں۔ انہی کا دیا ہوا حوصلہ تھا کہ میں اُن بدترین حالات کا مقابلہ کر سکا جب مجھ پر حکومت اور سابقہ پارٹی دونوں کی جانب سے زیادتی کی جا رہی تھی۔ پی پی پی کے ان پرانے کارکنوں سے میرا رشتہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ میں نے انہی کے لئے آواز بلند کی تھی۔ انہی کے حقوق کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے انہی کے نظریات کے تحفظ کی کوشش کی تھی، انہی کی وکالت کی تھی اور انہی کی خاطر میں نے اپنے عہدے کو خطرے میں ڈالا تھا۔ آپ سب واقف ہیں کہ جب پی پی پی کی نئی تنظیم بنائی گئی تھی تو اس میں قربانیاں دینے والے کارکنوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا لیکن شاید اس خیال سے مجھے دوبارہ سندھ کے صدر کے عہدے پر برقرار رکھا گیا تھا کہ میں اس عہدے کے لالچ میں غریب اور قربانیاں دینے والے کارکنوں کے سیاسی قتل کو خاموشی سے برداشت کر لوں گا۔ لیکن میں نے اپنے ضمیر، نظریات اور اصولوں کی خاطر بہت بڑے عہدوں کو قبول نہیں کیا تھا۔ پارٹی کے عہدے کے لالچ میں غریب کارکنوں کی توہین کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ لہٰذا ان محترم کارکنوں کے ساتھ رشتہ مجھے بہت عزیز ہے۔ میں کسی حالت میں بھی اسے قربان نہیں کروں گا مجھے پورا یقین ہے کہ جس طرح گذشتہ برسوں میں انہوں نے اس خاکسار پر مہربانیاں کی ہیں آئندہ بھی وہ نیشنل پیپلز پارٹی کے

جیالے کارکنوں کی حیثیت میں مجھ پر مہربان رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے لئے وہ نئے ساتھی بھی قابل احترام ہیں جو اپنے تمام سیاسی رشتوں کو توڑ کر اور قومی جذبے سے سرشار ہو کر ہمارے قافلے میں آملے ہیں، بعض دوستوں نے اپنی جماعتوں کو نیشنل پیپلز پارٹی میں ضم کر دیا۔ ان سب نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ جناب حنیف رامے نے اپنی جماعت مساوات پارٹی کو آپ کی جماعت میں ضم کیا۔ اسی طرح انور عباس نقوی صاحب کی سربراہی میں عوامی لبرل پارٹی بھی ضم ہو گئی ہے۔ ابھی آپ کے سامنے ہی پنجابی دیہی پارٹی نے آپ کی جماعت میں ضم ہونے کا اعلان کیا ہے۔ تحریک استقلال کراچی ڈویژن کے صدر خلیل احمد نینی تال والا کراچی کے سبھی ضلعی عہدیداروں سمیت تقریباً تمام ہی تنظیموں کو ختم کر کے آپ کی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اب کراچی میں غالباً تحریک استقلال عملاً ختم ہو گئی ہے۔ تحریک استقلال کا دستوری گروپ بھی جس کی قیادت ملک حامد سرفراز کر رہے تھے نیشنل پیپلز پارٹی میں ضم ہو گیا ہے۔ میں ان تمام دوستوں اور مہربانوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں ان تمام ساتھیوں سے عرض کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ پر اور میرے رفیقوں پر اعتماد کیا ہے، انشاء اللہ ہم کبھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ آپ نے پوری سچائی کے ساتھ ہمیں اپنایا ہے، ہم بھی خلوص سے آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے یہ اقدامات ذاتی نہیں بلکہ قومی بنیاد رکھتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ پاکستان کی بہتری یکجہتی اور سالمیت کے لئے شامل ہوئے ہیں، عوام کی خوشحالی کے لئے شامل ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہم بھی اپنے بازوؤں کو پھیلا کر آپ کو اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آج سے ہماری صفوں میں نئے اور پرانے کا امتیاز نہیں ہو گا۔ جب ہمارا مقصد ایک ہے، لگن ایک ہے تو پھر نئے اور پرانے کا فرق کیوں؟ ہماری جماعت ابھی وجود میں آئی ہے اس لحاظ سے ہم سب نئے ہیں، لیکن ہم برسوں سے جمہوریت

اور عوام کی خوشحالی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اس لحاظ سے ہم سب پرانے ہیں۔ میرے جو پرانے ساتھی ہیں، وہ بلند سیاسی شعور کے مالک ہیں۔ انہوں نے سیاست کے بہت موسم دیکھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سیاست ایک مسلسل عمل کا نام ہے، اس قافلے میں آپ کی شمولیت سے اِن کی قوت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ہمارے لئے ہر وہ شخص عزیز اور محترم ہے جو ملک کی بات کرے، جو عوام کی بات کرے، یکجہتی اور پیار کو فروغ دے، انصاف اور شرافت کی حمایت کرے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ نیشنل پیپلز پارٹی میں یہ کوئی اختلافی معاملہ نہیں ہوگا۔ ہم سب مضبوط نظریاتی رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ وطن کی محبت ہمارے درمیان قدر مشترک ہے اسی لئے اب ہم سب کا قبیلہ ایک ہے، ہم سب کا قافلہ ایک ہے، ہم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر منزل کی طرف چلیں گے اور عوام کو خوشحالی سے ہمکنار کریں گے۔ ایک جدید فلاحی ریاست کی بنیاد رکھیں گے۔

محترم دوستو! کہا جاتا ہے کہ سیاست میں روایت کی بڑی اہمیت ہے۔ ہم بھی روایت پسند ہیں لیکن ہم صرف اِن روایتوں پر یقین رکھتے ہیں جن کی اخلاقی بنیادیں ہوتی ہیں، جہاں تک ایسی روایتوں کا تعلق ہے جن کی بنیاد مفاد پرستی اور اقتدار پسندی ہے، ہم نے اِن روایتوں سے پہلے بھی بغاوت کی ہے اور آئندہ بھی کریں گے۔ یہ درست ہے کہ بڑے بڑے لوگ، ارکانِ اسمبلی اور سیاسی رہنما حکومت کی طرف بھاگتے ہیں لیکن یہ ہمارا طریقہ نہیں ہے۔ اپنی تقریر میں رائے صاحب نے شکوہ کیا ہے کہ جناب مصطفیٰ کھر بھٹو حکومت کے آخری زمانے میں مخالفت ترک کر کے بھٹو صاحب کے حامی ہو گئے تھے۔ یہ بات بالکل درست ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب جناب کھر نے مرحوم بھٹو صاحب کی حمایت کا فیصلہ کیا تھا تو اس وقت حکومت بدترین بحران کا شکار تھی، عام سمجھ بوجھ رکھنے والا سیاسی کارکن بھی سمجھ رہا تھا کہ اب یہ حکومت جا رہی ہے، ایسے

وقت میں جناب کھرنے بھٹو صاحب کا ساتھ دے کر فرسودہ روایتوں سے بغاوت کی تھی، اسی طرح آج جب کہ حکومت پورے کروفر کے ساتھ اپنے مقام پر موجود ہے اور ہم غریبوں کے پاس سوائے عوام کی محبت کے کچھ اور نہیں، مخدوم حامد رضا گیلانی قومی اسمبلی کی نشست سے استعفیٰ دے کر آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ ان کا تحریری استعفیٰ میرے پاس موجود ہے۔ یہ اب پارٹی کی ملکیت ہے، آپ کی ملکیت ہے۔ اب یہ بات مخدوم حامد رضا صاحب کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ اب یہ آپ کے اختیار ہے، جب بھی ملکی مفاد میں ضروری ہوگا میں یہ استعفیٰ اسپیکر کو بھیج دوں گا....

آپ کی یہ تالیاں حامد رضا گیلانی صاحب کے لئے زبردست خراج تحسین ہے۔ کیوں نہ ہو، انہوں نے حکومت وقت کو چھوڑا، اپنی رکنیت سے دستبردار ہوئے اور عظیم عوامی قوت سے آملے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ کئی اور اراکین اسمبلی نے بھی پارٹی میں شمولیت کی پیشکش کی ہے۔ ہم گیلانی صاحب کے جذبے کو سلام کرتے ہیں۔ ان سے کہتے ہیں کہ جناب آپ ہمارے عظیم ساتھی ہیں، آپ نے پہلے بھی بہت ظلم سہے ہیں۔ آج آپ پھر ان لوگوں کے درمیان آگئے ہیں جو ظلم اور زیادتی کا نشانہ بنائے گئے، اور جنہوں نے ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے یہ پلیٹ فارم، یہ پارٹی تشکیل دی ہے گیلانی صاحب آپ کے ساتھ ماضی میں جو ظلم ہوا وہ میں اپنے ساتھیوں کو بتانا چاہتا ہوں۔

عزیز بھائیو اور دوستو!

مخدوم حامد رضا گیلانی صاحب پر پیپلز پارٹی کی قیادت نے انتہائی ظلم کیا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ بلدیاتی انتخابات میں پیپلز پارٹی نے اپنے امیدواروں کو عوام دوست امیدواروں کا لقب دیا تھا اور ان کو الیکشن میں حصہ لینے کی ہدایت بھی کی تھی سارے ملک میں پیپلز پارٹی کے امیدواران بلدیاتی انتخابات میں اکثریت کے ساتھ کامیاب

ہوئے تھے۔ مخدوم حامد رضا صاحب ملتان کی ضلعی کونسل کے چیئرمین منتخب ہوئے تھے۔ میرا بیٹا غلام مرتضیٰ بھی نواب شاہ ضلعی کونسل اور سکھر ڈویژنل کونسل کا چیئرمین ہوا تھا۔ بہرحال اس زمانے میں حکومت نے بلدیاتی اداروں کا اسلام آباد میں کنونشن منعقد کیا۔ تمام ارکان کو مدعو کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ پارٹی کی قیادت کو علم تھا لیکن انہوں نے کسی کو بھی اس کنونشن میں شرکت سے نہیں روکا۔ اسی لئے سب ہی لوگ وہاں چلے گئے ارکان کی اکثریت پیپلز پارٹی سے وابستہ تھی، اسی لئے کنونشن میں بھی انہی کی تعداد غالب تھی۔ کنونشن کے دوران جنرل ضیاء الحق نے مندوبین کو دعوت پر بلایا، اس میں بھی سب مندوبین شریک ہوئے، مخدوم حامد رضا گیلانی صاحب بھی گئے، وہاں اتفاق سے جنرل ضیاء مخدوم صاحب کی طرف گئے، ظاہر ہے کہ جب ملک کا حکمران تیزی سے کسی طرف جائے گا۔ تو تقریب میں موجود ٹی وی کیمرے بھی اس کا تعاقب کریں گے۔ بہرحال جنرل مخدوم صاحب کے پاس آئے اور ان سے ہاتھ ملایا، اب مخدوم صاحب جنرل ضیاالحق سے مصافحہ سے انکار تو نہیں کرسکتے تھے وہ کوئی خفیہ میٹنگ بھی نہیں تھی، پیپلز پارٹی کے لوگ بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے، سب کے سامنے جنرل ضیاً نے مخدوم صاحب سے ہاتھ ملایا۔ وہ یقیناً پہلے سے مخدوم صاحب سے واقف ہوں گے۔ کیونکہ پہلے بھی مخدوم صاحب کوئی گمنام آدمی نہیں تھے، قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ پھر مرکزی وزیر تھے۔ اس لحاظ سے یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی، مخدوم صاحب کے پاس کوئی اور چارہ کار بھی نہیں تھا۔ وہ جنرل ضیاالحق کو گٹ آؤٹ تو نہیں کہہ سکتے تھے، انسانی اخلاق اور قدریں بھی کوئی حیثیت رکھتی ہیں، پھر وہ گیلانی صاحب کا گھر تو نہیں تھا کہ ان پر کوئی ذمہ داری ہو، وہ تو حکومت کی جانب سے دعوت تھی جس میں پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے سب ہی بلدیاتی نمائندے شریک ہوئے تھے، بہرحال چند لمحوں میں یہ واقعہ ہوگیا۔ شام کو ٹی وی نے یہ فلم دکھائی جس میں جنرل ضیاء کو

حامد رضا گیلانی صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھی دکھایا گیا تھا۔ بس اتنی سی بات پر قیامت آ گئی۔ قیادت چراغ پا ہو گئی اور نادر شاہی فرمان جاری ہوا کہ مخدوم حامد رضا گیلانی پیپلز پارٹی سے خارج۔ یہ سلوک اس شخص کے ساتھ کیا گیا جو بالکل بے قصور تھا، اگر انہیں حکومت کے ساتھ کوئی ساز باز کرنی ہوتی تو کیا ساز باز اس طرح سینکڑوں لوگوں کے سامنے کی جاتی ہے؟ کیا اس قیادت کو اتنا علم بھی نہیں کہ ایسے معاملات تو چوری چھپے ہوتے ہیں۔ مخدوم صاحب کے دل میں کوئی چور نہیں تھا اسی لئے وہ پیپلز پارٹی کے دیگر نمائندوں کے ساتھ بلدیاتی کونشن اور دعوت میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ بہرحال پیپلز پارٹی کی قیادت نے یہ مہربانی کی کہ مخدوم صاحب کو پارٹی سے نکال دیا اور جنرل ضیاء نے یہ مہربانی کی کہ جس شخص سے ہاتھ ملانے کے لئے وہ اس قدر بے تابانہ اس کی طرف گئے تھے اس کو عوام دوست ہونے کی وجہ سے زبردستی ڈس کوالیفائی کر کے ملتان کی چیئرمین شپ سے محروم کر دیا اور ان کی جگہ ایک وزیر کو ملتان ضلعی کونسل کا چیئرمین بنوا دیا گیا۔

عزیز ساتھیو!

آپ جانتے ہیں کہ اس کونشن میں سارے ملک کے ہر علاقے سے سیاسی کارکن آئے ہیں۔ بلوچستان اور صوبہ سرحد کے دور افتادہ علاقوں اور سندھ اور پنجاب کے دیہاتوں کے نمائندے بھی یہاں موجود ہیں۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ اس کونشن میں شرکت کے لئے یورپ اور امریکہ سے بھی مہربان دوست تشریف لائے ہیں۔ میں ان ساتھیوں کا بہت ممنون ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہزاروں میل کا سفر خاصی صعوبت اور اخراجات کا باعث ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی پیشہ ورانہ اور کاروباری مصروفیتوں کو چھوڑ کر اس کونشن میں شرکت کی ہے۔ میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ کے جذبے کو سلام کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ پارٹی کا پیغام اور

پرچم لے کر جائیں گے۔ آپ کی وساطت سے نیشنل پیپلز پارٹی کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی جماعت پاکستان کی یکجہتی اور سالمیت کی ضمانت دیتی ہے اور غربت، ناانصافی اور استحصال کا مکمل خاتمہ کر کے ملک میں ایک فلاحی معاشرہ قائم کرنے کا عزم کر چکی ہے۔

عزیز ساتھیو! آپ نے اپنی تقاریر میں ایک وطن پرست اور ترقی پسند طلبہ تنظیم کی تشکیل پر زور دیا تھا، اس مقصد کے لئے چاروں صوبوں کے طالب علم رہنماؤں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی جس نے اپنی سفارشات مرتب کر لی ہیں اور دو نام تجویز کیے ہیں، پہلا نام ہے، نیشنل پیپلز اسٹوڈنٹس، ہیں یہ دونوں نام آپ کی منظوری کے لئے پیش کرتا ہوں[1]۔

برادران محترم! اس کنونشن میں بعض ایسی باتیں بھی ہوئی ہیں جو بظاہر تکلیف دہ ہیں، لیکن بہرحال موجودہ معروضی حقائق کی عکاسی کرتی ہیں، ماضی کے بعض تلخ واقعات کا ذکر کیا گیا۔ درحقیقت ملک کی جمہوری طاقتیں گزشتہ ڈیڑھ برسوں سے اسی لئے جدوجہد کر رہی ہیں کہ جمہوری ادارے مستحکم ہوں اور بیتے ہوئے دنوں کے تلخ واقعات دوبارہ رونما نہ ہوں۔ یہ جدوجہد تمام صوبوں کے عوام کر رہے ہیں۔ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے سب ہی علاقوں کے جمہوریت پسند اسی مشن کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔ اسی سلئے میں ان تقریروں کی تائید نہیں کر سکتا جن میں میری جان کی حفاظت کے حوالے سے بعض تلخ باتیں کی گئی تھیں۔ دیکھئے میں بہت صاف بات کرتا ہوں ہر انسان فانی ہے۔ ہر شخص کو ایک روز زمین میں جا کر سو رہنا ہے۔ میں کبھی موت کو فراموش نہیں کرتا۔ حکم بھی یہی ہے کہ موت کو نہ بھولو۔ لیکن یہ سن لیجئے کہ میری جان

---

[1] کنونشن نے اکثریت رائے سے نیشنل پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا نام منظور کر لیا۔

کی حفاظت نہ کسی سندھی کے بس کی بات ہے نہ پٹھان کے، میری زندگی کی ضمانت نہ کوئی پنجابی دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بلوچ۔ میرا محافظ، میرا رکھوالا صرف اور صرف میرا اللہ ہے۔ میری سلامتی، میری جان سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے جب تک اس کی مرضی ہے سانس کا یہ رشتہ باقی ہے۔ اگر اس کا حکم ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں بچا سکتی، یہی میرا عقیدہ ہے، یہی میرا ایمان ہے۔ لہذا میں ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ اس عاجز کی جان کی فکر نہ کیجئے، اور اس حوالے سے ایسی بات ہرگز نہ کیجئے جس سے عوام کے درمیان، مختلف صوبوں کے درمیان محبت کے رشتوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ البتہ میں آپ سے اس وقت مکمل اتفاق کرتا ہوں جب آپ نفرت پھیلانے والوں کے خلاف شدت سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ میں پہلے بھی ان بے شعور لوگوں سے کہہ چکا ہوں، آج پھر کہتا ہوں کہ دیکھو یہ وطن ہمارا، یہ پاکستان ہمارا ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے، یہ زمین شاعروں اور صوفیوں کی زمین ہے، محنت کش عوام کی زمین ہے، خدا کے ولی سو رہے ہیں اس زمین پر۔ یہاں نفرت نہ پھیلاؤ، عوام کو عوام سے مت لڑاؤ، نفرت کے شعلے مت دہکاؤ، اس لئے کہ آگ میں کبھی پھول نہیں کھلتے بلکہ سب کچھ جل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں سے ناطہ توڑ لیا ہے کیونکہ ہم تو ایک صوبے سے دوسرے صوبے کو محبتوں کا تحفہ بھیجنا چاہتے ہیں۔ پھولوں کا تحفہ بھیجنا چاہتے ہیں، لیکن یہ لوگ لاشیں بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ختم کریں ان باتوں کو۔ میں تو ایک ناچیز انسان ہوں۔ لیکن خدا کا احسان ہے کہ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے انشاء اللہ کسی کی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ ایسی گھناؤنی حرکت کا تصور بھی کر سکے۔ ہم بلاشبہ صوبوں کی شکایتوں کو دور کریں گے یقیناً مکمل صوبائی خودمختاری حاصل کریں گے لیکن قومی وحدت، صوبوں کے درمیان محبت اور

سارے ملک کے عوام کا لازوال اتحاد ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ ہم اس مقصد کو کبھی نظروں سے اوجھل ہونے نہیں دیں گے۔ ہم عوام کو تقسیم کرنے کی کسی سازش کو کامیاب ہونے نہیں دیں گے۔

بہادر دوستو!

مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ نے ملکی حالات کا بہت ہوشمندانہ تجزیہ کیا ہے۔ آپ نے موجودہ سماجی برائیوں پر اپنی شدید بے اطمینانی اور غم و غصہ کا اظہار کر کے یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ آپ ملک و قوم کے سچے ہمدرد ہیں اور بلند سیاسی شعور کے مالک ہیں۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ رشوت ایک ایسی لعنت ہے جس نے عوام کی زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے۔ یہ مرض اب اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اسے لوٹ کھسوٹ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ پہلے رشوت لینے والے چوری چھپے یہ حرکت کرتے تھے اب تو دھونس دے کر کھلے عام رشوت طلب کی جا رہی ہے اور لوگوں کو ہراساں کر کے منہ مانگی رقم وصول کی جاتی ہے۔ معمولی سا کام بھی بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔ بیواؤں اور یتیموں تک کو معاف نہیں کیا جاتا۔ ہر دفتر میں دلال پھر رہے ہیں، ہر سطح پر لوٹ مار جاری ہے، سندھ میں تو ایم پی اے ہوسٹل بھی دلالوں کے نرغے میں ہے۔ وہ سب اس طرح لوٹ مار کر رہے ہیں۔ جیسے ہر دن اُن کا آخری دن ہے، جیسے کوئی آفت آنے والی ہو کر جو کچھ کمانا ہے بس آج ہی کما لیا جائے خواہ کیسا ہی ظلم کرنا پڑے، کیسی ہی حق تلفی کرنی پڑے مگر جتنا سونا چاندی ہو سکے آج ہی جمع ہو جائے، ان حالات میں عوام کہاں جائیں؟ کس سے اپنا حق طلب کریں، کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں؟ رشوت کو ختم کرنے کے لئے معمولی اقدامات بے سود ہوں گے۔ پہلے تطہیر کے لئے بدعنوان لوگوں کی فہرست بنتی تھی، اب یہ حال ہے کہ ایماندار لوگوں کی فہرست بنانی پڑے گی کہ ان کو رہنے دیں اور باقی سب

کی چھٹی کر دیں، اب انتہا ہو چکی ہے اس لئے بڑے آپریشن کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ اگر خدا نے ہمیں موقع دیا تو ہم عوام کی حمایت سے رشوت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے لیکن دیکھئے ایسا نہ ہو کہ آپ میں سے آدھے لوگ سفارش کرنے آجائیں۔ (کونونشن کے شرکاء نے اس مرحلے پر رشوت ستانی کے خلاف نعرے لگائے اور چیئرمین کو یقین دلایا کہ وہ اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے پوری طرح چیئرمین کی تائید کرتے ہیں اور کسی صورت میں بھی رشوت خوروں کی سفارش نہیں کریں گے) سبحان اللہ، اللہ کا احسان ہے کہ آپ کا جذبہ سچا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس لعنت کو ضرور ختم کریں گے۔ اسی طرح امن وامان کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ پنجاب میں بھی حالات خاطر خواہ نہیں ہیں، سندھ میں بدامنی، ڈاکہ زنی، لوٹ مار، اغوا اور لاقانونیت کا ہر طرف راج ہے نہ کسی کی عزت محفوظ ہے نہ جان ومال، نہ کوئی گاؤں سلامت ہے نہ شہر، ہر طرف لوگ سہمے ہوئے ہیں، خوف کسی خونخوار درندے کی طرح ہمارے وجود کو ریزہ ریزہ کر رہا ہے۔ لوگ بے بسی کے عالم میں اپنے گاؤں خالی کر کے جا رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ لوگ کس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں، ان غریبوں کا کیا قصور ہے کہ ان کو لوٹا جا رہا ہے۔ ہر طبقے کے لوگ پریشان ہیں۔ ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، خواہ امیر ہوں، غریب ہوں، دکاندار ہوں یا درمیانے طبقہ سے تعلق رکھنے والے، سب ہی پریشان اور بدحواس ہیں۔ ان حالات میں انہیں حکومت کرنے کا کیا حق ہے، ظلم، جبر اور دھاندلی پر قائم یہ نظام اب ٹوٹ رہا ہے۔ امن وامان کی حالت ہر جگہ ابتر ہے۔ اندرون سندھ حکومت کا نظام عملاً ختم ہو چکا ہے۔ مجھے سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر ان میں حیا ہوتی، اگر ان میں ذرا بھی خوف خدا ہوتا، اگر ان میں غیرت ہوتی تو یہ حکومت چھوڑ کر چلے جاتے۔ آخر انہوں نے کیا دیا ہے قوم کو؟ وہ کونسا کارنامہ ہے جس پر یہ فخر کر سکتے ہیں؟ انہوں نے ہماری نوجوان نسل کو مایوسی کے اندھیرں

میں پھینک دیا ہے۔ ان پر بے روزگاری کی تیز دھوپ مسلط کر دی ہے۔ ان کی آنکھوں سے بہتر مستقبل کے خواب چھین لئے ہیں اور انہیں ہیروئن کے خون آشام درندے کے قدموں میں پھینک دیا ہے جو ہر صبح اور ہر شام ان کا خون پی رہا ہے۔ آپ حضرات نے نوجوان نسل کے بارے میں جن دردمندانہ جذبات کا اظہار کیا ہے وہ بہت قابل قدر ہیں، میں آپ کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے نوجوان نسل کو آواز دیتا ہوں، اپنے بچوں کو آواز دیتا ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم اپنی جان پر کھیل کر ان کا تحفظ کریں گے۔ ہم ہر عذاب جھیل لیں گے لیکن آپ کی زندگیوں کو محرومیوں اور دکھوں سے پاک کر دیں گے۔ ہم خزاں قبول کر لیں گے لیکن آپ کی آنکھوں کو بہار کی کرنیں دیں گے۔ ہماری نسل اپنی عمر گزار چکی، اب یہ وطن آپ کا ہے، یہ گلشن آپ کا ہے۔ اس کی بہار بھی آپ کے لئے ہے۔ اس کا نکھار بھی آپ کے لئے ہے۔

وطن پرست دوستو!

آپ نے بجا طور پر ملک کی موجودہ خارجہ پالیسی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ بنیادی دستاویز میں اس موضوع پر پارٹی کا نقطہ نظر واضح کیا گیا ہے۔ ہم ایک حقیقی غیر وابستہ خارجہ پالیسی وضع کریں گے ہم سپر پاورز کے آلہ کار بننے کے لئے تیار نہیں ہماری خارجہ پالیسی ہمارے قومی مقاصد اور عوامی امنگوں کی آئینہ دار ہوگی۔ ایک خوددار باحمیت اور باعزت قوم اپنی خارجہ پالیسی خود بناتی ہے وہ کبھی دوسروں کی طرف نہیں دیکھتی۔ ہم پڑوسی ممالک سے دوستانہ تعلقات کے خواہاں ہیں ہم دشمنیوں کو ختم کر کے اس خطے میں پرامن حالات کا فروغ چاہتے ہیں تاکہ ہماری پوری توجہ ملک کی ترقی اور عوام کی خوشحالی پر مرکوز رہے۔ ہم بھرپور دفاعی صلاحیت کے حامی ہیں لیکن جنگ سے نفرت اور امن سے محبت کرتے ہیں۔ ہمیں اس حقیقت کا پورا ادراک ہے کہ جب ملک میں غیر جمہوری اور آمرانہ حکومت ہوتی ہے تو وہ غیر ملکی دباؤ کا مقابلہ نہیں

کر سکتی اور سُپر پاورز کے آگے گھٹنے ٹیک دیتی ہے اس لئے کہ اس کی پشت پر عوام کی عظیم طاقت نہیں ہوتی۔ آمرانہ حکومت ہو تو پڑوسیوں کے ساتھ تنازعات پیدا ہوتے ہیں اور معمولی واقعات کے بھی بڑے اثرات ہوتے ہیں جو ملکی مفاد کے لئے سخت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ تاریخ کے اسی شعور کی روشنی میں ہم ایک ایسی خارجہ پالیسی وضع کرنا چاہتے ہیں جس میں ملک کا مفاد مقدم ہو اور قومی مفاد کو اوّلین ترجیح دی جائے۔

میرے عزیز دوستو!

اجلاس کے دوران میں نے جناب غلام مصطفیٰ کھر کے بارے میں آپ کو بتایا کہ کراچی پہنچتے ہی ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ میں ان کا ایک بار پھر ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمارے بہادر اور باشعور ساتھی ہیں۔ اس عظیم الشان کنونشن کی کامیابی ان کے لئے یقیناً بے پناہ خوشی کا باعث ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ جب ان کو معلوم ہوگا کہ یہ کنونشن ہماری اور ان کی توقع سے بھی زیادہ کامیاب ہوا ہے، تو ان کا دل شاد ہو جائے گا لیکن ان کے بغیر ہمارے دل بجھے ہوئے ہیں۔ ہماری خواہش تھی کہ کھر صاحب بھی اس کنونشن میں شریک ہوتے، ہم ان کی کمی کو بڑے دُکھ کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان آکر ایک جراُت مندانہ فیصلہ کیا ہے۔ انہیں بھی اندازہ تھا کہ ان کے ساتھ یہ سلوک ہوگا۔ ہمیں بھی اندیشے تھے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، وہ ایک محبِ وطن پاکستانی ہیں کب تک وطن کی مٹی سے دور رہ سکتے تھے۔ البتہ ہمیں تھوڑی سی اُمید ضرور تھی کہ شاید حکومت کا برتاؤ اس قدر شدید نہ ہو۔ کیونکہ انہوں نے بڑے دعوے کئے تھے۔ البتہ ہمیں تھوڑی سی امید ضرور تھی ختم ہو گئی ہے لیکن کھر صاحب کی گرفتاری سے حکومت کے فریب کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ کھر صاحب کو کسی جُرم کی سزا نہیں ملی بلکہ انہیں اس لئے گرفتار کیا گیا ہے کہ وہ سرسری سماعت

کی فوجی عدالت کے سامنے کیوں پیش نہ ہوئے۔ جو لوگ جناب کھر پر تنقید کرتے ہیں ہمیں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب ہم مارشل لاء کو نہیں مانتے۔ فوجی عدالتوں کو نہیں مانتے تو پھر فوجی عدالت میں حاضری کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟ کیا کھر صاحب فوجی عدالت کے سامنے گردن جھکا دیتے کہ سرکار میں حاضر ہوں اب میری گردن مار دیجئے۔ فوجی عدالت میں حاضر نہ ہو کر کھر صاحب نے مارشل لاء اور غیر قانونی حکومت کو ساری دنیا میں بے نقاب کیا تھا۔ ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ ان کے اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں اور دو ٹوک لہجہ میں کہتے ہیں کہ اگر کھر صاحب نے کوئی جرم کیا ہے تو انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کا کیس ہائی کورٹ کو دے دیا جائے۔ ہم عدل و انصاف پر یقین رکھتے ہیں اور انصاف ہی کے طلب گار ہیں۔ جہاں تک آمرانہ فیصلوں اور سزاؤں کا تعلق ہے تو آمر ہی ایسے فیصلے کر سکتے ہیں لیکن قوم نے ان فیصلوں کو نہ پہلے تسلیم کیا تھا اور نہ اب تسلیم کرے گی۔ میں اس موضوع پر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن موجودہ صورت حال میں یہ مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ ہماری بہن بیگم کھر نے ہماری جانب سے ہائیکورٹ میں درخواست دائر کی ہے اس لئے کہ اس موضوع پر زیادہ گفتگو مناسب نہیں ہے۔ لیکن ہم توقع کرتے ہیں کہ کھر صاحب کے ساتھ انصاف ہوگا، ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ جلد رہا ہو جائیں اور جمہوری جد و جہد میں ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں، ہمیں ان کی صلاحیتوں اور خلوص پر پورا اعتماد ہے۔ ان کی شرکت اس عوامی قافلے کے لئے بہت تقویت کا باعث ہوگی۔ اس سلسلے میں آپ حضرات کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ ہم تک یہ اطلاع یا افواہ پہنچی ہے، کہ ایک اسپیشل ٹریبونل بنا کر لیاقت باغ کیس کے سلسلے میں اُن پر مقدمہ چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم واضح کرتے ہیں کہ ہم بے خبر یا غافل نہیں ہیں اور نہ ہی ہم نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے، لیاقت باغ کیس صحیح ہے یا غلط، یہ ایک علیحدہ بحث ہے لیکن اصولی بات یہ ہے

کہ جب اس کیس کے سب ملزمان ضمانت پر آزاد ہیں تو پھر صرف ایک فرد پر اسپیشل ٹریبونل بنا کر مقدمہ چلانے کا کیا جواز ہے، ہم ان حالات کا گہری نظر سے جائزہ لے رہے ہیں۔ ہمیں آپ کے جذبات کا پورا احساس ہے۔ ہم معاملے کی نزاکت سے پوری طرح واقف ہیں۔ ہمارے اندر صداقت ہوئی تو ہم حالات کا بھرپور مقابلہ کریں گے۔ ہم ہر سطح پر "کھر ریلیز کمیٹیاں" بنائیں گے اور دیکھیں گے کہ اس ظلم اور دھاندلی کو کیسے نام کیا جا سکتا ہے۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ انصاف ہونا چاہیئے، اگر کھر صاحب پر کوئی الزام ہے تو ان کا کیس ہائیکورٹ کر دے دیا جائے۔

محترم ساتھیو! جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا، اصول کمیٹی کی رپورٹ جس میں بنیادی دستاویز اور آئین کا مسودہ شامل ہے آپ کے سامنے منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔ اس کی تیاری میں آپ کی جماعت کے بہترین ذہنوں نے کافی محنت کی ہے۔ یہ خاصا تفصیلی کام تھا۔ بہرصورت کچھ دیر بعد کمیٹی کے سیکرٹری اسے آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ میں یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ پارٹی کا منشور نہیں ہے بلکہ بنیادی پروگرام ہے۔ ہم عوام کی خواہشات کے مطابق منشور کی تیاری کا کام بھی جلد شروع کریں گے۔ بنیادی دستاویز میں اہم معاملوں پر پارٹی کے موقف اور پروگرام کو واضح کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پورے جوش و خروش اور جذبے کے ساتھ یہ پروگرام لے کر عوام میں پھیل جائیں گے۔ آپ پاکستانی عوام کو بتائیں گے کہ نیشنل پیپلز پارٹی غربت کا مکمل خاتمہ چاہتی ہے۔ ہم ہر پاکستانی شہری کو روزگار، علاج اور تعلیم کی سہولت فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم پیداواری طاقتوں کو منظم اور مضبوط کریں گے اور قومی وسائل کی منصفانہ تقسیم کریں گے۔ ہم مزدوروں، کسانوں، کاشتکاروں، مزارعین، کاریگروں اور ہنرمندوں کی آمدنی میں اتنا اضافہ کریں گے کہ وہ زندگی کی بہتر سہولتیں حاصل کر سکیں۔ ہم ایسا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں، جس میں ضعیف العمر مردوں

اور عورتوں، نادار بیواؤں، یتیموں اور معذور افراد کی مکمل کفالت حکومت کی ذمہ داری ہو، جس میں گداگری کا مکمل خاتمہ ہوا اور ہر بچے کو اس کے رجحان کے مطابق تعلیم حاصل ہو۔ نیشنل پیپلز پارٹی معاشرے کو طبقات کی اونچ نیچ سے پاک کر کے ملک میں ایک جدید فلاحی معاشرہ قائم کرنے کا عہد کرتی ہے۔ فلاحی معاشرے کی تعمیر ہمارا نصب العین ہے اور آپ عوام کو بتائیں کہ غربت، بے روزگاری، معاشی استحصال اور ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے اور بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کو معاشرے میں آبرومندانہ مقام دلانے کی یہی ایک صورت ہے۔ بے روزگاری کا مکمل خاتمہ کرنے اور ہر شخص کو روزگار کی ضمانت دینے کا یہی ایک راستہ ہے۔ ہم پاکستان میں ایک مہذب اور صاف ستھرا معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں شرافت اور تہذیب کو فروغ حاصل ہو۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ سچائی اور شرافت کے بغیر زندگی، انسانی زندگی نہیں ہوتی۔ اگر شرافت اور سچائی ختم ہو جائے تو انسان اور جانور میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس کے علاوہ صوبائی خود مختاری کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ ہم نے اس مسئلے پر بنیادی دستاویز میں تفصیلی بحث کی ہے۔ ہم پوری دیانت داری سے محسوس کرتے ہیں کہ قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ وفاقِ پاکستان کے دائرے میں رہتے ہوئے تمام صوبوں کو مکمل صوبائی خود مختاری دی جائے۔ ہم صوبائی خود مختاری اور قومی وحدت کو علیحدہ نہیں بلکہ لازم و ملزوم سمجھتے ہیں، اس کے ساتھ ہی ہم ان تمام رجحانات کی بھی سختی سے مذمت کرتے ہیں جن کا مقصد عوام کے درمیان نفرت پھیلانا اور ان کے اتحاد کو نقصان پہنچانا ہو۔ ہم صوبوں کے درمیان محبت اور اخوت کو فروغ دیں گے اور انتشار اور تعصب کی سیاست اور علیحدگی کے ہتھکنڈوں کے خلاف پوری قوت سے جدوجہد کریں گے۔

عزیز دوستو!

اسلام ہمارا دین ہے۔ ہم اس سے وابستگی کے صرف زبانی دعوے نہیں کریں

سگے بلکہ ہم پاکستان میں ایک ایسا معاشرہ قائم کریں گے جو انشاء اللہ پوری اسلامی دنیا کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال ہوگا۔ ہم اسلام کے آفاقی اصولوں کے مطابق فلاحی ریاست قائم کرکے اپنی منزل ضرور حاصل کریں گے۔

محترم رفیقو!

آپ میں سے بعض بزرگ سیاسی کارکنوں نے کہا ہے کہ یہ کنونشن برصغیر کی سیاسی تاریخ کا بہترین اور یادگار کنونشن ہے۔ آپ کی تعریف وتحسین کے اصل مستحق وہ محنتی اور اخلاص مند کارکن ہیں جنہوں نے اس کنونشن کی کامیابی کے لئے دن رات جان توڑ محنت کی ہے۔ خود میں نے اپنی ۴۳ سالہ سیاسی زندگی میں اس قدر منظم کنونشن نہیں دیکھا جس میں ملکی حالات پر شرکاء نے اس قدر فکر انگیز اظہار کیا ہو۔ یہ ہم پر خدا کا بڑا احسان ہے کہ ہم نے ایک ایسی راہ کا انتخاب کیا ہے جو تمام پاکستانیوں کے لئے فلاح، خیر، ترقی اور آشتی کی راہ ہے، جس پر چل کر ہم اپنی قومی آزادی کو حقیقی اور بامعنی بنائیں۔ ملک میں قومی یکجہتی، خوشحالی، شرافت، جمہوریت اور انصاف کے نئے دور کا آغاز کریں گے۔ اس موقع پر میں ان تمام محترم کارکنوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں جو انتظامات کے لئے مستقل بھاگ دوڑ کر رہے تھے، جو گیٹ پر ڈیوٹی دے رہے تھے، جو ہم سب کو پانی پلا رہے تھے۔ میں اپنی جانب سے اور آپ سب خواتین وحضرات کی جانب سے ان تمام دوستوں کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں جو گذشتہ چند ہفتوں سے اس کنونشن کے سلسلے میں سخت محنت کر رہے تھے، ان میں سے چند ساتھیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ چودھری ارشاد، چودھری محمد حنیف، جناب اشفاق احمد خان، جناب منتصر اسد، میاں ساجد پرویز، جناب تاج خان، جناب صدیق خان، چودھری مختار، ملک غلام عربی کھر، رانا اعجاز، جناب جاوید اعوان، ملک میلادی کھر اور جناب شبیر احمد لالی صاحب۔

میں چودھری محمد علی صاحب کا خاص طور پر شکر گزار ہوں اور آپ سب حضرات کی طرف سے بھی ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے کنونشن کے لئے اپنی یہ جگہ ہمیں عنایت کی، اگر وہ یہ مہربانی نہ کرتے تو شاید کسی ہال میں یا تنگ جگہ پر یہ کنونشن منعقد کرنا پڑتا۔ اس طرح آپ صاحبان کو بھی تکلیف ہوتی اور جگہ کی کمی کے سبب شاید یہ کنونشن ایسا رُوح پرور اور منظم نہ ہو پاتا۔ میں تمام منتظمین کا ایک بار پھر تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ ان کا یہ جذبہ ہمیشہ تازہ رہے گا اور پارٹی کے پیغام کو عوام تک پہنچانے میں وہ اسی جوش و جذبے کا مظاہرہ کریں گے۔

دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے بعض مندوبین نے پوچھا ہے کہ وہ یہاں ٹھہریں یا واپس چلے جائیں۔ گزارش یہ ہے کہ اگر آپ نے واپسی کے لئے بکنگ کروالی ہے تو ضرور تشریف لے جایئے ورنہ اس عظیم الشان شہر میں آئے ہیں، شالامار باغ اور بادشاہی مسجد دیکھے بغیر کیسے واپس جا سکتے ہیں۔

اپنی گذارشات ختم کرتے ہوئے میں ارضِ وطن کے تمام چاہنے والوں کو آواز دیتا ہوں۔ تمام وطن پرستوں اور جمہوریت پسندوں کو آواز دیتا ہوں۔ تمام نوجوانوں، بزرگوں، بھائیوں، بہنوں، مزدوروں، کسانوں اور شہریوں کو آواز دیتا ہوں کہ وہ ہمارا ساتھ دیں، ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیں اور اس منزل کی طرف چلیں جو امن و آزادی کی منزل ہے۔ جو شرافت اور سچائی کی منزل ہے، جو جمہوریت اور فلاحی ریاست کی منزل ہے۔ میں خدائے بزرگ و برتر کے حضور دعا کرتا ہوں کہ اے مالکِ حقیقی مجھے وہ اہلیت، وہ بصیرت عطا کر کہ میں تیرے بندوں کی اور اپنے ملک کی خدمت کر سکوں۔ اے پروردگار! مجھ پر رحم فرما، میرے تمام ساتھیوں اور دوستوں پر رحم فرما، ہمیں وہ طاقت اور ہمت عطا کر کہ ہم تیرے عطا کردہ اس ملک کو دنیا کی عظیم مملکت بنا سکیں۔ یہاں ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکیں، غریب عوام کے دکھوں کا مداوا کر سکیں، نوجوانوں کے لئے بہتر مستقبل کا اہتمام کر سکیں، معصوم

عوام کو ڈاکوؤں اور لٹیروں سے تحفظ دے سکیں۔ میں اپنی دل کی گہرائیوں سے دُعا کرتا ہوں کہ اے مالک! اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ہم پر مہربانیاں فرمانا۔ ہمارے دریاؤں کو ہمیشہ رواں رکھنا، ہمارے کھیتوں کو ہمیشہ سرسبز رکھنا۔ اے اللہ! ہمارے ہر جوان کو وہ پیداواری طاقت عطا کر کہ ہم دنیا کی عظیم قوم بن سکیں۔ ہمیں وہ دفاعی قوت عطا کر کہ ہم جارحیت سے ہمیشہ محفوظ رہ سکیں۔ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور ہماری راہوں کو آسان فرما۔ پاکستان پائندہ باد

عوامی نیشنل پارٹی

نام کے اعتبار سے عوامی نیشنل پارٹی ایک نئی سیاسی جماعت ہے لیکن جن چار سیاسی جماعتوں کے اتحاد سے اس کا قیام عمل میں آیا ہے ان کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ۱۹۸۶ء میں پاکستان کی چار ترقی پسند اور قوم پرست سیاسی جماعتوں نے ایک متحدہ محاذ میں اپنے آپ کو مدغم کرنے اور مشترکہ پلیٹ فارم سے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ان جماعتوں میں عوامی تحریک، مزدور کسان پارٹی، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی اور پاکستان نیشنل پارٹی (ایک گروپ) شامل تھیں۔ ۲۶ جولائی ۱۹۸۶ء کو ان جماعتوں کے رہنماؤں کا اجلاس ہوا اور نیشنل عوامی پارٹی کے نام سے نئی جماعت قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس اجلاس میں جماعت کا پروگرام اور منشور بھی منظور کیا گیا۔ اس طرح ایک متحدہ ترقی پسند جماعت تو وجود میں آگئی لیکن پاکستان نیشنل پارٹی کے ایک بڑے گروپ نے جس کی قیادت غوث بخش بزنجو کر رہے تھے اس اتحاد سے اتفاق نہیں کیا اور اپنی علیحدہ اور منفرد حیثیت برقرار رکھی۔ اس طرح مزدور کسان پارٹی کے فتحیاب علی خاں نے بھی اپنی پارٹی برقرار رکھی جبکہ ان کی پارٹی کے پنجاب اور صوبہ سرحد کے گروپ نے (سندھ کے بھی ایک گروپ نے) پارٹی ختم کر دی۔ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی جو شیر باز مزاری کی سرکردگی میں آج موجود ہے وہ دوبارہ وجود میں آئی ہے۔ جس وقت عوامی نیشنل پارٹی میں اس کا انضمام ہوا اس وقت خان عبدالولی خاں اس کے سربراہ تھے اور ولی خاں کی تحریک پر ہی یہ اتحاد وجود میں آیا تھا۔ سردار شیر باز مزاری اس اتحاد کے حق میں نہیں تھے۔ پہلے انہوں

نے سیاست سے کنارہ کشی کا اعلان کیا اور کافی عرصے بعد نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی زندہ کرنے کا اعلان کردیا۔

عوامی نیشنل پارٹی میں جو چار جماعتیں شامل ہیں ان میں ولی خاں کی نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی سب سے نمایاں جماعت تھی جو دراصل نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) کی جانشین تھی پاکستان کی جمہوری تحریکوں میں نیپ کا ایک قابل رشک کردار رہا ہے۔ بنگلہ دیش کے قیام سے قبل اگرچہ اس کے دو گروپ بن گئے تھے جنہیں بھاشانی گروپ اور ولی خاں گروپ کے نام سے جانا جاتا تھا لیکن مجموعی طور پر نیپ نے جمہوریت کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اس کے علاوہ کمیونسٹ پارٹی کے بعد یہ واحد پارٹی ہے جس پر حکومت کی طرف سے دو مرتبہ پابندی لگائی گئی، اور ایک بار اس کے رہنماؤں پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ پہلی بار یحییٰ خاں کے زمانے میں اس پر پابندی لگی۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں حیات محمد خاں شیر پاؤ کے قتل کے بعد اس جماعت پر پابندی لگائی گئی اور اس کے رہنماؤں کو گرفتار کرکے ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ اس سلسلے میں پہلے سپریم کورٹ میں ریفرنس پیش کیا گیا جہاں ولی خاں نے قانونی سہولتیں اور وکلا فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ سہولت نہ ملنے پر انہوں نے عدالت کا بائیکاٹ کردیا۔ اس کے بعد بغاوت کے مقدمہ کی سماعت کے لئے خصوصی ٹریبونل قائم کیا گیا۔ ٹریبونل نے بعض لیڈروں کو ضمانت پر رہا کیا لیکن ولی خاں نے ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کردیا۔ آخر جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں انہیں رہا کیا گیا۔ نیپ پر پابندی کے عرصے میں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی قائم کی گئی جس کا کنوینر یا صدر سردار شیر باز مزاری کو بنایا گیا بیگم نسیم ولی خاں نائب صدر تھیں۔ ولی خاں کی رہائی کے بعد ان کی تحریک پر دوبارہ شیر باز مزاری کو صدر منتخب کرلیا گیا، لیکن نئے الیکشن ہوئے تو ولی خاں پھر صدر منتخب ہوگئے۔ دوسری جماعت عوامی تحریک دراصل

پہلے سندھ عوامی تحریک تھی جس کے رہنماؤں میں رسول بخش پلیجو اور فاضل راہو شامل تھے۔ اس جماعت کا رجحان جی ایم سید کی۔ جئے سندھ تحریک کی طرف تھا لیکن بعد میں اس نے اپنا راستہ علیحدہ کر لیا اور پارٹی کا نام بھی پاکستان عوامی تحریک رکھ لیا۔ تیسری جماعت مزدور کسان پارٹی میجر اسحاق اور افضل بنگش کی زندگی میں صوبہ سرحد اور پنجاب کے بعض علاقوں میں ایک طاقت ور جماعت تھی۔ لیکن چارسدہ کی کسان تحریک کی ناکامی کے بعد اس میں بھی گروپ بندی ہو گئی۔ افضل بنگش نے بعد میں اس پارٹی کو ہی چھوڑ دیا۔ ایک گروپ عوامی نیشنل پارٹی میں شامل ہو گیا۔ چوتھی پارٹی پاکستان نیشنل پارٹی کا بھی ایک گروپ اس میں شامل ہو گیا ہے۔

عوامی نیشنل پارٹی کا منشور حسبِ ذیل ہے۔

ابتدائیہ

عوامی نیشنل پارٹی کے اس منشور کی منظوری کراچی میں ۲۶ جولائی ۱۹۸۶ء کو پارٹی کے تاسیسی اجلاس میں دی گئی۔ اس اجلاس میں چار ترقی پسند اور سامراج دشمن پارٹیوں عوامی تحریک، پاکستان مزدور کسان پارٹی، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی اور پاکستان نیشنل پارٹی کے انضمام کے نتیجے میں یہ نئی پارٹی وجود میں آئی۔

عوامی نیشنل پارٹی پاکستان میں موجود پنجابی، سندھی، پختون، بلوچ اور سرائیکی عوام، مظلوم طبقات، حقوق سے محروم سماجی حلقوں اور اقلیتوں کے حقیقی مفادات کی ترجمان ہے۔ زیر نظر منشور کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوگا کہ صرف اسی کے ذریعے پاکستان کے عوام، مظلوم قومیتوں اور حقوق سے محروم کی جانے والی پیداوار (جن میں ایک طرف ملک کی آدھی آبادی پر مشتمل خواتین شامل ہیں تو دوسری جانب مذہبی و سماجی اقلیتیں) کو جبر، نابرابری اور استحصال سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔

عوامی نیشنل پارٹی کا یہ منشور چار اصولوں پر قائم ہے: جمہوریت کا قیام، قومی نابرابری کا خاتمہ، سامراجیت سے نجات اور سماجی انصاف۔ اس چار نکاتی پروگرام کی تفصیل کو ہم "قومی عوامی جمہوری انقلاب" کا نام دیتے ہیں۔

منشور

ریاست اور حکومت کی تشکیل

۱۔ پاکستان کو ایک آزاد، ترقی یافتہ خوشحال جمہوری وفاقی ریاست میں تبدیل کردیا جائیگا۔

۲۔ پاکستان کی مختلف وحدتیں اپنے علاقائی معاملات میں خود مختار ہوں گی۔ صرف امور خارجہ کرنسی، مواصلات اور دفاع وفاقی حکومت کے پاس ہوں گے۔

(و) پاکستان اپنے دفاع کے لئے ایک بڑی مستقل فوج کے بوجھ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا موجودہ فوج کے ڈھانچہ کو تبدیل کرکے فوج کی تعداد میں کمی کردی جائے گی اور ایسی فوج بنائی جائے گی جو عسکری تربیت کے ساتھ ساتھ پیداواری عمل میں بھی حصہ لے۔

فوجی اخراجات اس سطح پر لائے جائیں گے کہ ملکی وسائل اس کے متحمل ہوسکیں اور ملکی معیشت پر کم سے کم بوجھ پڑے۔ فوجی اخراجات بہرصورت تعلیم اور صحت کے اخراجات سے کم ہوں گے۔

(ب) ہر صحت مند بالغ مرد اور عورت کو فوجی تربیت دی جائے گی۔ عوام کو بغیر لائسنس اسلحہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔

(ج) ملک کے دفاع کا فریضہ وفاق اور وحدتوں کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی قومی وحدتوں کو ملیشیا بنانے کا مکمل اختیار ہوگا۔

(د) ملکی سیاست میں فوج اور نوکر شاہی کی عدم مداخلت کی ضمانت دی جائے

گی اور ماضی میں غیر قانونی مداخلت کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۳۔ مرکز میں پارلیمانی دو ایوانوں پر مشتمل ہو گی۔ ایوان نمائندگان بالغ رائے دہی کی بنیادوں پر منتخب ہو گا۔ سینٹ میں وفاق کی وحدتوں کو مساوی نمائندگی دی جائے گی۔

۴۔ پارلیمان کا انتخاب "ایک آدمی ایک ووٹ" اور مخلوط بالغ رائے دہی بنیاد پر ہو گا۔

۵۔ نوآبادیاتی انتظامیہ اور عدالتی نظام کو ختم کر کے ــــ جمہوری ریاست کی ضروریات کے مطابق انتظامیہ اور عدالتی نظام قائم کیا جائے گا۔ پرانے قوانین جو کہ جاگیرداروں گماشتہ سرمایہ داروں اور افسر شاہی کے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ منسوخ کر دیئے جائیں گے اور عوام کے حق میں نئے جمہوری قوانین بنائے جائیں گے۔

۶۔ قومی عوامی جمہوری ریاست کے قیام سے پہلے پارٹی ملک میں صدارتی اور آمرانہ نظام کی جگہ پارلیمانی وفاقی نظام قائم کرنے کی حمایت اور جدوجہد کرے گی۔

۷۔ قومی عوامی جمہوری ریاست کے قیام سے پہلے ہی عدلیہ کو انتظامیہ سے مکمل طور پر علیحدہ کر دیا جائے گا۔

۸۔ ہر انتخابی حلقے کو اپنے منتخب نمائندے پر عدم اعتماد کی صورت میں پارلیمان اور اسمبلی سے واپس بلانے کا دستوری حق حاصل ہو گا۔

۹۔ پارٹی قوموں کے حق خود ارادیت کے اصول کو تسلیم کرتی ہے۔ پاکستان ایک کثیر القومی ریاست ہے اس لئے پارٹی پاکستان میں بسنے والی تمام قومیتوں کے مساوی حقوق کے لئے اقدامات کرے گی۔ تمام قومیتوں کو معاملات ریاست میں برابری کی بنیاد پر شرکت کا حق حاصل ہو گا نیز تمام اقلیتی، لسانی اور نسلی گروہوں کے تہذیبی، ثقافتی و لسانی ورثے کی ترقی و ترویج کی ضمانت دے گی۔

۱۰۔ پارٹی پاکستان کی وفاقی اکائیوں کو تہذیبی و لسانی یکسانیت جغرافیائی اتصال اور تاریخی پس منظر کی بنیاد پر از سر نو تشکیل دے گی۔

۱۱۔ سندھ کی موجودہ سرحدیں تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے مسلمہ طور پر سندھ ہی کا حصہ ہیں۔ پارٹی سندھ کو تقسیم کرنے ہر سازش کی مخالفت کرے گی۔

۱۲۔ زیادہ اور کم تنخواہیں پانے والے ملازمین کی تنخواہوں کے تکمیل میں معقولیت پیدا کی جائے گی۔ تنخواہوں میں تناسب ۱ اور ۵ سے زیادہ نہیں ہونے دیا جائے گا اور کسی ملازم کی تنخواہ یا اُجرت ایک تولہ سونا کی قیمت سے کم نہیں ہوگی اور اس میں مہنگائی کے تناسب سے تبدیلی کی جائے گی۔

۱۳۔ پنشن یافتہ سول اور فوجی انتظامیہ کے افسروں کو دوبارہ کسی سرکاری اور نیم سرکاری عہدے پر مامور کرنے کا طریقہ ختم کر دیا جائے گا۔

۱۴۔ سابق والیان ریاست ملکوں اور سرداروں کے وظائف، اعزازات اور خصوصی مراعات منسوخ کر دی جائیں گی۔

۱۵۔ بدعنوانی، اقربا پروری، رشوت ستانی، نفع خوری، چور بازاری، سمگلنگ اور ایسی ہی دوسری سماجی برائیوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

سامراجیت سے نجات

۱۔ پاک امریکہ دو طرفہ فوجی معاہدوں اور دیگر سامراجی معاہدوں کو منسوخ کر دیا جائے گا۔

۲۔ پاکستان میں لگا ہوا تمام سامراجی سرمایہ ضبط کر لیا جائے گا اور سودی قرضوں پر از سر نو مذاکرات کر کے ملک کے مفاد میں فیصلہ کیا جائے گا۔

۳۔ سامراجی ممالک سے مشروط قرضے اور پاکستانی معیشت کو سامراج کے تابع کرنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ پاکستان کی بیرونی تجارت کو سامراجی سرمایہ داروں اور کثیر القومی کارپوریشنوں کے شکنجے سے آزاد کرایا جائے گا اور پاکستان کے مفادات کے مطابق برابری کی سطح پر باہمی فائدوں کی بنیاد پر تجارت کی جائے گی۔

معیشت

پاکستان کی معیشت کے جدید نوآبادیاتی، نیم جاگیردارانہ، محتاج سرمایہ دارانہ اور غیر پیداواری کردار کو بدل کر خود مختاری، خود انحصاری اور حقیقی ترقی کی بنیاد پر نئے اقتصادی ڈھانچے اور رشتے قائم کئے جائیں گے اور ان کی مناسبت سے اقتصادی پالیسیاں اختیار کی جائیں گی۔ پاکستان میں جدید نوآبادیاتی نظام کی آبیاری کے لئے مشروط سامراجی قرضوں کی وجہ سے ایک محتاج اور طفیلی معاشی نظام معرض وجود میں آگیا ہے۔ صنعتی شعبے میں بنیادی اور بھاری صنعتوں کا کوئی مقام نہیں ہے جس کے بغیر ملک اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ مشینری اور تکنیکی مہارت کے لئے سامراج پر اس کا انحصار روز بروز بڑھ رہا ہے اور گماشتہ سرمایہ داری کو مضبوط کر رہا ہے۔ زرعی شعبے میں پرانے جاگیردارانہ پیداواری رشتے اور طور طریقے موجود ہونے کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ کاشت کا راستہ بھی اختیار کیا جا رہا ہے آج بھی پاکستان کی ۴۹ فیصد اراضی پر دس فیصد زمینداروں کا قبضہ ہے بڑے زمیندار اور زرعی سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہو رہے ہیں۔ دیہاتی محنت کشوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ نابرابری بڑھ رہی ہے۔ ملک کی مجموعی پیداوار میں غیر پیداواری خدمات کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ لیکن سامراجی ممالک کی مصنوعات کے لئے منڈی وسیع ہو رہی ہے۔ اس لئے زرعی شعبے میں ملکیتی رشتوں کو بدل کر جدید مشینری و آلات، کیمیائی کھاد، کیڑے مار ادویات، نئے بیجوں اور نئی فصلوں کی ہمت افزائی کے رجحان کو اور بھی تیز کیا جائے گا۔ صنعتی شعبہ میں پبلک سیکٹر میں بھاری اور بنیادی صنعتیں لگائی جائیں گی اور پرائیویٹ سیکٹر کو بھی پہنپنے کا موقع دیا جائے گا۔ لیکن یہ سب کچھ سامراجی ممالک پر انحصار کو ختم

کرتے ہوئے کیا جائے گا۔ محتاج سرمایہ دارانہ ترقی کی وجہ سے پاکستان کی مختلف قومی وحدتوں میں معاشی نابرابری اور ناہمواری بڑھ رہی ہے۔ اس کو مربوط منصوبہ بندی کے ذریعے ختم کرنا ضروری ہے۔ ملک کے زرعی نظام میں انقلابی اصلاحات کے بغیر ملک کو ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن نہیں کیا جا سکتا۔ نہ جمہوری تقاضے پورے کیے جا سکتے ہیں نہ نابرابری ختم کی جا سکتی ہے اور نہ ہی قومی مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی نئی اقتصادی حکمتِ عملی قومی عوامی جمہوری سیاسی اقتدار کا سنگِ بنیاد ہوگی اور قومی آزادی ترقی اور سماجی انصاف کے لئے مادی اساس فراہم کرے گی۔

قومی مسئلہ

۱۔ قومی ظلم، بالادستی اور نابرابری کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے گا۔ مختلف تہذیبی لسانی نسلی گروہوں کو منصفانہ حقوق حاصل ہوں گے۔ اقتصادی ترقی، سیاسی شرکت اور کلچر کو فروغ دینے کے سلسلے میں ایسی پالیسی اختیار کی جائے گی اور ایسے عملی اقدامات کیے جائیں گے کہ جن کی وجہ سے ماضی میں ہونے والی ناانصافی اور نابرابری کی تلافی ہو سکے اور پاکستان کی تمام قومیتیں اور جملہ عوام بغیر کسی تفریق کے یکساں اقتصادی، سیاسی اور کلچرل سطح پر پہنچ کر باہمی اعتماد اور بھائی چارے کی زندگی بسر کر سکیں۔

۲۔ ملک میں بسنے والی پنجابی، سندھی، پختون، بلوچ اور سرائیکی قومیتوں کی زبانوں کا درجہ دیا جائے گا اور ان کو ذریعہ تعلیم، عدالتی اور دفتری زبانوں کے طور پر فروغ دیا جائے گا، ان کے علاوہ دوسرے چھوٹے لسانی نسلی گروہوں کی زبانوں کو بھی ترقی دی جائے گی۔ جن زبانوں کی تحریری حیثیت نہیں ہے۔ ان کو حروف تہجی دے کر انہیں ترقی دلائی جائے گی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تمام عوامی زبانوں میں پروگرام نشر کیے جائیں

گے ۔ ان تمام زبانوں میں اخبارات، رسائل اور کتابوں کی اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔ ہر طالب علم کو اس کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

۳۔ اُردو رابطہ کی زبان ہوگی۔

۴۔ قومیتوں کے درمیان ثقافتی تعلقات بڑھائے جائیں گے۔

۵۔ پاکستان کی قومی وحدتیں ان میں تاریخی طور پر آباد سندھی، پنجابی، بلوچ، پختون اور سرائیکی قومیت کی نسبت سے پہچانی جائیں گی۔ ہر قومی وحدت کے اقتدار اعلیٰ پر بنیادی حق اس وحدت میں تاریخی طور پر آباد قومیت کا ہوگا۔ وحدتوں کے مابین اور دوسرے علاقوں سے آبادی کی آمد اور نقل مکانی کو روکنے کا مؤثر بندوبست کیا جائے گا اور ان میں تاریخی طور پر آباد قومیتوں کو کسی بھی صورت اقلیت میں تبدیل ہونے نہیں دیا جائے گا اور مقامی قومی آبادی کے خلاف آبادی کے عدم توازن کا سدباب کیا جائے گا۔

زرعی مسائل

۱۔ اراضی کی حد ملکیت فی خاندان پچاس ایکڑ نہری یا اس کے برابر پیداواری یونٹوں کی بارانی اراضی ہوگی۔

۲۔ افسر شاہی (سول اور فوجی) اور دیگر لوگوں کو انعامات میں دی گئی اراضی ضبط کرلی جائے گی۔ ان کے بڑے جدید فارموں کو کوآپریٹو یا ریاستی فارموں میں تبدیل کردیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اراضی کو مقامی بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کردیا جائے گا۔

۳۔ ریاست کی ملکیتی اراضی پر جہاں ممکن ہوا بڑے بڑے جدید کوآپریٹو یا ریاستی فارم بنائے جائیں گے اور باقی ماندہ اراضی مقامی بے زمین کاشتکاروں میں گذارہ یونٹ کے حساب سے مفت تقسیم کردی جائے گی۔

۴۔ زرعی شعبہ کی ترقی کے لئے جامع رپورٹ تیار کرنے کے لئے کمیشن قائم کیا جائے گا جو پیداواری یونٹوں کا از سر نو تعین کرے گا اور غیر آباد اور بارانی زمینوں کو سیراب کرنے کا مرحلہ وار پروگرام بنائے گا اور زرعی صنعتیں لگانے کے لئے سفارشات پیش کرے گا۔

۵۔ سرکاری اراضی انعام کے طور پر افسر شاہی اور دیگر لوگوں میں تقسیم کرنی بند کر دی جائے گی۔

۶۔ مزارعین اور کھیت مزدوروں کو قانونی تحفظ دیا جائے گا۔ پارٹی ناجائز بے دخلیوں کے خلاف جدوجہد کرتی رہے گی اور اس طرح مزارعین کا تحفظ کرے گی۔

۷۔ پارٹی مزارعین اور چھوٹے مالکان اراضی کے مسائل افہام و تفہیم اور باہمی فائدے کی بنیاد پر حل کرانے کی کوشش کرے گی۔

۸۔ پارٹی کاشتکاروں کو آڑھتیوں کے ناجائز خرچوں اور استحصال سے نجات دلائے گی اور ان کی اجناس کی مناسب قیمت دلوائے گی۔

۹۔ مالکان اراضی کو دوہرے ٹیکسوں (مالیہ اور عشر) کے نظام سے نجات دلائے گی۔

۱۰۔ دیہات میں بسنے والے محنت کشوں کو اچھے مکانات مہیا کیے جائیں گے تمام دیہات کو بجلی مہیا کی جائے گی۔

دیہاتی آبادی کو زندگی کی جدید سہولتوں سے بہرہ ور کرنے کے لئے سڑکوں، سکولوں، ہسپتالوں، بجلی اور عوامی ثقافتی مراکز اور کھیلوں کے لئے سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۱۱۔ خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش لوگوں کو رضا کارانہ طور پر آباد ہونے میں مدد دی جائے گی۔

۱۲۔ دیہاتی محنت کشوں، مزارعین، غریب کسانوں اور دوسری مظلوم دیہی آبادی کی متحدہ جدوجہد اور ریاستی امداد کے ذریعے دیہاتی عوام پر غنڈوں، بدمعاشوں، رسہ گیروں

دلالوں اور زمینداروں کے ظلم وستم اور لوٹ مار کو ختم کرایا جائے گا اور ان کے خلاف جدوجہد پارٹی کے پروگرام کا حصہ ہو گی۔

صنعت و تجارت

۱۔ سامراجی سرمایہ داریوں کی ملکیتی کمپنیوں، بنکوں اور صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا۔

۲۔ ریاستی شعبے کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے اسے رفتہ رفتہ ملک کی معیشت میں فیصلہ کن حیثیت دی جائے گی۔ اس پر عملدرآمد کے لئے پبلک سیکٹر میں مرکزی منصوبہ بندی کے تحت بنیادی اور بھاری صنعتیں قائم کی جائیں گی یہ منصوبہ بندی اس طرح کی جائے گی کہ پاکستان کی ریاست میں شامل تمام علاقے یکساں اور ہموار طریقے سے ترقی کریں۔ مقامی مزدوروں کو اپنے اپنے علاقوں کی صنعتوں میں ملازمت دینے میں ترجیح دی جائے گی۔ قومی وحدتوں کی دولت پر قومی وحدتوں کا ہی حق ہو گا۔

۳۔ قومیائی گئی اور پبلک سیکٹر میں لگی ہوئی موجودہ صنعتوں، کارپوریشنوں اور مالیاتی اداروں کا انتظام افسر شاہی کے ہاتھوں سے لے کر محنت کشوں اور دماغی کام کرنے والے عوامی نمائندوں اور ماہرین پر مشتمل کمیٹیوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔

۴۔ کثیر القومی کارپوریشنوں اور عالمی سرمایہ داری کی بالا دستی اور ملکی گماشتہ سرمایہ داروں کی معیشت پر جکڑ بندی کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

۵۔ پرائیویٹ سیکٹر میں وطن دوست، سامراج مخالف، پرائیویٹ سرمایہ داروں اور اوسط درجے کے چھوٹے صنعت کاروں کو ملکی پیداوار بڑھانے کے لئے ترقی کے پورے مواقع مہیا کیے جائیں گے اور ان کی پوری مدد کی جائے گی۔ ماسوا ایسی صورت میں

جہاں استحصال کے امکانات زیادہ ہوں وہاں پارٹی قانون کے ذریعے ان پر کنٹرول عائد کرے گی۔

۶۔ گھریلو صنعتوں کی ریاست کی طرف سے بھرپور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

۷۔ صنعتی ترقی کے لئے ریاستی اور نجی سرمائے کی مخلوط کمپنیاں قائم کی جائیں گی۔

۸۔ بیرونی تجارت کے لئے بھی مرکز اور قومی وحدتوں میں حسب ضرورت پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر قائم کیا جائے گا۔ قومی وحدتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مرکزی پالیسی کی مطابقت میں بیرونی تجارتی معاہدے کرسکیں۔

۹۔ بڑی بڑی شہری جائدادیں۔ بڑے ہوٹل اور مینشن قومی ملکیت میں لے لئے جائیں گے

۱۰۔ سامانِ تعیش کی درآمد بند کردی جائے گی۔

۱۱۔ ملکی صنعتوں کو مکمل تحفظ دیا جائے گا۔ ملک کے اندر جو مصنوعات تیار ہوتی ہیں اُن کی درآمد بند کردی جائے گی۔

خارجہ پالیسی

پاکستان کی خارجہ پالیسی ابتداء ہی سے سامراج کی عالمی حکمتِ عملی سے منسلک رہی ہے جس کے نتیجے میں پڑوسی ممالک سے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے ہیں۔ دنیا میں ہماری ساکھ بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اندرونی طور پر بھی ہماری معیشت، سیاست، تہذیب و اخلاق اور ملکی مفادات سامراجی مفادات کے تابع ہوکر رہ گئے ہیں یہاں تک کہ ہماری آزادی خود مختاری، حرّیت فکر بے معنی ہوکر رہ گئی ہے اس صورتِ حال کو بدلنے کے لئے خارجہ پالیسی مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی ہوگی۔

۱۔ ایک مثبت، آزاد، غیر وابستہ خارجہ پالیسی اختیار کی جائے گی جس میں ہمارا ملکی مفاد اس لحاظ سے راہنمائی کرے گا کہ ہماری سیاسی آزادی اور معاشی خود مختاری مستحکم ہو۔

۲۔ حکومتِ پاکستان کے کیے ہوئے تمام فوجی معاہدے اور ملکی مفاد کے منافی سمجھوتے اور قرضے منسوخ کر دیئے جائیں گے تاکہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں سامراجی قوتوں کی مداخلت کو روکا جاسکے اور پاکستان کو دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے لئے آلۂ کار نہ بنایا جاسکے۔

۳۔ تمام ملکوں کے اقتدارِ اعلیٰ، خود مختاری اور سالمیت کے باہمی احترام کے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق کسی دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

۴۔ دنیا کے تمام امن پسند ملکوں خاص طور پر ہمسایہ ملکوں اور تیسری دنیا کے ملکوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر دوستانہ سیاسی، معاشی اور تہذیبی تعلقات قائم کیے جائیں گے۔ سوشلسٹ ممالک کے ساتھ باہمی فائدے کی بنیاد پر گہرے تعلقات قائم کیے جائیں گے۔

۵۔ بین الاقوامی تنازعات کو طاقت کی بجائے پرامن مذاکرات سے طے کرنے کے اصول پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کیا جائے گا۔

۶۔ پارٹی عالمی امن، پُرامن بقائے باہم اور تخفیفِ اسلحہ کی جدوجہد کو اپنا اصولی مؤقف قرار دیتی ہے۔

۷۔ نسل پرستی، نوآبادیاتی نظام، صیہونیت کی ہر صورت میں مخالفت کی جائے گی اور دنیا بھر کی سامراج دشمن قومی آزادی کی تحریکوں کی حمایت کی جائے گی۔ موجودہ غیر منصفانہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ عالمی سطح پر نئے اقتصادی نظام کے لئے جدوجہد کی جائے گی۔

بنیادی حقوق

پارٹی تمام وطن دوست، ترقی پسند، قوم پرست، سامراج دشمن جمہوری قوتوں، مزدوروں، کسانوں، کھیت مزدوروں، چھوٹے زمینداروں، پیشہ ور دانشوروں، دفتری کارکنوں، نوجوانوں اور طالب علموں کی تنظیم ہے جس کا مقصد قومی عوامی جمہوریت

قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پارٹی مندرجہ ذیل اقدامات کرے گی:

۱۔ تمام شہریوں کو بلا امتیاز اپنے مذہبی عقائد پر عمل پیرا ہونے کا حق حاصل ہوگا۔

۲۔ تمام شہریوں کو ذات پات، عقیدے، رنگ و نسل اور جنس کے امتیاز کے بغیر ریاست اور حکومت کے تمام عہدوں پر مامور اور منتخب ہونے کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

۳۔ عورتوں کو معاشی سیاسی اور سماجی میدان میں مردوں کے مساوی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ اور تمام امتیازی قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ تمام شہریوں کو خوراک، روزگار، مکان اور مفت تعلیم اور علاج مہیا کرنا ریاست کا فرض ہوگا اور ہر صحت مند شخص کے لئے پیداواری عمل کے کسی شعبے میں کام کرنا لازمی ہوگا۔

۵۔ طبقاتی بنیادوں پر قائم تعلیمی اداروں کو ختم کر دیا جائے گا اور سب کے لئے تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع مہیا کیے جائیں گے۔

۶۔ علاج معالجہ میں بھی طبقاتی تفریق نہیں کی جائے گی اور سب کو علاج کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔

۷۔ تمام شہریوں کو اظہار رائے کی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی، تحریر و تقریر کی آزادی، پریس کی آزادی، جلسوں کے انعقاد اور انجمن اور جماعت سازی کی آزادی، پُرامن جلوس نکالنے اور ہڑتال کرنے کا حق اور اجتماعی سودے کاری کی ضمانت حاصل ہوگی۔

۸۔ تمام شہریوں کو ذات کی حرمت اور نجی مراسلت اور ٹیلی فون گفتگو کی رازداری کی ضمانت حاصل ہوگی۔

۹۔ تمام شہریوں کو عاجلانہ اور ارزاں انصاف حاصل کرنے کی ضمانت ہوگی اور کورٹ فیس یکسر منسوخ کر دی جائے گی۔

۱۰۔ تمام شہریوں کو اس بات کی ضمانت ہوگی کہ انہیں کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے

بغیر نظر بند نہیں رکھا جائے گا اور تمام کالے قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے۔

۱۱۔ تمام شہریوں کو جان و مال، عزت کے تحفظ اور انصاف کی ضمانت حاصل ہوگی۔ کسی جانب سے بھی اور خاص طور پر دفاعی افواج، پولیس، فیڈرل سیکورٹی فورس اور دوسری سرکاری اور نیم سرکاری تنظیموں کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں سے شہریوں کو محفوظ کیا جائے گا اور جرائم اور لاقانونیت جو ملک میں اور خاص کر دیہی علاقوں میں بڑے پیمانے پر پائی جاتی ہے کی بیخ کنی کے لئے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۲۔ گداگری، جسم فروشی اور دیگر جرائم کا خاتمہ کرنے کے لئے تعمیری اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۳۔ ٹرانسپورٹ کی مشکلات ختم کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۴۔ پندرہ سال سے کم عمر کے بچوں سے محنت کروانا جرم ہوگا۔

۱۵۔ روشن خیال، خود مختار، حقیقت پسند، جمہوری اور وطن دوست صحافت کو فروغ دیا جائے گا اور صحافت کو مضر تجارتی، فرقہ وارانہ اور رجعتی اثرات سے محفوظ رکھا جائے گا۔ سیاسی جماعتوں اور عوامی تنظیموں کو اپنے اخبار نکالنے کی مکمل آزادی ہوگی۔

۱۶۔ پارٹی ایک سیکولر (غیر فرقہ وارانہ) ریاست قائم کرے گی، جس میں تمام شہریوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل، مذہب، ذات، فرقہ، عقیدہ، جنس یا پیشے کے یکساں، معاشی، سماجی اور سیاسی حقوق حاصل ہوں گے۔

مزدوروں کے حقوق

پارٹی کا بنیادی نصب العین محنت کش عوام کے استحصال کا خاتمہ کرنا ہے۔ پارٹی مزدوروں کے قومی، جمہوری، معاشی، سیاسی حقوق کے لئے آئینی و عملی ضمانت مہیا کرے گی۔ اس کی لیبر پالیسی کے خاص نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ محنت کشوں کو ٹریڈ یونین بنانے کا حق حاصل ہوگا۔ اپنے مطالبات کے حصول کے لئے

تنظیم سازی، جلسے جلوس اور ہڑتال کرنے کا غیر مشروط حق حاصل ہوگا۔ کھیت مزدوروں کو بھی ٹریڈ یونین بنانے کا حق حاصل ہوگا۔

۲۔ مزدوروں کی بنیادی تنخواہ کم از کم ایک تولہ سونے کے برابر مقرر کی جائے گی اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے ساتھ ساتھ اسی تناسب سے مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

۳۔ محنت کشوں کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے ہر کارخانے اور فیکٹری میں تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا۔

۴۔ زیادہ اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین کی تنخواہ کے سکیلوں میں معقولیت پیدا کی جائے گی۔ تنخواہوں کا تناسب ۱ اور ۵ سے زیادہ نہیں ہوگا۔

۵۔ مزدوروں کے اوقات کار کا از سر نو تعین کیا جائے گا۔ دوران کار سہولتوں میں اضافہ کیا جائے گا۔ لیبر قوانین پر نظر ثانی کی جائے گی، تمام مزدور دشمن قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے۔

۶۔ مزدوروں کے افراد خانہ کے لئے تعلیم، صحت، رہائش کی ذمہ داری حکومت اور آجر پر ہوگی۔

۷۔ روزگار مہیا کرنا حکومت کا فرض ہوگا۔ بصورت دیگر مزدوروں کو بے روزگاری الاؤنس دیا جائے گا۔

۸۔ کارخانہ میں مزدوروں کے حالات کار، انتظامی امور اور سماجی مسائل میں ٹریڈ یونینز کو زیادہ سے زیادہ حصہ دار بنایا جائے گا۔

تعلیمی پالیسی

پارٹی جدید نو آبادیاتی بنیادوں پر قائم تعلیمی نظام کو یکسر ختم کر دے گی اور ایک

نئی پالیسی بنائے گی جو آزاد، خود مختار، قومی اور عوامی جمہوری تقاضوں کے مطابق سائنسی بنیادوں پر تشکیل دی جائے گی۔ تعلیمی پالیسی کے اہم نکات یہ ہوں گے:

۱۔ پارٹی کا بنیادی مقصد ناخواندگی کو ختم کرنا ہے اور بامقصد تعلیم کو فروغ دینا ہوگا۔

۲۔ تعلیمی اداروں کی آزادی اور خود مختاری کا تحفظ کیا جائے گا۔ تعلیمی اداروں میں جمہوری ماحول پیدا کیا جائے گا۔ طلبا کو انجمن سازی کا مشروط حق حاصل ہوگا۔

۳۔ تدریسی طریقے اور انداز میں تبدیلی لائی جائے گی۔ تخلیقی اور تحقیقی انداز فکر و نظر کو فروغ دیا جائے گا۔

۴۔ اساتذہ کے معاوضے میں اضافہ کیا جائے گا تاکہ انہیں سماج میں ایک باعزت مقام حاصل ہو۔

۵۔ ذریعہ تعلیم مادری زبان ہوگا۔ ترقی و تعمیر کے لئے دوسری زبانوں میں بھی تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا۔

۶۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد روزگار کی ضمانت دی جائے گی۔ بصورت دیگر بے روزگاری الاؤنس مہیا کیا جائے گا۔

۷۔ تعلیم بالغان کی جامعہ منصوبہ بندی کی جائے گی۔

مذہب

۱۔ قرآن و سنّت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

۲۔ جدید نوآبادیاتی غلامی، سماجی ناانصافی، سیاسی جبر اور معاشی استحصال کو اسلام کی آڑ میں فروغ دینے کی کوششیں قطعی غیر اسلامی ہیں اور انہیں ہمارے عوام کبھی برداشت نہیں کریں گے۔

مذہبی اقلیتیں

پاکستان میں بسنے والے ہندو، عیسائی، پارسی اور دیگر غیر مسلم لوگوں کے خلاف امتیازی

سلوک اور تعصب کو مکمل طور پر ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ مذہبی اقلیتوں کو مساویانہ سیاسی، اقتصادی، سماجی اور کلچرل حقوق حاصل ہوں گے۔ ان کی عبادت گاہوں، مقدس مقامات اور غیر منافع بخش اداروں کا تحفظ کیا جائے گا۔

عوام کے درمیان فرقہ واریت کی بنا پر منافرت پھیلانے کی مذموم سازشوں کا سدباب کیا جائے گا۔

تمدن و ثقافت

ملک سے سامراجی ثقافتی غلبہ اور جاگیرداری تمدنی اقدار کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ عوامی ثقافتی ورثے کا تحفظ کیا جائے گا اور عوامی ثقافت، موسیقی، رقص، ادب اور فن کو فروغ دے کر ان میں جدید، ترقی پسند سامراج دشمن، وطن دوست، جمہوری آزادی و انصاف پرور تصورات کو شامل کیا جائے گا۔ قومی اور عوامی جمہوری کلچر کا ارتقاء جمہوری سیاسی اقتدار اور جمہوری معیشت کے مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ ہو گا۔ ایسے کلچر اور ایسے نظام اقدار کو فروغ دیا جائے گا۔ جو ملک کی آزادی، سماجی انصاف، برابری اور جدید انقلابی فکر کی آبیاری اور پرورش کرے گا۔

تنظیمی اصول

جمہوری مرکزیت، اجتماعی قیادت اور وحدتِ فکر و عمل پارٹی کے تنظیمی اصول ہوں گے۔

پاکستان نیشنل پارٹی

پاکستان نیشنل پارٹی کے صدر میر غوث بخش بزنجو بڑے منجھے ہوئے سیاستدان اور حوصلہ مند سیاسی رہنما ہیں۔ وہ بھٹو کے دور میں بلوچستان کے گورنر مقرر ہوئے جب سردار عطاء اللہ مینگل اس صوبے کے وزیراعلیٰ تھے اور نیپ کی حکومت تھی۔ اس جماعت کے سیکرٹری جنرل سید محمد قسور گردیزی ہیں جن کی عمر کا زیادہ حصہ دشتِ سیاست کی سیاحی میں گزرا ہے۔ دونوں رہنماؤں نے اکثر قید و بند کی صعوبتیں اٹھائی ہیں اور اصولوں کی خاطر ایثار و قربانی کی لذتوں سے آشنا ہیں۔ پاکستان نیشنل پارٹی بنیادی طور پر بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہے مگر اس کی سوچ کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اس کے منشور کا پہلا رہنما اصول یہ ہے کہ "پارٹی قرآن و سنّت کے منافی کوئی قانون نہیں بنائے گی" اور ساتواں رہنما اصول منشور میں یوں درج ہے کہ "پارٹی ایک سیکولر (غیر فرقہ وارانہ) ریاست قائم کرے گی جس میں تمام شہریوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل، مذہب، ذات، فرقہ، عقیدہ، جنس اور پیشے کے یکساں معاشی، سماجی اور سیاسی حقوق حاصل ہوں گے" منشور میں دوسرے اصول کے مطابق پارٹی کا منتہائے مقصد یہ ہے کہ قومی جمہوری انقلاب کے ذریعے ترقی کا غیر سرمایہ دارانہ راستہ اختیار کرتے ہوئے ایک آزاد خوشحال قومی جمہوری ریاست قائم کی جائے۔ پی۔ این۔ پی بڑی زمینداریوں اور جاگیروں کے خاتمے کی علمبردار ہے۔ پارٹی نے پاکستان کو "کثیر القومی" ریاست قرار دیا ہے۔ اس لئے پارٹی پاکستان میں بسنے والی تمام قوموں کے مساوی حقوق کے لئے ضروری اقدامات کرے

گی۔ نیز تمام قوموں اور قومی اقلیتوں کے لئے تہذیبی، ثقافتی ولسانی ورثہ کی ترقی و ترویج کی ضمانت دے گی اور معاملاتِ ریاست میں ان کو کلی شرکت کا حق حاصل ہو گا۔ ایک اور نکتہ جو پی۔ این۔ پی کی سوچ پر خاصی روشنی ڈالتا ہے آٹھواں رہنما اصول ہے۔ اس کے مطابق پارٹی پاکستان کی وفاقی اکائیوں کو تہذیبی ولسانی یکسانیت، جغرافیائی اتصال اور تاریخی پس منظر کی بنیاد پر از سر نو تشکیل دے گی۔ نیز پاکستان کے وفاقی ڈھانچے کو ۱۹۴۰ء کی قرارداد کی مطابقت میں استوار کرے گی۔ عالمی سامراج اور پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بارے میں پارٹی کا موقف یہ ہے کہ پارٹی عالمی سامراج اور رجعت پسند قوتوں کے اثر و تسلّط سے آزاد، مثبت اور ناوابستہ خارجہ پالیسی اختیار کرے گی۔ تمام فوجی معاہدوں اور ملکی و قومی مفادات کے منافی سمجھوتوں کو ختم کر دے گی، عالمی امن و تخفیف اسلحہ کی حمایت کرے گی۔ قوموں کی آزادی کی تحریکوں کی حمایت و مدد پر آمادہ رہے گی۔ پاکستان کی سرزمین کو سامراجی مفادات کے لئے استعمال نہیں ہونے دے گی اور ہمسایہ ممالک سے دوستی کی پالیسی پر عمل کرے گی۔

زرعی اصلاحات کے معاملے میں پی۔ این۔ پی انقلابی منشور کی حامل دکھائی دیتی ہے۔ زمینوں کی انتہائی حدِ ملکیّت فی خاندان ۵۰ ایکڑ نہری یا سو ایکڑ بارانی یا اس کے مساوی پیداواری یونٹ مقرر کرے گی جس کا تعیّن وفاقی وحدتیں کریں گی۔ حد سے زیادہ اراضی کو ضبط کر کے مقامی مزارعوں، بے زمین کسانوں اور چھوٹے کاشتکاروں میں مفت تقسیم کر دی جائے گی۔ سرکاری ملازموں اور فوجیوں کے نام الاٹ شدہ اراضی کے متعلق پارٹی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ زمینوں کی مفت الاٹمنٹ کا طریقہ ختم کر دیا جائے گا اور انعام میں دی ہوئی زمینوں کو ضبط کر کے مقامی بے زمین کاشتکاروں اور کسانوں میں بانٹ دی جائیں گی۔ پارٹی کی صنعتی پالیسی کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ تمام بھاری صنعتوں کے قیام اور ترقی کے لئے ریاستی شعبہ کو پھیلایا جائے۔

بنیادی اور بھاری صنعتوں کے قیام اور ترقی و پھیلاؤ کی ذمہ داری ریاستی شعبہ میں ہو گی اور ریاست ہی اس کی ذمہ دار ہوگی۔

ریاستی ڈھانچے میں جو تبدیلیاں پی۔ این۔ پی کے پیش نظر ہیں ان میں دو کا ذکر یہاں کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان میں بسنے والی تمام قومیتوں کی زبانوں کو سرکاری اور قومی درجہ دیا جائے گا۔ نیز اُردو کو جو ملک میں رابطہ کی زبان ہے سرکاری درجہ دیا جائے گا۔ زیادہ اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین کی تنخواہوں کے اسکیل میں معقولیت پیدا کی جائے گی۔ تنخواہوں میں تناسب ایک اور پانچ سے زائد ہرگز نہ ہونے دیا جائے گا۔

پی۔ این۔ پی کا منشور ترقی پسندانہ اور انقلابی ہے۔ سیاست اور معیشت میں جو ہدف اس پارٹی کے سامنے ہے اسے مختصر لفظوں میں یوں بیان کرنا چاہیئے کہ "جاگیرداری" بڑی زمینداری اور بڑی سرمایہ داری اور اجارہ داری کا خاتمہ کر کے ملکی معیشت اور سیاست کو Trans National کارپوریشنوں اور عالمی سامراج کے چنگل سے آزاد کرایا جائے"

پاکستان نیشنل پارٹی کا منشور اور دستور اس باب کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے۔ منشور واضح ہے اور جماعت کی روشن خیالی کی دلیل ہے۔ دستور سے اندازہ ہوگا کہ یہ جماعت جمہوری قاعدوں اور ضابطوں کی پابند ہے اور کسی عہدیدار کو غیر معمولی اختیارات حاصل نہیں۔ پی۔ این۔ پی کا دستور اس کے منشور کی طرح اس کی حقیقت پسندی اور بالغ نظری کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

منشور پاکستان نیشنل پارٹی

پاکستان نیشنل پارٹی کی قومی کونسل کا اجلاس ۶ - ۷ فروری ۱۹۸۶ء کو ملتان میں منعقد ہوا جس میں ۱۹۸۲ء کے منشور کو ملک کے موجودہ معاشی، سیاسی و سماجی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ترمیمات کے ساتھ منظور کیا گیا۔

۱۔ رہنما اصول

—— پارٹی قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنائے گی۔

—— پارٹی کا منتہائے مقصد یہ ہے کہ قومی جمہوری انقلاب کے ذریعے ترقی کا غیر سرمایہ دارانہ راستہ اختیار کرتے ہوئے ایک آزاد خوشحال قومی جمہوری ریاست قائم کی جائے۔

—— پارٹی ایسی انقلابی زرعی اصلاحات نافذ کرے گی جس کے ذریعے بڑی بڑی زمینداری جاگیرداری اور ماقبل جاگیرداری کی باقیات کو ختم کیا جاسکے۔

—— پارٹی اجارہ دارانہ اور گماشتہ سرمایہ داری کو ختم کرے گی اور ترقی کا غیر سرمایہ دارانہ راستہ اختیار کرکے جدید نوآبادیاتی و سامراجی نظام کے چنگل سے ملک کو آزاد کرائے گی تاکہ سامراجی اثر و نفوذ کا مکمل خاتمہ ہو۔

—— پاکستان ایک کثیر القومی ریاست ہے اس لئے پارٹی پاکستان میں بسنے والی تمام قوموں کے مساوی حقوق کے لئے ضروری اقدامات کرے گی۔ نیز تمام قوموں و قومی اقلیتوں کے لئے تہذیبی، ثقافتی و لسانی ورثہ کی ترقی و ترویج کی ضمانت دے گی

اور معاملات ریاست میں ان کو کلی شرکت کا حق حاصل ہوگا۔

—— پارٹی موجودہ صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا معاشی نظام تشکیل دے گی جس میں مزدوروں، کسانوں و دیگر محنت کش طبقات کے استحصال کا خاتمہ ہو سکے اور محب وطن طبقات بشمول چھوٹے تجارت پیشہ و درمیانی صنعت کار کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

—— پارٹی ایک سیکولر (غیر فرقہ درانہ) ریاست قائم کرے گی جس میں تمام شہریوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل، مذہب، ذات، فرقہ، عقیدہ جنس یا پیشے کے یکساں معاشی سماجی اور سیاسی حقوق حاصل ہوں گے۔

—— پارٹی پاکستان کی وفاقی اکائیوں کو تہذیبی ولسانی یکسانیت جغرافیائی اتصال اور تاریخی پس منظر کی بنیاد پر از سر نو تشکیل دے گی۔ نیز پاکستان کے وفاقی ڈھانچہ کو ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کے مطابقت میں استوار کرے گی۔

—— پارٹی نو آبادیاتی انتظامی ڈھانچہ کو ختم کر کے قومی اور جمہوری تقاضوں سے ہم آہنگ نظام تشکیل دے گی۔

—— پارٹی عالمی سامراج اور رجعت پسند قوتوں کے اثر و تسلط سے آزاد، مثبت اور ناوابستہ خارجہ پالیسی اختیار کرے گی، تمام فوجی معاہدوں اور ملکی و قومی مفادات کے منافی سمجھوتوں کو ختم کر دے گی۔ عالمی امن و تخفیف اسلحہ کی حمایت کرے گی۔ قوموں کی آزادی کی تحریکوں کی حمایت اور مدد کرے گی پاکستان کی سرزمین کو سامراجی مفادات کے لئے استعمال نہیں ہونے دے گی اور ہمسایہ ممالک سے دوستی کی پالیسی پر عمل کرے گی۔

—— جمہوری مرکزیت اور وحدت فکر و عمل پارٹی کے تنظیمی اصول ہوں گے۔

۲۔ قومی جمہوری نظام

پاکستان نیشنل پارٹی تمام وطن دوست ترقی پسند، قوم پرست سامراج دشمن جمہوری قوتوں اور مزدوروں، کسانوں، کھیت مزدوروں، چھوٹے زمینداروں، چھوٹے سرمایہ داروں، چھوٹے کارخانہ داروں، پیشہ وروں، دانشوروں، دفتری کارکنوں اور طالب علموں کی سیاسی تنظیم ہے جس کا مقصد ایک قومی جمہوری ریاست قائم کرنا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے پارٹی مندرجہ ذیل اقدامات کرے گی۔

بنیادی جمہوری حقوق اور شہری آزادیاں:۔

ہر شہری کو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج اور روزگار فراہم کیا جائے گا۔

—— جان و مال، عزت کی حفاظت اور حصولِ انصاف کی ضمانت حاصل ہوگی۔

—— جنس اور عمر کے امتیاز کے بغیر یکساں کام کا یکساں معاوضہ حاصل ہوگا۔

—— اظہارِ خیال، پریس، صحافت، نقل و حرکت، انجمن سازی، جلسوں اور جلوسوں کے اہتمام کی آزادی، اجتماعی سوداکاری کی ضمانت اور ہڑتال کا غیر مشروط حق حاصل ہوگا۔ ذات کی حُرمت، نجی مراسلات کی آزادی کی ضمانت حاصل ہوگی۔

—— اپنے ضمیر کے مطابق اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے حق کی ضمانت ہوگی۔

—— ذات، مذہب، فرقے، عقیدے، رنگ و نسل، جنس کے امتیاز کے بغیر ریاست اور حکومت کے تمام عہدوں اور خدمتوں پر مامور اور منتخب ہونے کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

نیز عاجلانہ اور ارزاں انصاف کی ضمانت حاصل ہوگی۔

—— کسی شہری کو پروانہ گرفتاری کے بغیر حراست میں نہیں لیا جائے گا، کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر نظر بند نہیں رکھا جائے گا اور تمام جابرانہ قوانین منسوخ کردیئے

جائیں گے۔

—— عورتوں کو معاشی، سیاسی اور میدان میں مردوں کے مساوی حقوق کی ضمانت حاصل ہوگی اور تمام امتیازی قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے۔

—— بارہ سال سے کم عمر کے بچوں سے محنت کرانا جرم ہوگا۔

—— ایک خود مختار اور حقیقت پسند صحافت کو فروغ دیا جائے گا جس میں کوئی روزنامہ اس کے مالک کی نجی ملکیت نہ ہوگا بلکہ اس کا انتظام اخبار کے کارکنوں کی منتخب کمیٹی کے ہاتھ میں ہوگا جو نہ حکومت اور نجی سرمائے سے اپنا مفاد وابستہ رکھتے ہوں اور نہ اس کے اثر میں ہوں۔ نیز سیاسی جماعتوں اور عوامی تنظیموں کو اپنے اخبارات نکالنے کی آزادی حاصل ہوگی۔

۳۔ تعلیمی پالیسی

قومی جمہوری حکومت جدید نو آبادیاتی بنیادوں پر تشکیل، تعلیمی نظام کو یکسر ختم کر دے گی اور ایک نئی تعلیمی پالیسی وضع کرے گی جسے آزاد خود مختار قومی جمہوری تقاضوں کے مطابق سائنسی بنیادوں پر تشکیل دیا جائے گا۔ اس تعلیمی پالیسی کے اہم نکات یہ ہوں گے۔

—— پارٹی سستی اور بامقصد تعلیم کو فروغ دے گی۔ قومی جمہوری ریاست کے قیام کے ساتھ ملک میں مفت تعلیم رائج کرے گی تاکہ ملک سے ناخواندگی کو یکسر ختم کیا جا سکے۔

—— بنیادی ذریعہ تعلیم مادری زبان میں ہوگی۔

—— تدریسی طریقہ کار میں تبدیلی لائی جائے گی، تخلیقی و تحقیقی انداز فکر کو فروغ دیا جائے گا۔

—— اساتذہ کے معاوضے میں اضافہ کیا جائے گا تاکہ انہیں سماج میں باعزت درجہ حاصل ہو۔

—— تعلیمی اداروں کی آزادی و خود مختاری کا تحفظ کیا جائے گا، تعلیمی اداروں میں جمہوری ماحول پیدا کیا جائے گا۔ طلبہ کو اپنی انجمن سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہوگا۔

—— تعلیم بالغاں کی جامع منصوبہ بندی کی جائے گی۔

—— تعلیم کے بعد روزگار کی ضمانت دی جائے گی۔ بصورت دیگر بے روزگاری الاؤنس دیا جائے گا۔

۴۔ فلاحی پالیسی

قومی جمہوری حکومت اپنے بجٹ کا بڑا حصہ ترقی اور پیداواری مدوں کے لئے مختص کرے گی مگر ساتھ ہی ساتھ لوگوں کی فلاح اور بہبود کو بھی مدنظر رکھے گی۔ اس پالیسی پر عملدرآمد کے لئے ؛

—— تمام بالغ افراد کو روزگار مہیا کیا جائے گا بصورت دیگر گذارا الاؤنس دیا جائے گا۔

—— تمام شہریوں کو بلا معاوضہ علاج معالجہ کی سہولت مہیا کی جائے گی۔

—— صحت عامہ کے لئے ہنگامی بنیادوں پر نئے پراجیکٹ ترتیب دیئے جائیں گے۔

—— ملازمت پیشہ خواتین کے لئے خصوصی قوانین بنائے جائیں گے ان کے بچوں کے لئے سرکاری زسریاں تشکیل دی جائیں گی۔

—— دیہی عوام کو جدید طبی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

۵۔ لیبر پالیسی

قومی جمہوری حکومت کا بنیادی نصب العین محنت کش عوام کے استحصال کا خاتمہ

کرنا ہے۔ پارٹی مزدوروں کے جمہوری، معاشی وسیاسی حقوق کے لئے آئینی وعملی ضمانت مہیا کرے گی۔ لیبر پالیسی کے خاص نکات درج ذیل ہیں:

— مزدوروں کی اُجرتوں میں اضافہ کیا جائے گا۔ کسی ملازم کی تنخواہ یا اُجرت ایک تولہ سونے کی مالیت سے کم نہ ہوگی اور اسے مصارف زندگی کے مطابق برقرار رکھا جائے گا۔ اوقات کار کا از سر نو تعین کیا جائے گا۔ دوران کار سہولتوں میں اضافہ کیا جائے گا افراد خانہ کے لئے تعلیم وصحت ورہائش کی ذمہ داری حکومت اور آجر پر ہوگی۔

— لیبر قوانین پر نظر ثانی کی جائے گی تمام مزدور دشمن قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے صنعت وحرفت کے محنت کشوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

— ہر ادارہ کے ملازمین کو آزادانہ انجمن سازی کی اجازت ہوگی۔

— مزدوروں کو تمام بنیادی حقوق بشمول حق ہڑتال واجتماعی سوداکاری کی ضمانت ہوگی۔

۶۔ معاشی پالیسی

قومی جمہوریت کا مقصد معاشی خود مختاری حاصل کرنا ہے بغیر اس کے ملک کی سیاسی آزادی نامکمل رہتی ہے اور ایسی ریاست میں عوام کے جمہوری حقوق بے معنی ہو جاتے ہیں اس لئے ہمارے جیسے ترقی پذیر ممالک میں جب تک قومی جمہوری معیشت نافذ نہیں کی جاتی اور مختلف قوموں اور علاقوں کو نابرابری کے موجودہ دور سے نکال کر مساوی حقوق اور مواقع فراہم نہیں کیے جاتے اور موجودہ معیشت جس کا مقصد مٹھی بھر استحصالی طبقوں اور سامراج کے مفادات کی حفاظت ہے ختم نہیں کی جاتی اور نئے سرے سے سماج کی بنیاد تمام وطن دوست طبقوں کے مفادات پر نہیں رکھی جاتی اس وقت تک

سامراج اور اندرونی استحصالی قوتوں کے ہاتھوں ہمارے عوام کا معاشی استحصال جاری رہے گا اور مفلسی، بھوک، بیماری، جہالت اور بیروزگاری میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہے گا۔

اس لئے ہماری پارٹی اس کی جدوجہد کرے گی کہ ہمارے ملک میں جاگیرداری، بڑی زمینداری اور بڑی سرمایہ داری اور اجارہ داری کا خاتمہ کرکے ہماری معیشت اور سیاست کو Trans National Corporation اور عالمی سامراج کے چنگل سے آزاد کرایا جائے۔

۷۔ زرعی پالیسی

ملک کے موجودہ زرعی نظام میں انقلابی اصلاحات کئے بغیر ملک کو ترقی اور خوشحالی کی طرف نہیں لے جایا جا سکتا نہ جمہوری تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں نہ نابرابری ختم کی جا سکتی ہے اور نہ ہی قومی مسئلہ کو حل کی طرف لے جا سکتا ہے۔ آج یہ بات عیاں ہے کہ چھوٹے زمینداروں کو محض مالیانے کی چھوٹ دے دینے سے دیہی آبادی میں خوشحالی کا تصور بے معنی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اراضی کی ملکیت کی انتہائی حد مقرر کرکے جاگیرداریوں، بڑی زمینداریوں اور غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ کیا جائے اس لئے ہماری پارٹی:

— زمینوں کی انتہائی حد ملکیت فی خاندان ۵۰ ایکڑ نہری اور سوا ایکڑ بارانی یا اس کے مساوی پیداواری یونٹ مقرر کرے گی جس کا تعین وفاقی وحدتیں کریں گی۔ حد سے زائد اراضی کو ضبط کرکے مقامی مزارعوں، بے زمین کسانوں اور چھوٹے کاشت کاروں میں مفت تقسیم کردی جائے گی۔

— بارانی زمینوں کو آبی زمینوں میں تبدیل کرنے کے لئے ایک مرحلہ وار پروگرام بنایا جائے گا۔

— ملک میں مشینی زراعت کو ترقی دی جائے گی۔

—— ملک کے مختلف علاقوں میں سہولت اور ضرورت کے مطابق کواپریٹو کاشتکاری کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور رفتہ رفتہ عام کیا جائے گا۔

—— شہری سہولتیں دیہی علاقوں تک پہنچائی جائیں گی۔ دیہی علاقوں میں زرعی اور گھریلو صنعتوں کو ترقی دی جائے گی۔

اس کے علاوہ:

الف —— سابقہ والیان ریاست و ملکوں و سرداروں کے وظائف اعزازات و خصوصی مراعات منسوخ کر دی جائیں گی۔

ب —— سرکاری ملازموں و فوجیوں کو اُن کی خدمات کے صلے میں زمینوں کی مفت الاٹمنٹ کا طریقہ ختم کر دیا جائے گا۔ اور انعام میں دی ہوئی زمینوں کو ضبط کر کے مقامی بے زمین کسانوں اور چھوٹے کاشتکاروں میں مفت تقسیم کر دیا جائے گا۔

۸۔ صنعتی و تجارتی پالیسی

جدید نوآبادیاتی نظام سرمایہ دارانہ قوتوں کی پرورش تو کرتا ہے لیکن ان کو پوری طرح پھلنے پھولنے کا موقع بھی نہیں دیتا یہ ایک کمزور سرمایہ دار طبقہ کو جنم دیتا ہے جو لوگوں کے مسائل حل کرنے کا اہل نہیں ہوتا اس طرح نوآزاد ملکوں میں سرمایہ داری کا ادھورا پھیلاؤ اور نابرابری سرمایہ دارانہ نظام کا ایک خاصہ ہے پچھلے دور میں بنیادی بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کو تو ریاستی قبضہ میں لے لیا گیا لیکن اس کے باوجود بڑی اجارہ دار سرمایہ داری کے ہاتھوں ہمارے عوام کا استحصال مختلف صورتوں میں اب بھی برقرار ہے اور بیرونی سرمایہ کے منافعوں کی صورت میں سامراجی ملکوں کو ہماری قومی دولت کا نکاس بدستور جاری ہے بلکہ ماضی قریب میں تو ریاستی قبضہ میں لی جانے والی صنعتوں کو

بھی سابق ملکوں کو واپس دینے کی پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے اور سرمایہ داروں کو منافع کی کھلی چھٹی دے دی گئی جس کا کہ مقصد ملک کو سرمایہ دارانہ ترقی کے راستہ پر ڈالنا تھا مگر حکمران طبقات اس امر سے ناواقف ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام اس دور کے مسائل کو حل کرنے کے نہ صرف نا اہل ہے بلکہ عالمی طور پر تخریج Exhaust ہو چکا ہے اس لئے پارٹی یہ سمجھتی ہے کہ ملک کی صنعتی پالیسی کو ملک کی قومی جمہوری تقاضوں کے مطابق عوام کی مرضی اور مفاد کی صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں:۔

—— ریاستی شعبہ کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے اسے رفتہ رفتہ ملک کی معیشت میں ایک فیصلہ کن حیثیت دی جائے۔

—— تمام بھاری صنعتوں کے قیام اور ترقی کے لئے ریاستی شعبہ کو پھیلایا جائے۔ بنیادی و بھاری صنعتوں کا قیام و ترقی و پھیلاؤ کی ذمہ داری تنہا ریاستی شعبہ میں ہوگی اور ریاست ہی اس کی ذمہ دار ہوگی۔

—— وطن دوست سامراج مخالف نجی سرمایہ داروں، چھوٹے اور اوسط درجے کے کارخانہ داروں اور کاروباری افراد کو پنپنے کا موقع فراہم کیا جائے گا اور اسے ریاست کی طرف سے حسب ضرورت مالی امداد بھی دی جائے گی۔ ماسوا ایسی صورتحال کے جہاں استحصال کے امکانات زیادہ ہوں وہاں پارٹی، قانون کے ذریعہ ان پر کنٹرول بھی عائد کرے گی۔

—— ملک کے مختلف علاقوں میں نئی صنعتیں قائم کی جائیں گی اور اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ ان صنعتوں میں مقامی آبادی کو روزگار مہیا ہو اس طرح علاقائی نابرابری کا خاتمہ بھی ہوگا اور انتقال آبادی کا راستہ بھی بند ہو سکے گا۔

ریاستی شعبہ کی صنعتوں، بینکوں اور مالیاتی اداروں کے انتظام میں جسمانی اور دماغی

کام کرنے والوں کے نمائندوں اور ماہروں کا جمہوری اقتدار قائم کیا جائے گا اور نوکر شاہی کے پھیلاؤ کو ختم کر دیا جائے گا۔

— ملک میں معاشی منصوبہ بندی رائج کی جائے گی۔

— نجی سرمایہ کی بھوک، جو جلد اور بہت سا منافع کمانے پر منتج ہوتی ہے اور جو ایسے اداروں یا تجارت میں پیسہ لگاتے ہیں جہاں شرح منافع زیادہ ہو اس کو ملک کی معاشی منصوبے اور ترقی کے مطابق لانے کے لئے قانون وضع کئے جائیں گے تاکہ منافع کی شرح کو حد میں لایا جا سکے۔

— بیرونی تجارت ریاستی شعبہ میں لے لی جائے گی اور اس سلسلہ میں وفاقی وحدتوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ مرکزی پالیسی کی مطابقت میں خود بیرونی تجارتی معاہدے کرے۔

۹۔ خارجہ پالیسی

پاکستان کی خارجہ پالیسی ابتدا ہی سے سامراج کی عالمی حکمت عملی سے منسلک رہی ہے جس کے نتیجہ میں پڑوسی ممالک سے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے ہیں۔ دنیا میں ہماری ساکھ بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ اندرونی طور پر ہماری معیشت، سیاست، تہذیب و اخلاق اور ملکی مفادات سامراجی مفادات کے تابع ہو کر رہ گئے ہیں یہاں تک کہ ہماری آزادی، خود مختاری، حریت فکر بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔

پاکستان نیشنل پارٹی کی خارجہ پالیسی مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی ہو گی:

— ایک مثبت ناوابستہ خارجہ پالیسی اختیار کی جائے گی تاکہ ہماری سیاسی آزادی اور معاشی خود مختاری مستحکم ہو سکے۔

— حکومت پاکستان کے کئے ہوئے موجودہ تمام فوجی معاہدے اور ملکی مفاد کے

منافی سمجھوتے منسوخ کر دیئے جائیں گے اور دنیا کے امن پسند ملکوں، ترقی پذیر اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ برابری کی بنیاد پر دوستانہ، سیاسی، معاشی اور تہذیبی تعلقات قائم کیے جائیں گے، تاکہ پاکستان سامراج کے سیاسی دباؤ اور اقتصادی تسلّط سے آزاد ہو سکے۔

بین الاقوامی امن اور مفاہمت کو ترقی دی جائے گی۔ تخفیف اسلحہ کی حمایت اور قوموں کی آزادی کی تحریکوں کی مدد کی جائے گی۔

پاکستان کی سرزمین کو سامراجی مفادات کے لئے استعمال نہیں ہونے دیا جائے گا۔

ملکوں کے اقتدارِ اعلیٰ، خود مختاری اور سالمیت کے باہمی احترام کے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق نہ کسی ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت کی جائے گی اور نہ کسی دوسرے ملک کو اپنے داخلی امور میں مداخلت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

بین الاقوامی تنازعات کو طاقت کے بجائے پُرامن مذاکرات سے طے کرنے کے اصول پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔

۱۰۔ ریاستی ڈھانچہ

پاکستان کو پارلیمانی طرزِ حکومت کے ساتھ تمام وفاقی وحدتوں کی مکمل اور مساوی خود مختاری کی بنیاد پر ایک وفاقی ریاست کے طور پر ترقی دی جائے گی۔ صرف دفاع، امورِ خارجہ، کرنسی اور مواصلات وفاقی حکومت کے پاس رہیں گے۔

پاکستان کے موجودہ صوبوں کو انتظامی علاقوں کے بجائے تہذیبی اور لسانی یکسانیت، جغرافیائی اتصال اور تاریخی پس منظر کی بنیاد پر وفاقی اکائیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

سارے ملک میں تہذیبی اور لسانی وحدتوں کو وفاقیت کی حقیقی روح کے مطابق نشوونما پانے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

پاکستان میں بسنے والی تمام قومیتوں کی زبانوں کو سرکاری اور قومی درجہ دیا جائے گا نیز اردو کو جو ملک کے رابطہ کی زبان ہے سرکاری درجہ دیا جائے گا۔

تمام اسمبلیاں ایک آدمی اور ایک ووٹ کے اصول اور مخلوط بالغ رائے دہی کی بنیاد پر قائم کی جائیں گی۔

مرکز میں پارلیمان دو ایوانوں پر مشتمل ہوگا۔ ایوان نمائندگان بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہوگا۔ ایوان اقوام میں تمام وفاقی وحدتوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہوگی۔ محنت کش طبقات کو دونوں ایوانوں میں مناسب نمائندگی دی جائے گی۔

عدلیہ کو انتظامیہ سے مکمل طور پر علیحدہ اور خود مختار حیثیت حاصل ہوگی۔

ہر انتخابی حلقہ کو اپنے منتخب نمائندے پر عدم اعتماد کی صورت میں اسمبلی سے واپس بلالینے کا دستوری حق حاصل ہوگا۔

انتظامی مشینری کو نئے سرے سے جمہوری خطوط پر منظم کیا جائے گا اور موجودہ نوآبادیاتی انتظامیہ کو ختم کر دیا جائے گا۔ زیادہ اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین کی تنخواہوں کے اسکیل میں معقولیت پیدا کی جائے گی۔ تنخواہوں میں تناسب ایک اور پانچ سے زائد ہرگز نہ ہونے دیا جائے گا۔

بدعنوانی، اقرباپروری، رشوت ستانی، نفع خوری، چور بازاری اسمگلنگ اور ایسی ہی دوسری سماجی برائیوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

پنشن یافتہ سول اور فوجی انتظامیہ کے افسروں کو علیحدہ ہونے کے بعد دوبارہ کسی سرکاری اور نیم سرکاری عہدے پر مامور کرنے کا طریقہ ختم کر دیا جائے گا۔

پاکستان نیشنل پارٹی

دستور

پاکستان نیشنل پارٹی کی قومی کونسل کے اجلاس منعقدہ ۶ ، ۷ فروری ۱۹۸۶ء کو ملتان میں متفقہ طور پر منظور کیا گیا :

پہلا باب

نام :- پاکستان نیشنل پارٹی ۔

پارٹی کا پرچم :- پارٹی کا پرچم بالترتیب سرخ ، سفید اور سبز تین رنگوں پر مشتمل ہوگا جس میں سرخ رنگ پر ایک ستارہ ہوگا ۔ سُرخ رنگ جدوجہد ۔ سفید امن ۔ اور سبز خوشحالی کے مظہر ہیں اور ستارہ رہبری کی نشاندہی کرتا ہے ۔

خاکہ :- پانچ فٹ طول پرچم پر سرخ رنگ کا حصہ دو تہائی ہوگا جس کے بیچ ایک فٹ قطر کا پانچ کونوں والا سفید ستارہ ہوگا اور بقیہ ایک تہائی میں نصف سفید اور نصف سبز رنگ میں ہوگا ۔ اس پرچم کی چوڑائی پانچ فٹ کی مناسبت سے تین فٹ ہوگی ۔

صدر دفتر :- پارٹی کا صدر دفتر کراچی میں ہوگا البتہ قومی مجلس عاملہ کے فیصلے سے اسے کسی دوسری جگہ بھی منتقل کیا جا سکتا ہے ۔

دوسرا باب

۱ ۔ رکنیت ۔ انتخابات کے مقاصد کے لئے پارٹی کی رکنیت تین سال کے لئے ہوگی

اور پاکستان کا کوئی بھی شہری جس کی عمر سولہ (۱۶) سال سے کم نہ ہو اور پارٹی کے بنیادی نظریات اور منشور سے متفق ہو اور عوام میں اس کی تشریح اور تشہیر کی ذمہ داری قبول کرتا ہو وہ پارٹی کے عہد نامہ پر دستخط کرنے کے بعد ایک روپیہ فیس ادا کر کے پارٹی کا رکن بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی دوسری سیاسی تنظیم (پارٹی) کا رکن نہ ہو۔

۲۔ پارٹی کا ڈھانچہ:۔ (الف) قومی کونسل

(ب) قومی مجلس عاملہ

(پ) قومی مجلس عاملہ کا سیکرٹریٹ

(ت) مرکزی پارلیمانی بورڈ

(ج) مرکزی پارلیمانی پارٹی

(د) رضاکار دستہ

(خ) صوبائی پارٹی یونٹ

صوبائی پارٹی یونٹ میں صوبائی کونسل۔ صوبائی مجلس عاملہ۔ صوبائی مجلس عاملہ کا سیکرٹریٹ۔ صوبائی پارلیمانی بورڈ۔ صوبائی پارلیمانی پارٹی۔ صوبائی رضاکار دستہ ڈویژنل، ضلعی، تحصیل/تعلقہ وارڈ کمیٹیاں ہوں گی۔

الف۔ قومی کونسل

۱۔ قومی کونسل پارٹی کا اعلیٰ ترین خود مختار ادارہ ہوگا۔

۲۔ قومی کونسل کے ارکان کو ہر صوبے کی صوبائی کونسل اپنے ارکان میں سے ۱۲۵ ارکان منتخب کرے گی جن میں کم از کم ہر صوبے سے پانچ خواتین لازمی ہوں گی اور پچاس کونسلرز پارٹی کا صدر نامزد کریں گے۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ کی پارلیمانی

پارٹیوں کے دونوں قائد صوبائی پارٹیوں کے صدر اور جنرل سیکرٹریز اور رضا کار دستے کا سالارِ اعلیٰ بھی اپنے عہدے کے لحاظ سے قومی کونسل کے ارکان ہوں گے۔ صدر کو خصوصی علاقہ جات سے مزید ۱۰ ارکان کونامزد کرنے کا اختیار ہوگا۔

۳۔ کونسل کا اجلاس ڈیڑھ سال میں کم از کم ایک مرتبہ ہوگا۔ کونسل کے اجلاس کی کاروائی کے لئے کورم کل تعداد کا ایک چوتھائی ہوگا۔ اور پارٹی کا صدر اجلاس کی صدارت کرے گا۔ صدر کی غیر موجودگی میں سینئر نائب صدر اجلاس کی صدارت کرے گا۔

۴۔ کونسل کا عمومی اجلاس بلانے کے لئے پارٹی کا سیکرٹری جنرل صدر کے مشورے سے ایک ماہ کا نوٹس ارکان کے نام تحریری طور پر جاری کرے گا اور ہنگامی اجلاس کی صورت میں دس یوم کا نوٹس ضروری ہوگا۔

۵۔ کونسل کی کل تعداد کے ایک چوتھائی ارکان پارٹی کے سیکرٹری جنرل کے نام تیس دن پہلے اپنے دستخطوں سے تحریری نوٹس دے کر کونسل کا اجلاس طلب کر سکتے ہیں۔ سیکرٹری جنرل اجلاس بلانے کا پابند ہوگا۔ ایسے بلائے گئے اجلاس کا ایجنڈا نوٹس کے ہمراہ لگانا ہوگا۔

۶۔ کسی کونسلر کی موت واقع ہونے یا دو سال سے زیادہ عرصہ ملک سے باہر چلے جانے یا اگر کسی صورت میں اس کی رکنیت ختم ہو جائے تو اس کی جگہ قومی کونسل کا رکن منتخب کرے گی۔

قومی کونسل کے اختیار و فرائض

۱۔ قومی مجلسِ عاملہ اور عہدے داروں کو منتخب کرنا۔

۲۔ پارٹی کے دستور اور منشور میں ترمیم، تنسیخ یا اضافہ کرنا لیکن ہر ایسی ترمیم، تنسیخ یا

اضافہ کونسل کے سالانہ یا خصوصی اجلاس میں اس کی کل تعداد کے دو تہائی ارکان ہی کر سکیں گے۔

۳۔ پارٹی کے صدر، سینئر نائب صدر، دیگر نائب صدور، سیکرٹری جنرل، ڈپٹی سیکرٹری جنرل اور دیگر سیکرٹریوں، مجلس عاملہ اور دوسری ذیلی کمیٹیوں اور صوبائی کمیٹیوں کو آئین میں دیئے ہوئے اختیارات کے علاوہ مزید اختیارات تفویض کرنا۔

۴۔ اجلاس کی باقاعدگی، ذیلی کمیٹیوں کی کارکردگی، پارٹی انتخاب کے انعقاد، رضاکار دستوں کی تنظیم اور پارٹی کے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لئے قواعد بنانا اور لائحہ عمل اختیار کرنا۔

۵۔ پارٹی کے قومی سطح کے عہدیداروں کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور کرنا، عدم اعتماد کی تحریک قومی کونسل کی کل تعداد کے ایک چوتھائی ارکان پیش کر سکتے ہیں۔ ایسی تحریک کونسل کے کل ارکان کی سادہ اکثریت منظور کر سکے گی۔

(ب) قومی مجلس عاملہ:

۱۔ قومی مجلس عاملہ کی کل تعداد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ عہدیدار:

صدر، سینئر نائب صدر ہر صوبائی یونٹ سے ایک نائب صدر، سیکرٹری جنرل، ڈپٹی سیکرٹری جنرل، خزانچی اور سالار اعلیٰ رضاکار دستہ کا انتخاب کرنا۔

(ب) سیکرٹریٹ

صدر مخصوص کاموں کے لئے جن کی تفصیل درج ہے، کونسل کے ارکان میں سے سیکرٹری نامزد کرے گا جو مجلس عاملہ کے رکن ہوں گے۔

۱۔ سیکرٹری امورِ معیشت و منصوبہ بندی۔

۲۔ سیکرٹری قانون پارلیمانی و دستوری امور

۳۔ سیکرٹری تعلیم، تہذیب و تمدن و ثقافت

۴۔ سیکرٹری نشر و اشاعت

۵۔ سیکرٹری مالی امور

۶۔ سیکرٹری امور خواتین

۷۔ سیکرٹری امورِ محنت

۸۔ سیکرٹری امورِ زراعت و کسان

۹۔ سیکرٹری امور صحت و سماجی بہبود

۱۰۔ سیکرٹری امور نوجوان و طلبہ

ج۔ ہر صوبے سے فی صوبہ دس رکن مجلس عاملہ کے ارکان کے طور پر منتخب کیے جائیں گے جن میں ہر صوبہ سے ایک خاتون رکن منتخب کرنا ضروری ہوگا۔ اِن کے علاوہ قومی کونسل کے ارکان میں سے دس ارکان پارٹی کا صدر مجلس عاملہ میں نامزد کر سکے گا۔

د۔ صوبوں کے صدر اور جنرل سیکرٹری قومی اسمبلی اور سینیٹ کی پارلیمانی پارٹی کے دونوں قائد بالحاظِ عہدہ قومی مجلس عاملہ کے رکن ہوں گے۔

II۔ کوئی عہدیدار متواتر دو دفعہ ایک ہی عہدے پر منتخب ہونے کے بعد دوسری دفعہ اسی عہدے کے لئے انتخاب میں حصہ لینے کا اہل نہیں ہوگا لیکن قومی کونسل کو اس بات کا مکمل اختیار ہوگا کہ وہ کسی عہدے کے لئے تیسری دفعہ یا اس کے بعد بھی انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت دے تہائی اکثریت سے دے۔

III۔ مجلس عاملہ کا اجلاس سال میں کم از کم دو مرتبہ ضرور ہوگا۔ جس کے لئے پندرہ دن پہلے ارکان کو تحریری نوٹس و ایجنڈا جاری کیا جائے گا۔ ہنگامی اجلاس کے لئے سات دن کا نوٹس دینا ضروری ہوگا۔

IV مجلس عاملہ کے اجلاس کے لئے کورم کل تعداد کا کم از کم ایک تہائی ہوگا۔

V مجلس عاملہ کی کل تعداد کے ایک چوتھائی ارکان اجلاس طلب کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی اطلاع جس میں اجلاس بلانے کے مقاصد بھی تحریر ہوں سیکرٹری جنرل کو کم از کم پندرہ دن قبل دینا ضروری ہوگا۔ سیکرٹری جنرل ایسے اجلاس بلانے کا پابند ہوگا۔

قومی مجلس عاملہ کے اختیارات و فرائض:۔

مجلس عاملہ پارٹی کا اعلیٰ ترین انتظامی ادارہ ہوگا اور دیگر امور کے علاوہ مندرجہ ذیل امور انجام دے گا۔

۱۔ پارٹی کے منشور کی روشنی میں وقتاً فوقتاً پورے ملک کے لئے پالیسی و پروگرام مرتب کرنا اور اس پر عمل درآمد کرانا۔

۲۔ پارٹی کے اغراض و مقاصد کے لئے جدوجہد کرنا۔

۳۔ پارٹی کے اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے تمام ضروری اطلاعات جمع کرنا۔

۴۔ پارٹی کے مختلف امور انجام دینے کے لئے ذیلی کمیٹیاں نامزد کرنا۔

۵۔ پارٹی کے اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ملک کے مختلف مسائل اور حالات کے پیش نظر قرار دادیں منظور کرنا اور ان پر عملدرآمد کے لئے ایسے اقدامات کرنا جو پارٹی کے منشور کے مطابق ہوں۔

۶۔ سالانہ بجٹ تیار کرنا اور اس کے مطابق اخراجات کی اجازت دینا اور ان اخراجات کی جانچ پڑتال کرنا۔

۷۔ ان اخراجات کی اجازت دینا جو صدر اور سیکرٹری جنرل نے اپنے اختیار کے تحت جائز طور پر خرچ کئے ہوں۔

۸۔ وہ تمام امور انجام دینا جن کے بارے میں قومی کونسل نے اختیار دیا ہو۔

۹۔ ملک بھر میں پارٹی کی صوبائی شاخوں اور ذیلی اداروں کی نگرانی کرنا۔
۱۰۔ پارٹی کے کسی رکن کے خلاف تادیبی کاروائی کرنا اور پارٹی کے ذیلی اور صوبائی شاخوں میں کی گئی تادیبی کاروائیوں کی اپیل سُننا اور فیصلہ کرنا۔
۱۱۔ مجلس عاملہ کے ایسے ارکان کے خلاف ضروری کاروائی کرنا جو بغیر کسی جواز یا اطلاع کے مواتر تین اجلاسوں میں غیر حاضر رہے ہوں۔
۱۲۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ میں پارلیمانی پارٹی کے منتخب کردہ قائدین کی منظوری دینا۔
۱۳۔ کابینہ کے کسی بھی وزیر قومی اسمبلی اور سینیٹ میں پارلیمانی پارٹی کے قائد اور سیکرٹری کے خلاف تادیبی کاروائی کرنا۔
۱۴۔ پارٹی کے کسی رکن، عہدے دار، کمیٹی یا ذیلی کمیٹی کو کوئی بھی اختیار ضروری ہدایات اور پابندیوں کے ساتھ تفویض کرنا۔
۱۵۔ پارٹی کے انتخابات کا انتظام اور نگرانی کرنا۔
۱۶۔ پارٹی کے لئے فنڈ جمع کرنا اور اخراجات کو حساب میں لانا۔
۱۷۔ پارٹی کے اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے دوسری سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ حسب ضرورت طویل المیعاد اور قلیل المیعاد اتحاد کے لئے پیش رفت کرنا اور منظوری دینا۔

۵۔ مجلس عاملہ کا سیکرٹریٹ اور اس کے اختیارات و فرائض :

۱۔ مرکزی پارٹی کے تمام منتخبہ عہدے دار اور نامزد مختلف شعبہ جات کے سیکرٹری اور بالحاظِ عہدہ ہر صوبائی پارٹی کے صدر اور جنرل سیکرٹری اس سیکرٹریٹ کے رکن ہوں گے۔
۲۔ مجلس عاملہ کے اجلاس کے درمیانی عرصہ میں سیکرٹریٹ مجلس عاملہ کے فیصلوں

کے مطابق عملدرآمد کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔

د۔ مرکزی پارلیمانی بورڈ اور اُس کے اختیارات و فرائض:۔

۱۔ پارلیمانی بورڈ بشمول چیئرمین مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہو گا۔
قومی مجلس عاملہ ہر صوبے سے دو دو ارکان منتخب کرے گی۔ پارٹی کا صدر بورڈ کا چیئرمین ہو گا اور تمام اجلاس کی صدارت کرے گا سینئر نائب صدر اور ڈپٹی سیکرٹری جنرل بھی بورڈ کے رکن ہوں گے اور پارٹی کا سیکرٹری جنرل بورڈ کے سیکرٹری کے فرائض انجام دے گا۔

۲۔ بورڈ کے فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت کرنے اور اس ذیل میں فیصلہ کرنے کا حق مجلس عاملہ کو ہو گا۔

۳۔ بورڈ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے امیدوار چُنے گا۔

۴۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے انتخابات میں حصہ لینے والے امیدوار اپنے متعلقہ صوبے کی مجلس عاملہ کے توسط سے درخواستیں مرکزی پارلیمانی بورڈ کو ارسال کریں گے۔ صوبائی مجلس عاملہ اپنی سفارشات اور تجاویز کے ساتھ درخواستیں مرکزی پارلیمانی بورڈ میں پیش کرے گی۔

۵۔ پارٹی بورڈ کسی امیدوار کو ٹکٹ دینے سے پہلے اس امیدوار کے متعلق اپنے حلقۂ انتخاب میں پارٹی یونٹوں کی مجلس عاملہ کی رائے امیدوار کی ذاتی اہلیت، شخصیت، دیانت داری اور کامیابی کے امکانات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فیصلہ کرے گا۔

۶۔ بورڈ ملک کے عام انتخابات کے بارے میں پروگرام مرتب کر کے جاری کرے گا۔

۷۔ بورڈ پارلیمانی پارٹیوں کی سرگرمیوں کی نگرانی اور رہنمائی کرے گا۔

۸۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے نمائندے چننے اور پروگرام مرتب کرنے کے سلسلے میں صوبائی پارلیمانی بورڈ کی رہنمائی کرے گا۔

۹۔ پارٹی ٹکٹ کے لئے بورڈ ہر امیدوار سے پارٹی کے منشور اور اس کے فیصلوں کی پابندی کا حلف نامہ لے گا اور اگر کوئی منتخب رکن پارٹی کے منشور اور فیصلوں کی خلاف ورزی کرے گا تو اسے پارٹی کی رکنیت اور اسمبلی میں پارٹی کی نمائندگی سے محروم کر دیا جائے گا۔

۱۰۔ پارلیمانی بورڈ کا اگر کوئی رکن قومی اسمبلی یا سینیٹ کے انتخاب کا امیدوار ہو اور جب اس کی درخواست زیر غور ہوگی تو وہ رکن اس اجلاس میں شرکت نہیں کرے گا۔

۱۱۔ بورڈ کے اجلاس کے لئے کورم کی تعداد بشمول چیئرمین کم از کم سات ہوگی لیکن ہر صوبے سے ایک رکن کا حاضر ہونا ضروری ہوگا۔

۱۲۔ بورڈ کے اجلاس کے لئے کم از کم پندرہ دن کا نوٹس جگہ تاریخ وقت اور زیر بحث کام کے ساتھ دینا ضروری ہوگا۔ لیکن ہنگامی اجلاس کے لئے تین دن کا نوٹس دیا جا سکتا ہے۔

۱۳۔ بورڈ انتخابات کے لئے اخراجات کرنے کا مجاز ہوگا۔ مگر ایسے تمام اخراجات کی توثیق مجلس عاملہ سے کروانی ہوگی۔

۱۴۔ عام انتخابات میں پارٹی ٹکٹ کے لئے درخواستوں کے ساتھ جمع شدہ رقوم ناقابل واپسی ہوں گی اور پارٹی فنڈ میں جمع کرائی جائیں گی۔

۱۵۔ پارٹی کے ہر رکن کو لازمی طور پر بورڈ کے فیصلوں کی پابندی کرنی ہوگی لیکن اگر کسی امیدوار کو بورڈ کے فیصلے سے اختلاف ہو تو وہ قومی مجلس عاملہ کو اپیل کر سکتا ہے۔ مجلس عاملہ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

۱۶۔ ضمنی انتخابات کے لئے طریقہ کار وہی ہوگا جو عام انتخابات کے لئے ہے۔

ل۔ پارلیمانی پارٹی:۔

۱۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے وہ ارکان جو پارٹی ٹکٹ پر انتخابات میں کامیاب ہوئے ہوں یا اگر کوئی اسمبلی یا سینیٹ کا رکن بعد میں پارٹی میں شامل ہوا ہو، اسمبلی یا سینیٹ کے اندر پارلیمانی پارٹی بنائیں گے اور اپنا قائد اور دیگر عہدے دار خود منتخب کریں گے لیکن پارلیمانی پارٹی کے قائد کے انتخاب کی توثیق قومی مجلس عاملہ سے حاصل کرنی لازمی ہوگی۔

۲۔ پارلیمانی پارٹی اپنی تمام سرگرمیوں کے لئے مجلس عاملہ اور پارلیمانی بورڈ کے سامنے جواب دہ ہوگی۔

س۔ رضا کار دستہ

پورے ملک میں قومی اور صوبائی سطحوں پر پارٹی کے نظم و نسق کے لئے رضا کار دستہ منظم کیا جائے گا۔

تیسرا باب

صدر اور اس کے اختیارات و فرائض:۔

۱۔ صدر پارٹی کا سربراہ اعلیٰ ہوگا اور اُن تمام اختیارات کو استعمال کرے گا جو صدر کے عہدے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ صدر کو اس نگرانی کا اختیار ہوگا کہ پارٹی کے تمام ادارے پارٹی کے دستور، در منشور اور قواعد و ضوابط کے مطابق کام کر

رہے ہیں۔

۲۔ صدر پارٹی کے کسی رکن یا عہدے دار کے خلاف تادیبی کاروائی کے طور پر اسے معطل کر سکتا ہے۔ جس کی توثیق مجلس عاملہ کے پہلے ہی اجلاس سے کرانی ضروری ہوگی۔

۳۔ پارٹی کی کسی بھی ذیلی تنظیم کے خلاف تادیبی کاروائی مجلس عاملہ کی منظوری سے کر سکتا ہے۔

۴۔ صدر قومی کونسل، قومی مجلس عاملہ، قومی مجلس عاملہ کے سیکرٹریٹ اور ان تمام اجلاسوں کی صدارت کرے گا جن میں وہ موجود ہوگا۔

۵۔ صدر کو اختیار ہوگا کہ دستور کے مطابق قومی کونسل اور قومی مجلس عاملہ کے ارکان نامزد کرے۔

۶۔ صدر کو پارٹی کے فنڈ میں سے ایک وقت میں دس ہزار روپے تک خرچ کرنے کا اختیار ہوگا۔

سینئر نائب صدر:

۱۔ صدر کی غیر موجودگی میں سینئر نائب صدر پارٹی کا قائم مقام صدر ہوگا اور اس کے اختیارات وہی ہوں گے جو صدر کے ہیں۔ نیز وہ صدر کے کاموں میں معاونت کریگا۔

۲۔ دوسرے نائب صدور اپنے حلقہ اختیار یعنی صوبے میں ایسے تمام اختیارات انجام دیں گے جو انہیں صدر، قومی کونسل اور مجلس عاملہ تفویض کرے۔

سیکرٹری جنرل، اس کے اختیارات و فرائض:

سیکرٹری جنرل پارٹی کا انتظامی سربراہ ہوگا نیز شعبہ جاتی سیکرٹریوں کے کام کا

نگران ہوگا اور علاوہ ازیں مندرجہ ذیل امور سرانجام دے گا۔

۱۔ پارٹی کے تمام ریکارڈ، فائل کا غذات اور تمام دفتری امور کا ذمہ دار ہوگا۔

۲۔ پارٹی کے تمام اجلاسوں کی روئیداد تیار کرنا۔ آئندہ کے اجلاس میں لازماً توثیق کے لئے پیش کرنا۔

۳۔ سالانہ رپورٹ تیار کرنا۔

۴۔ صدر کے مشورے سے کونسل اور مجلس عاملہ اور اُس کے سیکرٹریٹ کا اجلاس طلب کرنا، کونسل اور مجلس عاملہ کے ارکان کے طلب کردہ اجلاسوں کو منعقد کرنا اور ہر اجلاس کے لئے آئین کے مطابق ایجنڈہ جاری کرنا۔

۵۔ صدر کے مشورے سے دفتری عملے کا تقرر کرنا اور اُن کے کام کی نگرانی کرنا اور اس سلسلہ میں کوئی بھی تادیبی کاروائی کرنا۔

۶۔ تمام جمع شدہ فنڈ پارٹی کے خزانچی کے حوالے کرنا۔

۷۔ ملک بھر میں پارٹی کو آئین کے مطابق چلانے کے لئے پروگرام مرتب کرنا اور اُسے مجلس عاملہ میں پیش کرنا۔

۸۔ سیکرٹری جنرل پارٹی فنڈ میں سے ایک وقت میں پانچ ہزار روپے خرچ کرسکتا ہے۔

ڈپٹی سیکرٹری جنرل:

سیکرٹری جنرل کی غیر موجودگی میں ڈپٹی سیکرٹری جنرل پارٹی کا قائم مقام سیکرٹری جنرل ہوگا اور اُسے وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو سیکرٹری جنرل کے ہیں اور وہ تمام امور انجام دے گا جو اسے صدر، سیکرٹری جنرل اور مجلس عاملہ تفویض کرے گی۔ وہ سیکرٹری جنرل کے کاموں میں معاونت کرے گا۔

شعبہ جاتی سیکرٹری :-

ہر شعبے کے سیکرٹری اپنے اپنے شعبے کے کام کے ذمہ دار ہوں گے اور اس ذیل میں ضروری تحقیقی کام کریں گے اور پارٹی کے صدر، سیکرٹری جنرل کو اپنے کام سے آگاہ رکھیں گے اور جوابدہ ہوں گے۔

خزانچی، اختیارات و فرائض :-

۱۔ صدر، سیکرٹری جنرل اور خزانچی تینوں کے مشترکہ دستخطوں سے بینک اکاؤنٹ کھولنا اور کسی دو کے دستخطوں سے اکاؤنٹ پر عمل درآمد کرنا۔

۲۔ پارٹی کی جمع شدہ رقوم کو بینک اکاؤنٹ میں جمع کرنا۔

۳۔ صدر اور سیکرٹری جنرل کی رائے سے پارٹی کے اخراجات اور آمدن کو ضبطِ تحریر میں لانا اور تمام پارٹی فنڈ کا حساب رکھنا۔

پارٹی فنڈ :-

پارٹی فنڈ مندرجہ ذیل طور پر تشکیل یا مرتب کیے جائیں گے :

۱۔ پارٹی کے صوبائی یونٹوں یا ذیلی اداروں کے چندے یا رکنیت کی فیس کا ایک چوتھائی حصہ مرکزی پارٹی فنڈ میں دیا جائے گا۔

۲۔ انتخابات کی ایک میعاد کے لئے ہر کونسلر سے ۲۵ روپیہ فیس کونسل کے اجلاس سے پہلے وصول کی جائے گی۔

۳۔ عطیات وصول کیے جائیں گے۔

۴۔ سال میں کم از کم ایک مرتبہ پارٹی فنڈ کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔

سالارِ اعلیٰ رضاکار دستہ :۔

۱۔ سالارِ اعلیٰ پورے ملک میں صوبائی اور قومی سطح پر پارٹی کے نظم ونسق کے لئے رضاکار دستوں کو منظم کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

۲۔ قومی مجلسِ عاملہ کی ہدایات کے مطابق تمام امور انجام دے گا۔

چوتھا باب

پارٹی الیکشن :۔

۱۔ قومی کونسل، قومی مجلسِ عاملہ، قومی مجلسِ عاملہ کے سیکرٹریٹ اور پارٹی کے تمام اداروں کے انتخابات تین سال کے لئے ہوں گے لیکن آئندہ انتخابات تک وہی عہدیدار کام کرتے رہیں گے۔

۲۔ پارٹی کے انتخابات بنیادی طور پر صوبوں کی سطح پر ہوں گے اور ہر صوبہ اپنے اپنے دستور کے مطابق صوبائی کونسل سے صوبائی مجلسِ عاملہ کے علاوہ قومی کونسل کے ارکان بھی منتخب کرے گا اور قومی کونسل جو پارٹی کا اعلیٰ ترین خودمختار ادارہ ہوگا قومی مجلسِ عاملہ اور اس کے عہدے داروں کو بھی منتخب کرے گا۔

۳۔ مجلسِ عاملہ پانچ ارکان پر مشتمل ایک انتخابی کمیشن منتخب کرے گی جو پورے ملک میں پارٹی انتخابات کی نگرانی کرے گا۔ کمیشن کا چیئرمین بورڈ کے ارکان خود منتخب کریں گے۔

۴۔ الیکشن کمیشن تمام صوبوں میں پارٹی انتخابات کے سلسلے میں اپیلوں کی سماعت کے فیصلہ کرے گا۔ الیکشن کمیشن کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

۵۔ الیکشن کمیشن کے فیصلوں کے خلاف کوئی عدالتی چارہ جوئی نہیں کی جا سکے گی۔
۶۔ الیکشن کمیشن الیکشن کے تمام ضروری قوانین مرتب کرے گا۔

پانچواں باب

پارٹی کی تمام صوبائی تنظیمیں اپنے اپنے مخصوص حالات کے مطابق عمومی طور پر مرکزی یا قومی دستور کے نمونے پر صوبائی دستور مرتب کریں گے اور اپنے دستور میں کوئی ایسی دفعہ شامل نہیں کریں گے۔ جو مرکزی دستور سے متصادم ہو۔

چھٹا باب

پارٹی دستور میں ترمیم :

پارٹی کی قومی کونسل اپنے اجلاس میں دو تہائی اکثریت سے پارٹی دستور میں ترمیم و تنسیخ کرنے کی مجاز ہوگی۔ لیکن ایسی ترمیم اور تنسیخ کی تجویز پہلے سے ایجنڈے میں لانا ضروری ہوگا۔

پارٹی کی تحلیل :

پارٹی کی قومی کونسل اپنے خصوصی طور پر اس مقصد کے لئے طلب کیے ہوئے جلاس میں تین چوتھائی اکثریت سے پارٹی کو تحلیل کرنے کی مجاز ہوگی۔

نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی

جس طرح پیپلز پارٹی کا نعرہ روٹی، کپڑا اور مکان ہے، این ڈی پی کا نعرہ جدوجہد خوشحالی اور امن واتحاد ہے۔ یہ نعرہ بڑی معنویت کا حامل ہے۔ ہماری بہت سی سیاسی جماعتیں جماعت تو ہیں مگر وہ جدوجہد کرنے، مسلسل کام میں لگے رہنے، عوام سے رابطہ استوار رکھنے اور خود کو فروغ دینے کے جذبے اور آداب سے کم واقف ہیں نیشنل ڈیموکریٹیک پارٹی ملک کی کوئی بڑی پارٹی تو نہیں لیکن اس کے سربراہ سردار شیرباز مزاری ایک سربرآوردہ شخصیت ہیں۔ جنہوں نے ہمیشہ صاف گوئی، ایمانداری، جرأت اور بیباکی سے کام لیا ہے اور اپنے دامن کو کسی قسم کی مفاد پرستی سے آلودہ نہیں ہونے دیا وہ انقلابی ذہن رکھتے ہیں اور معاشرے میں عدل وانصاف اور انسانی حقوق کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں مگر اس پارٹی کی راہ میں شخصیتوں کے تصادم کا سانحہ درپیش رہا ہے۔ ایک عرصے تک شیرباز مزاری اور آج کی عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ خان عبدالولی خان میں اشتراکِ عمل رہا اور یہ دونوں رہنما نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) میں مل جل کر کام کرتے رہے۔ پھر ایک وقت آیا جب نیپ (N.A.P.) خلاف قانون جماعت قرار پائی۔ اس واقعہ کا پس منظر مختصراً یہ ہے کہ جب ۱۹۷۱ء میں (سقوط ڈھاکہ کے بعد) ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کی عنانِ حکومت سنبھالی تو سرحد اور بلوچستان میں نیپ اور جمعیت علمائے اسلام نے مخلوط حکومت بنائی مگر تھوڑے عرصے بعد بھٹو اور بلوچستان کی مخلوط حکومت کے درمیان اختلاف پیدا

ہوگئے اور بھٹو نے صوبائی حکومت کو برطرف کر کے وہاں گورنر راج نافذ کر دیا تو اس کے خلاف احتجاج کے طور پر صوبہ سرحد کی مخلوط حکومت بھی مستعفی ہوگئی اور اس طرح مرکزی حکومت اور خان عبدالولی خان میں اختلافات شدید تر ہوتے گئے حتٰی کہ بلوچستان اور سرحد میں تخریب کاری شروع ہوگئی اور بلوچستان میں فوجی کارروائی کی نوبت پہنچ گئی۔ اس دوران نیپ کے جنرل سیکرٹری اجمل خٹک ملک چھوڑ کر کابل چلے گئے اور وہاں سے انہوں نے پاکستان کے خلاف اپنی کارروائیوں کا آغاز کیا۔ حالات نے ۱۹ فروری ۱۹۷۵ء کو اُس وقت سنگین صورت اختیار کر لی جب پشاور یونیورسٹی کی ایک تقریب میں بم کے دھماکے میں سرحد پیپلز پارٹی کے صدر اور سرحد کے سینئر وزیر حیات محمد شیرپاؤ ہلاک ہوگئے۔ اس پر نیشنل عوامی پارٹی کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا اور اس کے دفاتر سربمہر کر دیئے گئے۔ پارٹی کے بہت سے ارکان گرفتار ہوئے جن میں خان عبدالولی خان بھی شامل تھے۔ اس طرح ۱۹۷۵ء میں نیشنل عوامی پارٹی کالعدم ہوگئی۔ اور اس کے عدم سے نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی وجود میں آئی جس کے کنوینر سردار شیر باز مزاری مقرر ہوئے۔ اس نئی پارٹی میں نیپ کے بہت سے کارکن اور رہنما شامل ہوگئے حتٰی کہ خان عبدالولی خان اور بیگم نسیم ولی نے بھی اس جماعت میں شمولیت اختیار کر لی مگر یہ اتحاد کئی سال قائم رہنے کے بعد ٹوٹ گیا۔ ولی خان اپنی سیاست کی طرف لوٹ گئے اور سردار مزاری نے کچھ عرصہ خاموش رہنے کے بعد ۱۹۸۸ء میں این۔ ڈی۔ پی کو دوبارہ زندہ کیا اور ملکی سیاست میں اپنا رول ادا کرنے کے لئے مستعدی سے آمادہ ہوگئے۔

پارٹی اپنے منشور کے مطابق جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ سماج کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرے گی۔ شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کی بحالی اور خالص جمہوریت کے لئے کام کرے گی۔ پارٹی غیر وابستہ خارجہ پالیسی کی علمبردار ہوگی۔ اس کے لئے قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ منشور کے رُو سے تعلیم قومی زبان کے علاوہ

مادری زبان میں بھی دی جائے گی اور یہ لازمی اور مفت ہوگی۔ دنیا کے تمام امن پسند ملکوں خاص کر مسلم ملکوں، ہمسایہ ملکوں اور تیسری دنیا کے ملکوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر دوستانہ، سیاسی، معاشی اور تہذیبی تعلقات قائم کیے جائیں گے۔ پارٹی ملک کی سیاست میں فوج کی مداخلت کے خلاف ہے اور صوبائی خود مختاری میں یہاں تک جانے کو تیار ہے کہ صوبے قومی زبان کے علاوہ اپنی صوبائی زبان کو بھی سرکاری زبان قرار دے سکتے ہیں۔

پارٹی منشور شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

منشور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی

پیش لفظ

نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی پاکستان کی تشکیل کا اعلان پارٹی کے کنوینر جناب شیر باز خان مزاری نے اسلام آباد میں ۶ نومبر ۱۹۷۵ء کو ایک پریس کانفرنس میں کیا تھا اور اس کے بنیادی مقاصد کا اعلان ۱۵ نومبر ۱۹۷۵ء کو مزاری ہاؤس، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی میں ایک جلسہ میں کیا تھا۔ وہ پانچ بنیادی مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

(ا) پارٹی کو قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون قابل قبول نہیں ہوگا۔

(ب) پارٹی جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ سماج کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرے گی اور کسانوں، صنعتی مزدوروں اور بالعموم محنت کار طبقے کے استحصال کو ختم کرے گی۔

(ج) پارٹی عوام کے صرف ایسے نمائندوں کے ذریعے سے ملک میں خالص جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے لئے جدوجہد کرے گی جنہیں ایسے منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات میں منتخب کیا گیا ہو جو بالغ رائے دہی اور بنیادی انسانی حقوق، شہری آزادیوں، پریس اور دوسرے ذرائع ابلاغ کی آزادی کی بحالی پر مبنی ہوں۔ وہ ہنگامی حالات کے خاتمے اور دستور کے نفاذ کا مطالبہ کرے گی جیسا کہ وہ متفقہ طور پر ۱۹۷۳ء میں منظور کیا گیا تھا۔

(د) پارٹی ایک مثبت، غیر وابستہ خارجہ پالیسی کی علمبردار ہوگی اور تمام فوجی معاہدوں اور عہد ناموں کی مخالفت کرے گی اور پاکستان کی سرزمین پر کسی غیر ملکی اڈے کو برداشت نہیں کرے گی۔ اور پارٹی اُن تمام ملکوں اور قوموں کی حمایت کرے گی جو کسی قسم کی بھی جارحیت کا شکار ہوگئی ہوں اور تمام امن پسند ملکوں اور خاص کر ہمسایہ مُسلم ملکوں اور تیسری دنیا کے ملکوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرے گی۔

(۸) پارٹی تمام تاریخی، جغرافیائی، تہذیبی اور لسانی وحدتوں کے لئے ذات، مسلک، مذہب، عقیدے، پیشے، رنگ، جنس اور پیدائش گاہ کے امتیاز کے بغیر مساوی حقوق اور مواقع کے اصول کی حمایت کرے گی۔ وہ وفاقی پاکستان کے ڈھانچے کے اندر خودمختاری کی حمایت کرتی ہے، اور وہ ملک میں ہر کہیں افلاس، ناانصافی، جبر اور معاشی، سماجی اور سیاسی نابرابریوں کو دور کردے گی۔ پارٹی یہ یقین رکھتی ہے کہ قومی اور سیاسی مسائل صرف وفاقی اکائیوں کے عوام کے حقیقی اور صحیح نمائندوں کے ساتھ تصفیہ کے ذریعے ہی حل ہوں گے۔

پہلا باب

۱۔ **پارٹی کا نام:** پارٹی کا نام "نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی پاکستان" ہوگا۔

۲۔ **صدر دفتر:** پارٹی کا صدر دفتر لاہور میں ہوگا۔ البتہ مرکزی مجلسِ عاملہ کے فیصلہ سے اس کو کسی دوسری جگہ بھی منتقل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ **پارٹی کا پرچم:** پرچم سُرخ، سبز اور سفید تین رنگوں میں ہوگا، جو علی الترتیب جدوجہد خوشحالی اور امن واتحاد کے مظہر ہیں۔

خاکہ: سُرخ زمین کے وسط میں سفید ستارہ، بائیں طرف مساوی الاضلاع مثلث ہوگا۔

دُوسرا باب

۱۔ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، پاکستان کے ان تمام وطن دوست، جمہوریت پسند اور ترقی پسند اور محنت کار عوام کی سیاسی تنظیم ہے جو ہمیشہ سے اپنے وطن کو ایک آزاد، جمہوری اور خوشحال ملک بنانے کی جدوجہد کرتے آئے ہیں۔ پارٹی ان جمہوری قوتوں کو اپنے جھنڈے تلے اس طرح متحد اور منظم کرنا چاہتی ہے کہ ملک میں پایا جانے والا سیاسی خلا صحیح وقت پر پُر ہو سکے اور عوام کی جمہوری اور دستوری جدوجہد کا تسلسل قائم رہ سکے۔

۲۔ پارٹی اس کی جدوجہد کرے گی کہ ملک میں ایک آزاد جمہوری سیاست کے اصول دستوری بنیاد پر عملاً تسلیم کرائے جائیں۔

۳۔ پارٹی کا منتہائے مقصود یہ ہوگا کہ قومی، جمہوری انقلاب کے ذریعے سے عوام کے اقتدار اعلیٰ کی بنیاد پر ایک ترقی پسند جمہوری سماج قائم کیا جائے جو جاگیرداری اجارہ دار سرمایہ داری اور سامراج کے تمام استحصال اور تسلط سے آزاد ہو۔

۴۔ پارٹی اس بات کی کوشش کرے گی کہ محنت کار عوام، اور مردوں اور عورتوں سمیت تمام عوام کو وہ بنیادی حقوق اور خاص کر وہ شہری اور سیاسی آزادیاں مساوی طور پر حاصل ہونے کی ضمانت دی جائے جو اقوام متحدہ کے منشور اور بین الاقوامی ادارۂ محنت کے پروگرام میں شامل ہیں۔ اس لئے پارٹی اس کی جدوجہد کرے گی کہ:

(الف) تمام شہریوں کو خوراک، روزگار، رہائش، تعلیم اور طبی امداد فراہم کی جائے۔

(ب) تمام شہریوں کو جان، مال، عزت کے تحفظ اور انصاف کی ضمانت حاصل ہو جو کسی جانب سے بھی، اور خاص کر پولیس، فیڈرل سکیورٹی فورس اور دوسری

سرکاری اور نیم سرکاری تنظیموں کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں سے محفوظ ہو۔ اور جرائم اور لاقانونیت کی بیخ کنی کرنے کے لئے، جو ملک میں اور خاص کر دیہی علاقوں میں بڑے پیمانے پر کثرت سے پائی جاتی ہے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

(ج) تمام شہریوں کو اظہار رائے کی آزادی، نقل وحرکت کی آزادی، پریس اور صحافت کی آزادی، جلسوں کا اہتمام کرنے کی آزادی، انجمنیں بنانے کی آزادی، پُرامن جلوس نکالنے اور ہڑتالیں کرنے کا حق اور اجتماعی سوداکاری کی ضمانت حاصل ہو۔

(د) تمام شہریوں کو ذات کی حُرمت اور نجی مراسلت اور ٹیلی فونی گفتگو کی رازداری کی ضمانت حاصل ہو۔

(ھ) تمام شہریوں کو اس بات کی ضمانت حاصل ہو کہ انہیں کُھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر نظر بند نہیں رکھا جائے گا۔ اور تمام جابرانہ قوانین منسوخ کیے جائیں۔

(و) پاکستان کے تمام شہریوں کو اپنے ضمیر کے مطابق اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے مکمل حق کی ضمانت حاصل ہو۔

(ز) تمام عورتوں کو سماجی، معاشی اور سیاسی میدان میں مردوں کے مساوی حقوق کی ضمانت حاصل ہو۔

(ح) عدلیہ کی مکمل خود مختاری اور انتظامیہ سے اس کی علیحدگی کی ضمانت دی جائے۔

(ط) تمام شہریوں کو عاجلانہ اور ارزاں انصاف کی ضمانت حاصل ہو اور کورٹ فیس ایکٹ یکسر منسوخ کیا جائے۔

صوبائی خود مختاری

۵۔ (الف) پارٹی اس کی جدوجہد کرے گی کہ پاکستان کو پارلیمانی حکومت کے ساتھ مکمل صوبائی خود مختاری کی بنیاد پر ایک وفاقی ریاست کے طور پر ترقی دی جائے صرف دفاع، امور خارجہ، کرنسی اور مواصلات وفاقی حکومت کے پاس رہیں۔

(ب) پاکستان کے صوبوں کو تہذیبی اور لسانی یکسانیت، جغرافیائی اتصال اور تاریخی پس منظر کی بنیاد پر وفاقیت کی حقیقی روح کے مطابق از سر نو تشکیل دیا جائے، کیونکہ موجودہ صوبے دراصل برطانوی سامراج نے اپنے مفادات کی خاطر تشکیل دیئے تھے۔

(ج) سارے ملک میں تمام الگ الگ تہذیبی اور لسانی وحدتوں کو وفاقیت کی حقیقی رُوح کے مطابق نشوونما پانے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

(د) پارٹی قبائلی علاقوں کے اپنے مقامی وسائل کو ترقی دینے کی کوشش کرے گی اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انہیں مکمل نمائندگی دلائے گی۔

مشرقی پاکستان کا سانحہ

۶۔ پارٹی مشرقی پاکستان کے سانحہ کے وجوہ کا سُراغ لگانے اور اس کی ذمہ داری متعین کرنے کے لئے ایک آزاد اعلیٰ اختیاراتی کمیشن مقرر کرے گی۔

تعلیمی پالیسی

۷۔ پارٹی موجودہ طرزِ تعلیم پر نظر ثانی کرے گی اور جدید طرز پر سائنسی تعلیمی پالیسی رائج کرے گی۔ اس مقصد کی خاطر پارٹی مندرجۂ ذیل اقدامات کرے گی:

(الف) تعلیم قومی زبان کے علاوہ مادری زبان میں بھی دی جائے گی اور یہ لازمی اور مفت ہوگی۔

(ب) تعلیم کی تکمیل کے بعد روزگار کی ضمانت، بصورتِ دیگر بیروزگاری الاؤنس دیا جائے گا۔

(ج) تعلیمی اداروں کی مکمل آزادی کا تحفظ اور ان میں مداخلت کی روک تھام کرے گی۔ صرف اہلیت کی بنا پر داخلہ دینے اور پسماندہ علاقوں کے مفاد کو ملحوظ رکھنے کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

(د) تعلیم بالغاں کی جامع منصوبہ بندی کی جائے گی۔

خارجہ پالیسی

۸۔ پارٹی اس کی کوشش کرے گی کہ :۔

(الف) ایک مثبت، غیر وابستہ خارجہ پالیسی اختیار کی جائے جس میں ہمارا قومی مفاد اس لحاظ سے رہنمائی کرے گا کہ ہماری آزادی مستحکم ہو، بین الاقوامی میدان میں پاکستان کا وقار اونچا ہو۔

(ب) حکومتِ پاکستان کے کیے ہوئے موجودہ فوجی معاہدے منسوخ کر دیئے جائیں تاکہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں سامراجی قوتوں کی مداخلت کو روکا جا سکے۔

(ج) دنیا کے تمام امن پسند ملکوں، خاص کر مسلم ملکوں، ہمسایہ ملکوں اور تیسری دنیا کے ملکوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر دوستانہ، سیاسی، معاشی اور تہذیبی تعلقات قائم کیے جائیں۔

(د) بین الاقوامی امن اور تمام نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ممالک کے عوام کے

حقِ خود ارادیت کے حصول کے لئے جد وجہد کی جائے۔

(ہ) کشمیر کا تنازعہ پُرامن طریقے سے اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق طے کیا جائے۔

انتظامی اور سماجی اصلاحات

۹۔ (الف) انتظامی مشینری نئے سرے سے منظم کی جائے، انتظامیہ پر غیر ضروری خرچ کو کم کیا جائے، زیادہ اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین کی تنخواہ کے سکیلوں میں معقولیت پیدا کی جائے اور انہیں مصارفِ زندگی کے مطابق بنایا جائے۔ تنخواہوں میں تناسب ایک اور دس سے زائد ہرگز نہ ہو۔

(ب) بدعنوانی، اقرباء پروری، رشوت ستانی، نفع خوری، چور بازاری، سمگلنگ اور دوسری سماجی برائیوں، خاص کر سیاسی اور فریقانہ جھگڑوں میں سرکاری افسروں کی دخل اندازی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

(ج) ملک کی سیاست میں فوج کی عدمِ مداخلت کی ضمانت دی جائے۔

(د) صوبے قومی زبان کے علاوہ اپنی صوبائی زبان کو بھی سرکاری زبان قرار دے سکتے ہیں۔

ترقی پذیر معیشت

۱۰۔ وہ معاشی خود مختاری جو قومی جمہوریت کا اصل مقصد ہے، اور جس کے بغیر کسی ملک کی سیاسی آزادی اُدھوری رہ جاتی ہے اور عوام کے جمہوری حقوق بے معنی ہو جاتے ہیں، ہمارے جیسے ترقی پذیر ملک میں ایک ایسی ترقی پذیر معیشت کے بغیر ممکن نہیں ہے جس کی بنیاد مٹھی بھر استحصال کار طبقوں کے فائدوں کی بجائے

ہمارے سماج کے تمام وطن دوست طبقوں کے مفادات پر نہ رکھی گئی ہو۔ سامراجیوں اور اندرونی استحصال کاروں کے ہاتھوں ہمارے عوام کا معاشی استحصال آئے دن ترقی کرتا جا رہا ہے اور ان میں مفلسی، بھوک، بیماری، جہالت اور بیروزگاری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

اس لئے ہماری پارٹی اس کی جدوجہد کرے گی کہ ہمارے ملک میں جاگیرداری بڑی زمینداری اور بڑی سرمایہ داری کا خاتمہ کر کے ہماری معیشت اور سیاست کو استحصالی ملکوں کی گرفت سے آزاد کرادے۔

(الف) **بڑی زمینداری اور جاگیری باقیات :** اس کے لئے انتہائی ضروری یہ ہے کہ موجودہ زرعی نظام میں انقلابی اصلاحات کی جائیں چھوٹی زمینداریوں کو محض مالیانہ کی معافی دے دینے سے ساری دیہی آبادی میں خوشحالی نہیں آجاتی۔ اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اراضی کی ملکیت کی انتہائی حد مقرر کر کے جاگیروں، بڑی زمینداریوں اور غائب باش زمینداری کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کے لئے ہماری پارٹی یہ ضروری سمجھتی ہے کہ زمینوں کی انتہائی حدِ ملکیت فی کس ۲۵ ایکڑ نہری، ۵۰ ایکڑ بارانی یا پیداواری یونٹ کے مساوی مقرر کی جائے جس کا تعین صوبائی حکومتیں کریں گی۔ اس سے زائد اراضی کو حکومت ضبط کر کے مقامی مزارعوں، بے زمین کسانوں اور چھوٹے کاشت کاروں میں تقسیم کر دے۔ ضبط کی ہوئی زمینوں کے معاوضوں، زمین کی تقسیم کی شرطوں، اراضی کے مالیہ اور زرعی آمدنی کے محصول کے بارے میں تصفیہ کرنے کا اختیار عوام کی نمائندہ اسمبلیوں کو حاصل ہو، اور تمام بارانی زمینوں کو نہری زمینوں میں تبدیل کرنے کے لئے ایک مرحلہ وار پروگرام بنایا جائے۔

اس کے علاوہ ہم یہ بھی کوشش کریں گے کہ ملک میں مشینی زراعت کو

ترقی دی جائے اور مختلف علاقوں میں سہولت اور ضرورت کے مطابق کوآپریٹو کاشتکاری کا طریقہ اختیار کیا جائے اور اس کو رفتہ رفتہ عام کیا جائے اور شہری سہولتیں دیہی علاقوں تک پہنچائی جائیں۔ پارٹی دیہی علاقوں میں زرعی اور گھریلو صنعتوں کو ترقی دے گی۔

انہی بنیادی زرعی اصلاحات سے ریاست اور حکومت کو جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کے تسلط سے رہائی مل سکتی ہے، ملک میں جاگیری باقیات کا خاتمہ ہو سکتا ہے، کسان اور کاشتکاران کی معاشی اور سیاسی غلامی سے چھٹکارا پا سکتے ہیں، دیہی آبادی ان کے سیاسی اثر سے آزاد ہو سکتی ہے، زرعی پیداوار بڑھ سکتی ہے اور اندرون ملک خوشحالی آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ سابقہ والیان ریاست کے وظائف، اعزازات اور خصوصی مراعات بھی منسوخ کر دی جائیں۔

(ب) **بڑی سرمایہ داری:** اس کے ساتھ ہی ہماری پارٹی اس کی بھی جدوجہد کرے گی کہ ہمارے ملک میں اجارہ دار سرمایہ داری اور بیرونی سامراج کے استحصال کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں مختلف صنعتوں، بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کے قومیائے جانے کے باوجود بڑی سرمایہ داری کے ہاتھوں ہمارے عوام کا استحصال مختلف صورتوں میں اب بھی برقرار ہے، اور بیرونی سرمائے کے منافعوں کی صورت میں سامراجی ملکوں کو ہماری قومی دولت کا نکاس بدستور جاری ہے۔ ہم بیرونی اور اجارہ داریوں کے اتحاد اور استحصال کی مختلف صورتوں کی چھان بین کر کے ان کے انسداد کے مؤثر طریقے اختیار کریں گے اور "قومیانے" کے موجودہ ادھورے اور مسخ شدہ نظام کی اصلاح کر کے اسے عوام کی مرضی اور مفاد کے مطابق صحیح بنیادوں پر قائم کریں گے۔

اس کے لئے ہماری پارٹی یہ ضروری سمجھتی ہے کہ قومیائی ہوئی صنعتوں، بنکوں اور مالیاتی اداروں کے انتظام، کاروبار، پیداوار اور منافع پر نوکرشاہی کے بجائے رفتہ رفتہ ان میں جسمانی اور دماغی کام کرنے والے عوام کے نمائندوں اور ماہرین کا جمہوری اقتدار قائم کیا جائے تاکہ معیشت کے عوامی شعبے کی پیداوار اور نفع ملک کے باہر اور اندر کی بڑی سرمایہ داری کے فائدے کا ذریعہ نہ بن جائے بلکہ ملک کے اندر صنعت اور زراعت کی متوازن اور تیز رفتار ترقی کے کام آئے، اور ان کا ایک حصہ صنعتی اور کھیت مزدوروں کے زائد معاوضے، ان کی سماجی بہبود اور ان کی انجمنوں کی مالی امداد کی مد میں خرچ کیا جائے۔ ملازمین کو اُن کی خدمات کے صلے میں زمینوں کی منفعت الاٹمنٹ کا طریقہ ختم کر دیا جائے گا۔

(ج) **عوامی اور نجی شعبے:** ہماری پارٹی اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ عوامی شعبے کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے، اور اسے رفتہ رفتہ قومی معیشت میں ایک فیصلہ کن عنصر بنا دینے کے لئے، ضروری ہے کہ تنہا ریاست کو تمام بھاری اور بنیادی صنعتوں کے قیام اور ترقی کا ذمہ دار بنا دیا جائے اور ان میں سرمایہ کاری کو ترقی دی جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہماری پارٹی اس کی بھی کوشش کرے گی کہ وطن دوست، قومی سرمایہ داروں، چھوٹے اور اوسط درجہ کے کارخانہ داروں اور کاروباری افراد کو پنپنے اور ترقی پانے کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے ان کے نجی کاروبار کو قائم رکھا جائے اور اسے ریاست کی طرف سے بھی ضرورت کے مطابق مالی مدد دی جائے، اور عوامی و نجی شعبوں کے ساتھ ریاست اور نجی سرمایہ کی "مخلوط کمپنیاں" بھی قائم کی جائیں۔

(د) ترقی کا غیر سرمایہ دارانہ راستہ ۔ ہماری پارٹی اس کا بھی پورا اہتمام کرے گی کہ ہمارے ملک کی معاشی ترقی بالکل غیر سرمایہ دارانہ طریقے کے مطابق ہو تاکہ نجی سرمایہ ترقی کرکے بڑی سرمایہ داری اور اجارہ داری کی صورت نہ اختیار کرلے، اور بیرونی اجارہ داریوں سے منتج نہ ہو جائے معاشی ارتقاء کا یہی غیر سرمایہ دارانہ راستہ ہمارے مزدوروں، کسانوں، چھوٹے زمینداروں، چھوٹے مالکوں، چھوٹے کارخانہ داروں، پیداکاروں اور کاروباری افراد، وطن دوست قومی سرمایہ داروں، درمیانہ طبقے کے دانشوروں، پیشہ وروں، تکنیک کاروں، دفتری کارکنوں اور طالب علموں کے روزگار اور خوشحالی اور جمہوری حقوق کی ضمانت دے سکتا ہے۔

اس کی خاطر ہماری پارٹی پانچ سالہ منصوبہ کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ اختیار کرے گی تاکہ عوام کی ہمہ جہتی معاشی، سماجی اور تہذیبی ترقی کا سال بہ سال جائزہ لے کر اسے صحیح خطوط پر آگے بڑھایا جاسکے۔ اور وہ مختلف اصلاحات کو عمل میں لانے کے لئے تنہا نوکر شاہی پر بھروسہ کرنے کے بجائے، اس کی نگرانی کرنے کے لئے عوام کی منتخب کی ہوئی مقامی کمیٹیوں کا نظام قائم کرے گی تاکہ ریاست کے انتظام میں نوکر شاہی کا اقتدار اور اس کی بدعنوانی ختم ہو جائے، اور عوام تمام سطحوں پر ریاست کے معاشی اور سیاسی اقتدار میں شریک ہو جائیں۔

ہماری پارٹی اپنے پانچ سالہ منصوبوں میں اس کا بھی اہتمام کرے گی کہ غیر پیداواری اور نمائشی کاموں، ہمارے سیاسی حاکموں اور سرکاری افسروں کی پُرتکلف زندگی اور ضرورت سے زیادہ وسیع انتظامیہ پر خرچ کرنے کے لئے رقمیں مہیا نہ کی جائیں تاکہ ہماری قومی معیشت اور ہمارے غریب عوام کو اس بھاری بوجھ سے نجات مل جائے۔

پاکستان جمہوری پارٹی

نوابزادہ نصراللہ خان ملک کے ایک بزرگ سیاستدان ہیں جن کو سیاسی حلقوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی پاکستان جمہوری پاکستان کوئی بڑی سیاسی جماعت تو نہیں لیکن نوابزادہ اوران کے بعض ساتھیوں کی بحالی جمہوریت کے لئے طویل جدوجہد نے اس جماعت کو ملک کی سیاست میں ایک باوقار مقام دلا دیا ہے۔ پاکستان جمہوری پارٹی اپنے سربراہ کی طرح ایک لمبا سفر طے کرکے یہاں تک پہنچی ہے۔ نوابزادہ نصراللہ خان کانگریس سے خلافت، خلافت سے مجلسِ احرار اسلام، احرار سے عوامی لیگ اور عوامی لیگ (نصراللہ گروپ) سے آخر کار پی۔ڈی۔پی تک آئے اور اس کے سربراہ منتخب ہوئے اس طرح ان کی پارٹی کئی جماعتوں کے ادغام سے وجود میں آئی۔ ایوب خان کے دور کا آخری زمانہ تھا جب ملک کی بہت سی سیاسی جماعتوں میں یہ شعور بیدار ہوا کہ ہم خیال اور ہم مقصد سیاسی پارٹیوں کو الگ الگ رہنے کی بجائے ایک بڑی پارٹی میں مدغم ہوکر کام کرنا چاہیئے۔ اس سے سیاسی جماعتوں کی تعداد کم ہو گی اور چھوٹی چھوٹی علاقائی جماعتوں کی جگہ چند سیاسی جماعتیں کل پاکستان سطح پر وجود میں آکر ملک کی سیاست کو زیادہ مؤثر طریقے پر چلا سکیں گے۔ اس غرض سے مئی ۱۹۶۹ء میں چودھری محمد علی مرحوم کی نظامِ اسلام پارٹی اور عوامی لیگ (نصراللہ گروپ) میں سمجھوتہ ہوگیا اور ان دو پارٹیوں کا ادغام عمل میں آیا۔ بعد میں جسٹس پارٹی اور قومی جمہوری محاذ بھی اس ادغام میں شامل ہوگئیں اور اس طرح چار سیاسی پارٹیوں کے باہمی ملاپ

سے پاکستان جمہوری پارٹی (P.D.P.) وجود میں آئی۔

پی۔ڈی۔پی اصلاً دائیں بازو کی ایک جماعت ہے جو اسلام اور جمہوریت میں گہرا یقین رکھتی ہے اور اپنے موقف میں بڑی کھری اور صاف ہے۔ اس جماعت کی عوام میں کوئی خاص مقبولیت نہیں مگر اس کے اصول واضح اور اس کے مقاصد روشن ہیں اور اس کے رہنماؤں کی یہ کوشش رہی ہے کہ کوئی بھی بڑی جماعت جو انتخابات جیت لے ملک میں حکمرانی کا حق رکھتی ہے اور یہ جماعت اصولوں پر ہر منتخب حکومت کا ساتھ دینے اور اس کی طرف دستِ تعاون بڑھنے کے لئے تیار ہے۔ اسی طرح اس جماعت اور بالخصوص اس کے اکابرین نے غیر منتخب حکومتوں کی ہمیشہ مخالفت کی ہے اور ان کے ساتھ کسی زور حائت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ البتہ جنرل ضیاءالحق نے اپنے مارشل لا کے کچھ عرصے بعد جب بعض سیاسی جماعتوں کو وزارتوں کی پیش کش کی تو مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے علاوہ پی۔ڈی۔پی نے بھی حکومت میں شامل ہونے میں تامل نہ کیا اور اس جماعت کے جنرل سیکرٹری ارشد چوہدری کچھ مدت تک وفاقی وزیر رہے۔ یہ اور بات ہے کہ برسوں بعد ارشد چوہدری نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ مارشل لاء کے تحت وزارت کو قبول کرنا ایک غلطی تھی اور جمہوریت کے سچے علمبرداروں کو مارشل لاء یا غیر منتخب حکومتوں کے تعاون کرنا زیب نہیں دیتا !!

پی۔ڈی۔پی کے منشور میں پہلا رہنما اصول" قرآن وسنت" کے مطابق عدل وانصاف، مساوات، آزادی، عالمی اخوت اور انسانی احترام کے اصولوں اور اسلامی اقدار کی بنیاد پر استحصال سے پاک ایک جمہوری فلاحی معاشرے کی تشکیل ہے۔

منشور میں اقتصادی پروگرام کے تحت ملک کی معیشت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے جو تجاویز پیش کی گئی ہیں وہ جماعت کے ارادوں کی بلندی اور سوچ میں راستبازی کی دلیل ہیں۔ اس تجزیئے کا یہ حصہ درج ذیل ہے۔

ہمارا ملک انتہائی سنگین اقتصادی بحران کا شکار ہے۔ ہمارے پالیسی ساز اداروں نے ملکی مفاد اور اقتصادی آزادی کی طویل المیعاد منصوبہ بندی کی بجائے قلیل مدت کے لئے بیرونی قرضوں پر انحصار کرتے ہوئے پالیسیاں ترتیب کرتے ہیں جس کی وجہ سے ملک پر بیرونی قرضوں کا بوجھ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب ہمیں قرضوں کا سود ادا کرنے کے لئے بھی قرضہ لینا پڑتا ہے اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر ملک کو عالمی بنک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور دوسرے قرضہ دینے والے ممالک کے پاس عملاً گروی رکھ دیا گیا ہے اسی وجہ سے آزادانہ اقتصادی منصوبہ بندی ناممکن ہو کر رہ گئی ہے نتیجتاً ملک غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور عوام کی معاشی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی ہے۔ افراطِ زر کی وجہ سے پاکستانی کرنسی کی قیمت میں مارشل لاء کے آٹھ سالہ دور میں سو فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ زرعی پیداوار، کھاد، زرعی ادویات، مشینری اور روزمرہ کی عوامی ضروریات کی قیمتیں مناسب سطح پر رکھنے کے لئے حکومت کی طرف سے امداد کرنے سے خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے جس سے عام آدمی کے لئے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے باعزت زندگی گذارنا مشکل ہو گیا ہے۔ توانائی کا بحران مسلسل شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ زرعی پیداوار کم ہو رہی ہے۔ کارخانے بند ہو رہے ہیں، مزدور بیکار ہو رہے ہیں، صنعتی پیداوار اور برآمدات میں بتدریج کمی واقع ہوئی ہے۔ مفت تعلیم اور علاج کی سہولتیں ناپید ہو چکی ہیں اور اسلامی فلاحی مملکت کے تصور کو یکسر ترک کر دیا گیا ہے۔ چھوٹے سرمایہ کاروں، تاجروں مزدوروں اور کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ عوام کے مفادات اور قومی

امنگوں کے منافی اقتصادی منصوبہ بندی نے ملک میں دو قسم کی اقتصادیات کو فروغ دیا۔ ایک وہ جس میں مارشل لاء اور انتظامیہ اپنے بیرونی سرپرستوں اور مقامی معاونین کے تعاون سے اقتصادی لوٹ کھسوٹ میں لگی ہے۔ اور دوسری وہ جس نے ایک زیرزمین معیشت کو فروغ دیا ہے جسے سمگلر، بلیک مارکیٹ کے کاروباری، ذخیرہ اندوز، سٹے باز، منشیات فروش، ڈاکو، لٹیرے اور بدعنوان سرکاری ملازمین چلا رہے ہیں۔

اس کے بعد جماعت کے ارادوں کا واشگاف اظہار یوں ہوتا ہے:

عوام کے وسیع تر مفاد کے پیشِ نظر پارٹی ایک ایسی اقتصادی پالیسی اختیار کرے گی جس سے بیرونی قرضوں پر انحصار کئے بغیر معاشی اور معاشرتی انصاف پر مبنی معیشت کو فروغ حاصل ہو جس میں نفع اندوزی کی بجائے انسانی ضروریات کی تکمیل اقتصادی سرگرمیوں کا نصب العین ہو جس کے نتیجے میں زیادہ اور کم آمدنی والے طبقوں میں تفاوت بتدریج کم ہو جائے اور ہر قسم کے استحصال سے پاک معاشرتی مساوات پر مبنی اسلامی فلاحی معاشرے کے قیام کا مقصد حاصل ہو سکے۔ ان مقاصد کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۔ ایک ایسا طویل المیعاد اقتصادی منصوبہ وضع کیا جائے گا جو معاشرتی انصاف اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔

۲۔ مستقل مفادات، خصوصی مراعات اور ہر قسم کے استحصال کو کلی طور پر ختم کیا جائیگا۔

۳۔ دولت کے ارتکاز، اجارہ داریوں اور ناجائز منافع اندوزی کا خاتمہ کیا جائے گا۔

۴۔ ملک کے انسانی اور مادی وسائل کی ترجیحی بنیادوں پر ترقی کے ذریعے خودکفالت حاصل کی جائے گی۔

۵۔ ہر شہری کو مکمل روزگار مہیا کیا جائے گا۔ ہر فرد کو اس کی محنت کا جائز صلہ اور کم از کم معیارِ زندگی کی ضمانت دی جائے گی تاکہ اس کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس، مکان، تعلیم اور طبی امداد فراہم ہو سکیں۔

۶۔ خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں کم کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں گے اور اس ضمن میں نیشنل پرائس کمیشن منتخب نمائندوں کی شمولیت سے اسے زیادہ مؤثر بنایا جائے گا۔

۷۔ مندرجہ ذیل اقسام کی زمینوں کو ضبط کر کے مقامی بے زمین کسانوں اور کاشت کاروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(i) سول یا ملٹری افسران یا ان کے اہل خاندان اور رشتہ داروں کے نام الاٹ کی گئی یا گرانٹ میں دی گئی زمینیں، ماسوا ان زمینوں کے جو افواج پاکستان کے افسروں اور جوانوں کو شجاعت کے کارنامے سرانجام دینے کے سلسلے میں انعام کے طور پر دی گئی ہوں۔

(ii) ایسی تمام زمینیں جو سول اور فوجی افسران اور بڑے زمینداروں کو لائیوسٹاک، ریماؤنٹ سکیم، باغات سکیم، بارڈر ایریا سکیم یا بھیڑ بکری پال سکیم کے تحت دی گئی ہوں۔

(iii) تمام جاگیریں جو برطانوی سامراجی دور میں حکومت سے وفاداری اور خدمات کے صلے میں انعام کے طور پر دی گئی ہوں۔

۸۔ بڑے صنعت کاروں اور تاجروں نے خصوصاً صوبہ سندھ میں سرکاری اراضی کے وسیع رقبہ جات مویشی پال سکیم کے نام پر سستے داموں ہتھیانے کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے، اس کا تدارک کیا جائے گا اور ایسی خریداریوں یا الاٹمنٹوں کی پوری چھان بین کی جائے گی۔ اسی طرح صوبہ بلوچستان میں قبائلی زمینیں جن پر قبائلی

سرداروں نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، اس کا موثر تدارک کیا جائے گا۔

۹۔ مکانات کی تعمیر کے لئے رقبے کی حد مقرر کی جائے گی اور ۵۰۰ مربع گز یا ایک کنال سے زائد رقبہ پر مکان بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۱۰۔ ہر شہری کو باعزت روزگار فراہم کیا جائے گا۔ اور جب تک روزگار فراہم نہ ہو، اسے تعلیمی قابلیت اور اہلیت کے مطابق بیروزگاری الاؤنس ملے گا۔

اس باب کے ساتھ پارٹی کا منشور شامل کیا جا رہا ہے جو ۱۲ جولائی ۱۹۸۵ء کو پاکستان جمہوری پارٹی کے کنونشن منعقدہ کراچی میں منظور کیا گیا تھا۔

ہم پاکستان جمہوری پارٹی کے ارکان کراچی میں بتاریخ ۱۱-۱۲ جولائی ۱۹۸۵ء جمع ہوئے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ پارٹی کنونشن منعقدہ ڈھاکہ، ۲-۲۸ ستمبر ۱۹۶۹ء پارٹی کنونشن منعقدہ لاہور ۱۰-۱۱ مارچ ۱۹۷۳ء اور پارٹی کنونشن منعقدہ لاہور ۴-۵ اپریل ۱۹۸۵ء کے منظور کردہ منشور میں ترامیم اور اضافہ کے بعد حسب ذیل منشور کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بھرپور جدوجہد کریں گے۔

رہنما اصول

۱۔ قرآن و سنت کے مطابق عدل و انصاف، مساوات، آزادی، عالمی اخوت، اور انسانی احترام کے اصولوں اور اسلامی اقدار کی بنیاد پر استحصال سے پاک ایک جمہوری فلاحی معاشرے کی تشکیل کریں گے۔

۲۔ پاکستان کے بنیادی نظریہ، سالمیت، یک جہتی، اور قومی مفادات کو ذاتی، جماعتی، گروہی، نسلی، علاقائی، لسانی، اور فرقہ وارانہ مفادات پر ترجیح دیں گے۔

۳۔ اہلِ پاکستان کی خوشحالی اور اتحاد کے لئے کام کریں گے۔

۴۔ تمام شہریوں کو مذہب، فرقے، عقیدے، پیشے، رنگ، نسل، ذات اور جنس کے امتیاز کے بغیر یکساں معاشی، سماجی، ثقافتی، اور سیاسی حقوق دلائیں گے۔

۵۔ وفاقِ پاکستان کے ڈھانچے کے اندر تمام صوبوں کو مساوی داخلی خود مختاری

کی دستوری اور عملی ضمانت دیں گے۔

۶۔ سامراجی اور استحصالی طاقتوں کے اثر و تسلّط سے آزاد مثبت، غیر وابستہ خارجہ پالیسی اختیار کریں گے۔ اور عالمی امن و مفاہمت اور قوموں کے حق خود ارادیت کی حمایت کریں گے۔

۷۔ بنیادی انسانی حقوق، شہری آزادیوں، پریس اور دوسرے ذرائعِ ابلاغ کی آزادی کی بحالی کے ساتھ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادانہ اور منصفانہ انتخابات میں عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے جمہوریت اور قانون کی حکمرانی قائم کریں گے۔

بنیادی حقوق

۱۔ اسلامی تعلیمات اور اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کے مطابق تمام شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق بشمول ضمیر کی آزادی، تقریر و تحریر کی آزادی، عقیدہ اور مذہب کی آزادی۔ انجمن سازی اور اجتماع کی آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔

۲۔ قانونی تقاضے پورے کئے بغیر اور کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر کسی شہری کو گرفتار یا نظر بند نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کو کسی بھی حالت میں معطّل یا منسوخ نہیں کیا جائے گا۔

خواتین کے حقوق۔

اسلامی تعلیمات۔ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور کنونشنز کے مطابق عورتوں کو سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی میدان میں مکمل مساوی انسانی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

۵۔ عورتوں کے خلاف تمام تمیزی قوانین کو واپس لیا جائے گا۔
عورتوں کی تعلیم، معاشرتی برابری اور ترقی کے مساوی مواقع مہیا کرنے کے لئے خصوصی انتظامات کیے جائیں گے۔

اقلیتوں کے حقوق

قائداعظم نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کا جو تصور پیش کیا تھا، اس کے مطابق تمام اقلیتوں کو سیاسی معاشرتی اور ثقافتی زندگی میں برابر کے حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

پریس کی آزادی

۱۔ پریس کی مکمل آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔
۲۔ پریس سنسر شپ ختم کر دیا جائے گا۔
۳۔ پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈی نینس اور اس قسم کے دوسرے قوانین کو ختم کر دیا جائے گا۔
۴۔ نیوز پرنٹ اور سرکاری اشتہارات کی بلا تخصیص اور منصفانہ تقسیم کی جائے گی۔
۵۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اے پی پی (A. P. P) نیوز ایجنسی کو خود مختار پبلک کارپوریشنوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔
۶۔ اخبارات و رسائل کے ڈیکلریشن کے آسان اور بلا تاخیر اجراء کا اہتمام کیا جائے گا۔
۷۔ حکومت کی طرف سے پریس ایڈوائس کا طریقہ ختم کیا جائے گا۔
۸۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کو توڑ دیا جائے گا۔
۹۔ مارشل لاء حکومت نے جن اخبارات و رسائل پر پابندی عائد کی تھی انہیں

دوبارہ اشاعت کی اجازت دی جائے گی۔

آئین

آئین کے بارے میں پارٹی کے تصور میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:۔

۱۔ ا۔ پاکستان کے بنیادی نظریۂ، سالمیت اور یکجہتی کا تحفظ

۲۔ وفاقی پارلیمانی نظام

۳۔ مؤثر مرکز کے ساتھ صوبائی خود مختاری اور صوبائی حقوق کا تحفظ

۴۔ تمام شہریوں کے لئے بنیادی حقوق کی ضمانت۔

۵۔ اسلامی معاشرتی انصاف۔

۶۔ تمام قوانین کی قرآن وسنّت کے مطابق تدوین۔

۲۔ وفاقی مقننہ دوایوانی ہوگی۔

۱۔ ایوانِ زیریں یا قومی اسمبلی کا انتخاب براہِ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوگا۔

۲۔ ایوانِ بالا یا سینٹ کی تشکیل وفاق کے تمام صوبوں کی مساوی نمائندگی کی بنیاد پر کی جائے گی۔ جسے صوبائی اسمبلیاں بالواسطہ طور پر منتخب کریں گی۔

۳۔ مرکز یا وفاقی حکومت کے پاس مندرجہ ذیل امور ہوں گے۔

۱۔ دفاع

۲۔ امورِ خارجہ

۳۔ وفاقی مالیات

۴۔ مواصلات (بشمول ریلوے، ہوا بازی، بندرگاہیں، ڈاک وتار)

۵۔ تجارت (بشمول درآمدات وبرآمدات۔ تجارتی معاہدات وبیرونی امداد)

۶۔ پانی و بجلی کی پیداوار و ترسیل۔
۷۔ وفاقی دارالحکومت کا نظم و نسق۔
اور دیگر امور جن پر اتفاق رائے ہو جائے۔
باقی ماندہ امور صوبائی حکومتوں کے پاس رہیں گے۔
۴۔ صوبائی اسمبلیاں ایک ایوانی ہوں گی اور ان کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہِ راست عمل میں لایا جائے گا۔

۵۔ ۱۹۷۳ء کا دستور

پارٹی ۱۹۷۳ء کے متفقہ دستور کو مندرجہ بالا دستوری تقاضوں کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے اس کی بلا تاخیر بحالی کو ملکی سالمیت اور قومی اتحاد و یگانگت کے لئے ضروری سمجھتی ہے اور پارٹی ۱۹۷۳ء کے دستور کی بحالی کے لئے جدوجہد کو اپنے منشور کا اہم حصہ قرار دیتی ہے۔

خارجہ پالیسی

۱۔ ملکی مفاد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان مثبت غیر وابستہ خارجہ پالیسی اختیار کرے گا۔ جس سے پاکستان کے مفادات اور اس کی سالمیت کا تحفظ ہو سکے۔
۲۔ اسلامی کانفرنس اور غیر وابستہ تحریک کے رکن ممالک سے خصوصی دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں گے۔
۳۔ جنوبی ایشیا کو امن کا خطہ بنانے کے لئے ہمسایہ ممالک سے دوستانہ تعلقات کو فروغ دیا جائے گا۔
۴۔ دنیا کے تمام امن پسند ممالک سے برابری کی بنیاد پر دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے۔

۵۔ بین الاقوامی تنازعات کو طاقت کی بجائے پُرامن مذاکرات سے طے کرنے کے اصول کی حمایت کی جائے گی۔

۶۔ ساری دنیا میں نو آبادیاتی، نیم نو آبادیاتی اور آمرانہ نظاموں کے خلاف آزادی کی تحریکوں اور عوام کے حق خود ارادیت کی حمایت کی جائے گی۔

۷۔ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق ریاست جموں و کشمیر میں آزادانہ استصواب رائے کے ذریعے ریاست کے عوام کے حق خود ارادیت استعمال کرنے اور اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی بھرپور حمایت کی جائے گی۔

۸۔ فلسطین پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضہ کے خلاف فلسطین کے مسلمانوں کی جدوجہد اور علیحدہ فلسطینی ریاست کے قیام کے مطالبہ کی پُرزور حمایت کی جائے گی اور بیت المقدس کو اسرائیلی قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے ہر ممکن امداد فراہم کی جائے گی۔

۹۔ افغانستان میں خارجی جارحیت کے نتیجے میں تیس لاکھ سے زائد افغان مہاجرین پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔ انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کے رشتے سے ہم ان کی اعانت جاری رکھیں گے۔ اور اقوام متحدہ کے ادارے کے توسط سے جنوب مغربی ایشیا میں ایسے مثبت اور موزوں حالات پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ جس سے افغانستان میں غیر ملکی جارحیت کا خاتمہ ہو سکے اور افغان مہاجرین جلد از جلد باعزت طور پر اپنے گھروں کو واپس جا سکیں۔

انتظامی اصلاحات

۱۔ سارے ملک میں ہر سطح پر انتظامیہ کو عوام کے منتخب اداروں کے ماتحت اور ان کے سامنے جوابدہ بنایا جائے گا۔

۲۔ تمام قبائلی اور مرکز کے زیر انتظام علاقے مکمل طور پر ملحقہ انتظامی ڈویژنوں میں مدغم کر دیئے جائیں گے۔

۳۔ سرکاری ملازمین کو ان کے افعال میں زیادہ محتاط بنانے اور خاص طور پر عوام کے ساتھ لین دین کے معاملات سے تعلق رکھنے والے کاموں کے بارے میں زیادہ ذمہ دار بنانے کے لئے انتظامی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔ جن کے پاس ایسے دعووں کی سماعت کا اختیار ہوگا۔ جن میں کسی فرد یا پرائیویٹ پارٹی کی طرف سے سرکاری غفلت یا تاخیر کی وجہ سے ہونے والے نقصان کے ہرجانہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

۴۔ وہ تمام غیر ضروری پابندیاں اور رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی جنہیں لائسنس یا پرمٹ کی شکل میں سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لائسنسوں یا پرمٹوں کی فروخت کی اجازت نہیں ہوگی۔ گذشتہ حکومتوں کی ایسی بدعنوانیوں کو عوام کی آگاہی کے لئے مشتہر کیا جائے گا۔

۵۔ صدر مملکت، تمام مرکزی اور صوبائی وزراء، اور صوبوں کے گورنر عہدہ سنبھالنے پر اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی منقولہ وغیر منقولہ جائداد، بشمول صنعتی و تجارتی مفادات اور حصہ داریوں کا اعلان کریں گے، یہ معلومات عہدہ سنبھالتے وقت شائع کی جائیں گی۔ جو عوام کی آگاہی کے لئے ہر وقت دستیاب ہوں گی۔

۶۔ عوامی عہدہ کے حامل کسی بھی شخص پر لازم ہوگا کہ وہ تجارتی یا صنعتی اداروں میں سے اپنا سرمایہ نکال لے اور کسی قسم کی صنعتی یا تجارتی سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہ رکھے ایسے افراد کو کسی صنعتی یا تجارتی کمپنی کے حصے خریدنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۷۔ سادہ زندگی کے نمونے کے طور پر صدر مملکت اور گورنروں کو ایسی رہائش گاہیں مہیا کی جائیں گی جو ان کے عہدوں کے وقار کے عین مطابق ہوں گی۔ لیکن بے جا

جان و شوکت کی حامل نہ ہوں گی۔ بڑی سرکاری رہائش گاہیں خالی ہونے پر عوامی استعمال کے لئے دے دی جائیں گی۔

۸۔ ایک عدالتی کمیشن قائم جائے گا۔ جو اس امر کی تحقیق کرے گا کہ سربراہ مملکت، وزیراعظم، گورنروں، اور مرکزی و صوبائی وزرائنے اپنے عہد اقتدار میں اپنے عہدے اور حیثیت کا ناجائز استعمال کرکے اپنے یا اپنے عزیزوں کے لئے کوئی مالی فوائد تو حاصل نہیں کئے۔

۹۔ مرکز اور ہر صوبہ میں ایک اعلیٰ اختیاراتی خود مختار ادارہ قائم کیا جائے گا جو سرکاری ملازمین کی بدعنوانیوں اور نا اہلیوں کے خلاف عوام کی شکایات کی تحقیقات کرے گا۔ یہ ادارے متعلقہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو براہ راست رپورٹ بھیجیں گے۔

۱۰۔ سرکاری ملازمت کی مقررہ مدت ختم ہونے پر مدتِ ملازمت میں توسیع یا ریٹائرمنٹ کے بعد دوبارہ ملازمت کے طریقے کو ختم کر دیا جائے گا۔

۱۱۔ کسی سرکاری ملازم کو اظہار وجوہ کا نوٹس دیئے بغیر اور صفائی کا موقعہ دیئے بغیر ملازمت سے برطرف نہیں کیا جائے گا۔

۱۲۔ اُردو زبان کو سارے ملک میں قومی زبان کی حیثیت سے عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں رائج کیا جائے گا اور علاقائی زبانوں اور ثقافتوں کے فروغ کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں گے۔

جیل اصلاحات

۱۔ جیلوں میں رہائش، صفائی اور خوراک کا بہتر انتظام کیا جائے گا۔

۲۔ قیدیوں کے لئے تعلیم حاصل کرنے اور ہنر سیکھنے کے انتظامات کیے جائیں گے۔

۳۔ قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک اور ان کی آبادکاری اور بحالی کی سکیمیں رائج کی جائیں گی تاکہ قیدی رہائی پانے کے بعد معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔

۴۔ سیاسی قیدیوں کو عام قیدیوں سے علیحدہ اور بہتر کلاس میں رکھنا لازمی قرار دیا جائے گا۔ اور ان سے جیل میں مشقت لینا جرم قرار دیا جائے گا۔

۵۔ عمر قید کی میعاد ۲۵ سال سے کم کر کے ۱۴ سال کر دی جائے گی۔

۶۔ ایک سال سے زائد میعاد کے قیدی کو سال میں ایک ماہ کے لئے پیرول پر رہا کیا جائے گا۔ اگر پیرول پر رہائی کے دوران قیدی سے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو یہ رعایت ختم کر دی جائے گی۔

۷۔ جیلوں میں جسمانی ورزش، کھیلوں اور تفریحی سرگرمیوں کا اہتمام کیا جائے گا، اور مریض قیدیوں کو علاج کی بہتر سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۸۔ قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبران کو اپنے اضلاع کی جیلوں کے لئے "جیل وزیٹر" مقرر کیا جائے گا اور انہیں قیدیوں کی سزا میں تخفیف کرنے اور جیل انتظامیہ کی بدعنوانیوں اور قیدیوں سے بدسلوکی کے خلاف تادیبی اقدامات کرنے کے اختیارات دیئے جائیں گے۔

اقتصادی پروگرام

ہمارا ملک انتہائی سنگین اقتصادی بحران کا شکار ہے۔ ہمارے پالیسی ساز ادارے ملکی مفاد اور اقتصادی آزادی کی طویل المیعاد منصوبہ بندی کی بجائے قلیل مدت کے لئے بیرونی قرضوں پر انحصار کرتے ہوئے پالیسیاں مرتب کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ملک پر بیرونی قرضوں کا بوجھ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب ہمیں قرضوں کا سود ادا کرنے کے لئے بھی قرضہ لینا پڑتا ہے اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر ملک کو عالمی بنک بین الاقوامی

مالیاتی فنڈ اور دوسرے قرضے دینے والے ممالک کے پاس عملاً گروی رکھ دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے آزادانہ اقتصادی منصوبہ بندی ناممکن ہو کر رہ گئی ہے نتیجتاً ملک غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور عوام کی معاشی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی ہے۔ افراطِ زر کی وجہ سے پاکستانی کرنسی کی قیمت میں مارشل لاء کے آٹھ سالہ دور میں سو فیصد کی واقع ہوئی ہے۔ زرعی پیداوار، کھاد، زرعی ادویات، مشینری اور روزمرّہ کی عوامی ضروریات کی قیمتیں مناسب سطح پر رکھنے کے لئے حکومت کی طرف سے امداد بند کرنے سے خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے۔ جس سے عام آدمی کے لئے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے باعزت زندگی گزارنا مشکل ہو گیا ہے۔ توانائی کارخانے بند ہو رہے ہیں۔ مزدور بیکار ہو رہے ہیں۔ پیداوار اور برآمدات میں بتدریج کمی واقع ہوئی ہے۔ مفت تعلیم اور علاج کی سہولتیں ناپید ہو چکی ہیں۔ اور اسلامی فلاحی مملکت کے تصوّر کو یکسر ترک کر دیا گیا ہے۔ چھوٹے سرمایہ کاروں، تاجروں، مزدوروں اور کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ عوام کے مفادات اور قومی امنگوں کے منافی اقتصادی منصوبہ بندی نے ملک میں دو قسم کی اقتصادیات کو فروغ دیا ہے۔ ایک وہ جس میں مارشل لاء اور انتظامیہ اپنے بیرونی سرپرستوں اور مقامی معاونین کے تعاون سے اقتصادی لوٹ کھسوٹ میں لگی ہے اور دوسری وہ جس نے ایک زیرِ زمین معیشت کو فروغ دیا ہے۔ جیسے سمگلر، بلیک مارکیٹ کے کاروباری، ذخیرہ اندوز، سٹے باز، منشیات فروش، ڈاکو، لٹیرے اور بدعنوان سرکاری ملازمین چلا رہے ہیں۔

عوام کے وسیع تر مفاد کے پیشِ نظر پارٹی ایک ایسی اقتصادی پالیسی اختیار کرے گی۔ جس سے بیرونی قرضوں پر انحصار کیے بغیر معاشی اور معاشرتی انصاف پر مبنی معیشت کو فروغ حاصل ہو۔ جس میں نفع اندوزی کی بجائے انسانی ضروریات کی تکمیل اقتصادی سرگرمیوں کا نصب العین ہو۔ جس کے نتیجے میں زیادہ اور کم آمدنی والے طبقوں میں

تفاوت بتدریج کم ہوجائے گا اور ہر قسم کے استحصال سے پاک معاشرتی مساوات پر مبنی اسلامی فلاحی معاشرے کے قیام کا مقصد حاصل ہوجائے گا۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۔ ایک ایسا طویل المیعاد اقتصادی منصوبہ وضع کیا جائے گا جو معاشرتی انصاف اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہو۔

۲۔ مستقل مفادات، خصوصی مراعات اور ہر قسم کے استحصال کو کلی طور پر ختم کیا جائیگا۔

۳۔ دولت کے ارتکاز، اجارہ داریوں اور ناجائز منافع اندوزی کا خاتمہ کیا جائے گا۔

۵۔ ملک کے انسانی اور مادی وسائل کی ترجیحی بنیادوں پر ترقی کے ذریعے خودکفالت حاصل کی جائے گی۔

۶۔ ہر شہری کو مکمل روزگار مہیا کیا جائے گا۔ ہر فرد کو اس کی محنت کا جائز صلہ اور کم از کم معیارِ زندگی کی ضمانت دی جائے تاکہ اس کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس مکان، تعلیم اور طبی امداد فراہم ہو سکیں۔

۶۔ خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں کم کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں گے اور اس ضمن میں نیشنل پرائس کمیشن میں منتخب نمائندوں کی شمولیت سے اسے زیادہ مؤثر بنایا جائے گا۔

۷۔ زمین اور پانی کے وسائل کے مؤثر استعمال، کاشت کاری کے فروغ کے لئے جدید سائنسی طریقوں کے استعمال اور سیم و تھور کے خلاف اقدامات سے زرعی پیداوار کو بڑھایا جائے گا۔

غیر ملکی قرضے

غیر ملکی قرضوں اور ماہرین کی پالیسی پر نظر ثانی کی جائے گی۔ ایسے قرضوں کی نشاندہی کی جائے گی۔ جن سے ہماری معیشت کو فائدے کی بجائے نقصان ہوا، اور آئندہ ایسے

قرضے لینے سے احتیاط کی جائے گی۔

قرضہ دینے والے ممالک سے قرضوں کی واپسی میں مزید آسانیاں اور سہولتیں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ جو ممالک سابقہ قرضوں کی وصولی سے دستبردار ہو جائیں، ان کے ساتھ ترجیحی بنیادوں پر تجارت کو فروغ دیا جائے گا۔ بیرونی امداد کی آڑ میں مسلّط ہونے والے نام نہاد ماہرین اور مشیروں پر پابندیاں عائد کی جائیں گی۔ اور اپنے وسائل پر زیادہ سے زیادہ انحصار کی پالیسی اختیار کی جائے گی۔

قومی تحویل میں لئے گئے ادارے

قومی معیشت اور ملکی مفاد کے پیش نظر سرکاری انتظام میں چلنے والی صنعتوں، تجارتی اداروں، بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کے غالب حصے حکومت اپنے پاس رکھ کر باقی ماندہ حصوں کی ملکیت کو ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ افراد میں پھیلا دیا جائے گا۔ اور پیداوار میں اضافے، انتظامی کنٹرول اور منافع کی منصفانہ تقسیم کے لئے مناسب قانون نافذ کیا جائے گا۔

ان اداروں کو نوکر شاہی کے تسلّط سے آزاد کرانے اور ان کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے اِن اداروں میں تمام اعلیٰ تقرریاں ایک کمیشن کیا کرے گا۔ اِس کمیشن کے ارکان قومی زندگی میں اعلیٰ دیانت داری، تجربے اور قابلیّت کے حامل ہوں گے، اور یہ کمیشن قانون ساز اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہو گا۔

نئی صنعتیں

سامان تعیش تیار کرنے والی نئی صنعتوں کی حوصلہ شکنی کی جائے گی اور ایسی صنعتوں کے قیام اور فروغ کو ترجیح دی جائے گی، جو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے میں مدد دیں گے اور جن سے درآمدات میں کمی اور برآمدات میں اضافہ ہو سکے۔

قومی صنعتی پالیسی کے دائرہ کے اندر نئی صنعتوں کے قیام اور سرمایہ کاری کی

حوصلہ افزائی کی جائے گی اور اس مقصد کے لئے ممکنہ سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

نئی صنعتوں کے قیام کی اجازت حاصل کرنے میں آسانیاں پیدا کی جائیں گی اور اس ضمن میں غیر ضروری تاخیر کے ذمہ دار سرکاری اہل کاروں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔

چند مخصوص علاقوں میں صنعتیں قائم کرنے کے رجحان کی وجہ سے ان علاقوں پر آبادی کا دباؤ بتدریج بڑھتا جا رہا ہے۔ اور شہری سہولتوں کی کمی کے باعث عوام کو گوناگوں مسائل کا سامنا ہے۔ چنانچہ اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ صنعتیں ملک کے تمام حصوں میں اس طرح قائم ہوں کہ مقامی طور پر لوگوں کو گھروں کے نزدیک کام ملازمت اور کاروبار کے مواقع میسر آسکیں اور دیہاتوں سے چند شہروں کی جانب آبادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا جاسکے۔

پس ماندہ علاقوں میں نئی صنعتی بستیاں قائم کی جائیں گی۔ جہاں نئی صنعتوں کے قیام کے لئے تمام سہولتیں اور ٹیکس میں خصوصی چھوٹ دی جائے گی۔

درآمدات

آرام و آسائش کے سامان کی درآمد ممکنہ حد تک کم کر دی جائے گی اور صرف ان اشیاء کی درآمد کی اجازت دی جائے گی جن سے عام آدمی کی خوشحالی اور فلاح و بہبود میں اضافہ ہوتا ہو اور جو ملک کی ترقی میں معاون ہوں۔

نجی تجارتی ادارے

ملک کی تجارتی سرگرمیوں میں نجی شعبے کے بھرپور کردار کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ لیکن کاروبار میں ملکی مفاد کے منافی اجارہ داریوں کے قیام اور نفع اندوزی کے لئے گٹھ جوڑ کو روکنے کی غرض سے مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔

انکم ٹیکس

- چھتیس ۳۶ ہزار روپے سالانہ آمدنی کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔
- محکمہ انکم ٹیکس کے ایسے اختیارات کو ختم کر دیا جائے گا، جس کے ذریعے ٹیکس دہندگان کو ہراساں کیا جاتا ہے۔
- ایسے ٹیکسی قوانین رائج کیے جائیں گے کہ ٹیکس دہندگان ٹیکس کی ادائیگی کو قومی فریضہ سمجھیں اور ٹیکس ادا کرنے میں فخر محسوس کریں۔

سوشل سیکورٹی فاؤنڈیشن

ہر شہری کو باعزت روزگار فراہم کیا جائے گا۔ اور جب تک روزگار فراہم نہ ہو، اُسے تعلیمی قابلیت اور اہلیت کے مطابق بیروزگاری الاؤنس دیا جائے گا۔ ضعیف اور بے سہارا لوگوں کو پنشن ادا کرنے کا نظام قائم کیا جائے گا۔ یہ سکیم مرحلہ وار نافذ کی جائے گی۔ اور اس مقصد کے لئے ایک نیشنل سیکورٹی فاؤنڈیشن قائم کیا جائے گا۔

زکوٰۃ و عُشر۔ عطیات۔ لاوارث جائیدادوں، تمام ضبط شدہ غیر قانونی اشیاء کی فروخت سے حاصل سرمایہ، اولڈ ایج بینیفٹ فنڈ۔ ایجوکیشن سیس۔ سوشل سیکورٹی فنڈ اور ورکرز ویلفیئر فنڈ سے حاصل شدہ رقوم اسی فاؤنڈیشن کے ذریعے استعمال کی جائیں گی۔

لیبر

مزدوروں کے متعلق تمام جابرانہ قوانین ختم کر دیئے جائیں گے اور تمام لیبر قوانین کو بین الاقوامی ادارۂ محنت کے کنونشنز کے مطابق بنایا جائے گا۔

ہر سطح پر ٹریڈ یونین کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ انتظامیہ اور مزدوروں کے درمیان مصالحت اور بہتر تعلقات کے لئے مؤثر مشینری قائم کی جائے گی۔

کارکنوں کو ہڑتال کا حق دیا جائے گا۔ تاکہ وہ اسے اجتماعی سوداکاری کے ذریعے کے طور پر استعمال کر سکیں۔

ایسے اقدامات کئے جائیں گے کہ کارکن صنعتی اداروں کے منافع میں حصہ دار بن سکیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے ان میں تحریک پیدا ہو سکے اور ملکی وسائل وافرادی قوت سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے۔

جو محنت کشوں کو سرکاری تحویل کے صنعتی اور تجارتی اداروں سے مارشل لاء کے ضابطوں کے تحت ملازمتوں سے نکالا گیا ہے، ان کی بحالی کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔

دفاعی امور

پاکستان کے جغرافیائی محل وقوع اور ہمسایوں کے ساتھ تعلقات کے علاوہ اس خطے کے نظریاتی، مذہبی، تاریخی اور سیاسی حالات واثرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے پاکستان کے دفاعی ڈھانچے کو اس طرح منظم کیا جائے گا کہ اس میں عوام کی زیادہ سے زیادہ شرکت کا اہتمام ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے ملک میں قومی دفاعی سروس قائم کی جائے گی جو ملک کے دفاع میں موثر کردار ادا کرے گی۔

۱۸ اور ۴۰ سال کے درمیان عمر کے پاکستانیوں کو لازمی فوجی تربیت دی جائیگی۔

۱۸ سال کی عمر میں ہر نوجوان کو دو سال کے لئے افواج پاکستان میں لازمی خدمات سرانجام دینا ہوں گی۔

ملک میں دفاعی صنعتیں قائم کی جائیں گی۔ تاکہ مناسب وقت کے اندر پاکستان اپنی دفاعی ضروریات میں ممکنہ حد تک خود کفالت حاصل کر سکے۔ دفاعی ضروریات کے مطابق ایسی صنعتوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے ملک کے مختلف حصوں میں پھیلا دیا جائے گا۔ تاکہ ایسی صنعتیں بعض مخصوص علاقوں میں جمع نہ ہو جائیں۔

دفاعی صنعتوں کے قیام میں نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ملکی دفاع میں خواتین کے بھرپور کردار کے لئے تعلیمی اداروں میں دفاعی تربیت کے انتظامات کیے جائیں گے اور خواتین طلباء کے لئے فوجی تعلیم لازمی قرار دی جائے گی۔

ہر شہری کو ہتھیار رکھنے اور لے کر چلنے کی آزادی ہوگی۔

تعلیم

اس حقیقت کے پیش نظر کہ تعلیم قوم کی اخلاقی، اقتصادی اور ذہنی ترقی اور فلاح و بہبود کی بنیاد ہوتی ہے۔ موجودہ نظام تعلیم میں اصلاح کر کے اسے قومی امنگوں اور تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

میٹرک کی سطح تک تعلیم مفت اور لازمی قرار دی جائے گی۔ اور مدرسہ کی تعلیم کو اس طرح فروغ دیا جائے گا کہ طلباء قومی زندگی میں مکمل اور مؤثر حصہ لے سکیں۔

ہر مسلمان طالب علم کے لئے قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم لازمی کر دی جائے گی اور غیر مسلم طلباء کے لئے ان کے مذاہب کے مطابق مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔

میٹرک کے درجہ سے اوپر طلباء کے لئے صرف قابلیت اور اہلیت کی بنیاد پر حکومت کی طرف سے مفت تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ یا اس مقصد کے لئے مناسب امداد فراہم کی جائے گی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے نوجوانوں کا انتخاب کرتے وقت مختلف شعبوں میں ملک کی ضروریات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں سائنس اور فنی تعلیم پر زور دیا جائے گا اور اضلاع کی سطح پر ٹیکنیکل سکول اور کالج قائم کئے جائیں گے۔

ملک سے کم از کم مدت میں جہالت دور کرنے کے لئے سرکاری اور رضاکار اداروں کے ذریعے تعلیم بالغاں کا انتظام کیا جائے گا اور جس حد تک ممکن اور قابل عمل ہوا اس

مقصد کے لئے مساجد سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

یونیورسٹیوں کو خود مختار اداروں کی حیثیت حاصل ہوگی اور انہیں سیاسی اور انتظامی مداخلت سے پاک رکھا جائے گا۔

سائنسی مضامین میں اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے خصوصی مراکز قائم کیے جائیں گے۔

اساتذہ کو معقول اور مناسب تنخواہیں اور مراعات دی جائیں گی۔ اور اس بات کا اہتمام کیا جائے گا کہ ملک کی معاشرتی زندگی میں اساتذہ کو باوقار مقام اور معزز درجہ حاصل ہو۔

صحت

قومی صحت کی جامع سکیم وضع کی جائے گی۔ جسے بتدریج نافذ کیا جائے گا تاکہ پاکستان کے ہر شہری کو ارزاں طبی سہولتیں مہیا کی جاسکیں۔

ڈاکٹروں کے لئے سول سروسز کی طرز پر سروس کا ڈھانچہ بنایا جائے گا۔ اور ڈاکٹروں کو ان کی تعلیمی قابلیت کے مدنظر بہتر تنخواہ کے اسکیل اور رہائشی سہولتیں مہیا کی جائیں گی تاکہ وہ مکمل ذہنی یکسوئی سے طبی خدمات سرانجام دے سکیں۔ اور انہیں سروس کے دوران ترقی کے بہتر مواقع ملتے رہیں۔

ڈاکٹروں اور نرسوں کے لئے دیہی سول سروس کا منصوبہ بنایا جائے گا تاکہ دیہی علاقوں کے ہسپتالوں اور مراکز میں تربیت یافتہ عملہ کی کمی کو پورا کیا جاسکے۔ دیہی علاقوں میں خدمات سرانجام دینے والے ڈاکٹروں، نرسوں اور دیگر عملے کو تنخواہ کے علاوہ خصوصی الاؤنس اور رہائش کی بہتر سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ قومی بنیادوں پر نیشنل ہیلتھ انٹرنیشن کا پروگرام شروع کیا جائے گا۔ ڈاکٹروں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ترجیحی بنیادوں

پر وظائف اور مالی امداد مہیا کی جائے گی۔
سرکاری ملازم ڈاکٹروں کو پرائیویٹ پریکٹس کی اجازت نہیں دی جائے گی اور اس معزز پیشے کو تجارت نہیں بننے دیا جائے گا۔
طبِّ مشرق اور ہومیوپیتھک طریقہ علاج کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ان کے لئے تعلیمی اور تربیتی ادارے قائم کیے جائیں گے اور ہسپتالوں میں طبِ مشرق اور ہومیوپیتھک کے شعبے قائم کیے جائیں گے۔
تحصیل ہسپتالوں میں بلڈ بینک قائم طبی اور جراحی سہولتیں مہیا کی جائیں گی، تاکہ پیچیدہ امراض کے علاج اور آپریشن کے لئے عوام کو بڑے شہروں کا رُخ نہ کرنا پڑے۔
تحصیل ہسپتالوں میں بلڈ بینک قائم کیے جائیں گے اور ادویہ کی فراہمی کے لئے مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔

زراعت

۱۔ پارٹی نئی زرعی اصلاحات نافذ کرے گی۔ سرکاری زمینوں کو نیلام کرنے کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔ اور تمام قابل کاشت سرکاری اراضی مقامی بے زمین کسانوں اور چھوٹے کاشت کاروں میں گزارہ یونٹ کے حساب سے تقسیم کر دی جائے گی۔
۲۔ بنجر سرکاری زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لئے منصوبہ بندی کی جائے گی اور انہیں قابلِ کاشت بنا کر مقامی بے زمین کسانوں اور چھوٹے کاشتکاروں میں گزارہ یونٹ کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔
۳۔ مندرجہ ذیل اقسام کی زمینوں کو ضبط کر کے مقامی بے زمین کسانوں اور چھوٹے کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔
(۱) سول یا ملٹری افسران یا ان کے اہل خاندان اور رشتہ داروں کے نام الاٹ کی

گئی یا گرانٹ میں دی گئی زمینیں، ماسوا ان زمینوں کے جو افواج پاکستان کے افسروں اور جوانوں کو شجاعت کے کارنامے سرانجام دینے کے سلسلے میں انعام کے طور پر دی گئی ہوں۔ (۱۱) ایسی تمام زمینیں جو سول اور فوجی افسران اور بڑے زمینداروں کو لائیوسٹاک، ریماونٹ سکیم، باغات سکیم، بارڈر ایریا سکیم یا بھیڑ بکری پال سکیم کے تحت دی گئی ہوں۔ (۱۱۱) تمام جاگیریں برطانوی سامراجی دور میں حکومت سے وفاداری اور خدمات کے سلسلے میں انعام کے طور دی گئی ہیں۔

۴۔ بڑے صنعت کاروں اور تاجروں نے خصوصاً صوبہ سندھ میں سرکاری اراضی کے وسیع رقبہ جات مویشی پال سکیم کے نام پر سستے داموں ہتھیانے کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کا تدارک کیا جائے گا، اور ایسی خریداریوں یا الاٹمنٹوں کی پوری چھان بین کی جائے گی۔ اور ان پر نظرثانی کی جائے گی۔ اسی طرح صوبہ بلوچستان میں قبائلی زمینیں جن پر قبائلی سرداروں نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا مؤثر تدارک کیا جائے گا۔

۵۔ مستقبل میں زراعت پر مبنی صنعتوں کو دیہی علاقوں میں قائم کیا جائے گا۔

۶۔ دیہی علاقوں میں مکانات کی تعمیر گھریلو صنعتوں اور دستکاری کو ترقی دینے کے لئے حکومت کی طرف سے بلاسود امداد دی جائے گی۔

۷۔ کاشتکار کو پیداوار کا مناسب معاوضہ یقینی بنانے کے لئے قیمتوں میں امداد کی پالیسی اختیار کی جائے گی۔

۸۔ ملک میں جنگلات کی کمی کو دور کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی جائے گی۔ جنگلات کے رقبہ میں توسیع کی جائے گی اور ان کی حفاظت اور فروغ کے لئے مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔

عدلیہ

۱۔ عدلیہ کے وہ تمام اختیارات جو مارشل لاء حکومت نے سلب کیے ہیں، انہیں

بحال کیا جائے گا۔

۲۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے مکمل طور پر آزاد رکھا جائے گا۔ اور ججوں کی تقرری انتظامیہ کے اختیارات سے باہر ہوگی۔

۳۔ عدالتی نظام پر نظر ثانی کی جائے گی اور اسے عوام کی ضرورتوں کے مطابق بنایا جائے گا۔ تاکہ حصول انصاف پر اخراجات کم ہوں اور مقدمات کا جلد فیصلہ ہوسکے۔

۴۔ علیحدہ عائلی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔

۵۔ کورٹ فیس ایکٹ یکسر منسوخ کر دیا جائے گا۔

۶۔ جرگہ سسٹم ختم کر دیا جائے گا۔ فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن اور قسم کے دوسرے قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے۔ اور سارے ملک میں یکساں قانونی نظام رائج کیا جائے گا۔

رہائش کی سہولتیں

۱۔ ہر مہذب معاشرے میں شہریوں کو رہائش کی سہولت مہیا کرنا حکومت کا فریضہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں لاکھوں افراد ہیں جو اپنے محدود ذرائع سے اس مہنگائی کے دور میں مکان تعمیر کرنے سے قاصر ہیں۔ حکومت منصوبہ بندی کے تحت کم آمدنی والے بے گھر لوگوں کو ترجیحی بنیادوں پر مکانات کی تعمیر کے لئے پلاٹ مہیا کرے گی۔ اور اس مقصد کے لئے آسان شرائط پر مالی امداد بھی دے گی۔

۲۔ مکانات کی تعمیر کے لئے رقبے کی حد مقرر کی جائے گی اور ۵۰۰ گز یا ایک کنال سے زائد رقبہ پر مکان بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۳۔ حکومت کی طرف سے سستے گھروں کی تعمیر کا منصوبہ بھی بنایا جائے گا۔ تاکہ کم آمدنی والے بے گھر لوگوں کو آسان اقساط پر مکان مہیا کیے جاسکیں۔

۴۔ امپروومنٹ ٹرسٹ، میونسپل کمیٹیاں، اور ڈسٹرکٹ کونسلیں وغیرہ کم قیمت مکانات تعمیر

کریں گی۔ اور مناسب کرایہ پر یہ گھر لوگوں کو دیں گی، اور یہ کرایہ دار بالآخر ان مکانوں کے مالکانہ حقوق حاصل کر سکیں گے۔

۵۔ مکانات کی تعمیر کے لئے امداد دینے والی کارپوریشنوں، بیمہ کمپنیوں، اور بنکوں کی طرف سے ایسے افراد کو مکانات کی تعمیر کے لئے آسان شرائط پر قرضے کی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ جن کی سالانہ آمدنی ۳۶ ہزار روپے سے زائد نہ ہو۔

ٹرانسپورٹ

پاکستان میں پبلک ٹرانسپورٹ کی حالت انتہائی غیر تسلی بخش ہے۔ خصوصاً بڑے شہروں میں یہ ایک انتہائی توجہ طلب مسئلہ ہے۔ ملک میں بڑی کاروں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ پبلک ٹرانسپورٹ کی کمی کی وجہ سے عام لوگوں کو بے انتہا تکالیف کا سامنا ہے۔ اس اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں گے:

۱۔ بڑی کاروں کی درآمد پر پابندی عائد کی جائے گی۔ بسوں اور ٹرکوں کے چیسنز، چھوٹی کاروں، موٹر سائیکلوں، اور سائیکلوں کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے گا۔ اور ان کی قیمتیں کم سے کم رکھنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔

۲۔ روڈ ٹرانسپورٹ کے شعبے میں نجی سرمایہ کاروں کو حصہ لینے کی ترغیب دی جائے گی اور انہیں تمام روٹوں پر بسیں چلانے کی اجازت ہو گی۔

۳۔ ریلوے کے نظام کو بہتر بنایا جائے گا اور نئی ریلوے لائنیں بچھانے کا اہتمام کیا جائے گا۔ پشاور سے کراچی تک ریلوے لائن کو ڈبل کر دیا جائے گا۔ اور ریل کے کرایوں کو مناسب سطح پر رکھنے نیز مسافروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کرنے کا اہتمام کیا جائے گا۔

۴۔ انڈس ہائی وے پراجیکٹ کو ترجیحی بنیادوں پر تعمیر کیا جائے گا۔

۵۔ دیہی آبادی کی سہولت کے لئے دیہاتوں سے شہروں تک سڑکوں کی تعمیر کے لئے زیادہ سے زیادہ رقوم فراہم کی جائیں گی۔

۶۔ ٹیکسیاں رکشے چلانے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اور آسان اقساط پر ٹیکسیاں اور رکشے مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔

۷۔ پلوں اور سڑکوں پر ٹال ٹیکس وصول کرنے کا سلسلہ ختم کیا جائے گا۔

۸۔ کراچی میں ٹرانسپورٹ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے زمین دوز ریلوے کا نظام قائم کیا جائے گا۔

سیاسی کارکنوں کا بہبود فنڈ

قومی سطح پر ایک فنڈ قائم کیا جائے گا۔ جس کے ذریعے تحریک پاکستان تحریک ختم نبوتؐ اور تحریک بحالیٔ جمہوریت میں حصّہ لینے والے سیاسی کارکنان کی فلاح وبہبود کے لئے ایک جامع منصوبہ پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی

جس طرح پاکستان مسلم لیگ آل انڈیا مسلم لیگ کی کوکھ سے نکلی، پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے تاریخی اعتبار سے کانگریس سوشلسٹ پارٹی سے جنم لیا جو انڈین نیشنل کانگریس کا ایک ترقی پسند بازو تھا۔ پاکستان کے سوشلسٹوں نے اپنی پہلی کانفرنس نومبر ۱۹۴۷ء میں راولپنڈی میں مبارک ساغر کی زیرِ صدارت منعقد کی جس میں پچاس کے قریب افراد شریک ہوئے۔ اس اجتماع نے فیصلہ کیا کہ پاکستان کو "ایک حقیقت" کے طور پر تسلیم کیا جائے اور جماعت کا تعلق ہندوستان کی سوشلسٹ پارٹی سے توڑ کر اسے ایک آزاد پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے طور پر منظم کرنے کا بیڑا اٹھایا جائے۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں کراچی میں کنونشن بلایا گیا جس میں ۱۵۰ کے لگ بھگ ڈیلیگیٹ شریک ہوئے اس کنونشن نے بہت اہم فیصلے کئے۔ سوشلسٹ پارٹی کے اغراض و مقاصد اور پروگرام طے کیا گیا اور پارٹی کی رکنیت کے لئے شرائط کو نرم کیا گیا تاکہ ہر خواہشمند پارٹی کا رکن بن سکے۔ اگلی قومی کانفرنس اپریل ۱۹۵۴ء میں کراچی ہی میں منعقد ہوئی جس میں پارٹی کا ہر رکن شرکت کر سکتا تھا۔ اس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت صوبہ سرحد کے خدائی خدمتگار (سرخ پوش) لیڈر خان عبدالغفار خان نے کی۔ ۱۹۴۸ء کے کنونشن میں پارٹی کے جو اغراض و مقاصد طے پائے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پاکستان میں عوام کے انقلابی زور پر محنت کشوں کا ایک غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں لایا جائے گا۔

۲۔ بلاامتیازِ مذہب و جنس ملک کے تمام شہریوں کی سیاسی، سماجی اور معاشی حیثیت یکساں ہوگی۔

۳۔ بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور معذوروں کی دیکھ بھال ریاست کے ذمہ ہوگی۔

۴۔ معاشرہ انفرادی استحصال سے پاک ہوگا۔

۵۔ تمام دولت ملک کی قومی دولت ہوگی۔

۶۔ بے محنت کی کمائی ممنوع ہوگی۔

۷۔ افراد کی آمدنیوں میں زیادہ فرق نہیں ہوگا۔

۸۔ فرد کی ثقافتی اور مادی ترقی و بہبود کے لئے سائنٹفک منصوبہ بندی کی جائے گی۔

۹۔ فرد معاشرے کے لئے زندہ رہے گا، ذاتی مفاد اور خودغرضیوں کے بغیر۔

۱۰۔ زبان، ثقافت، مذہب اور طرزِ عبادت کی مکمل آزادی ہوگی۔

۱۱۔ عبادت گاہوں اور مقدس اور تاریخی مقامات کی نگہداشت ریاست کا فرض ہوگا۔

۱۲۔ معاشرے کی بہتری اور بہبود کے لئے سائنٹفک علم سے کام لیا جائے گا۔

۱۳۔ تمام شہریوں کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔

۱۴۔ بولنے، لکھنے اور منظم ہونے کی انفرادی اور اجتماعی آزادی ہوگی۔

۱۵۔ پیداوار اور تقسیم کے تمام ذرائع ریاست کی ملکیت ہوں گے۔

پارٹی نے اپنے سامنے جو فوری پروگرام رکھا، اس میں مکمل آزادی کا حصول، تمام قوموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا قیام، کسی سیاسی بلاک میں شمولیت سے اجتناب، جاگیرداری نظام کا خاتمہ، ایک سیکولر آئین کے حق میں رائے عامہ کی ترتیب،

محنت کشوں کی ثقافتی اور معاشی ترقی، غیر متوازن ٹیکسوں کی تنسیخ اور قومی مالیات کو معاشرتی بہبود کا ذریعہ بنانا شامل تھا۔ نظم ونسق کو بہتر بنانے کی خاطر جماعت نے زور دیا کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا جائے اور ملک میں منتخب پنچائت سسٹم رائج کیا جائے جس کے پاس سول اور فوجداری مقدمات نمٹانے اور ضرورت کے مطابق لگانے کے اختیارات ہوں تاکہ جمہوریت کو چھوٹی سے چھوٹی سطح پر کام کرنے کا موقع ملے۔

ملک میں بہت جلد ایسے حالات رونما ہوئے کہ بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کے لئے بھی اپنے وجود کو قائم رکھنے اور آزادی کے ساتھ کام کرنے کی گنجائش کم ہوتی گئی۔ ایسے حالات میں سوشلسٹ پارٹی جیسی انقلابی جماعت کے لئے کام کرنا آسان نہ تھا۔ تاہم سوشلسٹ پارٹی کی عدم کامیابی کی تمام تر ذمہ داری حالات پر ڈالنا درست نہ ہوگا۔ مارچ ۱۹۵۱ء میں راولپنڈی سازش کیس سامنے آیا جس میں سجاد ظہیر اور فیض احمد فیض جیسے کمیونسٹ رہنما گرفتار کر لئے گئے تو سوشلسٹوں کے لئے بھی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ ہمارے ملک میں عوام سیاسی طور پر باخبر ہے لیکن بعض معاملات میں ان کی ناخواندگی بُری طرح حائل ہو جاتی ہے اور عام پروپیگنڈے سے ان کا بچ نکلنا آسان نہیں ہوتا۔ ہمارے عوام تو ایک طرف ہمارے یہاں پڑھے لکھے افراد بھی سوشلزم اور کمیونزم میں تمیز نہیں کر سکتے!! اور ان دونوں سیاسی نظاموں کو وہ ایک ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سوشلزم اور اسلام میں بڑی حد تک باہمی موافقت ہے اور اسلام اور کمیونزم میں موافقت نہیں۔

ایک انگریز مبصر کی رائے ہے کہ کسی مسلمان ملک میں سوشلزم فروغ نہیں پا سکتا۔ اس قول کی روشنی میں بعض لوگوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی عدم کامیابی کا باعث خود پاکستان یعنی پاکستان کا مسلم ماحول ہے۔ بعض مبصرین نے

اس تجزیئے سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کے خیال میں اگر سوشلسٹ خیالات اسی ملک میں فروغ نہیں پا سکے تو اس کی وجوہات کچھ اور ہیں مثلاً اول یہ جماعت کبھی اس طرح منظم نہیں کی گئی جس طرح بڑی جماعتوں کے لئے منظم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس نے فقط مزدوروں اور کسانوں میں کام کیا اور عام پبلک کو (جن کی اکثریت غریب ہے) چنداں درخور اعتنا نہ سمجھا۔ یہ تنظیم کی خامی تھی۔ دوم، پارٹی کو بڑی قیادت نصیب نہ ہوئی۔ ابتدا ہی سے جو چند رہنما جانے پہچانے تھے، ان میں کچھ جلد ہی پاکستان چھوڑ کر ہندوستان جا بسے۔ سوم، مشرقی پاکستان کی سوشلسٹ پارٹی میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اس سے مسلمان بدظن رہے۔ چہارم تخلیق پاکستان اور پاکستان کے مستقبل کے بارے میں پارٹی کبھی صاف ذہن نہ رہی۔ جب انڈین نیشنل کانگریس نے بالآخر تقسیم ہند کو منظور کر کے قیام پاکستان سے اتفاق کر لیا، اس وقت بھی ہندوستان کی سوشلسٹ پارٹی جو دراصل کانگریس ہی کا ایک حصہ اور بازو تھی، قیام پاکستان کی مخالفت پر تلی رہی۔ ان اثرات کی پرچھائیں پاکستان سوشلسٹ پارٹی پر بھی پڑتی دکھائی دیں اور اس کے "اینٹی پاکستان" ہونے کے شبہات دلوں میں پلتے رہے۔ پنجم، پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے علاوہ کئی دوسری جماعتیں ملک میں کام کر رہی تھیں جو بائیں بازو سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان میں آزاد پاکستان پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی شامل تھیں جو بہتر منظم تھیں اور ان کے رہنما زیادہ جانے پہچانے اور نامور تھے (مثلاً آزاد پاکستان پارٹی کی سربراہی میاں افتخار الدین اور نیشنل عوامی پارٹی کی قیادت خان عبدالولی خان اور مولانا بھاشانی کر رہے تھے) اور ان کے ارکان کی تعداد بھی کہیں زیادہ تھی۔ پھر یہ بھی تھا کہ سوشلزم کے خیالات کئی اور راستوں سے بھی ملک میں راہ پا رہے تھے، لیاقت علی خان نے "اسلامی سوشلزم" کا نعرہ بلند کیا۔ اقبال، مولانا عبیداللہ سندھی اور حسرت موہانی کے بعض نقادوں اور شارحین نے بھی اشتراکی خیالات پھیلانے میں مدد کی۔ اس لحاظ سے

سوشلزم پر پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی کوئی اجارہ داری نہ تھی۔ اور وہ دیگر جماعتوں (بعد میں بالخصوص پیپلز پارٹی) کی مسابقت میں مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر پیچھے رہ گئی۔

لیکن پیچھے رہنا یا رہ جانا ایک اضافی مسئلہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی ہماری سیاسی زندگی یا سیاسی فکر میں کوئی اہمیت نہیں۔ ۱۹۷۵ء میں پارٹی کی دوسری کانفرنس ہوئی اور پھر ملک میں تیسرے مارشل لاء کی بدولت جو سیاسی جماعتوں پر قیامت ٹوٹی، اس کے باعث جماعتیں کالعدم بھی ہوئیں اور از خود معطل بھی رہیں۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی تیسری کانفرنس مارچ ۱۹۸۶ء میں منعقد ہوئی۔

اس موقع پر یعنی تیسری سوشلسٹ کانفرنس کے موقع پر جو سیاسی اور زرعی رپورٹ کانفرنس کے سامنے پیش کی گئی اس کے مشمولات آج کے پاکستان کا ایک ایسا حقیقت پسندانہ، ایسا سچا اور ایسا یقین آفریں تجزیہ ہیں کہ اُس کی مثال لانا مشکل ہوگا۔ یہ رپورٹیں جو ہماری بہترین قومی دستاویزات قرار دی جا سکتی ہیں جس محنت، عرق ریزی، گہری نظر اور سلیقے سے تیار کی گئی ہیں اور پاکستان کی معاشی (زرعی) اور سیاسی زندگی کے تلخ حقائق کو جس معروضی انداز میں پیش کرتی ہیں' وہ خود ایک بڑا کارنامہ ہے۔ جس پر کوئی بھی سیاسی جماعت یا علمی ادارہ فخر کر سکتا ہے۔ پاکستان کی کامیاب اور ناکام سیاسی جماعتوں کی ایک خامی تو اس کی تنظیمی کمزوریوں میں ظاہر ہوتی ہے اور دوسری خامی یہ رہی ہے کہ انہوں نے قوم کی ذہنی تربیت اور اپنے کارکنوں کی سیاسی ٹریننگ کے لئے مناسب لٹریچر پیدا نہیں کیا۔ اور سیاسی صورتِ حالات کے تجزیے پمفلٹوں اور کتابچوں اور رپوٹوں کی شکل میں بہت کم پیش کئے ہیں۔ اس باب کے ساتھ منسلکہ رپورٹیں یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ پی۔ ایس۔ پی نے اس پہلو سے اپنا ہوم ورک محنت، توجہ اور احتیاط سے انجام دیا ہے۔ کاش ملک کی دوسری سیاسی جماعتیں بھی اپنا یہ فرض ادا کریں۔ زرعی رپورٹ سے ایک اقتباس دیکھئے:

"... یہ نظام زرعی معیشت سے فاضل آبادی کو روزگار کے مواقع مہیا کرنے اور زمین پر سے بوجھ کم کرنے میں بھی ناکام رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جونہی جاگیرداروں اور وڈیروں نے مشینی کاشت شروع کی، دیہات میں بے کاروں، بے روزگاروں کی صفوں میں آئے دن اضافہ ہونے لگا۔ غربت اور افلاس بڑھنے لگا ہے۔ لوگ دھڑا دھڑ شہروں کا رخ کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ چوری، ڈکیتی، اغوا اور قتل کے واقعات عام ہونے لگے ہیں۔ منشیات عام لوگوں کی زندگی کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ یہ سب اسی سماج کا پرتو ہے۔ مصنوعات کی منڈی سکڑنے لگی ہے آئے دن مصنوعات کی کھپت قوت خرید گرنے سے کم ہوتی جا رہی ہے، زرعی بحران کے پہلو بہ پہلو صنعتی بحران بھی شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ کیونکہ ہماری معیشت امریکی سامراج کے قرضوں سے پلی بڑھی ہے لہٰذا اس کی محتاج ہے اور اس کو قائم رکھنے کے لئے امریکی سامراج و دیگر سامراجی ملکوں کی منڈی سے بندھ گیا ہے۔ اس کا ایک نقصان تو یہ ہوا کہ ہماری زرعی اجناس کی منڈی محدود ہو گئی ہے۔ اور پھر کچے مال کے دام کم مقرر کئے جاتے ہیں۔ ملکی مصنوعات کی ان سامراجی ممالک میں برآمد پر پابندیاں ہیں جبکہ ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کو پاکستان میں کھلے بندوں کسانوں کو لوٹنے کی اجازت ہے۔ ان کے منافعوں پر کوئی کنٹرول نہیں ہے اور نہ ہی کوئی پابندی، کرم کش ادویات مہنگے داموں اور من مانی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ ان کمپنیوں کے اثرات کا اندازہ کیجئے ہماری حکومت نے محکمۂ زراعت کے پاس ۹ کروڑ روپے کی یہی کرم کش ادویات کسانوں میں رعایتی قیمت پر تقسیم کرنے کے لئے دے رکھی تھیں۔ جب

ان کمپنیوں کا عمل دخل شروع ہوا تو حکومت نے محکمہ کی مہی کرم کش ادویات سٹوروں میں سیل کروادیں اور فروخت پر پابندی عائد کر دی۔ اور یہ ادویات اب تک سٹوروں میں پڑی خراب ہو رہی ہیں جبکہ محکمہ ان سٹوروں کا کرایہ ادا کرتا جا رہا ہے۔ یہ سب ان ملٹی نیشنل کے مفادات کی خاطر ہو رہا ہے!! جبکہ قومی دولت ضائع کی جارہی ہے۔ یہ عالمی بنک اور آئی۔ ایم۔ ایف وغیرہ اداروں کی ہدایات اور مداخلت کا نتیجہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی ہدایات کے نتیجے میں کھاد، ڈیزل، کرایہ ریلوے بجلی اور گیس کے نرخوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اور انہی اداروں کے ایما پر کھاد اور کرم کش ادویات وغیرہ پر سبسیڈی (امداد) بند کی گئی ہے جبکہ امریکہ و دیگر ترقی یافتہ ملکوں میں بھی زرعی پیداوار کے لئے ضروری اشیاء پر سبسیڈی دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کی ہدایات پر زرعی ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں اور ان میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہماری آزادی کی سراسر توہین ہے!!"

اب ایک اقتباس سیاسی رپورٹ سے ملاحظہ فرمائیے:

"پچھلے دس سال کا عرصہ پاکستان کی سیاسی، سماجی اور آئینی زندگی کا تاریک ترین دور ہے آٹھ سال سے زائد عرصہ تک ملک طویل ترین مارشل لاء زبردست تشدد اور حد درجہ رجعتی سیاست کی گرفت میں رہا ہے۔ داخلی طور پر عوام کی لوٹ، مہنگائی، رشوت اور منافع خوری کی مکمل آزادی کے ذریعے استحصالی نظام کو پہلے سے زیادہ تحفظ دیا گیا۔ زرعی معیشت میں بڑے زمینداروں اور صنعتی اور تجارتی میدان میں اجارہ داروں اور گماشتہ سرمایہ داروں کی گرفت مضبوط تر ہوئی۔ سرکاری طور پر یقین دلایا گیا کہ نہ مزید زرعی اصلاحات ہوں گی اور نہ قومی ملکیت میں اضافہ کیا جائے گا بلکہ قومی ملکیت

میں لی گئی صنعتوں اور اداروں کو واپس لینے کے اقدامات کئے گئے۔ سول اور فوجی نوکر شاہی کا استحصالی طبقات سے اور زیادہ گہرا رشتہ قائم ہوا۔ ان کی ساجھے داری میں اضافہ ہوا۔ بیرونی طور پر پاکستان عالمی سرمایہ داری نظام اور سامراجی قرضوں پر انحصار پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے اور اس وقت ہمارا وطن سولہ ارب ڈالر کا مقروض ہے۔ اس قرضے کا سالانہ سود ادا کرنے کے لئے بھی اسے مستقلاً مزید قرضوں کی ضرورت رہتی ہے۔ ہماری خارجہ پالیسی مکمل طور پر امریکی سامراج کے تابع ہے۔ بلکہ ہمارے وطن کے اندرونی معاملات میں بھی سامراج کی دخل اندازی خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ ہماری معیشت عالمی بنک اور آئی۔ ایم۔ ایف جیسے اداروں کے مقاصد کے تحت ہے۔ آٹھ سال تک آئین معطل رہا۔ مارشل لا کے ضابطے، فوجی عدالتیں، سنگین اور وحشیانہ سزائیں اور بغیر رشوت کے سالہا سال کی قیدیں اس عہد کی خصوصیت ہیں۔ مارشل لاء کے آغاز سے ہی محنت کشوں کو خاص طور پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں بے شمار محنت کشوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کوڑے، قید اور برطرفیاں اس عہد میں عام واقعات رہے ہیں۔ سیاسی مخالفین کے خلاف بھی یہ تمام حربے استعمال کیے گئے۔ ملکی عدالتوں کے وہ اعلیٰ اختیارات جن کے تحت وہ انتظامیہ کے بلا جواز اقدامات کو کالعدم قرار دے سکتی تھیں، مارشل لا کے ضمن میں سلب کر لئے گئے۔ بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کا تصور اس عہد میں خواب ہو گیا ـــــ استحصالی نظام کی محافظ اس فوجی آمریت کو ایک نظریاتی لباس بھی مہیا کرنے کی کوشش کی گئی۔ نظریہ پاکستان اور اسلام کے نام پر مذہب کا رجعتی تصور پھیلانے کی کوشش کی گئی سیاست کو غیر اسلامی اور سیاسی جماعتوں کو بدعت ثابت کیا گیا۔ فرقہ واریت کو ہوا دی گئی اور مذہبی اقلیتوں کی آزادیاں سلب کی گئیں۔ مذہب کے نام پر قوانین میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں جن سے عورتوں

کے حقوق پامال ہوئے۔ سائنسی شعور، عقلیت، روشن خیالی کو معتوب کیا گیا۔ آرٹ، موسیقی، فلم، ریڈیو، ٹیلی ویژن غرضیکہ تہذیب و ثقافت کے تمام مظاہر کی شکل مسخ کر دی گئی۔ درسگاہوں اور جامعات میں خوف و ہراس پھیلایا گیا۔ نصابِ تعلیم پہ رجعت کی چھاپ مسلط کر دی گئی اور طلباء اور اساتذہ کو ایک مخصوص رجعتی اور فسطائی نقطہ نظر کا پابند بنانے کی کوشش کی گئی ـــــ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا گیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ امریکی نظریات، سامراجی فلسفے اور سرمایہ دارانہ نظام کی کھوکھلی ثقافت بھی ہمارے معاشرے پر مسلط رکھی گئی۔ ہمارے نوجوانوں کی زندگیاں جس بے معنویت اور بے مقصدیت کا آج شکار ہیں۔ شاید پہلے کبھی نہ تھیں!!"

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے صدر سی۔ آر۔ اسلم اور جنرل سیکرٹری عابد حسن منٹو ایک عرصے سے اس جماعت کی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور نہایت مشکل حالات میں بھی اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں۔

سیاسی وزرعی رپورٹ کے علاوہ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کا منشور، پروگرام اور آئین بھی شامل کتاب ہے جس سے جماعت کے طریق کار پر روشنی پڑتی ہے۔ اس پمفلٹ یعنی منشور کے صفحہ ۲ پر مندرجہ ذیل سطریں توجہ طلب ہیں:

" اس کا مطلب یہ نہیں کہ سماجی تبدیلی کے پہلے مرحلے میں جس کا اوپر تفصیلاً ذکر آیا ہے۔ محنت کشوں کی پارٹی کے علاوہ دوسرے گروہ، تنظیمیں اور عناصر کوئی کردار نہیں رکھتے۔ سامراج مخالف اور جاگیرداری کے خاتمے کی جد وجہد اور جمہوری معاشرے کے قیام کے لئے کئی دوسرے سیاسی عناصر، گروہ اور تنظیمیں موجود

ہیں جن سے اتحاد عمل ہو سکتا ہے۔"

مجھے یہ کہنا ہے کہ محنت کشوں کے علاوہ ملک کے جو دوسرے عناصر ایک انصاف پسند معاشرے کی تشکیل میں ہاتھ بٹا سکتے ہیں، انہیں کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے؟ یہ معاملہ کہنے سے زیادہ کرنے کا ہے اور سوشلسٹ پارٹی کو اس طرف عملاً قدم اٹھانا چاہیئے۔

سیاسی رپورٹ

۱۹۸۶ء

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی دوسری کانفرنس ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔ تیسری کانفرنس کے منعقد ہونے سے پہلے ہی ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو پاکستان میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا جس کے نتیجے میں سیاسی پارٹیوں کو ایک مختلف صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کے باعث پارٹی کی کانفرنس کے انعقاد کا کام معرضِ التوا میں پڑ گیا۔ ۱۹۷۹ء میں سیاسی پارٹیوں اور سیاسی عمل پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جمہوریت کُشی کا ایک اور پُرتشدد دور شروع ہوا۔ چنانچہ مارشل لاء کے پورے عہد میں پارٹی کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔ تاہم اس مشکل دور میں بھی پارٹی، اس کے مختلف یونٹ پارٹی کارکن اور پارٹی کی مختلف عوامی تنظیمیں برسرِ عمل رہی ہیں۔ اور تمام ترد باؤ، الجھنوں اور مسائل کے باوجود پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی عمومی سیاست درست رہی ہے۔ اور اس نے اپنے تنظیمی ڈھانچوں کو محفوظ رکھنے کے ساتھ پیش قدمی بھی کی ہے سوشلسٹ پارٹی کی یہ تیسری کانفرنس اسی پس منظر میں منعقد ہو رہی ہے۔

مرکزی کمیٹی کی طرف سے پارٹی کی یہ تیسری سیاسی رپورٹ ہے۔ پہلی سیاسی رپورٹ ۱۹۷۳ء کی کانفرنس میں پیش کی گئی تھی اور دوسری ۱۹۷۵ء کی کانفرنس میں موجودہ

رپورٹ دس سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ اس دوران میں اندرونِ ملک اور عالمی سطح پر اور بالخصوص پاکستان کے اردگرد اہم تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں مرکزی کمیٹی نے ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک رپورٹ کا مسودہ تیار کر کے پارٹی کے تمام یونٹوں کو بحث کے لئے بھیجا تھا۔ دو ماہ تک سیاسی رپورٹ کے مسودہ پر پارٹی کارکنوں اور تمام یونٹوں نے غور و خوض کیا۔ کئی یونٹوں نے اپنی تجاویز اور سوالات مرکز کو ارسال کئے۔ ان سب کی روشنی میں پارٹی کی یہ حتمی رپورٹ مرتب کی گئی ہے۔ مرکزی کمیٹی کو مسرت ہے کہ پارٹی کارکنوں اور کمیٹیوں نے اس رپورٹ کے بنانے میں خاصی دلچسپی لی ہے۔ مرکزی کمیٹی اس بات پر بھی مسرت کا اظہار کرتی ہے کہ ہم عصر پیچیدہ حالات اور گنجلک سیاسی مسائل کی موجودگی کے باوجود پارٹی کے تمام کارکنوں میں ایک مشترکہ سوچ پہلے سے زیادہ نکھر کر ابھری ہے۔ جن معاملات میں کہیں کہیں ابھی تک ابہام پایا جاتا ہے۔ مرکزی کمیٹی کے نزدیک وہ اس رپورٹ، موجودہ کانفرنس اور پارٹی کے آئندہ طرز عمل کے ذریعے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

پچھلے دس سال کے عرصہ میں وقوع پذیر ہونے والے حالات، اور خود پارٹی کارکنوں کے نظری اور عملی شعور میں پہلے کی نسبت زیادہ وضاحت اور پختگی پیدا ہونے کے باعث ضروری تھا کہ پارٹی کے منشور اور آئین میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں چنانچہ مرکزی کمیٹی کے سیکرٹریٹ نے سیاسی رپورٹ پر بحث کی روشنی میں ایسی تبدیلیاں کی ہیں جو علیحدہ طور پر پیش کی جا رہی ہیں۔

۲

پچھلے دس سال کا عرصہ پاکستان کی سیاسی، سماجی اور آئینی زندگی کا تاریک ترین دور ہے۔ آٹھ سال سے زائد عرصہ تک ملک طویل ترین مارشل لاء زبردست تشدد اور حد درجہ رجعتی سیاست کی گرفت میں رہا ہے۔ داخلی طور پر عوام کی لوٹ مہنگائی، رشوت

اور منافع خوری کی مکمل آزادی کے ذریعے استحصالی نظام کو پہلے سے زیادہ تحفظ دیا گیا۔ زرعی معیشت میں بڑے زمینداروں اور صنعتی اور تجارتی میدان میں اجارہ داروں اور گماشتہ سرمایہ داروں کی گرفت مضبوط تر ہوئی۔ سرکاری طور پر یقین دلایا گیا کہ نہ مزید زرعی اصلاحات ہوں گی، نہ قومی ملکیت میں اضافہ کیا جائے گا بلکہ قومی ملکیت میں لی گئی صنعتوں اور اداروں کو واپس دینے کے اقدامات کیے گئے۔ سول اور فوجی نوکر شاہی کا استحصالی طبقات سے اور زیادہ گہرا رشتہ قائم ہوا۔ ان کی سانجھے داری میں اضافہ ہوا۔ بیرونی طور پر پاکستان کی عالمی سرمایہ داری نظام اور سامراجی قرضوں پر انحصار پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اور اس وقت ہمارا وطن سولہ ارب ڈالر کا مقروض ہے۔ اس قرضہ کا سالانہ سود ادا کرنے کے لئے ہی اسے مستقلاً مزید قرضوں کی ضرورت رہتی ہے۔ ہماری خارجہ پالیسی مکمل طور پر امریکی سامراج کے تابع ہے۔ بلکہ ہمارے وطن کے اندرونی معاملات میں بھی سامراج کی دخل اندازی خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ ہماری معیشت عالمی بنک اور آئی ایم ایف جیسے اداروں کے مقاصد کے ماتحت ہے۔ آٹھ سال تک آئین معطل رہا۔ مارشل لاء کے ضابطے، فوجی عدالتیں، سنگین اور وحشیانہ سزائیں اور بغیر ثبوت کے سالہا سال کی قیدیں اس عہد کی خصوصیت ہیں۔ مارشل لا کے آغاز سے ہی محنت کشوں کو خاص طور پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں بے شمار محنت کشوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کوڑے، قید اور برطرفیاں اس عہد میں عام واقعات رہے ہیں۔ سیاسی مخالفین کے خلاف بھی یہ تمام حربے استعمال کئے گئے۔ ملکی عدالتوں کے وہ اعلیٰ اختیارات جن کے تحت وہ انتظامیہ کے بلاجواز اقدامات کو کالعدم قرار دے سکتی ہیں، مارشل لاء کے ضمن میں سلب کر لئے گئے۔ بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کا تصور اس عہد میں خواب بن گیا ——— استحصالی نظام

کی محافظ اس فوجی آمریت کو ایک نظریاتی لباس بھی مہیا کرنے کی کوشش کی گئی نظریہ پاکستان اور اسلام کے نام پر مذہب کا رجعتی تصور پھیلانے کی کوشش کی گئی سیاست کو غیر اسلامی اور سیاسی جماعتوں کو بدعت ثابت کیا گیا۔ فرقہ واریت کو ہوا دی گئی اور مذہبی اقلیتوں کی آزادیاں سلب کی گئیں، مذہب کے نام پر قوانین میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں جن سے عورتوں کے حقوق پامال ہوئے۔ سائنسی شعور، عقلیت، روشن خیالی کو معتوب قرار دیا گیا۔ آرٹ، موسیقی، فلم، ریڈیو، ٹیلی ویژن غرضیکہ تہذیب و ثقافت کے تمام مظاہر کی شکل مسخ کر دی گئی، درسگاہوں اور جامعات میں خوف وہراس پھیلایا گیا۔ نصاب تعلیم پر رجعت کی چھاپ مسلط کر دی گئی اور طلبا اور اساتذہ کو ایک مخصوص رجعتی اور فسطائی نقطہ نظر کا پابند بنانے کی کوشش کی گئی ـــــ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا گیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ امریکی نظریات، سامراجی فلسفے اور سرمایہ دارانہ نظام کی کھوکھلی ثقافت بھی ہمارے معاشرے پر مسلط رکھی۔ ہمارے نوجوانوں کی زندگیاں جس بے معنویت اور بے مقصدیت کا آج شکار ہیں شاید پہلے کبھی نہ تھیں۔

اس فسطائی طرز حکومت اور رجعتی نظریاتی یلغار کے لئے ریاستی ادارے تو استعمال کئے ہی گئے لیکن سماج کے ایسے مذہبی عناصر کو جو پاکستان کی عام تعلیمی اور تہذیبی پس ماندگی کے باوجود کبھی بھی عوام میں پذیرائی حاصل نہیں کر سکتے تھے، بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا گیا، ان میں سب سے منظم اور مالی اعتبار سے سب سے مضبوط عنصر جماعت اسلامی کا ہے، جس کے لئے ریاست کا یہ مذہبی فسطائی روپ زبردست فائدہ مند ثابت ہوا۔ مارشل لاء کے ان آٹھ سالوں میں حکومت کی اعانت سے تعلیمی اداروں، ریڈیو ٹیلی ویژن، اخبارات اور ٹریڈ یونین میں جماعت اسلامی کو پھیلانے کی زبردست کوششیں کی گئی ہیں، اور اس کے عوض اس جماعت نے اوّل دن سے حکومت کی حمایت اور تائید کی ہے ـــــ جماعت اسلامی کے علاوہ مسلم لیگ (ریکارڈ) جواب

سرکاری مسلم لیگ بن گئی ہے، نے بھی حکومت کی حمایت میں سیاست کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ اس تیسرے مارشل لا کا ایک اجمالی سا نقشہ ہے تاہم اس مارشل لاء اور اس سے پہلے کے مارشل لاؤں کا نفاذ کوئی اتفاقی امر نہیں ہے۔ اس کا گہرا تعلق ہمارے وطن کے مخصوص معاشی، سماجی اور سیاسی حالات سے ہے۔

۲

ہمارے ملک کی عام سیاست کی بنیاد کبھی بھی صحیح بورژوا جمہوری طریقوں پر نہیں پڑی۔ بالخصوص مغربی پاکستان میں جہاں چاروں صوبوں میں سماجی اور سیاسی اثر بڑے زمینداروں کے قبضے میں رہا ہے۔ تقسیم ہند کے وقت بھی تحریک پاکستان کے بڑے راہنماؤں میں جاگیرداروں نوابوں اور انگریز کے پرانے کاسہ لیسوں کی تعداد زیادہ تھی یہی لوگ پہلی آئین ساز اسمبلی کے رکن تھے۔ فیوڈل طرز زندگی جمہوری طرز زندگی کی ضد ہے۔ بورژوا جمہوری تحریکوں کی کامیابی دنیا کے مختلف ممالک میں فیوڈل سسٹم کو توڑ کر ہی ممکن ہوئی ہے۔ ہمارے ملک میں آزادی کے وقت فیوڈل سسٹم ملک کی اسّی فی صد آبادی کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔ صنعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ مزدور طبقہ عددی اور سیاسی دونوں اعتبار سے انتہائی کمزور تھا۔ تاجر طبقہ اندرونی اور بیرونی تجارت سے منسلک تھا۔ لیکن فیوڈل سماج میں وہ سیاسی طور پر بے حیثیت تھا۔ زمیندار سیاست دان طبقاتی طور پر سامراج مخالف نہ تھے چنانچہ آزادی کے کئی سال بعد تاج برطانیہ سے وابستگی اور انگریز کے معاشی مفادات کی حفاظت ان کے لئے ذرہ بھر بھی باعث شرم نہ تھی۔ ۱۹۵۶ء تک آئین سازی کا کام مکمل نہ ہوسکا۔ اور اس دوران گورنر جنرل نے اپنے اختیارات کو اس طرح استعمال کیا کہ محدود جمہوری طرز زندگی بھی سخت طریقے سے مجروح ہوئی۔ گورنر جنرل خود نوکرشاہی سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک سے زائد ایسے

وزراء حکومت میں شامل کیے گئے جو نوکر شاہی سے متعلق تھے۔ فوج کا کمانڈر انچیف بھی کابینہ کا رکن بن گیا اور اس طرح ملکی سیاست زمیندار، سیاست دانوں، نوکر شاہی اور فوج کے گٹھ جوڑ کا نام ہو گیا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی ہی سے پاکستان کی داخلی اور خارجی سیاست پر امریکی سامراج کی گرفت مضبوط ہونے لگی تھی۔ امریکی سامراج جو جنگ عظیم کے بعد سے عالمی سرمایہ داری نظام کا بڑا لیڈر بن چکا تھا جگہ جگہ دوسرے سامراجی ممالک کی جگہ اپنے قدم مضبوط کر رہا تھا، پاکستان پر بھی امریکی تسلط کا آغاز ہوا چنانچہ دوطرفہ سمجھوتوں کے علاوہ پاکستان سیٹو اور سنٹو میں شامل ہوا۔ اور اس طرح امریکی فوجی اور سیاسی حکمت عملی کا حصہ بن گیا۔ ان سامراجی اثرات، تقسیم ہند کے وقت سے بھارت کے ساتھ غیر دوستانہ فضا اور کشمیر کی جنگ کا نتیجہ تھا کہ داخلی سیاست میں غیر جمہوری عنصر مضبوط ہوتا گیا۔ اس جمہوریت شکن نظام کا پہلا وار بائیں بازو پر ہوا اور ۱۹۵۴ء میں پاکستان کمیونسٹ پارٹی غیر قانونی قرار دے دی گئی اور اس کی عوامی تنظیموں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

سامراجی امریکی اور مقامی جاگیرداروں دونوں کا مفاد اسی بات میں ہے کہ ہمارا وطن یافتہ نہ بن سکے۔ صنعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ بڑے تاجروں کا دارومدار درآمد اور برآمد کی سیاست پر تھا۔ چنانچہ ہماری معیشت عالمی سرمایہ داری نظام کا حصہ بن گئی۔ پاکستان مصنوعات کی منڈی بن گیا۔ اور خام مال کا برآمدی ملک۔ ایسی پس ماندہ معیشت کے ذریعے ایک بڑی اور ترقی یافتہ فوج، نوکر شاہی اور دوسرے غیر پیداواری سلسلے قائم رکھنے ناممکن تھے۔ اس لئے سامراجی قرضوں پر مکمل انحصار پاکستان کا مقدر بن گیا۔ اور پاکستان معاشی اور سیاسی اعتبار سے ایسے طبقات اور گروہوں کی گرفت میں آ گیا جو نہ تو ملک میں آزاد اور خودکفیل معیشت کی تعمیر سے دلچسپی رکھتے تھے نہ جمہوری طرز سیاست ان کے لئے قابل قبول تھی۔ چنانچہ ہر سیاسی تحریک جس میں عوام

نے سیاسی آزادیوں کے حصول اور معاشی محرومیوں سے نجات کے لیے حصہ لیا۔ اس کا نتیجہ مارشل لا کے نفاذ کی صورت میں نکلا ــــــ ۱۹۵۸ء کا پہلا مارشل لا اس وقت نافذ ہوا تھا جب پاکستان میں پہلی مرتبہ آزادی کے نو سال بعد بننے والے پہلے آئین (۱۹۵۶ء) کے تحت عام انتخابات کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ یعنی پہلی بار پاکستان کے عوام اپنی منتخب حکومت بنانے کا حق حاصل کرنے والے تھے۔ اسی طرح ایوب خان کے صدارتی آئین (۱۹۶۲ء) کے خلاف ایک زبردست تحریک کے آغاز کے بعد جب ایک طرف پارلیمانی جمہوری آئین کا مطالبہ زور پکڑ گیا اور دوسری طرف عوام کے مختلف حصے بالخصوص محنت کش طبقات بھی سیاسی طور پر متحرک ہونے لگے تو ۱۹۶۹ء کا مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ تیسرے مارشل لا کے نفاذ کی داستان بھی کچھ ایسی ہی ہے۔

پیپلز پارٹی کی حکومت نے اپنے تمام عوامی نعروں کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایک طرف تو ہر صوبے کے مستند جاگیردار خاندانوں سے رشتہ جوڑا اور دوسری طرف نوکر شاہی، نیم فوجی تنظیم ایف ایس ایف اور افواج پر اپنا انحصار بڑھا دیا اور اپنی سیاسی پارٹی کو مضبوط کرنے کی جگہ اس پر غیر جمہوری طرز فکر والے اور فاشسٹ عناصر کو مسلط کر دیا۔ کئی مفاد پرست، پرمٹ حاصل کرنے والے، مقامی پولیس اور نوکر شاہی سے مل کر سماجی اور معاشی مفادات حاصل کرنے والے لوگوں کو پارٹی کے نام پر کھل کھیلنے کا موقعہ دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں زرعی اصلاحات کا قانون نافذ کیا گیا لیکن عملاً اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر تھے۔ بینک اور بعض صنعتی ادارے سرکاری ملکیت میں لئے گئے لیکن ملکی معیشت کو آزاد اور خود کفیل بنانے کے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ سرکاری خزانے میں اضافے اور انتظامی اختیارات کو وسیع کرنے کے لیے۔ غیر ملکی بنک اور ادارے اپنے استحصالی مقاصد کے لیے آزاد چھوڑ دیئے

گئے، محنت کشوں کی تنظیموں کو سرکاری مداخلت کے ذریعے اپنی پارٹی کے زیراثر کرنے کی کوششیں کی گئیں، مزدوروں کی تحریک مہم پسندوں، موقعہ پرستوں اور سرکاری کارپردازوں کی گرفت میں آگئی۔ اسی پس منظر میں کراچی کے مزدوروں پر زبردست تشدد کیا گیا اور سینکڑوں محنت کش مار دیئے گئے۔ ایک طرف تو نوکرشاہی پر انحصار بڑھا اور دوسری طرف اعلیٰ سطح کی نوکرشاہی کے آئینی تحفظات ختم کر دیئے گئے۔ شہری تاجر اور صنعتکار بنکوں اور چند صنعتی اداروں کو قومی ملکیت میں لینے کے اقدامات سے بدظن ہو گئے تھے۔ بڑی نوکرشاہی اپنی مراعات اور تحفظات سے محرومی کی وجہ سے نالاں تھی۔ افراطِ زر اور مہنگائی نے عام شہری اور خاص طور پر تنخواہ دار ملازمین کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔ محنت کشوں کی طرف دوغلی پالیسی نے اس طبقے کی اس زبردست حمایت کو ٹھنڈا کر دیا جو ابتدا میں حکومت کو حاصل تھی۔ مذہبی عناصر اور ان کی سیاسی جماعتوں کا بڑا حصہ روزِ اوّل ہی سے پیپلز پارٹی سے بدظن تھا۔ نیپ اور جمعیت کی حکومتوں کے غیرجمہوری خاتمے پر اور نیپ پر پابندی نے دو صوبوں میں سیاسی بحران پیدا کر دیا تھا۔ بلوچستان میں تو مرکزی حکومت کو باقاعدہ لشکرکشی کے ذریعے سیاسی مزاحمت کو کچلنا پڑا۔ بھٹو حکومت کا ایک بڑا کارنامہ ۱۹۷۳ء کا متفقہ آئین تیار کرنا تھا۔ جس میں ایک محدود حد تک صوبائی خودمختاری کا مسئلہ بھی طے کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تاہم بلوچستان کی حکومت توڑنے اور سرحد اور بلوچستان میں اقلیتی پیپلز پارٹی کی حکومت بزورِ بازو قائم کرنے سے ۱۹۷۳ء کے آئین کے باوجود ایمرجنسی کے نفاذ اور بنیادی حقوق کی معطلی نے بھی سیاسی مزاحمت کا جذبہ پیدا کیا۔ خارجہ سیاست میں مسٹر بھٹو نے امریکی مفادات سے عام وابستگی کے باوجود اس علاقے میں امریکی سامراج کے اہم مہرے شاہ ایران کی بالادستی تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اپنی اہمیت میں اضافہ اور عالمِ اسلام میں نمایاں ہونے کے لئے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی مہم جاری کی چنانچہ

امریکی سامراج کے لئے بھی پیپلز پارٹی کی حکومت ضروری نہیں رہی تھی۔ اسی پس منظر میں پاکستان نیشنل الائنس (پی این اے) بنا۔ جس میں اگرچہ بعض سیکولر عناصر بھی شامل تھے۔ تاہم جلد ہی یہ الائنس مذہبی نعروں اور مذہبی عناصر کی گرفت میں چلا گیا۔ جس کا سب سے زیادہ فائدہ رجعتی امریکہ نواز سیاسی عناصر اور بالخصوص جماعت اسلامی نے اٹھایا۔ تاجر اور صنعت کار اس الائنس کے زبردست حمایتی تھے۔ حکومت نے اس سیاسی تحریک کا سیاسی طریقوں سے مقابلہ کیا ہی نہیں۔ عوام کے مختلف طبقوں کو متحرک کرنے کی بجائے نوکر شاہی، فیڈرل سیکورٹی فورس اور فوج کی قوت پر انحصار کیا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگایا گیا۔ اور پی این اے جو انتخابات کے دوران ایک سیاسی تحریک بن کر ابھرا تھا ایک مزاحمتی تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ حکومت نے اس کے جواب میں لاہور، کراچی اور حیدر آباد کے شہروں میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ چنانچہ عالمی سامراج اور یہاں کے رجعتی اور استحصالی طبقات کے لئے ایک مرتبہ پھر اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ وہ جس قدر بھی آئینی اور جمہوری صورت موجود تھی اسے ختم کر دیں۔ چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق کی سرکردگی میں ملک میں تیسرا مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔

اگرچہ مارشل لا لگاتے وقت یہ کہا گیا تھا کہ یہ عارضی ہے اور محض نئے انتخابات منعقد کروانے کے لئے نافذ کیا گیا ہے تاہم افواج نے ملک پر اپنی گرفت بتدریج مضبوط کر لی۔ اور انتخابات کا وعدہ پس پشت ڈال دیا اور بالآخر سیاسی جماعتوں، سیاسی اور ٹریڈ یونین عمل پر پابندی عائد کر دی۔

۴

مارشل لاء انتظامیہ اور ان کا بین الاقوامی حمایتی امریکی سامراج ۱۹۸۳ء کے اوائل سے ہی انتقال اقتدار اور کبھی "اشتراک اقتدار" کا ذکر کرنے لگے تھے۔ پاکستان کے

اندر مسلسل سیاسی مزاحمت پاکستانی عوام کی بڑی اکثریت کی مارشل لا سے نفرت اور بیرون ملک پاکستان میں مسلسل مارشل لا کے نفاذ کے نتیجے میں ایک ایسے گروہ کی نمو جو مختلف حوالوں سے مارشل لا ہٹائے جانے کی حمایت کرتا تھا ان سب کی وجہ سے حکومت مارشل لا کو کم از کم بظاہر ہٹانے پر مجبور ہوئی مگر فوج اور نوکر شاہی اور ان کے داخلی وخارجی حمایتی کسی جمہوری طرزِ زندگی کے احیا کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ جانتے ہیں کہ جمہوریت کا احیا اس عمل کا نقطۂ آغاز ہوگا جو اس سماج کو اور پاکستان کے داخلی وخارجی روابط کو بنیادی طور پر بدل دینے کی طرف لے جائے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ جمہوری طرزِ حیات میں اب امریکہ کی کاسہ لیسی کی سیاست اور بڑے زمینداروں، نوکر شاہی فوج اور گماشتہ سرمایہ داروں کی بالادستی کے خلاف زبردست تحریک پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ چنانچہ اگست ۱۹۸۳ء کا فارمولا ایجاد کیا گیا جس کا مقصد فوج کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے اقتدار میں شرکت کے ذریعہ ایک سول حکومت کا قیام تھا۔ دسمبر ۱۹۸۴ء میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر نے اپنے لئے اعتماد کا ریفرنڈم کرایا اس میں آٹھ دس فی صد سے زیادہ ووٹ نہ ڈالے گئے۔ حالانکہ ریفرنڈم میں جو سوال اٹھایا گیا تھا اس کا براہِ راست تعلق حکومت کی آٹھ سالہ "اسلامی اور نظریاتی" خدمات کے ساتھ تھا۔ حکومت نے ریفرنڈم کے نتائج کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور پھر عام انتخابات غیر جماعتی اور غیر سیاسی بنیادوں پر کروائے گئے۔ پگاڑا لیگ اور جماعت اسلامی نے ان انتخابات میں اپنے امیدوار نامزد کیے ایم آر ڈی نے ان انتخابات کے بائیکاٹ کی اپیل کی۔ تاہم پیپلز پارٹی اور دوسری کئی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ان انتخابات میں حصہ لیا اور کم وبیش ۵۰ فی صد ووٹروں نے ووٹ ڈالے جس سے یہ ظاہر ہوا کہ عوام مارشل لا ہٹانے اور کسی نہ کسی طرح ایک نمائندہ حکومت کے قیام کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ اس انتخاب کے نتیجے میں غیر جماعتی

مرکزی اسمبلی اور سینٹ اور صوبائی اسمبلیاں قائم ہوئیں۔ اس انتخاب کے نتیجے میں مرکز اور صوبوں میں منتخب ہونے والے اراکین کی تقریباً ساٹھ فی صد تعداد بڑے زمیندار خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ گو کچھ صنعت کار اور تاجر بھی منتخب ہوئے ہیں۔ اسی پارلیمنٹ سے حکومت نے آٹھویں ترمیم منظور کروائی ہے جس کے ذریعے مارشل لا کے عہد کے تمام قوانین اور اقدامات کو جائز قرار دے دیا گیا۔ اور اب یہی پارلیمنٹ ایک نویں ترمیم کا مسودہ منظور کرنے والی ہے جس کا مقصد ریاستی قوانین کو ایک مخصوص مذہبی طرزِ فکر کے ماتحت کر کے ان کی موجودہ نسبتاً ترقی یافتہ شکل کو مسخ کرنا ہے۔ آئین ۱۹۷۳ء تبدیل کر کے صدر کو وسیع اختیارات سونپے گئے۔ ان ترمیمی اقدامات سے آئین کا پارلیمانی اور وفاقی کردار سخت مجروح ہوا۔ چھوٹے صوبوں میں ان کے حقوق کی پامالی کے خلاف جذبات اور شدت سے ابھرے اس اسمبلی نے پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ میں ان تمام ترمیمی اقدامات کو تسلیم کر لیا جو مارشل لا حکومت نے ۱۹۷۹ء میں کی تھیں بلکہ کچھ مزید ترمیمات بھی کر دیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے تحت تمام پارٹیوں کو رجسٹرڈ کروانے کا قانون منظور ہوا۔ اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جمہوری اور سیاسی عمل پابند رہے۔ غیر سیاسی انتخابات کے باوجود نئی اسمبلیوں میں ایک سیاسی عمل کا آغاز ہوا۔ خود حکومت کو ایک سیاسی پارٹی کی تشکیل کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ یکم جنوری ۱۹۸۶ء سے مارشل لا کے خاتمہ کے اعلان کے ساتھ ہی ملک میں بڑے پیمانے پر سیاسی عمل کا آغاز ہو گیا۔

یہ اجمالی بیان ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے وطن میں مارشل لاؤں کے نفاذ اور حکومتوں کی تبدیلیوں میں غیر ملکی سامراج کا گہرا ہاتھ رہا ہے، عوام اور بالخصوص محنت کش طبقات کی منظم تحریک، جو جمہوری تحریکوں کا ہراول دستہ ہوتی ہے، پاکستان میں کمزور رہی ہے۔ بورژوا سیاسی جماعتوں کی اکثریت سامراج مخالف نہیں بلکہ اقتدار پر قبضہ کرنے

کے لئے سامراج ہی پر انحصار کرتی ہے۔ انہی جماعتوں کو ان جمہوری تحریکوں پر بھی کنٹرول حاصل ہوتا ہے جو دراصل عوام اپنے مطالبات کی بنیاد پر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب تک ملک میں سامراج مخالف جمہوری قوتوں کا اتحاد مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہوتا اور اس اتحاد کے نمایاں اور اہم جزو کے طور پر محنت کشوں کے نظریے اور سائنٹیفک سوشلزم کے اصولوں سے لیس سیاسی پارٹی ایک مضبوط قوت کے طور پر نہیں ابھرتی سچی جمہوری تحریک اور پائیدار جمہوری جدوجہد کی بنیادیں وسیع پیمانے پر استوار نہیں ہو سکتیں۔

۵

پچھلے دس سال کے عرصہ میں معاشی اور سیاسی اعتبار سے پاکستان پہلے کی طرح جدید نوآبادیاتی نظام ہی کا شکار رہا ہے، بلکہ اس نظام کی گرفت پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئی ہے آزادی کے ۴۹ برسوں کے بعد پاکستان کی معاشی صورت حال یہ ہے کہ یہ ملک امریکی سامراج کے قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اور ان قرضوں کے سالانہ سود کی ادائیگی کی سکت بھی نہیں رکھتا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ ان قرضوں کے محض سود کی ادائیگی کے لئے مزید قرضے لینے پر مجبور ہے۔ سامراجی قرضوں کے طفیل پاکستان اپنی بیرونی تجارت میں عالمی سرمایہ دار منڈی سے وابستہ ہے۔ اس منڈی میں اسے خام مال کے دام کم ملتے ہیں اور مصنوعات اور ٹیکنالوجی مہنگے داموں ملتی ہیں۔ اس طرح اس کے وسائل کا دوہرا استحصال ہو رہا ہے۔ سامراجی قرضوں کے سود کی ادائیگی کے بعد اس کے پاس ملک کی ترقی کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ چونکہ سامراجی قرضے کا حصول دشوار ہو گیا ہے۔ اس لئے پاکستان میں سرمایہ کاری رک گئی ہے اور ملک کی صنعت افراتفری کا شکار ہو گئی ہے۔ اور نئے روزگار کے مواقع سکڑ گئے ہیں۔ پاکستان نہ صنعت میں خود کفیل ہوا ہے اور نہ زراعت میں۔ روزگار کے

حصول کے لئے جو لاکھوں مزدور اور کارکن باہر کے ملکوں میں گئے ہوئے ہیں ان کے بھیجے ہوئے زرمبادلہ روپے اور سامان کے ذریعے مصنوعی خوشحالی بھی آئی ہے اور سرکاری خزانے کو فائدہ بھی پہنچا ہے۔ تاہم اس سے افراطِ زر میں اضافہ بھی ہوا ہے اور اب جبکہ یہ کارکن واپس آنے لگے ہیں تو ہمارا وطن بے روزگاری اور معاشی بحران کے ایک نئے چکر سے دوچار ہونے والا ہے۔

پاکستان کے فیوڈل سسٹم میں ان ۳۸ برسوں میں بنیادی تبدیلی نہیں آئی۔ دیہات میں جہاں ملک کی ستر فی صد آبادی رہتی ہے جاگیرداری زرعی نظام بدستور موجود ہے اور ملک کی معاشی ترقی اور عوام کی خوشحالی اور جمہوریت کے فروغ کے راستے میں حائل ہے۔ دیہات کے عوام کی بھاری اکثریت کھیت مزدوروں اور چھوٹے مالک کسانوں کی ہے جنہیں بڑی مشکل سے دو وقت کی روٹی میسر آتی ہے۔

دیہات میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب ٹریکٹر زیر استعمال ہیں۔ ان کے استعمال میں آنے سے مزارعوں کی بڑی تعداد کھیت مزدور بن گئی ہے۔ اس تبدیلی سے زمین پر قائم پیداواری رشتوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ البتہ مزارعوں کے کھیت مزدور بن جانے سے ان کی غربت ضرور بڑھ گئی ہے اس طرح مصنوعی کھاد اور کرم کش ادویات اور ترقی دادہ بیجوں کے استعمال سے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ غیر ملکی سرمایہ دار کمپنیوں اور گماشتہ تاجروں کی لوٹ میں اضافہ ضرور ہو گیا ہے۔ چونکہ جاگیرداروں کی ملکیت جوں کی توں قائم ہے اس لئے ان کا سماجی اثر اور نوکر شاہی سے ان کا گٹھ جوڑ بدستور قائم ہے۔ اور وہی ملک کی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ ملک کی معاشی ترقی کے لئے امریکی سامراج کے قرضوں سے نجات ان کے سود کی ادائیگی سے انکار اور بیرونی تجارت میں عالمی سرمایہ دار منڈی سے وابستگی کا خاتمہ۔ جاگیرداری زرعی نظام کا خاتمہ اور زرعی اراضی کو قومی ملکیت میں لے کر اس کی مزارعوں اور کھیت مزدوروں

اور چھوٹے مالک کسانوں میں از سرِ نو تقسیم لازمی اقدامات ہیں۔

آج دنیا میں صرف سرمایہ دارانہ نظام ہی نہیں ہے بلکہ ایک مستحکم سوشلسٹ نظام بھی موجود ہے۔ جس سے باہمی فائدے کی بنیاد پر تجارت کی جا سکتی ہے اور جدید ٹیکنالوجی حاصل کی جا سکتی ہے اس لئے پاکستان سوویت یونین اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں سے تجارت کر کے سائنس اور جدید ٹیکنالوجی حاصل کر سکتا ہے جو اس کی معاشی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

۶

مارشل لا کے نفاذ سے قبل ہی پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے اس بات کی کوشش شروع کر دی تھی کہ ملک میں بائیں بازو کے سیاسی گروپوں اور پارٹیوں کا متحدہ محاذ قائم کیا جائے پارٹی کے نزدیک پی این اے کی تحریک کا ایک عنصر اگرچہ جمہوری اقدار کی بحالی کا مطالبہ کرتا تھا اس کے باوجود عمومی طور پر یہ تحریک رجعتی اور سامراج نواز عناصر کی گرفت میں تھی جو عوام کے مذہبی جذبات کو ابھارنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف پیپلز پارٹی کی حکومت نے اپنے اقتدار کے پانچ سالوں کے دوران تمام تر دعووں کے باوجود نہ تو عوام کے مسائل حل کرنے کی طرف کوئی قدم بڑھایا تھا اور نہ ہی جمہوری قدروں اور آئین کی پاسداری کی تھی۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے نزدیک حکومتی پارٹی اور اس کی مخالف بالائی طبقات کی نمائندہ جماعتیں پاکستان کے بنیادی مسائل جو سامراجی شکنجے سے آزادی، جاگیرداری نظام کے خاتمے اور گماشتہ سرمایہ داروں سے نجات حاصل کر کے خود کفیل معیشت کی بنیاد پر ایک جمہوری پاکستان کی تشکیل پر مشتمل ہیں پر کوئی موقف اختیار کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ بائیں بازو کے عناصر متحد ہو کر عوام کے سامنے صحیح سیاست، درست لائحہ عمل پیش کریں۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی کوششوں سے جولائی ۱۹۷۷ء سے قبل ملک کی مختلف ترقی پسند تنظیموں کے درمیان رابطہ ممکن ہوا تھا۔ کچھ ابتدائی میٹنگیں بھی ہوئیں تاہم پہلی باضابطہ میٹنگ اگست ۱۹۷۷ء میں لاہور پارٹی کے دفتر میں منعقد ہوئی اس اجلاس میں ملک کی تقریباً تمام ترقی پسند اور بائیں بازو کی تنظیمیں شامل ہوئیں۔ طویل بحث کے بعد ایک اعلان نامہ منظور کیا گیا۔ لیکن تنظیمی ڈھانچے کی تشکیل پر اختلاف کی وجہ سے یہ اجلاس دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی، مزدور کسان پارٹی (رائٹ گروپ) عوامی جمہوری پارٹی اور مزدور مجلس عمل پر مشتمل ایک اتحاد "عوامی جمہوری اتحاد" کے نام پر تشکیل پایا۔ بعدازاں دوسرے گروہ نے جس میں سندھ عوامی تحریک، قومی محاذ آزادی، نیشنل پروگریسو پارٹی اور کچھ دوسرے عناصر شامل تھے نے ایک الگ اتحاد قائم کیا۔

ہماری پارٹی اور عوامی جمہوری اتحاد کا نقطہ نظر یہ تھا کہ پاکستان کو امریکی سامراج اور عالمی سرمایہ داری نظام کی گرفت سے آزاد کر کے اور جاگیرداری ختم کر کے ایک جمہوری معاشرے کی داغ بیل ڈالنا ضروری ہے۔ جمہوری معاشرہ ایک طرف تو افراد کے جمہوری حقوق اور بالخصوص محنت کش طبقات کے جمہوری حقوق کی ضمانت دے گا دوسری طرف پاکستان کی تمام قومیتوں کے معاشی، سماجی اور سیاسی حقوق کو برابری کی سطح پر تسلیم کرتے ہوئے تحفظ دے گا اور ایک قومیت کی دوسری قومیت پر بالادستی کے تمام راستے بند کر دے گا۔ فوری مقاصد میں مارشل لاء کے خاتمے اور آئین ۱۹۷۳ء کی بحالی کی تحریک کو وسیع تر اور مضبوط بنانا شامل تھا۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے خیال کے مطابق فوجی حکومت کا قیام اور تسلسل عالمی سامراج حکمت عملی کا حصہ تھا اس لئے اس کا خاتمہ اور آئینی حکومت کا قیام پاکستانی عوام کی اس جدوجہد کا لازمی اور فوری جزو تھا جو وہ آزاد جمہوری اور خوشحال پاکستان کے لئے کر رہے تھے

پارٹی اور عوامی جمہوری اتحاد کے فیصلوں کے مطابق ۱۹۷۹ء میں ان سیاسی جماعتوں کو چھوڑ کر جو براہ راست مارشل لا کی حمایت کر رہی تھیں (بالخصوص جماعت اسلامی اور پگارا مسلم لیگ) باقی تمام جماعتوں سے رابطہ قائم کیا گیا تاکہ مارشل لا مخالف تمام سیاسی عناصر کو ایک وسیع تر محاذ میں شامل کیا جا سکے۔ جون ۱۹۸۰ء میں اس ضمن میں لاہور میں وکلا کا کل پاکستان مارشل لا مخالف کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن کے انعقاد کو زیادہ تر بائیں بازو کے وکلا جن میں پارٹی کے وکلا پیش پیش تھے نے ممکن بنایا۔ ایسا ہی ایک کنونشن کراچی میں بھی منعقد ہوا جہاں یہ فیصلہ کیا گیا کہ وکلا کے نمائندے سیاسی جماعتوں سے رابطہ قائم کریں۔ دسمبر ۱۹۸۰ء میں ہی وکیلوں کا تیسرا کنونشن پشاور میں منعقد ہوا۔ وکلا کی اس جمہوری جدوجہد میں پارٹی کے وکلا کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ نتیجتاً سیاسی جماعتوں کے راہنما ملے اور ایم آر ڈی کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کے مقاصد مارشل لا کا خاتمہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی، عام انتخابات اور انتقال اقتدار تھے۔ سوشلسٹ پارٹی نے ایم آر ڈی کے نام ایک خط کے ذریعے ان کے ۴ نکاتی پروگرام کی حمایت کا اعلان کیا۔ مزدور کسان پارٹی (بنگش گروپ) ایم آر ڈی کی تشکیل کے وقت سے ہی اس میں شامل کر لی گئی تھی۔ اور بعد ازاں یہ عوامی جمہوری اتحاد سے اس وقت علیحدہ ہو گئی جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ عوامی جمہوری اتحاد کو وسیع اور مضبوط کرنے کے لئے بائیں بازو کی دوسری جماعتوں سے از سر نو رابطہ قائم کیا جائے۔ مزدور کسان پارٹی بنگش گروپ کی دلیل تھی کہ ایم آر ڈی کی موجودگی میں بائیں بازو کے علیحدہ اتحاد کی ضرورت نہیں بلکہ انہوں نے اسے ایم آر ڈی کے مخالف اور مارشل لا کی حمایت میں رویے کا نام دیا۔ ۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی اس وقت اور اب بھی مختلف نقطہ نظر رکھتی ہے پارٹی کے نزدیک خود مارشل لا مخالف جدوجہد کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے اور تحریک بحالی جمہوریت میں پائیداری پیدا کرنے کے لئے بائیں بازو اور جمہوری نظریات رکھنے

والی پارٹیوں کے درمیان قریبی رابطہ اور اتحادِ عمل از حد ضروری ہے۔ کیونکہ جدید نوآبادیاتی نظام میں بورژوا اور فیوڈل پارٹیاں بنیادی طور پر جمہوریت پسند نہیں ہیں۔ اور اگرچہ وقتی طور پر وہ مارشل لاء سے انتقالِ اقتدار کی خاطر ایک وسیع پلیٹ فارم بنانے پر مجبور ہوئی ہیں تاہم وہ اس عمل میں بیرونِ ملک امریکہ اور اندرونِ ملک خود فوج کے مختلف حصوں سے جوڑ توڑ کرنے پر انحصار کرتی رہیں اور سچی جمہوری تحریک بنانے میں دلچسپی نہیں رکھتیں ـــــ بائیں بازو اور جمہوری قوتوں کا ترقی پسند اتحاد کسی صورت بھی مارشل لا مخالف تحریک اور ایم آر ڈی سے متصادم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری پارٹی نے نہ تو بائیں بازو کی کسی پارٹی کے ایم آر ڈی میں شامل ہونے کی مخالفت کی اور نہ ہی خود ایم آر ڈی میں شامل ہونے سے انکار کیا۔ البتہ پارٹی کو ایم آر ڈی میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے جہاں بعض رجعتی جماعتوں نے کوشش کی وہاں مزدور کسان پارٹی نے بھی مخالفت میں پوری قوت صرف کی اور دلیل میں ہمارے اخبار "عوامی جمہوریت" کا ایک مضمون پیش کیا جس میں ایم آر ڈی کے جن عناصر کو جو مارشل لا مخالف متحدہ محاذ میں شامل ہونے کے بعد اپنا ترقی پسند اور طبقاتی کردار فراموش کر دیتے ہیں "شامل باجہ" کہا گیا تھا ـــــ عوامی جمہوریت ہی میں درجنوں مضامین بیانات اور تقاریر کے ایسے حوالے موجود تھے جو پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے سیاسی موقف کا اظہار کرتے تھے۔ یعنی یہ کہ فوری سیاسی جدوجہد کے طور پر مارشل لا مخالف محاذ کو مضبوط کرنا اور سچی جمہوری سیاست کے پھیلاؤ کی خاطر بائیں بازو اور ترقی پسند قوتوں کا محاذ تیار کرنا۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی مارشل لا مخالف وسیع سیاسی محاذ ایم آر ڈی میں شامل ان عناصر سے بے خبر نہیں تھی جو نام جمہوریت کا لیتے ہیں اور تعلقات جمہوریت کی دشمن طاقتوں کے سربراہ امریکی سامراج سے رکھنا چاہتے ہیں۔ پارٹی ان عناصر کے خلاف اپنے حق تنقید سے دست بردار نہیں ہوسکتی، اور عوام کے اس شعور کو جو سالہا

سال کے تجربے کے بعد سامراج کے ہتھکنڈوں کو پہچاننے لگا ہے کند کرنے کا کردار ادا نہیں کر سکتی۔ لیکن مزدور کسان پارٹی کے لیڈروں نے جان بوجھ کر ان سب حقائق سے چشم پوشی کی جو سراسر موقعہ پرستانہ اور بد دیانتی پر مبنی رویہ تھا۔ اس لیڈرشپ کی موقعہ پرستی ہی کا نتیجہ ہے کہ عوامی جمہوری اتحاد سے وہ الگ ہو گئے۔ ایم کے پی کے کئی حصے ہو گئے اور خود ایم کے پی کی ٹریڈ یونین کا حصہ شدید بحران کا شکار ہو گیا ہے اور اس کا اہم حصہ ان سے الگ ہو گیا۔

بہر حال پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے مارشل لا مخالف اور سامراج دشمن جمہوری سیاست کی درست پالیسی کے تحت مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ اسی عملی جدوجہد کی وجہ سے ۱۹۸۱ء کے فروری اور مارچ کے مہینوں میں جب مارشل لا انتظامیہ نے سیاسی تشدد کا حربہ استعمال کرتے ہوئے گرفتاریاں شروع کیں تو پارٹی کے تمام چیدہ راہنما اور کارکن گرفتار کر لئے گئے اور بے شمار دوسروں کے خلاف گرفتاریوں کی غرض سے چھاپے مارے گئے۔ لیکن وہ سرکار کے ہاتھ نہ آئے۔ پارٹی کے کئی ساتھی اس دوران قلعہ لاہور میں بھی مقید رہے اور ہر طرح کا تشدد برداشت کیا۔ پارٹی کے کچھ ساتھیوں کو لمبے عرصہ تک نظر بند رکھنے کے بعد ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اور انہیں سزائیں دی گئیں۔ نظر بندیوں کے اس زمانے میں ہمارے ساتھیوں نے جیل خانوں کے اندر صحیح انقلابی کردار کا نمونہ پیش کیا۔ معافی نامے بھرنے سے انکار کیا اور دوسرے مقید سیاسی کارکنوں کے ساتھ رفیقانہ تعلق قائم کرنے کے علاوہ ان کی اور اپنی سیاسی تعلیم کا کام بھی حتی المقدور جاری رکھا — اس دوران پارٹی کے ان ساتھیوں نے جو گرفتار نہ ہوئے تھے اور روپوشی یا نیم روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے پارٹی تنظیم کو چلانے، اخبار "عوامی جمہوریت" کو جاری رکھنے، نظر بند ساتھیوں اور ان کے اہل خانہ کی نگہداشت کرنے کے مشکل کام بھی کئے۔ البتہ "عوامی جمہوریت"

کوسنسر کی پابندیوں اور پریس ایکٹ کے دوہرے قوانین کی زد سے بچانے کی غرض سے کبھی کبھی مکمل بات کہنے میں دشواری بھی پیدا ہوئی اور اس سے ابہام بھی پیدا ہوا۔ "عوامی جمہوریت" پر حکومتی تشدد کے وار ہوتے رہے۔ ۱۹۸۶ء کے تین پرچوں میں شائع شدہ مضامین جن کا تعلق افغانستان، امریکی سامراج کی ریشہ دوانیوں اور مذہبی اقلیتوں کے مسائل سے تھا پر اعتراض کیا گیا اور حکومتِ پنجاب نے اخبار کے ایڈیٹر اور پبلشر کو زرِ ضمانت جمع کروانے کا حکم دیا۔ یہ معاملہ ہائیکورٹ میں چیلنج کیا گیا اور ابھی زیرِ سماعت ہے۔ "عوامی جمہوریت" کے کئی دوسرے پرچوں کو ضبط کرنے کے احکامات جاری ہوئے اور مضامین نظم و نثر کے بارے میں جواب طلبی کی گئی۔ ان تمام مشکلات اور پابندیوں کے باوجود اخبار "عوامی جمہوریت" کی مسلسل اشاعت پارٹی کے ساتھیوں کا قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ اس اخبار کے ذریعے ترقی پسند سیاسی کارکنوں کی سیاسی تربیت بھی ہوتی ہے اور باہمی رابطہ بھی قائم رہتا ہے۔ بائیں بازو کی دوسری پارٹیوں کے کارکن بھی ہمارے اخبار کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے مضامین ان کے زیرِ بحث رہتے ہیں۔

۱۹۸۱ء کی گرفتاریوں اور تشدد کے نتیجہ میں مارشل لا مخالف جدوجہد وقتی طور پر مدھم پڑ گئی۔ تاہم ۱۹۸۲ء میں ایک مرتبہ پھر وکلا ہی کے پلیٹ فارم سے اس جدوجہد کا آغاز ہوا۔ اس وقت پارٹی کے جنرل سیکرٹری کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ وکلا کی اس جدوجہد کے پہلو بہ پہلو ۱۴ اگست ۱۹۸۳ء سے ایم آر ڈی نے بھی بحالی جمہوریت کی جدوجہد کا عملی آغاز کیا جس کے نتیجے میں تمام صوبوں میں ایم آر ڈی کے سیاسی کارکنوں نے گرفتاریاں پیش کیں۔ مارشل لا کے خلاف ایم آر ڈی کا یہ سب سے بڑا عمل تھا۔ تمام تر تنظیمی کمزوریوں کے باوجود اس تحریک نے جمہوری جدوجہد کو پہلے سے زیادہ نمایاں بنا یا۔ یہ تحریک بالخصوص سندھ کے اندرون بعض علاقوں میں تیزی سے پھیل گئی۔ مارشل لا انتظامیہ

نے بھرپور تشدد کے ذریعے اس تحریک کو کچلا۔ بے شمار معصوم کسان اور سیاسی کارکن مارے گئے۔ سینکڑوں گرفتار ہوئے اور یہ سلسلہ چار ماہ جاری رہا۔

مارشل لا مخالف اور آئین کی واپسی کی جدوجہد میں پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے اپنا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی سیاست کے بنیادی عنصر یعنی محنت کشوں کو طبقاتی اور سیاسی طور پر منظم کرنا اور جدوجہد میں ڈالنے کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ مارشل لا کے عہد میں محنت کشوں نے چھوٹی چھوٹی کئی لڑائیاں لڑیں۔ لیکن دو بڑے مظاہرے کراچی شپ یارڈ اور واہ آرڈیننس فیکٹری کے مزدوروں کی ہڑتالیں تھیں۔ کراچی شپ یارڈ کے کم و بیش چھ ہزار مزدوروں کی مکمل ہڑتال جو ۱۹۷۹ء میں تقریباً اڑھائی ماہ تک جاری رہی مزدوروں کی یک جہتی اور تنظیم کی شاندار مثال تھی۔ شپ یارڈ کی نمائندہ یونین پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن سے منسلک تھی اور اس کے اہم کارکن اور مزدور راہنما پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ مارشل لا حکومت نے اس ہڑتال کے دوران کوئی دو سو مزدور برطرف کئے، درجنوں کے خلاف تادیبی کارروائی کی۔ تمام عہدے داروں کے خلاف مقدمات درج کئے اور یونین پر تین سال کے لئے پابندی عائد کر دی گئی۔ لیکن تین سال کے بعد یونین بحال ہوتے ہی دوبارہ سوداکاری ایجنٹ منتخب ہو گئی اور جماعت اسلامی اور حکومت کو شکست ہوئی۔ اس ہڑتال کے دوران مزدوروں نے کراچی شہر میں کئی جلوس نکالے اور اپنے مطالبات کے ساتھ ساتھ مارشل لا کے خاتمے اور آئین کی بحالی کے مطالبات بھی پیش کیے۔ ۱۹۸۵ء میں واہ آرڈیننس فیکٹری کے قریب پچیس ہزار مزدوروں نے اپنے مطالبات کے لئے ہڑتال کی ہر منزل پر ہمارے کارکن اور ساتھی جو بڑی تعداد میں ان مزدوروں میں موجود ہیں اس جدوجہد میں شامل رہے۔ اور بعد از اں تادیبی کارروائی کا شکار ہوئے۔ پارٹی کے نزدیک محنت کشوں کی طبقاتی جدوجہد فوجی آمریت کے خلاف جمہوری جدوجہد کا ایک اہم جزو ہے۔

اسی عہد میں پارٹی نے پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے تحت کوئٹہ، کراچی اور لاہور میں تین لیبر کانفرنسیں منعقد کیں۔ یہ کانفرنسیں محض مزدوروں کے فوری معاشی مسائل تک محدود نہ تھیں بلکہ پورے طور پر ہم عصر سیاست اور طبقاتی سیاسی شعور کا اظہار تھیں۔ مارشل لاء کے خاتمہ اور آئین کی بحالی سے لے کر قومی معیشت پر سامراجی اور جاگیردارانہ گرفت تک تمام فوری مسائل اور امریکی سامراج کی جنگباز پالیسی کی مخالفت سے لے کر افغانستان کے انقلاب کی مکمل حمایت تک تمام موضوعات ان کانفرنسوں میں زیر بحث آئے اور انہی پر اہم قراردادیں منظور کی گئیں۔ پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن ہی کی پیش قدمی کے نتیجہ میں ۱۹۸۳ء میں کراچی میں گیارہ مزدور فیڈریشنوں کا "لیبر الائنس" وجود میں آیا، جس نے مارشل لا مخالف جمہوری جدوجہد کی حمایت کا اعلان کیا اور محنت کشوں کے مسائل پر متحدہ آواز بلند کی۔

اس طرح پاکستان کسان کمیٹی نے کافی عرصہ کے بعد ۱۹۸۵ء میں کبیر والا کے مقام پر ایک بڑی کسان کانفرنس منعقد کی۔ کراچی میں پاکستان یوتھ لیگ کے زیر اہتمام دو بڑی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ دوسرے شہروں میں بھی اجتماعات کر کے یوتھ لیگ کے پروگرام کو روشناس کرایا گیا۔ پارٹی کی طالب علم تنظیم جس کا پہلا نام سوشلسٹ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن تھا اور اب پروگریسو سٹوڈنٹس آرگنائزیشن ہے نے دوسری ترقی پسند تنظیموں کے اشتراک کے ساتھ پروگریسو سٹوڈنٹس الائنس کے نام سے اتحاد قائم کیا اور بالخصوص کراچی اور کوئٹہ میں عملی جدوجہد کی قیادت کی۔ بلوچستان میں ہمارے طالب علم کارکن اس جدوجہد کے ضمن میں پابند سلاسل ہوئے۔

ان تمام طبقاتی اور عوامی تنظیموں کی عملی جدوجہد ایک طرف تو فوجی آمریت کے خلاف تھی اور دوسری طرف پاکستان کی معیشت اور سیاست کے بنیادی مسائل یعنی اس کے جدید نوآبادیاتی کردار، سامراج کی گرفت، جاگیرداری کی لعنت اور لوٹ کے نظام کو

عوام کے سامنے ننگا کرنے کے لئے تھی۔ آج اگر زمیندارہ تسلط، امریکی سامراج کی پاکستان کی داخلی اور خارجہ حکمت عملی پر گرفت اور سامراجی قرضوں سے چلنے والی معیشت اور مارشل لا اور نوکر شاہی کے تسلط کے درمیان واضح تعلق اور اشتراک عمل کا پردہ چاک ہو رہا ہے اور یہ باتیں عوام کے شعور کا حصہ بنتی جا رہی ہیں تو یہ دراصل عوام کے اپنے تجربات کے علاوہ پاکستان سوشلسٹ پارٹی اور اس کی عوامی تنظیموں کی مستقل مزاجی سے کام کرنے ہی کا نتیجہ ہے ـــــ ہمیں خوشی ہے کہ وہ لوگ جو کل تک خود کو انقلابی کہتے نہیں تھکتے تھے اور ہماری پارٹی پر یہ تہمت دھرا کرتے تھے کہ انہیں ہر بات میں سامراج ہی نظر آتا ہے آج یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ پاکستان جیسے جدید نوآبادیاتی ملک میں جمہوریت کی کوئی جدوجہد اس وقت تک پرمعنی اور وقیع بن ہی نہیں سکتی جب تک سامراج اور اس کے مقامی جمہوریت دشمن ہمنواؤں کے خلاف مسلسل جدوجہد نہ کی جائے۔

پارٹی نے اپنے اس فیصلے کے مطابق کہ بائیں بازو اور جمہوری سیاسی قوتوں کے درمیان اتحاد ہی دراصل وہ فیصلہ کن عنصر ہے جو ہمارے ملک کو بورژوا سیاست اور قیادت کی گرفت سے نکال سکتا ہے۔ سچی جمہوری جدوجہد کو قیادت فراہم کر سکتا ہے۔ اور ایک جمہوری انقلاب کی داغ بیل ڈال سکتا ہے ــــ کئی اقدامات کئے ہیں۔

اولاً تو ملک کے دوسرے مارکسسٹ گروہوں سے قریبی رابطہ قائم کرنے میں پہل کی۔ چنانچہ ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء کے درمیان پاکستان کمیونسٹ پارٹی کے نمائندوں سے کئی میٹنگیں ہوئیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ان دوستوں نے ابھی تک اس ضمن میں کوئی مناسب ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ دونوں پارٹیوں کے درمیان اکثر معاملات میں نظریاتی ہم آہنگی کو تسلیم کرنے کے باوجود سیاسی سطح پر اتحاد عمل سے گریزاں ہیں۔ وہ سیاسی اتحادِ عمل و تنظیم کے بغیر محض الفاظ کے ذریعے تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اور یہاں بھی دیانت سے کام نہیں لیتے کیونکہ ہماری پارٹی کے خلاف منفی پراپیگنڈہ بھی جاری رکھتے ہیں۔ ہماری پارٹی نے مزدور کسان پارٹی کے اس حصے سے بھی قریبی رابطہ قائم کیا جو اسحاق محمد (مرحوم) کی قیادت میں کام کرتا تھا۔ یہ رابطہ مسلسل قائم ہے۔ اور اس کے مزید مضبوط ہونے کا امکان ہے۔ اس طرح سندھ میں بعض دوستوں کے ساتھ ہماری پارٹی کے قریبی تعلقات استوار ہونے کے امکانات روشن ہیں۔

مزدور کسان پارٹی کا دوسرا حصہ داخلی انتشار کا شکار ہے۔ اس گروپ کے سربراہ افضل بنگش کئی سال سے یورپ میں مقیم ہیں اور اس وقت سندھ، بلوچستان، پشتون فرنٹ اور کنفیڈریشن کی سیاست کے ساتھ منسلک ہیں۔ جبکہ پاکستان میں ان کی پارٹی سرکاری طور پر اس سیاست کی حمایت نہیں کرتی۔ موقع پرستی اس گروپ کے رہنماؤں کا شعار ہے۔ ایک وقت تھا کہ وہ مکمل طور پر پیپلز پارٹی سے اتحاد پر زور دیتے تھے۔ پھر پی این اے (قومی اتحاد) کی تحریک کے دنوں میں اس بات پر مصر ہوئے کر بائیں بازو کی محنت کش تنظیمیں بھی قومی اتحاد کی "پہیہ جام" تحریک کا ساتھ دیں۔ اس گروپ کا ایک دوسرا حصہ مہم جوئی کی پرانی روش ہی پر گامزن ہے۔ البتہ ان سب کا مشترکہ رجحان بائیں بازو کے اتحاد کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا اور دوسری تنظیموں پر کیچڑ اچھالنا ہے۔

بہرحال پاکستان سوشلسٹ پارٹی ایسے تمام سیاسی گروہوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے جو محنت کشوں کے فلسفہ کی بنیاد پر سائنٹیفک سوشلزم کا نظریہ اپناتے ہیں۔ ایک متحدہ تنظیم بنانے کی خواہش رکھتے ہیں اور باہمی اختلافات کو تبادلۂ خیال کے ذریعے حل کرتے ہوئے عملی جدوجہد میں اتحاد کرنا چاہتے ہیں۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے جمہوری اور ترقی پسند جماعتوں سے بھی اتحادِ عمل کے اقدامات کئے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۸۳ء میں پاکستان نیشنل پارٹی اور ہماری پارٹی کے درمیان

اتحادِ عمل کا ایک سمجھوتہ ہوا۔ اس وقت پی این پی ابھی ایم آر ڈی میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے اس موقف کے بھی خلاف تھی جو اس نے ایم آر ڈی کے ۴ نکاتی پروگرام کی حمایت میں اختیار کیا تھا۔ تاہم خود پی این پی بعدازاں ایم آر ڈی میں شامل ہوگئی۔ اور ہماری دونوں پارٹیوں کے درمیان اتحادِ عمل کا سمجھوتہ پس منظر میں چلا گیا۔ یہ رابطہ ازسرِ نو ۱۹۸۵ء میں شروع کیا گیا تو پی این پی کی قیادت نے موقف اختیار کیا کہ سوشلسٹ پارٹی کو ان کی پارٹی میں ضم کر دیا جائے۔ وہ محض اتحاد کے خواہش مند نہیں تھے۔ یہی سوال اس وقت بھی پیدا ہوا جب ۱۹۸۶ء کے آغاز میں مختلف ترقی پسند اور جمہوری پارٹیوں کو سامراج دشمن، جمہوری پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی کوششوں کا آغاز ہوا چنانچہ پاکستان سوشلسٹ پارٹی اس ضمن میں اپنا موقف ایک مرتبہ پھر واضح کرنا چاہتی ہے۔ پارٹی کا موقف اول روز سے یہ ہے کہ پاکستان میں جمہوری جدوجہد کی تین سطحیں ہیں۔ ایک تو وسیع تر تحریک جو پہلے براہ راست مارشل لا کے خلاف تھی اور اب آئینی ترامیم کو ختم کرانے، فوج کے سول اور سیاسی معاملات میں مداخلت کے خلاف، پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کی منسوخی اور سیاسی بنیادوں پر انتخابات کے انعقاد کے لئے، دوسرے ان تمام ترقی پسند جماعتوں کا اتحاد جو سامراجی تسلط سے نجات کے ذریعے مکمل قومی آزادی اور جاگیرداری نظام کو توڑ کر تمام عوام اور قومیتوں کے جمہوری حقوق کی بنیاد پر تبدیلیوں کے لئے جدوجہد کے لئے تیار ہیں۔ اور تیسرے ان قوتوں اور عناصر کے درمیان اتحاد اور بالآخر مکمل تنظیمی یک جہتی جو محنت کشوں کی طبقاتی سیاست کے نظریات کی بنیاد پر بالآخر سماجی انقلاب اور سوشلسٹ معاشرے کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی اس بات کو تو تسلیم کرتی ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے عناصر موجود ہیں جو مختلف وجوہ کی بنیاد پر سامراج دشمن کردار بھی ادا کر رہے ہیں اور جمہوری معاشرے کی تعمیر کے لئے بھی کوشاں ہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک

مکمل قومی آزادی اور جمہوریت کی جدوجہد ہمارے ملک کے مخصوص حالات اور جدید نوآبادیاتی نظام کے اس تسلط کے باعث جو یہاں قائم ہے۔ اس وقت تک پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی جب تک محنت کش طبقات کو منظم نہیں کیا جاتا۔ اور ان کی منظم اور مضبوط سیاسی جماعت کو جمہوری جدوجہد میں نمایاں کردار حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے وطن میں کوئی دوسرا معاشی طبقہ سامراج دشمنی کا کردار استقامت سے ادا نہیں کر سکتا پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے نزدیک ہمارے ملک میں جدید نوآبادیاتی نظام سے آزادی، جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور جمہوری معاشرے کی تشکیل کا کام سوشلسٹ انقلاب کا پہلا مرحلہ تو ضرور ہے لیکن یہ دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کی صورتیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ اس سلسلہ کو اپنے منطقی نتیجہ پر پہنچانے کے لئے محنت کشوں کی پارٹی اور اس کے وسیع عوامی بنیاد کی تشکیل اور وسیع سامراج دشمن محاذ کی تشکیل متضاد عمل نہیں بلکہ ایک دوسرے کے موافق عمل ہیں۔ اور بیک وقت ہونے چاہئیں۔ اسی نظریاتی تجزیئے کی بنیاد پر پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے ایک طرف تو این ڈی پی اور پی این پی کے راہنماؤں سے مسلسل رابطہ قائم کیا تاکہ وسیع سامراج دشمن، جاگیردار مخالف جمہوری محاذ از سر نو تشکیل ہو۔ اور دوسری طرف محنت کشوں کی سیاسی جماعت کی تعمیر پر زور دیا۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی سمجھتی ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جن کا سیاسی منتہائے مقصود نیشنل ڈیموکریسی ہے اگر ایک نئی پارٹی بنانے پر اتفاق کرلیں تو یہ وسیع محاذ کی تشکیل کے لئے سودمند ہوگا۔ ایسی پارٹی یا پارٹیوں کے ساتھ سوشلسٹ پارٹی ہر وقت متحدہ محاذ بنانے کے لئے تیار رہے۔ یہی طریقہ کار ہے جس سے کم سے کم باہمی تضادات پیدا ہوں گے اور عوام کے سیاسی شعور کو بلند اور منظم کرنے میں مدد ملے گی۔ ہم ان دوستوں سے متفق نہیں جو وسیع محاذ کے نام پر محنت کشوں کی سیاسی جماعت کا کام کل پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

یہاں ایک اور اہم مسئلہ کا تذکرہ اور اس پر پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے موقف کا اعادہ ضروری ہے۔ یہ پاکستان کی قومیتوں کا مسئلہ ہے۔

پاکستان کئی قوموں کا ملک ہے۔ ہر قومیت کی اپنی تہذیب و تمدن زبان و ثقافت ہے یہ قومیتیں ملک کے مختلف حصوں میں بستی ہیں۔ پنجاب میں بسنے والے اپنی آبادی کے اعتبار سے ملک کی سب سے بڑی قومیت ہیں۔ اپنی آبادی اور زرخیز اراضی کے باعث پنجاب کو دوسری قومیتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ پاکستان کی فوج اور نوکر شاہی میں بھی پنجاب کو برتری حاصل ہے۔ نیم سرمایہ دارانہ اور جاگیر داری طرز معیشت کی بدولت تمام علاقوں اور قومیتوں کی برابر ترقی نہیں ہوئی۔ چنانچہ بلوچستان اور اندرون سندھ کے بعض علاقے تو انتہائی پچھڑے ہوئے اور پس ماندہ ہیں۔ ان علاقوں میں نو آباد زرعی اراضی کا بڑا حصہ ان بڑے سرکاری افسروں اور فوجی جرنیلوں کو حاصل ہوا ہے جو نہ تو وہاں کے رہنے والے ہیں اور نہ ہی خود کاشت کرتے ہیں بلوچستان سے گیس حاصل ہوتی ہے۔ مگر اس گیس کا مفاد زیادہ تر بلوچستان سے باہر کے علاقوں نے اٹھایا ہے۔ یوں تو پاکستان بھر میں صنعتی ترقی نہ ہونے کے برابر ہے۔ تاہم جس قدر صنعتی ادارے قائم ہوئے ہیں وہ زیادہ تر پہلے سے ترقی یافتہ علاقوں پنجاب اور کراچی وغیرہ میں قائم ہوئے ہیں۔ اس معاشی اور سماجی صورت حال پر جو سیاسی ڈھانچہ استوار ہوا ہے اس میں بھی بالا دستی نسبتاً ترقی یافتہ قومیتوں ہی کو حاصل ہوئی چنانچہ ہمارے ملک کا ایک اہم مسئلہ قومیتوں کے معاشی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کا بھی ہے۔

قومیتوں کے حقوق کا مسئلہ پہلی مرتبہ اس وقت سنگین شکل اختیار کر گیا جب مشرقی پاکستان پر فوج کشی کی گئی۔ مختلف علاقوں میں بسنے والی قومیتوں کے حقوق کی پامالی کا نتیجہ

تھا کہ مشرقی پاکستان "بنگلہ دیش" کی صورت میں الگ ہو گیا۔ دوسری مرتبہ یہ مسئلہ اس وقت شدید صورت میں ابھرا جب ۱۹۷۳ء میں بلوچستان کی حکومت کو برطرف کر دیا گیا اور اس طرح صوبائی خود مختاری کی وہ محدود شکل جو ۱۹۷۳ء کے آئین میں طے کی گئی تھی خود آئین بنانے والوں نے ختم کر دی اور اب آٹھ سالہ مارشل لاء کے تحت مرکزی متشددانہ اختیار کے استعمال کے ذریعے اور پھر آئین میں ترامیم کے ذریعے وفاق کے رہے سہے تصور کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ یہی حالات ہیں جو کنفیڈریشن اور خود مختاری کے تصورات کو ابھارنے کا باعث ہیں۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی تمام قوموں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتی ہے۔ اس کے نزدیک پاکستان میں بسنے والی ہر قومیت کو معاشی اور سیاسی سطح پر برابر کے حقوق حاصل ہونے چاہئیں اور اس کے لئے آئینی اور سیاسی تحفظات کا موجود ہونا لازمی ہے۔ اس کے بغیر قومیتوں کو متحد رکھنے کا دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے بغیر ملک کے ہر حصے اور ہر قومیت کو خود مختار اور ترقی یافتہ بنایا جا سکتا ہے۔ فوری طور پر ضروری ہے کہ فیڈریشن کی بنیاد ایک ایسے پارلیمانی آئین پر رکھی جائے جس میں مرکز کو صرف دفاع، امور خارجہ بشمول خارجہ تجارت اور کرنسی کے اور کوئی اختیار نہ ہو تاہم پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے نزدیک قومیتوں کے حقوق کی جدوجہد پاکستان کے موجودہ استحصالی جدید نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کی جدوجہد کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ جو امریکی سامراج، مقامی نوکر شاہی، جرنیل شاہی، جاگیر دار وڈیرے اور سردار اور غیر ملکی سرمائے سے وابستہ سرمایہ داروں کے مفاد ہی کی پرورش کر سکتا ہے۔ قومیتوں کا استحصال اور پس ماندگی اس نظام کا حصہ ہے۔ قومیتوں کے حقوق کا معاملہ محض آئینی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا حل جاگیر داروں اور اوپری طبقات کی قیادت میں لڑی جانے والی کسی تحریک سے ممکن ہے۔ ایسی تحریکات سامراج کے دخل میں اضافہ

کرتی ہیں اور عوام کے وسیع تر اتحاد کو توڑنے کا باعث بنتی ہیں۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے نزدیک سامراج اور جاگیرداری مخالف جمہوری جدوجہد کا ایک لازمی عنصر قومیتوں کے حقوق کی جدوجہد بھی ہے۔ یہ جدوجہد پورے پاکستان کے محنت کشوں اور جمہوریت پسند عوام اور سیاسی عناصر کے اشتراک ہی سے کامیاب ہو سکتی ہے۔

۸

اور اب پاکستان کے آس پاس اور بعض عالمی معاملات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

اپریل ۱۹۷۸ء میں افغانستان میں انقلاب برپا ہوا وہاں داؤد کی رجعتی حکومت کی جگہ عوامی جمہوری پارٹی کی حکومت قائم ہوئی جس نے افغانستان میں قائم صدیوں پُرانے فیوڈل اور قبائلی سماج میں بنیادی اصلاحات کا آغاز کیا ہے۔ اس انقلاب کا استحکام پاکستان پر گہرے اثرات مرتب کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امریکی سامراج کو افغانستان میں یہ تبدیلی اپنے مفادات کے خلاف نظر آئی۔ اور اس نے افغانستان کے اندر مداخلت اور جارحیت کا پروگرام بنایا۔ پاکستان کی سرزمین پر افغان مہاجروں کو انقلاب دشمن سرگرمیوں اور توڑ پھوڑ اور سبوتاژ کی تربیت کے لئے اڈے قائم کئے۔ اور ان میں ڈالر اور اسلحہ تقسیم کرنے لگا۔ پاکستان کی فوجی حکومت نے اسے ہر قسم کی سہولت فراہم کی تاکہ افغانستان کے انقلاب کو مستحکم ہونے سے روکا جائے۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے پہلے ہی دن سے افغانستان کے انقلاب کی حمایت کی اور اس سے یکجہتی کا اظہار کیا۔ اور پاکستان کے عوام کو اس انقلاب کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کا موقف یہ ہے کہ پاکستان افغانستان کی موجودہ انقلابی

حکومت سے براہ راست مذاکرات کر کے افغانستان کے مہاجروں کی واپسی کا سیاسی حل تلاش کرے اور افغانستان کی حکومت سے دوستی اور تعاون کی بنیاد پر تعلقات قائم کرے تاکہ اس خطے کو امریکی سامراج کی سازشوں سے نجات حاصل ہو۔

اس خطے میں دوسری اہم تبدیلی ایران کا سامراج دشمن اور شاہ مخالف انقلاب تھا جو افغانستان کے انقلاب کے ایک سال بعد رونما ہوا۔ ایران سے بادشاہت اور امریکی سامراج کے خاتمے نے اس خطے میں امریکی سامراج کے مفادات پر کاری ضرب لگائی ہے سنٹو نامی اس کا فوجی معاہدہ اور اس کا قابل اعتماد دوست شہنشاہ ایران دونوں ختم ہوگئے۔ ایران کا انقلاب گو مشکلات میں گھرا ہوا ہے لیکن رجعتی مُلا اس کے سامراج دشمن کردار کو تبدیل نہیں کر سکے ہیں۔ اس خطے میں ایک اور تبدیلی ہوئی ہے وہ اس خطے کے سات ملکوں کی "سارک" نامی تنظیم کا قیام ہے۔ اس میں اس خطے کے سات ممالک پاکستان، بھارت، نیپال، بھوٹان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور مالدیپ شامل ہیں۔ یہ ممالک اپنے مسائل باہمی مذاکرات اور تعاون سے حل کرنے پر رضامند ہوئے ہیں۔ ان ممالک کے مل بیٹھنے اور اپنے مسائل مذاکرات سے طے کرنے سے ان کے مابین موجود شکوک و شبہات دور ہوں گے اور ان کا آپس میں اعتماد بڑھے گا۔ اس صورت حال میں امریکی سامراج کو ان کے درمیان کشیدگی اور بدگمانی کرنے کے کم مواقع ملیں گے۔ اور اس خطے میں امن کی فضا عالمی امن کو تقویت دے گی۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سامراجی دخل اندازی، ریشہ دوانیوں اور معاشی اور سیاسی تسلّط کی ایک بنیاد نو آزاد اور پس ماندہ ممالک کے مابین تنازعات ہیں جن کو ان ممالک کے برسر اقتدار گروہ اپنے مفادات کی خاطر جاری رکھتے ہیں۔ اس نیم برعظیم کے ممالک کے درمیان ایسے تنازعات موجود ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اسی وجہ سے دو جنگیں بھی ہو چکی ہیں۔ اسی صورت حال کا نتیجہ ہے کہ یہ دونوں ملک

اسلحہ کی دوڑ میں مبتلا ہیں۔ پاکستان میں فوج کی بالادستی کا ان حالات سے بھی گہرا تعلق ہے۔ پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہندوستان اور دوسرے ہمسایہ ممالک یعنی افغانستان اور سوویت یونین سے تعلقات بہتر بنائے۔ سامراجی مقاصد کے لئے اپنی سرزمین کو استعمال کئے جانے کے خلاف مضبوط مزاحمت کرے۔ اور "فرنٹ لائن" کے نظریئے کو رد کر دے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے اس نظریاتی اور سیاسی پراپیگنڈہ کا بھرپور جواب دینے کی ضرورت ہے جو رجعتی عناصر اور سامراجی ادارے مسلسل جاری کئے ہوئے ہیں۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے نزدیک ہندوستان کی ترقی پسند قوتوں پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک کے رجعتی اور متعصب عناصر، مفاد پرست قوتوں اور سامراجی ایجنٹوں کے خلاف مضبوط محاذ قائم کریں۔ اس نیم برعظیم کے ممالک کے پُرامن عوام ہی کی قوت سے امن اور آشتی کی فضا قائم ہو سکتی ہے جو کسی بھی بڑی سماجی تبدیلی کے لئے ضروری ہے۔

۹

دنیا میں موجود کشیدگیوں جارحیتوں اور اسلحہ کی دوڑ کا ذمہ دار امریکی سامراج ہے جو عالمی سرمایہ دار نظام کا سربراہ بنا ہوا ہے۔ امریکی سامراج اپنے سرمایہ داری نظام کی حفاظت اور ٹرانس نیشنل کمپنیوں کے منافعوں کے اضافے کی خاطر کشیدگی قائم رکھنے اور اسلحہ فروخت کرنے کا سوداگر بن گیا ہے۔ اس کے اسلحہ کے خریدار تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک اور تیسری دنیا کے ممالک ہیں۔ اپنے ہتھیاروں کی فروخت کی خاطر وہ دنیا میں کشیدگی سرحدی تنازعات اور اختلافات کی وجہ سے ہیں اور یہ اختلافات سامراجی ممالک جان بوجھ کر پیدا کر گئے ہیں تاکہ انہیں مداخلت کا موقع میسر رہے۔ ان کے درمیان کشیدگی کی دوسری وجہ امریکی سامراج کی سازش اور جارحیت ہے۔ کیونکہ امریکہ ان ممالک ہر اس تحریک کا دشمن ہے جو آزادی، استحکام اور عوام کی خوشحالی سماجی و معاشی

ترقی کے لئے ہو اور جس کی قیادت عوام کے ہاتھ میں ہو جو ان ملکوں میں معاشی نظام میں بنیادی تبدیلیوں کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

امریکہ میں ریگن حکومت کے برسرِ اقتدار آنے سے جارحیت، اسلحہ سازی اور مداخلت بے جا کی پالیسی میں اور شدت آگئی ہے۔ دیانت کا جو سلسلہ سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان ۷۰ء کی دہائی میں چلا تھا اس کو منجمد کر دیا گیا۔ اسلحہ کے بارے میں معاہدات کو آگے بڑھانے کی بجائے امریکہ نے ان سے روگردانی کی۔ یورپ میں ایٹمی میزائل نصب کرنے کے فیصلے پر عمل درآمد شروع کیا گیا حتیٰ کہ فضا جس پر تمام بنی نوع انسان کا مشترکہ حق ہے۔ اور جو قبل ازیں جنگی منصوبہ بندی سے آزاد تھی کو بھی جنگی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی شروع کی گئی اور اس مقصد کے لئے کھربوں روپے کا بجٹ تیار کیا گیا۔ دوسری طرف گرینا ڈا جیسے چھوٹے سے ملک کی آزاد حکومت کو بزورِ طاقت ختم کیا گیا اور وہاں امریکی فوج نے ڈیرے ڈال دیئے۔ ایلسلواڈور کی عوام دشمن حکومت کے خلاف جدوجہد میں مصروف جمہوری قوتوں کو کچلنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ چلی کی ترقی پسند جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی آمریت کے ذریعے دہشت کا بازار گرم کیا گیا۔ نکاراگوا کی آزاد جمہوری ترقی پسند اور آئینی طور پر منتخب حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے رجعتی عناصر کو مسلح کر کے مسلسل مداخلت کی گئی۔ افریقہ میں جنوبی افریقہ کی گورے قابضوں کی فاشسٹ حکومت کو ہر قسم کی مدد دی گئی تاکہ وہاں کے افریقی عوام کی جدوجہد آزادی کو کچل سکے۔ نمیبیا کی جدوجہد آزادی کو بھی اسی طرح دبایا جا رہا ہے۔ موزمبیق اور انگولا کی آزاد حکومتوں کو ہراساں کرنے کے لئے مسلح مداخلت کا تمام سامان اور حکمت عملی مہیا کی گئی۔ فلسطین کے عوام کو اپنے وطن کے حق سے مسلسل محروم رکھا گیا۔

صدر ریگن نے اپنی صدارت کے ابتدا میں بڑے طمطراق سے اعلان کیا تھا کہ

سوشلسٹ دنیا اور بالخصوص سوویت یونین سے تعلقات بہتر کرنا تو الگ رہا سوشلزم کا خاتمہ ان کا مشن ہے۔ وہ محدود پیمانے پر ایٹمی جنگ کو بھی خارج از امکان نہیں سمجھتے تھے۔ اس مہم جو جنگی پالیسی کا دنیا بھر کے امن پسند عوام پر زبردست رد عمل ہوا خود امریکہ میں اور پورے یورپ میں بالخصوص جنگ اور ایٹمی اسلحہ کے خلاف زبردست تحریکیں پیدا ہوئیں۔ بالآخر ریگن، گورباچوف ملاقات کا بندوبست ہوا۔ اور جنیوا مذاکرات میں یہ تسلیم کیا گیا کہ ایٹمی جنگ سوائے تباہی کے اور کسی طرف نہیں پہنچا سکتی۔ اور امن کے قیام کے لئے مزید مذاکرات ضروری ہیں۔ تاہم امریکی جنگباز گروہ امن کی طرف اس پیش رفت کو ناکام بنانے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی ملکوں کے درمیان کشیدگی کو دور کرنے اور ان کے درمیان تنازعات اور اختلافات حل کرنے کے لئے براہ راست مذاکرات پر زور دیتی ہے اور ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت کی مخالفت کرتی ہے۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی امریکی سامراج اور اس کے حواریوں کی طرف سے کسی بھی ملک کے اندر مداخلت اور جارحیت کی مخالفت کرتی ہے۔ وہ عوام کی آزادی، خوشحالی، ترقی اور امن کی جدوجہد کے ساتھ ہے۔ وہ لاطینی امریکہ، وسطی امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے ملکوں میں امریکی سامراج کی مداخلت اور جارحیت کی مخالفت کرتی ہے اور ان ملکوں کے عوام سے یک جہتی کا اظہار کرتی ہے۔

وہ ایران عراق جنگ کے خلاف ہے اور اس جنگ کے خاتمے کے لئے ایرانی اور عراقی عوام کی جنگ بند کرانے کی جدوجہد کی حمایت کرتی ہے۔

وہ لبنان کی خود مختاری اور فلسطینیوں کے آزاد وطن کے قیام کی حمایت کرتی ہے۔

وہ عرب صحرائی جمہوریہ کی حمایت کرتی ہے۔ نمیبیا کی آزادی کی جدوجہد میں اس کے عوام کے ساتھ ہے۔ وہ جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کے مظالم کی شدید

مذمت کرتی ہے اور سیاہ فام اکثریتی آبادی کی جمہوری حقوق کے حصول کی جدوجہد کی حمایت کرتی ہے۔ جہاں اور جس طرح بھی نسل پرستی موجود ہے اس کی مخالفت کرتی ہے۔

وہ نکاراگوا کے انقلاب کی حمایت کرتی ہے اور السلواڈور کے حریت پسندوں کی جدوجہد کے ساتھ ہے۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی امریکہ کے جنگی منصوبوں، ایٹمی ہتھیاروں میں اضافے اور سٹاروار پروگرام کی شدید مخالفت کرتی ہے۔ پارٹی کے نزدیک سوویت یونین اور سوشلسٹ دنیا جنگ کے خلاف ہیں۔ اسلحہ سازی ان کے لئے منافع اور کاروبار کا ذریعہ نہیں بلکہ مجبوری ہے اور اس کے لئے انہیں اپنے عوام کی خوشحالی کے پروگراموں میں کمی کرنا پڑتی ہے۔ اسی لئے دنیا بھر کے سوشلسٹ امن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے عملی جدوجہد کرتے ہیں۔ اور آج اس جدوجہد میں کروڑوں عوام جو سوشلسٹ نہیں ہیں تندہی سے شریک ہیں۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی سوویت یونین کی امن تجاویز کا خیر مقدم کرتی ہے اور ان کو وقت کے تقاضوں کے عین مطابق قرار دیتی ہے۔

۱۰

اس رپورٹ کی بنیاد پر پاکستان سوشلسٹ پارٹی جو کام تجویز کرتی ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ پاکستان میں فوری طور پر آئین کی مکمل بحالی، مکمل سیاسی آزادی اور سیاسی بنیادوں پر فی الفور انتخابات کی جدوجہد کو تیز تر کرنا۔

۲۔ پاکستان سے سامراجی قرضوں اور دوسرے اثرات، جاگیرداری نظام اور اجارہ دار سرمایہ داری کے خاتمہ کے لئے اور ایک جمہوری معاشرے کی تشکیل کے لئے جدوجہد کو تیز کرنا، اور اس مقصد کے لئے تمام سامراج دشمن، جمہوری پارٹیوں اور عناصر کا متحدہ محاذ بنانا۔

۳۔ پاکستان کو ایک سچی وفاقی ریاست بنانے کے لئے تمام قومیتوں کے حق خودمختیاری

کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے آئین میں قومیتوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی حقوق کے تحفظ کا بندوبست کرنا۔

۴۔ پاکستان کے پڑوسی ملکوں سے بہتر اور خوشگوار تعلقات اور نو آبادیاتی نظام کی مخالف آزاد خارجہ پالیسی کے لئے جدوجہد کرنا، ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کی خود مختاری، قومی آزادی اور سماجی اور سیاسی جبر کے خلاف تحریکوں کی حمایت کرنا۔

۵۔ عالمی سوشلسٹ اتحاد اور عالمی سوشلسٹ تحریک سے یک جہتی کے لئے جدوجہد کرنا۔

۶۔ پاکستان کو قومی طور پر سامراج سے آزاد کروانے اور جاگیرداری کے خاتمہ کے بعد صحیح جمہوری ریاست میں تبدیل کرتے ہوئے سوشلسٹ معاشرے کی تعمیر کی طرف گامزن ہونا، اور اس مقصد کے لئے تمام ایسے عناصر کے اتحاد کی کوشش کرنا جو محنت کشوں کے فلسفہ اور سائنسی سوشلزم کی بنیاد پر سیاست کرتے ہیں۔

۷۔ ان تمام مقاصد کے حصول کے لئے اپنی پارٹی کو نظریاتی اور تنظیمی اعتبار سے مضبوط تر کرنا، عوام میں اس کی جڑوں کو پھیلانا، مزدوروں، کسانوں اور تمام محنت کش طبقات کو طبقاتی تنظیموں میں منظم کرنا، طلباء، خواتین، اساتذہ اور دوسرے نچلے اور درمیانہ طبقے کے شہریوں اور دانشوروں کو سماجی اور سیاسی بنیادوں پر منظم کرنا اور ان سب کو رجعتی تصورات اور سماجی اور سیاسی نظریات سے آزاد کر کے ترقی پسند خیالات سے لیس کرنا۔

ابتدایہ

جناب صدر، ڈیلیگیٹ حضرات و مبصرین مہمانان گرامی خواتین و حضرات!

پاکستان کی زرعی معیشت پر دوسری رپورٹ "پاکستان کے زرعی مسائل اور کسان تحریک" کے نام سے پارٹی کی دوسری کانفرنس میں پیش کی گئی تھی جو کتابچے کی صورت میں چھپی۔ جس میں ۱۹۷۵ء تک کی زرعی معیشت کی صورت حال اور کسان تحریک اور اس کی جدوجہد کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا گیا تھا۔

مگر اس واقعہ کو گیارہ سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے۔ اس میں پیپلز پارٹی کے اقتدار کے آخری سال اور مارشل لا کا سیاہ دور بھی شامل ہے۔ اس عرصہ میں زرعی معیشت میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے کسان کمیٹی نے اس میں کیا رول ادا کیا۔ اس پر تفصیلی رپورٹ پیش ہے۔

زرعی رپورٹ

۱۹۸۶ء

قیامِ پاکستان سے اب تک ملک میں تین بار زرعی اصلاحات کا نفاذ ہو چکا ہے۔ تاہم زرعی معیشت میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ جس کے نتیجے میں طبقاتی رشتے بھی جوں کے توں چلے آ رہے ہیں۔ موجودہ صورت حال کے باوجود سماجی ارتقاء کا عمل جاری ہے۔ ملک میں سرمایہ دارانہ نظام پیداوار کی ترقی سے زرعی معیشت میں بھی سرمایہ دارانہ رشتے تسلسل سے پھیلتے جا رہے ہیں۔ فرسودہ طریق پیداوار ترک کیا جا رہا ہے۔ جدید اور مشینی طریق پیداوار کا عمل اپنے مخصوص حالات میں اس کی جگہ لے رہا ہے جس کے مثبت نتائج برآمد ہونے کی بجائے معاشرہ میں منفی اثرات زیادہ نمایاں ہیں کیونکہ جن حالات و واقعات میں یہ عمل جاری ہوا ہے وہ موجودہ حالات کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ یہ اور ایسے بہت سے مسائل ہیں جو آج سیاسی کارکنوں، دانشوروں بالخصوص کسان تحریک کو درپیش ہیں جن کی نشاندہی بے حد ضروری ہے۔ نیز دیہات میں اس تبدیلی سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کے پیش نظر سیاسی کارکنوں، دانشوروں اور بالخصوص کسان کمیٹی کے ارکان کے لئے اپنے نقطۂ نگاہ

کا تعین کرنا ضروری ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کے پیش نظر زرعی معیشت کا تفصیلاً جائزہ لے کر تجزیہ کیا جانا ضروری ہے۔

جناب صدر! اگر ہم پاکستان کے زرعی مسائل کا آج تک کے حالات وواقعات اور اس سلسلہ میں کام کا جائزہ لیں تو اس کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قیام پاکستان سے ۱۹۶۲ء تک یعنی ایوب زرعی اصلاحات تک

۲۔ ۱۹۶۳ء سے ۲۳ مارچ ۱۹۷۰ء تک۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کسان کانفرنس تک

۳۔ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۵ء تک

جہاں تک قیام پاکستان سے ۱۹۶۲ء تک یعنی ایوب زرعی اصلاحات کا تعلق ہے یہ بنیادی طور پر پس ماندگی کا دور تھا۔ ملک کی معیشت کلی طور پر جاگیردارانہ اور قبائلی تھی۔ نتیجتاً بالادست طبقات بھی یہی تھے اور سیاسی اقتدار بھی انہیں طبقات کے پاس تھا۔ اس عرصہ میں جاگیرداری کے خاتمہ کی بات کرنا ملک کی سالمیت کی مخالفت اور مذہب میں مداخلت سمجھا جاتا تھا۔ روس اور بھارت نوازی کے فتوے دیئے جاتے تھے مگر اس زمانے میں بھی کسان کارکنوں نے کم تعداد میں ہونے کے باوجود استقلال کے ساتھ مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ اور گاؤں گاؤں، قریہ قریہ جا کر جاگیرداری کے خاتمے، سرکاری اراضی کی نیلامی بند کر کے یہ زمین چھوٹے اور بے مالک کسانوں میں بلا معاوضہ تقسیم کرنے، بیدخلیاں بند کرنے اور بے دخل مزارعین کو متبادل رقبہ مہیا کرنے، بٹائی بیتے اتے ادھوادھ کے اصول کو تسلیم کرانے، بیگار، جرمانے اور نذرانے ممنوع قرار دینے، پیشہ وارانہ ٹیکس اور چھوٹے مالک کسانوں کا مالیہ ختم کرنے کا پروگرام ان تک پہنچایا۔ جس کے نتیجے میں پنجاب کے مختلف اضلاع بالخصوص ملتان میں تحریک نے زور پکڑ لیا۔ کسان سرخ پرچم لے کر خود ہی بتے اتے ادھوادھ بٹائی کر کے اپنا حصہ لے جانے لگے۔ جس پر کارکنوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔

بٹیشتر کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ بالآخر حکومت بیدخلیاں بند کرنے، بیگار، جرمانے اور نذرانے وغیرہ منسوخ کرنے پر مجبور ہوئی۔ چنانچہ دولتانہ وزارت نے ۱۹۵۲ء میں زرعی اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ ان زرعی اصلاحات کے مطابق موروثی مزارعین کو مالک قرار دے دیا گیا اور آئندہ سے موروثیت کا حق ختم کر دیا گیا۔ بے دخلی عدالت کے فیصلے کے بغیر ممنوع قرار دے دی گئی اور اس مقصد کے لئے چند شرائط مثلاً زمین خراب کرنے، حصہ بٹائی نہ دینے وغیرہ کو عدالت میں ثابت کرنا، بٹائی نصف کی بجائے پانچ درمنجی یعنی ۶۰ فی صد مزارعہ اور ۴۰ فی صد مالک کا حصہ کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا۔ بیگار، جرمانے اور نذرانے غیر قانونی قرار دیئے گئے۔ جاگیریں ختم کر دی گئیں جن کی رُو سے ۱۲ لاکھ روپے نقد رقم کی صورت میں جاگیرداروں کو سرکاری خزانے سے ادا کئے جاتے تھے۔ یہ کسان کمیٹی کی جدوجہد کی پہلی فتح تھی۔

اس دوران مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ بہت شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ مستقل آبادکاری کے نتیجے میں بے مالک اور چھوٹے کسانوں کی وسیع پیمانے پر بیدخلیاں شروع ہو گئی تھیں۔ اس مسئلے سے نپٹنے کے لئے پنجاب کسان کمیٹی کی ایک صوبائی کسان کانفرنس ۱۴، ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء کو گوجرانوالہ میں ہوئی جس میں طے کیا گیا کہ جاگیرداری کے خاتمے اور یہ زمین بلامعاوضہ حاصل کر کے چھوٹے اور بے مالک کسانوں میں تقسیم کرنے۔ بے مالک اور چھوٹے مالک کسانوں کو بیدخلی کی صورت میں متبادل سرکاری رقبہ مہیا کرنے، زمین کی نیلامی بند کر کے یہ زمین مزارعوں اور چھوٹے مالک کسانوں کے لئے مخصوص کرنے، دیہاتی دستکاروں سے پیشہ ورانہ ٹیکس اور چھوٹے مالک کسانوں کے ٹیکسوں سے چھوٹ کے مطالبات کو منوانے کے لئے بھرپور جدوجہد کی جائے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے جلسے، جلوسوں اور کانفرنسوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ گوجرہ، سمندری، پیر محل ضلع فیصل آباد، کبیروالا، وہاڑی ضلع ملتان

اور سیالکوٹ اور گوجرانوالہ و دیگر اضلاع میں بہت بڑی کانفرنسیں ہوئیں۔ جگہ جگہ جلسے اور جلوسوں کا عمل جاری رہا۔ جس سے حکومت کو مجبور ہو کر فیصلہ کرنا پڑا کہ متبادل رقبہ دیئے بغیر کسی مزارعہ اور چھوٹے مالک کسان کو بیدخل نہیں کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے سرکاری اراضی جو اس سے پہلے ٹنڈر پر دی جاتی تھی یا نیلام کی جا رہی تھی۔ مہاجر غیر مسلم مالکوں کے مزارعوں اور چھوٹے مالک کسانوں کو جو تین ایکڑ یا اس سے کم رقبے کے مالک تھے اور کسی کے مزارعے تھے آٹھ سے ۱۲½ ایکڑ تک دینے کا اعلان کیا گیا مگر ان پر مالیہ کا تین گنا بطور لگان ادا کرنے کی شرط عائد کر دی گئی۔ کسان کمیٹی نے اس لگان کی وصولی کے خلاف اور بلا معاوضہ حقوق ملکیت ان الاٹیوں کو دیئے جانے کی جدوجہد کو اپنے پروگرام کا حصہ بنا لیا۔ لیکن اس کے باوجود بنیادی پیداواری رشتے بدستور پرانے اور فرسودہ ہی قائم چلے آ رہے تھے جاگیرداری کی گرفت بھی مضبوط رہی۔ پرانے اور فرسودہ پیداواری رشتوں کی موجودگی میں پیداواری عمل میں تبدیلی اور پیداوار میں اضافہ ناممکن تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر اناج کی پیداوار ملک کی ضروریات کو پورا نہ کر پائی۔ چنانچہ ملک اناج کے قحط سے دوچار ہو گیا۔ اس قحط سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ پیداوار میں اضافے کے لئے اپنے وسائل کو از سر نو ترتیب دیا جاتا۔ زرعی معیشت میں بنیادی تبدیلیاں کی جاتیں اور پیداوار کے جدید طریقوں سے پیداوار میں مستقل اضافے کی خاطر استفادہ کیا جاتا اور اس طرح پیداوار کے عمل کو تیز کر کے صورت حال سے نپٹا جاتا مگر ہوا یہ کہ جاگیردار حکمرانوں نے امریکی سامراج کی مدد سے اس قحط سے نجات حاصل کرنے کی آسان کوشش کی اور اس کے عوض ملک داخلی اور خارجی حکمت عملیوں کو بھی امریکی سامراج کے مفاد پر قربان کر دیا۔ امریکی سامراج کی حمایت میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے امریکی درآمدی گندم اٹھانے والی گاڑیوں

کے اونٹوں کے گلے میں "امریکہ تیرا شکریہ" کی تختیاں لٹکائیں۔ امریکی سامراج کی اس دخل اندازی ہی کا نتیجہ تھا کہ ملک میں تمام ترقی پسند اور آزادی کی حامی جماعتوں اور تنظیموں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ پاکستان کمیونسٹ پارٹی کو ۱۹۵۴ء میں غیر قانونی قرار دیا گیا۔ جو اس وقت تک واحد حزب اختلاف تھی۔ جو امریکی سامراج کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھی۔ اس کے ساتھ ہی کسان کمیٹی طلبا اور ترقی پسند مصنفین کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا اور کارکنوں اور ان تنظیموں کے راہنماؤں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا۔

رہائی کے بعد کارکنوں نے پھر سے اپنے رابطے قائم کرنے شروع کیے اور اپنی اس جاگیرداری اور سامراج دشمن جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے آزاد پاکستان پارٹی اور عوامی لیگ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۵۶ء میں نیپ قائم ہوئی تو باقی پارٹیوں کے ساتھ یہ دونوں پارٹیاں بھی اس میں مدغم ہو گئیں۔ اس طرح سارے کسان کارکن نیپ میں چلے گئے اور اپنے پروگرام کے حصول کی جدوجہد میں لگ گئے۔ اپنے اس پروگرام کو عوام تک پہنچانے کے لئے جلسے اور جلوس کئے گئے اور ہینڈ بل، پمفلٹ تقسیم کرتے رہے۔ ان حالات میں اگر ۱۹۵۹ء کے انتخابات ہو جاتے تو اس کے نتیجے میں قائم ہونے والی کوئی حکومت بھی امریکی سامراج کے اثرات کے خاتمے اور جاگیرداری کے نظام کو ختم کرنے کے مطالبات کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ ایوب مارشل لاء کے سیاسی اور معاشی اسباب یہی تھے۔

ایوب مارشل لاء کے چند روز بعد تمام ترقی پسند راہنماؤں، دانشوروں اور کسان کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا اور بیشتر کو قلعہ میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا مگر اس کے باوجود عوام میں بے چینی کو دور کرنے کے لئے ۱۹۵۹ء میں زرعی اصلاحات کا اعلان کر دیا گیا۔ ان زرعی اصلاحات کے ذریعے حد ملکیت کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا تاہم زرعی

معیشت کا بنیادی ڈھانچہ جوں کا توں قائم رہا۔ ان زرعی اصلاحات کی رُو سے حدِ ملکیت ۵۰۰ ایکڑ نہری یا ایک ہزار ایکڑ بارانی یا ۳۶۰۰۰ یونٹ۔ جو بھی زیادہ ہو فی کس رکھنے کی اجازت دی گئی۔ ۲۵۰ ایکڑ نہری یا ۵۰۰ ایکڑ بارانی یا ۱۸۰۰۰ یونٹ جو بھی زیادہ ہو عزیز و اقارب کو منتقل کرنے کی اجازت تھی۔ ۱۵۰ ایکڑ نہری باغ یا سٹڈ فارم کے نام پر رکھنے کی اجازت تھی۔ شکار گاہوں کے رقبہ جات حکومت کی منظوری سے رکھنے کی بھی اجازت تھی۔

ان زرعی اصلاحات کے تحت ۲۲۳، بڑے زمینداروں وڈیروں سے کل ۲۳ لاکھ ایکڑ رقبہ حاصل کیا جانا تھا۔ مگر جو رقبہ حاصل ہوا وہ ۱۹،۰۷،۸۳۳ ایکڑ تھا جس میں سے ۸،۰۷،۴۱۱ ایکڑ بنجر اور غیر آباد ۴۸،۴۶۵ ایکڑ دریا بُرد۔ ۵۹،۳۳۷ ایکڑ پتھریلا اور باقی ماندہ سیم تھور کی وجہ سے ناقابلِ کاشت۔ صرف ۵،۰۵،۴۹۰ ایکڑ رقبہ قابل کاشت تھا۔ اس رقبہ کی قیمت ۸ روپے ۸۰ پیسے فی یونٹ مقرر کی گئی تھی جس کا معاوضہ ۸،۹۵،۲۲،۷۸۸ روپے تھا۔ سود اس کے علاوہ۔ حاصل کردہ اس رقبہ میں سے ۴،۵۱،۲۲۶ ایکڑ اس قدر ناقص تھا کہ اس کا کوئی خریدار ہی تیار نہ ہوا۔ ان زرعی اصلاحات کے تحت جن مزارعین کو زمین دی گئی تھی ان میں سے کمزور مالی حالت کی وجہ سے جو اقساط باقاعدگی سے ادا نہ کر سکے بے دخل کر دیئے گئے۔ ایسے مزارعین کی تعداد ۷،۵۹۳ تھی اور ان سے واپس لیا گیا رقبہ ۴۲،۷۲۸ ایکڑ تھا۔ ان زرعی اصلاحات کے مطابق حدِ ملکیت کے علاوہ بھی لینڈ کمیشن نے ۲۶ بڑے زمینداروں اور وڈیروں کو مزید رقبہ جات رکھنے کی اجازت دے دی تھی جو ۲،۳۱،۱۵۵ ایکڑ تھا۔ علاوہ ازیں زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کی ذمہ داری نوکر شاہی پر تھی جو وڈیروں کے اثر میں ہوتی ہے۔ طبقاتی تنظیموں بالخصوص کسان کمیٹی کی سرگرمیاں ممنوع تھیں اور کارکن جیلوں میں بند تھے جس کا فائدہ بھی ان وڈیروں کو ہی ہوا۔ مگر ان سب

خامیوں اور بے انصافیوں کے باوجود ان زرعی اصلاحات سے ملکیت کا تقدس ٹوٹ گیا۔ جاگیر دار طبقہ کی اقتدار پر گرفت کمزور ہوئی جس سے سرمایہ دار طبقہ کو اقتدار میں غالب حیثیت حاصل ہو گئی۔ جاگیر دار طبقہ سرمایہ دار طبقے کے ساتھ ذیلی حیثیت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کے علاوہ جو اثرات مرتب ہوئے حسب ذیل تھے۔

۱۔ مزید زرعی اصلاحات کے خوف کے پیش نظر خود کاشت کا رجحان بڑھا مشینی کاشت کی ترغیب ہوئی جس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ ۱۹۵۹ء میں ملک میں صرف ۲۰۰۰ ٹریکٹر تھے ۱۹۶۰ء تک ۶۰ فی صد وڈیرے اور زمیندار ایسے تھے جن کے پاس کوئی ٹریکٹر نہ تھا مگر ۱۹۶۹ء تک ۱۸۰۹۰ ٹریکٹر زیر استعمال تھے۔

۲۔ مزارعین کھیت مزدور یا سیری کی حیثیت اختیار کرنے پر مجبور ہونے لگے۔

۳۔ ان زرعی اصلاحات سے مزارعین اور چھوٹے مالک کسانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور جاگیرداری کے خاتمے و دیگر مطالبات کے حصول کی جدوجہد کے لئے بھی ہمت اور حوصلہ پیدا ہوا۔

۴۔ اسی اثنا میں ایک اور حوصلہ افزا واقعہ ہوا۔ ۱۹۶۲ء کی مغربی پاکستان اسمبلی کے پہلے اجلاس کے موقعہ پر اسمبلی کے سامنے ان کسانوں نے جن کو ماضی میں کسان تحریک کی جدوجہد کے نتیجے میں سرکاری اراضیات لگان پر الاٹ تھیں مالکانہ حقوق کے حصول کے لئے مظاہرہ کیا اور بھوک ہڑتال کر دی۔ جس پر حکومت نے ان کو حقوقِ ملکیت معاوضہ کے ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ جس سے سرکاری زمین کی نیلامی رکوانے اور اسے مزارعوں اور چھوٹے مالک کسانوں میں تقسیم کرانے کی جدوجہد پر مزید اعتماد بڑھا۔

اپریل ۱۹۶۳ء میں مارشل لاء کے فوری بعد جناب سی آر اسلم کی زیر قیادت مغربی پاکستان کے کسان کارکنوں کا ایک وسیع کنونشن خانیوال ضلع ملتان میں منعقد ہو

جس میں مغربی پاکستان کی سطح پر ازسرنو کسان کمیٹی کو منظم کرنے کا فیصلہ ہوا یہ دراصل دوسرے دور کا آغاز تھا۔ اس کانفرنس میں جن مطالبات کو بنیاد بنا کر جدوجہد شروع کی گئی وہ پہلے پروگرام کا حصہ ہی تھے۔ یعنی جاگیرداری کا خاتمہ کرکے وڈیروں اور زمینداروں سے حاصل کردہ زمین بلا معاوضہ مزارعوں اور چھوٹے مالک کسانوں میں تقسیم کرنے، سرکاری زمین کی نیلامی بند کرنے اور یہ زمین مزارعوں اور گذارہ یونٹ سے کم کے مالکوں کو بلا معاوضہ دینے، ایسی تمام سرکاری اراضیات کے الاٹیان کو جو گذارہ یونٹ سے کم اراضی کے مالک ہوں کو مالک قرار دینا، چھوٹے مالکان کو مالیہ سے مستثنیٰ قرار دینا اور دستکاروں پر سے پیشہ ورانہ ٹیکس کا خاتمہ وغیرہ۔ اس عرصہ میں جس طرح کام کیا گیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ ہر ضلع اور ہر علاقہ میں بڑے جوش و جذبہ سے کام ہوا۔ پنجاب کے علاوہ سندھ اور سرحد میں بھی بھرپور طریقے سے کام کیا گیا۔ پنجاب میں تو ماسوائے ضلع کیمبل پور کے کوئی ایسا ضلع نہ تھا جس میں سے ممبرشپ کے لحاظ سے ڈیلیگیٹ منتخب ہو کر یکم اور ۲ جولائی ۱۹۶۶ء کو صوبائی کونسل کے اجلاس میں نہ آئے ہوں اس طرح قیام پاکستان کے بعد پہلی دفعہ ایک جمہوری تنظیم معرض وجود میں آئی تھی۔ اس جمہوری اور منظم جدوجہد کے اثرات بھی بے پناہ ہوئے۔ زرعی انقلاب کا چرچا عام ہونے لگا۔ زرعی انقلاب کی اہمیت کو عام کرنے کے لئے منظم طریق پر دیہات کی آبادی کو متحرک کرنے کی جدوجہد تیز ہوئی۔ ۱۹۷۰ء تک اس جدوجہد سے نہ صرف دیہات کی آبادی بلکہ شہری محنت کش طبقات، طلبا اور دانشوروں نے بھی زرعی انقلاب کو ترقی، خوشحالی، آزادی اور جمہوریت کی بنیاد قرار دیا۔ جس کا مظاہرہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۰ء کی ٹوبہ ٹیک سنگھ کسان کانفرنس کی شکل میں ہوا۔ جس میں ملک بھر کی دیہات کی آبادی ہی متحرک نہ ہوئی بلکہ شہری محنت کش طبقات، طلباء، دانشوروں اور سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور زرعی انقلاب کو اپنی منزل

قرار دیا۔ اس کانفرنس نے نہ صرف یہ کہ عوام کو ہی متاثر و متحرک کیا بلکہ بورژوا اور رجعتی جماعتوں بالخصوص جماعت اسلامی ایسی جماعت بھی اپنے انتخابی پروگرام میں حد ملکیت کے تعین اور چھوٹے مالک کسانوں کو مالیہ وغیرہ میں چھوٹ دینے کے مطالبات کو شامل کرنے پر مجبور ہوئی۔ مگر پیپلز پارٹی ان سب میں بازی لے گئی۔ اس نے جاگیرداری کے خاتمے اور جھاڑا ہورے اوہوا ای کھا دسے، سوشلزم آدے ہی آدے، چھوٹے مالک کسانوں کو مالیئے سے مستثنیٰ قرار دینے کے بڑھ چڑھ کر نعرے دیئے اور انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی۔

اقتدار سنبھالنے کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت نے یکم مارچ ۱۹۷۲ء کو زرعی اصلاحات کا حسب ذیل کا اعلان کیا۔

۱۔ حد ملکیت ۔ ۱۵۰ ایکڑ نہری یا ۳۰۰ ایکڑ بارانی یا ۱۲۰۰۰ یونٹ جو بھی زیادہ ہو لیکن ٹریکٹر یا ٹیوب ویل رکھنے کی صورت میں مزید ۲۰۰۰ یونٹ رکھنے کی اجازت ہوگی۔

۲۔ اگر کوئی زمیندار وڈیرا کسی وجہ سے اپنی زمین کسی وارث کو نہ دے سکا ہو تو وہ اب بھی حکومت کی اجازت سے ایسا کر سکے گا۔

۳۔ بڑے افسروں کو انعام و اکرام میں دی گئی اراضی میں سے ۱۰۰ ایکڑ نہری رقبہ رکھنے کی اجازت دی گئی۔

۴۔ فوجی افسروں کو دی گئی اراضیات ان زرعی اصلاحات سے مستثنیٰ ہوں گی۔

۵۔ سرکاری زمین کی نیلامی بند کر کے مزارعوں اور چھوٹے مالک کسانوں میں قیمتاً تقسیم کرنے کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔

۶۔ بیج، مالیہ، آبیانہ مالک کے ذمے ہوں گے۔ بقیہ اخراجات نصف نصف۔ پیداوار کا حصہ ۲/۳ کی بجائے نصف ہوگا۔

۷۔ پنجاب ٹیننسی ایکٹ جس کی رُو سے عدالت کے ذریعے ہی بیدخلی ہو سکتی ہے

دوسرے صوبوں میں بھی نافذ کر دیا گیا۔

۸۔ ایک ترمیم کے ذریعے حکومت نے یہ حق حاصل کر لیا کہ جن زمینداروں اور وڈیروں کی زرعی اصلاحات میں حق تلفی ہوئی ہو اس کی تلافی کی جا سکے گی۔

۹۔ مزارعہ زمیندار کے خلاف ناجائز رقبہ رکھنے کی شکائت کر سکے گا جو درست ثابت ہونے پر مبلغ پانچ سو روپے انعام کا حقدار ہوگا۔ بصورت دیگر مبلغ یک صد روپیہ جرمانہ یا پندرہ دن قید کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

ان زرعی اصلاحات سے کل ۴۳۳۳ وڈیرے، جاگیردار، خوانین اور سردار متاثر ہوئے ان سے کل ۲۸ لاکھ ۲۰ ہزار ایکڑ رقبہ ان زرعی اصلاحات کے تحت حاصل کیا جانا تھا مگر عملاً بمشکل تمام صرف ۵۱۲،۸۸۶ ایکڑ رقبہ حاصل ہو پایا۔ ان زرعی اصلاحات کی ناکامی کی مثال اس طرح ہے کہ ایوب زرعی اصلاحات میں سلطان احمد چانڈیو کو ۸۱،۳۲۳، ایکڑ رقبہ حد ملکیت سے زائد بطور شکار گاہ رکھنے کی اجازت دی گئی تھی پیپلز پارٹی کی حکومت کی زرعی اصلاحات میں اس سے صرف ۵۶۰۰۰ ایکڑ رقبہ حاصل کیا گیا۔ اس کے اس رقبہ میں سے جو ایوب زرعی اصلاحات میں زائد تھا سے بھی ۳۸۱،۶۷ ایکڑ رقبہ اس کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے بیان کے مطابق ایوب زرعی اصلاحات کے وقت سے صرف پنجاب میں بڑے زمینداروں کے قبضے میں ۵ لاکھ ایکڑ رقبہ ناجائز طور پر چلا آ رہا ہے۔ اسی طرح پیپلز پارٹی کی زرعی اصلاحات میں میر جعفر خاں آف خیر پور نے اپنے کل ملکیتی رقبہ ۴۴،۵۹۴ ایکڑ کا اعلان نامہ لینڈ کمیشن کو پیش کیا تھا۔ لینڈ کمیشن نے اس کو ۳،۲۳۵،۰۸ ایکڑ رقبہ رکھنے کی اجازت دے دی اور بقیہ ۳۶۱،۳۲،۴۱ ایکڑ رقبہ حکومت کی تحویل میں دینے کی ہدایت کی مگر یہ رقبہ بھی اس کے قبضے میں ہی چلا آ رہا ہے، صرف ۹۰۰۰ ایکڑ رقبہ ہی لینڈ کمیشن کے حکم کی رو سے تقسیم ہو پایا ہے۔ یہ اور

ایسی بیسیوں مثالیں موجود ہیں جو اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ موجودہ جاگیردارانہ نظام حکومت میں زرعی اصلاحات پر بھی عمل درآمد ناممکن ہے اور یہ سب جاگیردار طبقہ کے اثر ورسوخ اور اس کی سیاسی وسماجی طاقت کا کرشمہ ہے۔ ان زرعی اصلاحات کے باوجود جاگیردارانہ بنیادیں جوں کی توں موجود ہے۔ اس سے طبقاتی رشتوں میں کوئی فرق نہ آیا ہے تاہم حدِ ملکیت کے تعین میں کمی اور بلامعاوضہ کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے جس سے پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ بلامعاوضہ ملکیتی تصور کا تقدس بھی ختم ہوا ہے۔

اس کے علاوہ ان زرعی اصلاحات کے سماجی اثرات بھی دوررس ثابت ہوئے ہیں۔ بڑے زمینداروں اور وڈیروں نے مستقبل کے خوف سے خود کاشت کے عمل کو مزید تیز کر دیا مشینی کاشت میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ اجناس کے نرخوں میں یکلخت اضافے سے مشینی کاشت کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۶۹ء میں ملک میں ۱۸٫۹۰۹ ٹریکٹر تھے۔ ۱۹۷۵ء میں ۳۵٫۱۴۴ اور ۱۹۸۱ء تک ان میں مزید ۷۵٫۸۶۹ ٹریکٹروں کا اضافہ ہوگیا۔ ۱۹۸۳ء تک ۱۳۷٫۰۰۰ ٹریکٹر ملک میں زیر استعمال آچکے تھے جو اب تک ۱۷۰٫۰۰۰ ٹریکٹر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں اب تک دو لاکھ دس ہزار ٹیوب ویل بھی نصب ہوچکے ہیں۔ جن میں سے ایک لاکھ پندرہ ہزار بجلی سے اور باقی ۹۵ ہزار ڈیزل سے چلتے ہیں۔ دیہات میں اس عمل سے ایک نیا محنت کش طبقہ وجود میں آرہا ہے جو ٹریکٹر ڈرائیورز، ٹیوب ویل آپریٹرز، نیم مکینک اور کھیت مزدوروں کا ہے۔ اس طبقہ میں آئے دن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ طبقاتی طور پر کسان سے زیادہ ہوشمند اور باشعور ہے۔ ۱۹۶۰ء تک ۶۰ فی صد وڈیروں اور بڑے زمینداروں کے پاس ایک ٹریکٹر بھی نہ تھا۔ مگر اب بڑے زمینداروں میں جو ۱۵۰ ایکڑ سے زائد رقبہ کے مالک ہیں کم از کم ان کے پاس ایک ٹریکٹر ضرور ہے۔ ۱۴ فی صد وڈیروں کے پاس

تین یا تین سے زائد ٹریکٹر ہیں۔ وہ اپنی ۸۰ فی صد ملکیتی اراضی خود کاشت کرنے لگے ہیں۔ اور اس طرح مزارعوں کو کھیت مزدور یا کسی قسم کے سیری بننے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اس تبدیلی کے عمل سے ۷/۱۲ ایکڑ سے ۲۵ ایکڑ رقبہ تک کے مالکان اراضی کی تعداد میں کمی واقع ہونے لگی ہے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۳ء تک ان مالک کسانوں، مزارعوں اور چھوٹے مالک کسانوں سے ۲۴۰،۳۴۹۔ افراد مزدوروں کی صفوں میں شامل ہوئے ہیں جو اس وقت مزدوروں کی تعداد کا ۴۲ فی صد تھا۔

ہمارے ملک میں ان زرعی اصلاحات کے باوجود جاگیرداریت کی بنیاد اور گرفت بدستور مضبوط چلی آ رہی ہے اور ان فرسودہ جاگیردارانہ رشتوں کی موجودگی میں سامراج اور بالخصوص امریکی سامراج کی مدد سے سرمایہ دارانہ نظام پیداوار کی ابتدا کی گئی ہے جو اسی کی مدد سے قائم ہے۔ چونکہ پاکستان میں سرمایہ دارانہ ترقی کا راستہ جاگیردارانہ رشتوں کو قائم رکھتے ہوئے شروع کیا گیا ہے اس لئے یہ سرمایہ دارانہ نظام پیداوار آزادانہ ترقی کرنے اور خود کفالت کی معیشت کے قیام میں ناکام رہا ہے۔ اس لیے یہ نظام زرعی معیشت سے فاضل آبادی کو روزگار کے مواقع مہیا کرنے اور زمین پر سے بوجھ کم کرنے میں بھی ناکام رہا ہے یہی

اصل سبب ہے کہ جونہی جاگیرداروں اور وڈیروں نے مشینی کاشت کا عمل شروع کیا ہے دیہات میں بیکاروں بے روزگاروں کی صفوں میں آئے دن اضافہ ہونے لگا ہے۔ غربت و افلاس بڑھنے لگا ہے۔ لوگ دھڑا دھڑ شہروں کا رُخ کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ چوری، ڈکیتی، اغوا اور قتل کے واقعات عام ہونے لگے ہیں۔۔۔ منشیات عام لوگوں کی زندگی کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ یہ سب اسی سماج کا پرتو ہے۔ مصنوعات کی منڈی سکڑنے لگی ہے۔ آئے، ان مصنوعات کی کھپت قوت خرید کرنے

سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ زرعی بحران کے پہلو بہ پہلو صنعتی بحران بھی شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ چونکہ ہماری معیشت امریکی سامراج کے قرضوں سے پلی بڑھی ہے۔ لہذا اسی کی محتاج ہے اور اس کو قائم رکھنے کے لئے امریکی سامراج کے قرضوں کا ہی سہارا لیا جاتا ہے۔ نتیجتاً ہمارا ملک تجارتی رشتوں میں بھی امریکی سامراج و دیگر سامراجی ملکوں کی منڈی سے بندھ گیا ہے۔ اس کا ایک نقصان تو یہ ہوا ہے کہ ہماری زرعی اجناس کی منڈی محدود ہو گئی ہے۔ اور پھر کچے مال کے دام کم مقرر کیے جاتے ہیں ملکی مصنوعات کی ان سامراجی ممالک میں برآمد پر پابندیاں ہیں جبکہ ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کو پاکستان میں کھلے بندوں کسانوں کو لوٹنے کی اجازت ہے۔ ان کے منافعوں پر نہ کوئی کنٹرول ہے اور نہ ہی کوئی پابندی۔ کرم کش ادویات مہنگے داموں اور من مرضی کی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ ان کمپنیوں کے اثرات کا اندازہ کیجئے۔ ہماری حکومت نے محکمہ زراعت کے پاس ۹ کروڑ روپے کی کرم کش ادویات کسانوں میں رعائتی قیمت پر تقسیم کرنے کے لئے دے رکھی تھیں۔ جب ان کمپنیوں کا عمل دخل شروع ہوا تو حکومت نے محکمہ کی یہی کرم کش ادویات سٹوروں میں سیل کروا دیں اور فروخت پر پابندی عائد کر دی۔ اور یہ ادویات اب تک سٹوروں میں پڑی خراب ہو رہی ہیں جبکہ محکمہ ان سٹوروں کا کرایہ ادا کرتا جا رہا ہے۔ یہ سب ان ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے مفادات کی خاطر ہو رہا ہے۔ جب کہ قومی دولت ضائع کی جا رہی ہے۔ یہ عالمی بنک اور آئی۔ ایم۔ ایف وغیرہ اداروں کی ہدایات اور مداخلت کا نتیجہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی ہدایات کے نتیجے میں کھاد، ڈیزل، کرایہ ریلوے، بجلی اور گیس کے نرخوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اور انہیں اداروں کے ایما پر کھاد اور کرم کش ادویات وغیرہ پر سبسیڈی بند کی گئی ہے جبکہ امریکہ و دیگر ترقی یافتہ ملکوں میں بھی زرعی پیداوار کے لئے ضروری اشیاء پر سبسیڈی دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کی ہدایات پر زرعی ٹیکس عائد کئے

جاتے ہیں اور ان میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہماری آزادی کی سراسر توہین ہے۔

یہ ایسے واقعات ہیں جن کے خلاف ایک مضبوط اور منظم جدوجہد کی ضرورت ہے مگر ایسا نہ تو کسان کمیٹی کر سکی ہے اور نہ ہی کوئی دوسری تنظیم۔ ایسا کیوں ہوا۔ اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ یہ دیکھنا بے حد ضروری ہے۔

۱۔ پیپلز پارٹی کے اقتدار سنبھالنے کے بعد بھی پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے مسلسل انتخابی نعرے بازی قائم رکھی۔ جاگیرداری کے خاتمے، مالیہ کی معافی، ٹیکسوں میں چھوٹ، بیبڑا اوا ہوسے او ہوای کھاوے، سوشلزم آوے ہی آوے وغیرہ۔

۲۔ پیپلز پارٹی کے ذریعے نجی کاموں کی خاطر کارکنوں کی حکام تک رسائی۔

۳۔ اجناس کے بھاؤ میں یکلخت اضافہ سے وقتی ریلیف

۴۔ خلیجی ممالک کو افرادی قوت کی کثیر تعداد میں برآمد

۵۔ حکومت کی طرف سے وقفہ وقفہ سے رعایتوں کے اعلانات مثلاً پیشہ ورانہ ٹیکس کا خاتمہ، گذارہ یونٹ تک کے مالکوں کو مالیہ کی معافی اور بعد ازاں ۲۵ ایکڑ رقبہ تک کے مالکان کو مالیہ سے مستثنیٰ قرار دیا جانا، دست کاروں اور بے مالک کسانوں کے لئے رہائشی احاطہ جات کی ۵ مرلہ سکیم۔

۶۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے پیپلز پارٹی کو مزدوروں، کسانوں کی جماعت ثابت کرنے کے لئے پروپیگنڈا۔

۷۔ دانشوروں کی پیپلز پارٹی کی حمایت میں مہم۔ جس سے عوام کے طبقاتی شعور کو کند کرنے میں مدد ملی۔

۸۔ مخالف سیاسی جماعتوں اور طبقاتی تنظیموں پر پابندی۔ حتیٰ کہ کسان کمیٹی کو ٹوبہ ٹیک سنگھ کسان کانفرنس کی سالگرہ بھی منانے کی اجازت نہ دی گئی۔

یہ ایسے اقدامات تھے جن کی بنا پر دیہات کے عوام پیپلز پارٹی کے ساتھ چلے

گئے، اور وقتی طور پر کسان کمیٹی کی تنظیم اور اس کی جدوجہد کو نقصان پہنچا اور وہ موثر جدوجہد کرنے میں ناکام رہی۔

۱۹۷۷ء کے مارشل لا کے نفاذ کے بعد بھی فوجی حکومت ان نام نہاد زرعی صلاحات کے اثرات کو زائل کرنے میں مصروف رہی۔ اس نے مزید زرعی اصلاحات کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کسان کمیٹی اور دوسری ترقی پسند تنظیموں کی جانب معاندانہ رویہ اور اس کے برعکس وڈیروں اور جاگیرداروں کی سرپرستی۔ جماعت اسلامی کے کسان بورڈ۔ انجمن کاشت کاران و دیگر ایسی تنظیموں کی حمایت جو زمینداروں اور وڈیروں کی حامی ہیں۔ مالیہ کی معافی کی جگہ مذہب کے نام پر پھر سے ٹیکس یعنی عشر کا نفاذ پیشہ ورانہ ٹیکس کی جگہ لائسنس فیس کا اجرا۔ خوف، دہشت اور تشدد کی فضا قائم رکھنا سیاسی و طبقاتی تنظیموں بالخصوص کسان کمیٹی کی سرگرمیوں پر پابندی۔ کسان تنظیم کو کمزور کرنے کا باعث بنے ہیں۔ جس سے زرعی معیشت کی ترقی میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوئی موثر جدوجہد نہ ہو پائی ہے۔ مگر اب صورت حال بدلنا شروع ہو گئی ہے۔ وہ تمام اسباب جن کی وجہ سے کسان تحریک کمزور ہوئی تھی اب ختم ہو گئے ہیں یا ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ جاگیرداری کے خاتمے۔ جہیز ادا ہونے اور ہوائی کھادے۔ سوشلزم آدھے ہی آدھے کے نعرے جھوٹے ثابت ہوئے ہیں۔

۲۔ پیپلز پارٹی کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد کارکنوں کی حکام تک رسائی ختم ہو گئی ہے۔

۳۔ اجناس کے بھاؤ گرتے جا رہے ہیں۔ پیداواری اخراجات دن بدن بڑھتے چلے ہیں اور بچت کم ہوتی جاتی ہے۔

۴۔ عشر، زکوٰۃ۔ لوکل ریٹ کا نفاذ۔ لگان و دیگر ٹیکسوں میں مسلسل اضافہ

۵۔ آبیانہ میں آئے سال اضافہ ہوتا ہے۔ وزیر مالیات جناب محبوب الحق کے

حالیہ بیان کے مطابق آبیانہ کی شرح میں حسب ذیل اضافہ ہوا ہے۔

	۱۹۵۹ء	۱۹۸۵ء
گندم	۶ــــ۰۰ روپے	۲۱ــــ۹۰ روپے فی ایکڑ
چاول	۱۰ــــ۰۰ "	۳۲ــــ۰۰ " "
گنا	۲۰ــــ۰۰ "	۹۴ــــ۰۰ "
کپاس	۹ــــ۱۰ "	۳۳ــــ۰۰ "

نہری پانی کی تقسیم اور آبیانہ کی تشخیص کا پانی کی مہیا کردہ مقدار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آبیانہ کی تشخیص کاشتہ رقبہ پر کر دی جاتی ہے۔ جبکہ آج کے دور میں تردد کاشت بے حد ضروری ہے۔ لوگ پانی کی مقررہ مقدار سے بچت کرکے زیادہ فصلات کاشت کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ ٹیوب ویلوں سے بھی استفادہ کرتے ہیں مگر آبیانہ ہمارے کاشتہ رقبہ پر تشخیص کر دیا جاتا ہے۔ جو سراسر بے انصافی ہے اور پیداواری عمل کو تیز کرنے میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ اس لئے آبیانہ کی تشخیص پانی کی مہیا کردہ مقدار کے مطابق کی جانی چاہیئے۔ اس کا کاشتہ رقبہ سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔ نیز پانی کی کمی سے نپٹنے کے لئے ایک طویل مدتی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اور ایسا انتظام کیا جانا ضروری ہے جس سے ان علاقوں کی پانی کی کمی کو پورا کیا جاسکے۔ جن کا زمینی پانی ناقابل کاشت ہے۔ اس مقصد کے لئے جن علاقوں کا پانی قابل کاشت ہے ان میں سرکاری سطح پر ٹیوب ویل نصب کئے جائیں۔ اور ان علاقوں سے پانی بچت کرکے ان علاقوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے جن کا پانی ناقابل کاشت ہے۔

ملک میں ان دنوں نہری پانی کی تقسیم وجہ نزاع بنی ہوئی ہے اور چشمہ جہلم لنک پر صوبائی حکومتیں اور خاص طور پر پنجاب اور سندھ کے سرکاری حلقے اس مسئلہ کو خوب اچھال رہے ہیں۔ محسوس یوں ہوتا ہے کہ حکومت جان بوجھ کر صوبائی تعصب کو ہوا دے

کر عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کی کوشش میں ہے۔ مرکز میں مارشل لا کی حکومت تھی۔ چاروں صوبائی حکومتیں اس کے تابع ہیں اور مرکز کی وفادار بھی ہیں مگر چشمہ جہلم لنک کے مسئلہ میں نہ مرکزی حکومت کو کوئی تشویش ہے اور نہ ہی وہ صوبائی حکومتوں کی اس پالیسی میں مداخلت کر رہی ہے۔ مرکزی وزیر آبپاشی اپنی مرضی کے بیانات دے رہا ہے اور صوبائی حکومتیں اپنی مرضی کے بیانات جاری کر رہی ہیں جن سے پیداوار ہی کو نقصان نہیں ہو رہا بلکہ وہ تمام علاقے فکر مند اور بے یقینی کی حالت میں ہیں جہاں اس نہر سے پانی مہیا کیا جاتا ہے حالانکہ اس مسئلہ کو صوبائی نمائندوں کی میٹنگ میں باہمی رضامندی سے طے کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے حکومت کا موجودہ رویہ جو اس نے چشمہ جہلم لنک کے پانی کی تقسیم کے سلسلہ میں اختیار کر رکھا ہے۔ قابل مذمت ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اسے فریقین کے نمائندوں کی باہمی رضامندی سے جلد از جلد طے کیا جائے۔

۶۔ پیداواری اخراجات آئے دن کھاد، بیج، کرم کش ادویات، آلات کشاورزی اور ڈیزل کی قیمتوں میں اضافہ سے بڑھتے جاتے ہیں جس کا اثر لامحالہ مزارعوں اور چھوٹے مالک کسانوں کی قوتِ خرید پر پڑ رہا ہے اور ان کی حالت پتلی ہوتی جاتی ہے۔

۷۔ زرعی آلات ٹریکٹر، ٹرالی، تھریشر وغیرہ کی قیمتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں میسی فرگوسن ٹریکٹر کی قیمت خرید ۱۲۸۰۰/- روپے تھی جو اب ایک لاکھ روپیہ یا اس سے زائد ہو گئی ہے۔ یہ قیمت چھوٹے اور بے مالک کسانوں کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ متوسط طبقہ کے کسان بھی نہیں خرید سکتے۔

۸۔ کھاد کی قیمتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت یوریا کھاد کے ایک تھیلا کی سرکاری قیمت ۱۲۸/- روپے ہے۔ بازار میں ۱۰۵/- روپے فی تھیلا اور برآمدی قیمت ۹۸/- روپے فی تھیلا ہے جبکہ لاگت قیمت اس سے بھی کم ہے۔ اس لئے منافعوں پر

کنٹرول کر کے لاگت قیمت پر مہیا کی جانی چاہیئے۔

۹۔ بیج مہنگا۔ بروقت میسر نہ ہے۔ چور بازاری ہوتی ہے۔ جو بیج مہنگے داموں مہیا کیا جاتا ہے سیزن پر عام ریٹ پر خرید کیا جاتا ہے۔ اس لئے بیج کو آسانی سے مہیا کرنے کے لئے کاشت پر جتنا بیج دیا جائے برداشت پر اتنا وصول کر لیا جائے۔

۱۰۔ تعلیم بہت مہنگی۔ طبقاتی مفادات پر مبنی۔ ایک طرف ماڈل سکول۔ ایچی سن کالج۔ نرسری سکول جہاں وڈیروں اور نوکر شاہی کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ہے اور اس کے برعکس لاکھوں محنت کش عوام کے بچے۔ جن کے لئے نہ سکولوں کی عمارات اور نہ بیٹھنے کے لئے کوئی انتظامات۔ منافق پن کا یہ حال کہ اُردو کو قومی زبان بنانے کا دعوئے اور اپنے بچوں کی تعلیم انگلش میڈیم سکولوں میں اور اس پر طرہ تماشا یہ کہ داخلہ میرٹ پر۔ قابلیت کی بات کی جاتی ہے۔ آپ فیصلہ کیجئے کہ درختوں کے سایہ میں پڑھنے والے بچوں میں قابلیت پیدا ہوگی یا انگلش میڈیم اور ماڈل سکولوں میں پڑھنے والے طلباء میں۔

۱۱۔ طبی امداد پہلے تو سرکاری ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں میں مل جایا کرتی تھی مگر اب وہ بھی کاروباری ادارے بن کر رہ گئے ہیں۔ اول تو دیہات کے ہسپتالوں میں ڈاکٹر تعینات ہی نہیں اور اگر کہیں کوئی ہے بھی تو دوائی ندارد۔ ڈاکٹر کو فیس بھی دینی پڑتی ہے۔ اور اب حکومت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر داخل مریض کو دس روپے یومیہ فی بیڈ فیس ادا کرنا ہوگی۔ اس طرح اب پرائیویٹ اور سرکاری طبی اداروں میں چنداں فرق نہیں رہا ہے۔

۱۲۔ رشوت اب کوئی سماجی برائی نہیں رہی ہے۔ کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر ہونا ناممکن ہے۔ پولیس، محکمہ انہار، مال و دیگر محکمہ جات کے حکام، اہلکار صرف ایک ہی کام میں مصروف ہیں کہ کس طرح رشوت بٹوری جائے۔ لوگ اپنے کاموں کی

خاطر پریشان حال مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ ان کا پیسہ، وقت اور انرجی ضائع ہوتی رہتی ہے اور پیداواری عمل رکا رہتا ہے۔

۱۳۔ ڈیزل اور بجلی کے ریٹ میں آئے دن اضافوں سے ٹیوب ویل سے آبپاشی فائدہ مند نہیں رہی ہے۔ بجلی کے کنکشن دیئے جانے اور میٹر نصب کرنے میں رشوت کی ادائیگی۔ ایم، سی، جی کی وصولی سب پیداواری اخراجات میں اضافے کا موجب ہیں جبکہ اس لئے زرعی کاشت کا کاروبار گھاٹے میں جا رہا ہے۔

۱۴۔ خلیجی ممالک کی سیاست کے لیل و نہار بدل رہے ہیں۔ لوگوں کے جانے کا ریلا ختم گیا ہے۔ اب افرادی قوت کی واپسی شروع ہو گئی ہے۔ گذشتہ تین سالوں سے زرمبادلہ کی ترسیل میں کمی واقعی ہوتی جا رہی ہے۔ اس سال ۶۰ کروڑ ڈالر یا تقریباً ۹ ارب روپے کا زرمبادلہ کم ہو گیا ہے۔ حکومت کے اپنے اندازوں کے مطابق آئندہ تین سال میں چھ لاکھ افراد واپس آجائیں گے۔ صرف ایک ملک سعودی عرب سے ہر ماہ ۲۲ ہزار افراد غیر ملکی واپس بھیجے جا رہے ہیں۔ جس سے ہمارے دیہات میں بے کاروں اور بے روزگاروں کی صفوں میں اور اضافہ ہو گا۔

۱۵۔ ملک میں سیم اور تھور میں سال بہ سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ حکومت کی جانب سے اس پر کنٹرول کرنے کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں اور حکومت سکارپ کی سکیموں کا بھی اعلان کرتی رہتی ہے مگر سیم و تھور کا مرض بڑھتا ہی جاتا ہے حکومت کے اپنے تخمینے کے مطابق سالانہ ایک لاکھ ایکڑ رقبہ قابل کاشت بنایا جاتا ہے جبکہ اس کے برعکس سیم اور تھور سے ایک لاکھ ایکڑ رقبہ سے زائد سالانہ ضائع ہو رہا ہے۔ ہر پانچ منٹ بعد ایک ایکڑ رقبہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اس وقت ایک کروڑ بارہ لاکھ ایکڑ رقبہ کلی یا جزوی طور پر سیم سے ناکارہ ہے۔ اور ۵۰ لاکھ ایکڑ رقبہ تھور سے متاثر ہے۔ سکارپ کی سکیمیں ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔ واپڈا کے ذریعے

سکارپ کے ٹیوب ویل نصب کئے جاتے ہیں۔ مکمل ہونے کے بعد اریگیشن ڈیپارٹمنٹ کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ ان ٹیوب ویلوں کی چالو حالت اریگیشن محکمے کے سپرد ہونے سے پہلے ہی مخدوش ہوتی ہے۔ اس طرح سکارپ کی سکیموں پر کروڑوں روپیہ ضائع ہو رہا ہے۔ دولت کا یہ ضیاع اور تدارک عوامی حمایت و تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔

۱۶۔ ملک میں اب بھی غیر حاضر زمیندار پیدا کئے جاتے ہیں۔ فوجی اور دوسرے سول افسروں کو سرکاری اراضی انعام و اکرام کی صورت میں دینے کی پالیسی جاری ہے۔ پنجاب میں ۱۹۶۵ء سے اب تک ۶۱۵۰ فوجی افسروں اور ماتحت عملہ کو ۴۲۴۸۰۲،۴۴ ایکڑ سرکاری اراضی الاٹ کی گئی ہے جبکہ ۲۳۱ سول ملازمین کو ۱۳،۴۹۶ ایکڑ اور ۱۲ غیر سرکاری افراد کو ۲۴۴ ایکڑ سرکاری زمین الاٹ ہوئی ہے۔ یہ اراضی فوجیوں کو گالنٹری ایوارڈ، بارڈر ایریا سکیم، فوجی آبادکاری سکیم اور سرکاری ملازمین کو بہتر کارکردگی کے نام پر الاٹ کی گئی ہے۔ اس طرح ۱۹۷۱ء تک گدو، سکھر اور کوٹری بیراجوں میں تعمیر ہونے کے بعد کل زیر کاشت رقبہ کا ۱۴ فی صد یعنی ۳،۲۸،۰۵۵ ایکڑ مختلف درجوں کے فوجی و سول افسران میں تقسیم ہو چکا ہوا ہے۔ اور اب بھی یہ طریق کار بدستور اختیار کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ آٹھ سالوں میں صرف ضلع ساہیوال میں ہی بہادری ایوارڈ سکیم کے تحت ۱۵ فوجی افسروں کو زرعی اراضی الاٹ کی گئی ہے جن میں جنرل ریٹائرڈ سوار خاں، جنرل رحیم الدین خاں، جنرل ایس۔ ایس لودھی، جنرل فضل حق وغیرہ شامل ہیں اور یہ ان حالات میں ہو رہا ہے۔ جبکہ ملک میں پہلے ہی زمین وڈیروں کے پاس ہے۔ اور کروڑوں عوام زمین سے محروم ہیں۔ اس وقت ملک میں ۲۳ لاکھ خاندان مزارعین کے ہیں جن کے پاس اپنی گذر اوقات کے لئے کوئی ٹکڑہ زمین ملکیتی نہیں ہے۔ یہ مزارعین کل مالکان کی ملکیتی اراضی کا ۴۲ فی صد بٹائی پر کاشت کرتے تھے جو اب خود کاشت کرنے کی وجہ

سے کھیت مزدور یا سیری بننے پر مجبور ہیں۔

(ب) دس لاکھ خاندان ایسے مالکان اراضی ہیں جن کے پاس ایک ایکڑ رقبہ یا اس سے کم ہے اور وہ بھی اپنی گذر بسر کرنے کے لئے دوسروں کی زمین پر کام کرنے پر مجبور ہیں۔ وڈیروں کی خود کاشت کی پالیسی سے اب یہ بھی کھیت مزدور بننے یا شہروں کا رُخ کرنے پر مجبور ہیں۔

(ج) ۳۳ لاکھ خاندان ۵۔ ایکڑ یا اس سے کم ملکیت رکھتے ہیں۔ ان کی بھی گذر بسر دوسروں کی زمین پر کام کر کے ہی ممکن ہے۔

(د) ۲۸ لاکھ خاندان ۱۲½۔ ایکڑ یا اس سے کم زمین کے مالک ہیں جو کل مالکان اراضی کا ۷۰ فی صد ہیں۔ ان کے پاس کل اراضی کا ۲۲ فی صد یا ایک کروڑ باون لاکھ ایکڑ رقبہ ہے۔ اس کے برعکس ۰٫۵ فیصد وڈیرے جو ۱۵۰۔ ایکڑ سے زائد رقبہ کے مالک ہیں کے پاس تقریباً ۳۱ فی صد ملکیتی اراضی ہے۔ جو ایک کروڑ اکیاون لاکھ رقبہ ہے اور اس طرح دیہات کے معاشرہ میں نہ صرف یہ کہ معاشی طور پر ہی قابض ہے بلکہ ہر شعبہ زندگی پر اثر انداز ہے۔ یہ طبقہ انتظامیہ و دیگر حکومتی اداروں کو اپنے مفادات کے لئے مفادات کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اپنے مخالفوں کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے مقدمات بناتا ہے۔ چوروں، ڈکیتوں، اغوا کنندگان اور سماج دشمن عناصر کی سرپرستی کرتا ہے اور اپنے مخالفوں کے خلاف استعمال کرتا ہے اور ان کا ناجائز تحفظ کرتا ہے ان کو پناہ دیتا ہے اور رسہ گیری کرتا ہے۔ اس طرح سماجی زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ وہ سیاسی کارکن کو اپنے مفادات کے خلاف کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ قتل تک کرا دیتا ہے۔ اور جب کبھی اقتدار کے حصول کا وقت آتا ہے وہ انتخابات ہوں یا کوئی دوسری صورت یہ طبقہ اپنی اسی حیثیت کا فائدہ اٹھا کر اقتدار میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اپنے مفادات اور اقتدار کی حفاظت کرتا ہے۔ دیہات میں اس طبقہ کے معاشی، سیاسی اور

سماجی مفادات کا خاتمہ ہی اس ملک میں جمہوریت کی طرف پیش رفت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ نظام نہ صرف یہ کہ ملک کے سیاسی عمل اور صنعتی ترقی میں رکاوٹ ہے بلکہ زرعی پیداواری عمل میں بھی بہت رکاوٹ ہے۔ اصل میں زمین پر بوجھ ہے۔ نہ پیداواری عمل میں شامل ہے نہ اس سے کوئی دلچسپی۔ زمین کے وسائل ہیں۔ دولت ہے جو عیاشی پر صرف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک زرعی زمین کے وسائل اور افرادی قوت کے باوجود زرعی پیداوار کے بحران کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ اس سال ۲۸ لاکھ سے ۳۰ لاکھ ٹن گندم درآمد کی جا رہی ہے۔ اور آئندہ سالوں میں بھی یہ عمل جاری رہے گا۔ ۵۰ ہزار ٹن چینی اس سال باہر سے منگوانے پر مجبور ہیں اور آئندہ سال کے تخمینہ کے مطابق دو لاکھ ٹن چینی درآمد کرنا پڑے گی۔ ۳۰ کروڑ روپیہ کا سالانہ دودھ درآمد کیا جا رہا ہے۔ دالیں درآمد ہوتی ہیں۔ اور خوردنی تیل ۸۶-۱۹۸۵ء میں ۸ لاکھ ۲۲ ہزار ٹن کی سالانہ ضرورت ہو گی جب کہ ملک میں صرف ایک لاکھ ۵۰ ہزار ٹن سالانہ پیداوار ہے۔ اس طرح چھ لاکھ ۲۷ ہزار ٹن خوردنی تیل سالانہ درآمد کرنا پڑے گا جس کی درآمدی قیمت کراچی میں ۴۰۸۵ روپے فی ٹن ہے۔ اس طرح اربوں روپیہ زرمبادلہ کی صورت میں صرف زرعی اجناس کی درآمدی پر ہی اٹھ جاتا ہے۔ اور یہ اس ملک کی حالت ہے جس کی ۷۰ فی صد آبادی دیہات میں رہتی ہے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ زرعی پیداواری عمل میں مصروف ہے۔ حکومت روزانہ زرعی ترقی پر زور دیتی ہے۔ زرعی معیشت کی اہمیت کا بار بار اعلان کرتے ہیں۔ مگر ملک کے ترقیاتی پروگرام کے لئے ڈاکٹر محبوب الحق کے اعلان کے مطابق مخصوص رقومات کا ⅓ حصہ اس ۷۰ فی صد دیہات کی آبادی پر خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ ۳۰ فی صد شہری آبادی کی مقابلتاً تنظیم بھی ہے اور آواز بھی ہے۔ ۷۰ فی صد آبادی بے زبان اور غیر منظم ہے۔ یہ اور ایسے بے شمار مسائل ہیں جو دیہات کی آبادی کو درپیش ہیں۔ جن کے حل

کرنے سے ملک کی تقدیر وابستہ ہے۔ اس مقصد کے لئے دیہات کے عوام کو متحرک و منظم کرنے کے لئے باشعور اور بھرپور جد وجہد کی ضرورت ہے اور یہ کام کسان کارکنوں مزدوروں، طلبا اور دانشوروں کا وسیع متحدہ محاذ مندرجہ ذیل پروگرام کی بنیاد پر ہی سرانجام دے سکتا ہے۔

۱۔ جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کا بلا معاوضہ خاتمہ اور زمین قومی ملکیت میں لے کر خود کاشت کی بنیاد پر گذارہ یونٹ کے حساب سے تقسیم کی جائے۔

۲۔ تمام ایسی اراضیات جو انعام و اکرام کی صورت میں فوجی و سول افسران کو دے کر غیر حاضر وڈیرے پیدا کئے گئے ہیں۔ بلا معاوضہ ضبط کر کے خود کاشت کی بنیاد پر گذارہ یونٹ کے حساب سے تقسیم کی جائے۔

۳۔ تمام سرکاری قابل کاشت اراضیات کو اپریٹو فارموں کی صورت میں بے مالک اور چھوٹے مالک کسانوں، کھیت مزدوروں میں تقسیم کی جائے۔

۴۔ ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کی لوٹ کے خاتمے کے لئے حکومت ان کے منافعوں پر کنٹرول کرے۔ کرم کش ادویات خود درآمد کرے اور رعایتی قیمت پر کسانوں میں تقسیم کرے۔ کرم کش ادویات کے ملک میں کارخانے لگائے۔

۵۔ کھاد کے کارخانوں کو قومی ملکیت میں لیا جائے اور کھاد کی منافع خوری ختم کی جائے۔ کھاد حکومت رعایتی قیمت پر کواپریٹو سوسائٹیوں کے ذریعے تقسیم کرے۔

۶۔ عشر، زکوٰۃ، لوکل ریٹ ۲۵ ایکڑ رقبہ تک کے مالکان پر سے ختم کئے جائیں۔ گذارہ یونٹ تک کے مالکان کے آبیانہ و دیگر ٹیکس معاف کیے جائیں۔ پیشہ ورانہ ٹیکس دستکاروں پر سے جو لائسنس فیس کے نام سے وصول کیا جاتا ہے ختم کیا جائے۔

۷۔ ٹریکٹروں، تھریشروں وغیرہ کی قیمتوں پر کنٹرول کیا جائے اور یہ ملک میں تیار کئے جائیں۔ رعایتی قیمت مقرر کی جائے۔

۸۔ تعلیم میٹرک تک مفت، عام اور یکساں بنیاد پر دی جائے۔ طبقاتی طریق تعلیم ختم کیا جائے اور تعلیم مادری زبان میں دی جائے۔

۹۔ زرعی اجناس کے بھاؤ لاگت قیمت کے پیش نظر مقرر کئے جائیں۔ گنے کی قیمت کم از کم /۱۵ روپے فی ۴۰ کلوگرام مقرر کی جائے۔ حکومت گنے کے کاشتکاروں کو سبسیڈی دے اور مل ایریا کی پابندی ختم کی جائے۔

۱۰۔ ہسپتالوں میں علاج مفت، دوائی ضرورت کے مطابق مہیا کی جائے۔ ڈاکٹروں کو معقول تنخواہ دی جائے۔ پرائیویٹ پریکٹس کا طریق کاربند کیا جائے۔ کسی قسم کی فیس جرم قرار دی جائے۔ دور دراز کے علاقوں میں ڈاکٹر تعینات کئے جائیں اور ادویات مہیا کی جائیں۔

۱۱۔ رشوت کے خاتمے کے لئے عوام کا تعاون حاصل کیا جائے۔ جلسے، جلوس اور اظہار رائے کی آزادی دی جائے۔ رشوت کی نشاندہی کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ثابت ہونے پر ضروری کارروائی کی جائے۔

۱۲۔ ڈیزل اور بجلی کے ریٹ زرعی مقاصد کے لئے کم کئے جائیں۔ ایم۔سی۔جی کی وصولی بند کی جائے۔ بجلی کے کنکشن درخواست دینے کے پندرہ دن کے اندر اور میٹر ایک ہفتہ کے اندر نصب کئے جانے ضروری قرار دیئے جائیں۔

۱۳۔ ٹریکٹر ڈرائیوروں، ٹیوب ویل آپریٹروں اور کھیت مزدور کے اوقاتِ کار اور اجرتوں کا تعین کیا جائے۔

۱۴۔ زرعی قرضہ جات ۲۵۔ ایکڑ رقبہ تک کے مالکان کے لئے مخصوص کئے جائیں ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کھاد اور کرم کش ادویات وغیرہ پر تمام زرعی مقاصد پر قرضہ جات بلاسود دیئے جائیں۔ موجودہ سود کی وصولی بند کی جائے۔

۱۵۔ زرعی اجناس پر محصول چونگی کی وصولی ختم کی جائے۔

۱۶۔ امریکی سامراج کے اثرات کا خاتمہ کرنے کے لئے قرضہ جات ضبط کئے جائیں سود کی ادائیگی ختم کی جائے۔ تجارتی وابستگی ختم کی جائے اور امریکی سامراج اور اس کے اداروں عالمی بنک۔ آئی۔ایم۔ایف وغیرہ کی مداخلت ختم کی جائے۔ آزاد، غیر جانبدار اور خارجہ پالیسی اختیار کی جائے۔

یہ وہ کم از کم پروگرام ہے جس سے دیہات کی کثیر آبادی کو روشناس کرانا ان کو ان مسائل کا احساس دلانا اور ان مسائل کے حل کے لئے انہیں جدوجہد میں لے جانا۔ آج کا سب سے بڑا کام ہے۔ یہ جدوجہد اپنی آزادی کی تکمیل کی جدوجہد ہے۔ ملک سے غربت و افلاس، بیکاری، بے روزگاری کے خاتمے کی جدوجہد ہے۔ ملک میں صنعتی عمل کو تیز کرنے اور ملک کی مصنوعات کی منڈی میں وسعت پیدا کرنے کی جدوجہد ہے۔ یہ دراصل زرعی انقلاب کی جدوجہد ہے۔ یہ آزاد، خود مختار اور جمہوری پاکستان کی جدوجہد ہے اور یہ ہی اس جدوجہد کا مقصد ہے۔ اور یہی ہماری منزل ہے۔

منشور، پاکستان سوشلسٹ پارٹی

سیاسی جمہوریت

ایک تفصیلی رپورٹ

پاکستان سوشلسٹ پارٹی مزدور طبقے کی پارٹی ہے۔ پاکستان میں موجود استحصالی طبقاتی معاشرے کو ختم کرکے سوشلسٹ معیشت کی تعمیر اس کا بنیادی مقصد ہے تاکہ پاکستان میں ایک غیر طبقاتی اور استحصال سے پاک معاشرہ قائم ہو جس میں تعلیم، روزگار رہائش اور علاج معالجہ کی ضمانت ریاست دے۔ جہاں ہر شخص اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام کرے گا۔ اور اپنے کام کی قدر کے مطابق معاوضہ کا حقدار ہوگا۔ کام کی اہلیت نہ رکھنے والوں کی کفالت کی ذمہ داری ریاست پر ہوگی۔ اس معاشرے میں رنگ، نسل، جنس، عقیدہ اور قومیت کی بنیاد پر امتیازات نہیں ہوں گے۔

سوشلسٹ معاشرہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت ختم کرکے ہی تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ دو مرحلوں میں تکمیل پذیر ہوگا۔ پہلے مرحلے میں سامراجی اثرات سے نجات، گماشتہ سرمایہ داری کا خاتمہ اور جاگیرداری نظام کی مکمل بیخ کنی شامل ہیں۔ سوشلسٹ معاشرے کی تعمیر اس مرحلے کو طے کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پہلے مرحلے کی تکمیل کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

۱۔ سامراجی سرمایہ کو ضبط کیا جائے۔ سامراجی قرضوں اور سود کی ادائیگی سے انکار کیا جائے۔ پاکستان کی سرزمین کو سامراجی مقاصد کے لئے استعمال نہ ہونے دیا جائے تاکہ پاکستان کی آزادی کو استحکام نصیب ہو اور معاشی ترقی کا عمل تیزی سے جاری ہو۔

۲۔ کلیدی صنعتوں، غیر ملکی بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لیا جائے اور ان کا انتظام مزدوروں اور کارکنوں کے ہاتھوں میں دیا جائے۔

۳۔ بیرونی تجارت میں محض عالمی سرمایہ دار منڈی سے وابستگی ختم کر کے تجارتی تعلقات اشتراکی ملکوں اور افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے ملکوں سے بڑھائے جائیں۔ بیرونی تجارت نجی ہاتھوں سے ریاستی تحویل میں دی جائے۔

۴۔ بھاری اور بنیادی صنعتوں کو اولیت دے کر پبلک سیکٹر میں قائم کیا جائے اور اس مقصد کے لئے ہر اس ملک سے ٹیکنالوجی حاصل کی جائے جو پاکستان پر سیاسی اور معاشی بالادستی کے مقاصد نہ رکھتا ہو۔

۵۔ جاگیرداری، زمینداری اور سرداری نظام کا مکمل خاتمہ کر کے ساری زمین خود کاشت کی بنیاد پر ہاریوں، مزارعوں، کھیت مزدوروں، بزرگوں اور چھوٹے مالک کسانوں میں از سرِ نو بلامعاوضہ تقسیم کی جائے اور کوآپریٹو فارمنگ کا نظام رائج کیا جائے۔

۶۔ روزگار کا تحفظ دیا جائے۔ بے روزگاری کی صورت میں بیکاری الاؤنس دیا جائے تمام مزدور دشمن قوانین کا خاتمہ کیا جائے۔ رہائش، تعلیم اور علاج معالجہ کی ضمانت دی جائے۔

۷۔ تحریر و تقریر، اجتماع اور فکر و رائے اور تنظیم سازی کی مکمل آزادی ہو اور شہری آزادیوں کی ضمانت فراہم ہو۔ ہر شخص کو اپنے عقائد رکھنے، عبادات اور مذہبی رسومات ادا کرنے کی مکمل آزادی ہو۔

۸۔ پاکستان میں بسنے والی تمام قوموں کا حق خود ارادیت تسلیم کیا جائے۔ ان کے معاشی و سیاسی حقوق کی ضمانت دی جائے۔ اور ان کو زبان اور تہذیب و ثقافت کی ترقی کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

۹۔ عورتوں کو مردوں کے برابر ہر قسم کے معاشی، سیاسی اور سماجی حقوق کی ضمانت دی جائے۔

۱۰۔ ملک کی خارجہ پالیسی آزاد اور ناوابستہ ہو۔ اسے امن پسند اور سامراج دشمن بنیادوں پر وضع کیا جائے۔ اشتراکی ممالک اور نو آزاد ممالک سے دوستی اور تعاون کو بڑھایا جائے۔ تمام پڑوسی ملکوں سے عدم مداخلت کی بنیاد پر اچھے ہمسایوں کے سے تعلقات قائم کیے جائیں۔

۱۱۔ موجودہ فرسودہ اور رجعتی نظام تعلیم ختم کر کے سائنسی بنیادوں پر ایسا تعلیمی نظام وضع کیا جائے جو ملک کی معاشی منصوبہ بندی سے ہم آہنگ ہو۔ جس سے وسیع النظری، حب الوطنی اور ترقی پسند خیالات کو فروغ حاصل ہو۔ میٹرک تک تعلیم مفت اور لازمی ہو اور تعلیم قومی (مادری) زبان میں دی جائے۔

۱۲۔ تمام قبائلی علاقوں کی تخصیص ختم کر کے انہیں ان کے صوبوں میں شامل کیا جائے۔

طریقِ کار

پارٹی اپنے پروگرام کی تکمیل مزدوروں اور کسانوں کی تائید اور تعاون کے بغیر نہیں کر سکتی۔ اس لئے لازم ہے کہ پارٹی کے اس پروگرام کو عوام تک لے جانے کے لئے پارٹی میں ایسے افراد کو شامل کیا جائے جو سوشلسٹ معاشرے کے قیام اور مزدور طبقے کے فلسفے اور اس کی منظم سیاست پر یقین رکھتے ہوں۔ صرف مضبوط پارٹی ہی سماجی تبدیلی کے ہر مرحلے کی کامیابی کی ضامن ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں موجودہ معاشی نظام میں بنیادی تبدیلی مزدوروں اور کسانوں کی باشعور اور منظم جدوجہد سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے دیہات میں کھیت مزدوروں، ہاریوں، مزارعوں، بزگروں، چھوٹے مالک کسانوں اور شہروں میں مزدوروں، طالب علموں اور دانشوروں سے رابطہ پیدا کرنا اور ان میں پارٹی پروگرام کا وسیع پیمانے پر پرچار لازمی ہے۔ تاکہ انہیں جاگیردارانہ اور بورژوا قیادت کے اثر سے الگ کر کے پارٹی پروگرام کی بنیاد پر پارٹی کے زیرِ اثر لایا جا سکے۔ اس غرض سے ان کی طبقاتی تنظیموں کو منظم کرنا اور انہیں اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کا راستہ دکھانا بنیادی کام ہے۔

پارٹی کے پروگرام کو مزدوروں اور کسانوں میں لے جانے کے لئے طلبا اور پڑھے لکھے لوگ اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان میں پارٹی کی سیاست کو پھیلایا جائے اور ان کے ذہنوں میں جو جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ اور رجعتی خیالات جمے ہوئے ہیں انہیں اکھاڑ کر ان کے ذہنوں کو ترقی پسند نظریات سے منور کیا جائے تاکہ وہ مزدوروں اور کسانوں میں پارٹی پروگرام لے جانے اور ان میں سیاسی بیداری پیدا کرنے اور انہیں منظم جدوجہد کے لئے تیار کرنے کا کام کریں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ سماجی تبدیلی کے پہلے مرحلے میں جس کا اوپر تفصیلاً ذکر آیا ہے محنت کشوں کی پارٹی کے علاوہ دوسرے گروہ، تنظیمیں اور عناصر کوئی کردار نہیں رکھتے۔ سامراج مخالف اور جاگیرداری کے خاتمے کی جدوجہد میں اور جمہوری معاشرے کے قیام کے لئے کئی دوسرے سیاسی عناصر، گروہ اور تنظیمیں موجود ہیں جن سے اتحادِ عمل ہو سکتا ہے۔

آئین، پاکستان سوشلسٹ پارٹی

۱۔ پارٹی کا نام پاکستان سوشلسٹ پارٹی ہوگا اور اس کا ایک مرکزی دفتر ہوگا۔

۲۔ سوشلسٹ کانفرنس :۔

د۔ پاکستان کی سوشلسٹ کانفرنس ہر تین سال بعد لازماً منعقد ہوگی، جس میں پارٹی کی مرکزی کمیٹی اور عہدے داروں کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ بوقتِ ضرورت مرکزی کمیٹی سوشلسٹ ورکرز کانفرنس کے اجلاس بلانے کی مجاز ہوگی۔

ب۔ سوشلسٹ ورکرز کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں کی تعداد کم از کم ایک سو بیّس ہوگی۔ ڈیلیگیٹوں کے انتخاب کا طریقِ کار مرکزی کمیٹی طے کرے گی۔

ج۔ پارٹی کا منشور، آئین اور عام پالیسی کانفرنس طے کرے گی۔ پارٹی کے آئین اور منشور میں تبدیلی کانفرنس کے کل اراکین کی نصف سے زائد تعداد کرنے کی مجاز ہوگی۔

۳۔ مرکزی کمیٹی :۔

د۔ مرکزی کمیٹی کے کل ۵ ۴ اراکین ہوں گے جن میں مرکزی عہدیداران شامل ہوں گے۔ ان سب کا انتخاب ماسوائے سیکرٹری مرکزی دفتر کانفرنس

کرے گی۔

ب۔ مرکزی کمیٹی اپنی مدتِ اختیار کی رپورٹ کانفرنس کے سامنے پیش کرے گی۔

ج۔ مرکزی کمیٹی پارٹی کا سب سے بڑا انتظامی ادارہ ہوگی جو کانفرنسوں کی درمیانی مدت میں پارٹی کے منشور، پروگرام، آئین اور کانفرنس کی طے کردہ عام پالیسی کے مطابق کام کرے گی۔ اور پارٹی کی راہ نما ہوگی۔

د۔ مرکزی کمیٹی اجتماعی قیادت کے اصول پر کام کرے گی۔

۴۔ مرکزی سیکرٹریٹ :۔

ا۔ پارٹی کا ایک مرکزی سیکرٹریٹ ہوگا۔ اس کے ممبروں کی تعداد کا تعین اور انتخاب مرکزی کمیٹی کرے گی۔

ب۔ سیکرٹریٹ مرکزی کمیٹی کے فیصلوں کے مطابق پارٹی امور کو چلانے کا ذمہ دار ہوگا۔

۵۔ پریذیڈنٹ :۔

ا۔ پریذیڈنٹ پارٹی کا سربراہ ہوگا اور پارٹی کے مفادات کا نگران ہوگا۔

ب۔ پریذیڈنٹ کانفرنس، مرکزی کمیٹی اور مرکزی سیکرٹریٹ کے اجلاسوں کی صدارت کرے گا۔

۶۔ سیکرٹری جنرل :۔

ا۔ سیکرٹری جنرل کانفرنس، مرکزی کمیٹی اور سیکرٹریٹ کے منتظم کا کام کرے گا۔

ب۔ جنرل سیکرٹری پریذیڈنٹ کے احکامات کے تحت کام کرے گا۔

ج۔ سیکرٹری جنرل پارٹی کے سیکرٹریوں کا انچارج ہوگا۔

۷۔ پارٹی کے مندرجہ ذیل چار سیکرٹری ہوں گے۔

—— سیکرٹری امور محنت

—— سیکرٹری زرعی امور

—— سیکرٹری تعلیم و ثقافت

—— سیکرٹری آرگنائزیشن

۸۔ مرکزی دفتر کے لئے ایک سیکرٹری ہوگا۔ جس کا تقرر جنرل سیکرٹری پریذیڈنٹ کے مشورے سے کرے گا۔

۹۔ صوبائی، ضلعی اور شہری کمیٹیاں

ہر صوبے کی صوبائی کمیٹی ہوگی۔ صوبائی کمیٹیاں اپنا آئین صوبائی کانفرنس میں مرکزی آئین کی روشنی میں ترتیب دیں گی۔ صوبائی کمیٹی ضلع اور شہری کمیٹیوں کے قیام کی ذمہ دار ہوگی۔ اور مرکزی کمیٹی کی ہدایات کے مطابق کام کرے گی۔

۱۰۔ ممبرشپ :۔

ہر وہ شخص جو اٹھارہ سال سے زائد عمر کا ہو اور پارٹی پروگرام اور آئین سے اتفاق کرتا ہو اور پارٹی کی کسی تنظیم میں پارٹی ڈسپلن کے تحت کام کرنے پر آمادہ ہو اور پارٹی ممبرشپ فیس (ایک روپیہ) ادا کرے، پارٹی کا ممبر بن سکتا ہے۔

۱۱۔ پارٹی کمیٹیوں اور کانفرنس کا کورم نصف ممبروں پر مشتمل ہوگا۔

۱۲۔ تادیبی کارروائی :۔

ا۔ کسی ممبر کے خلاف تادیبی کارروائی کا اختیار ضلعی کمیٹی کو ہوگا اور اس کے خلاف اپیل صوبائی کمیٹی کو کی جاسکے گی۔

ب۔ اگر وہ پارٹی ممبر صوبائی کمیٹی یا مرکزی کمیٹی کا رکن ہو تو اس کے خلاف

تادیبی کارروائی کا اختیار اسی کمیٹی کو ہوگا جس کا کہ وہ ممبر ہوگا۔ اور اس کے خلاف اپیل علی الترتیب مرکزی کمیٹی اور سوشلسٹ ورکرز کانفرنس کے پاس ہوگی۔

ج۔ کسی ممبر کے خلاف تادیبی کارروائی ڈسپلن کی خلاف ورزی اور پروگرام کی مخالفت کی بنیاد پر ہوسکے گی اور اس کے لئے ممبر کو چارج شیٹ دینا اور اس کا جواب لینا (اگر وہ دے) لازم ہوگا۔

۱۳۔ جھنڈا:۔

پارٹی کے جھنڈے کا رنگ سرخ ہوگا۔ اور اس پر پاکستان کے صوبوں کی تعداد کے برابر تارے ہوں گے۔

پاکستان قومی محاذِ آزادی

پاکستان قومی محاذ آزادی اصل میں اس کے انقلابی اور جواں ہمت رہنما معراج محمد خاں کی قربانیوں اور تنظیمی صلاحیتوں کا نام ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کسی بھی سیاسی تحریک یا سیاسی جماعت کی نوجوان قیادت نے اتنی قربانیاں نہیں دیں جتنی رہنما معراج محمد خاں نے دی ہیں۔ ایوب خاں کے زمانے سے جنرل ضیا ءالحق کے مارشل لاء تک انہوں نے اٹھارہ سال جیل میں گزارے ہیں۔ اس کی دوسری مثال ملتی ہے تو وہ کمیونسٹ پارٹی کے جام ساقی کی ہے۔ قومی محاذ آزادی کی تاریخ کو بھی معراج محمد خاں کی سیاسی زندگی کی تاریخ کے حوالے سے ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ ایوب خاں کے دور میں کراچی یونیورسٹی میں چند انقلابی نوجوانوں نے نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پرچم تلے آمریت کے خلاف جو تحریک چلائی تھی اس کی قیادت معراج محمد خاں کے ہاتھ میں تھی۔ اس جرم میں جن چند طلبہ کو کراچی بدر کیا گیا ان طلبہ میں سیاسی میدان میں جس شخص نے سب سے زیادہ نام پیدا کیا وہ معراج محمد خاں ہی ہیں۔ ان کی انقلابی سوچ اور انتھک محنت نے ذوالفقار علی بھٹو کو بہت متاثر کیا چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی کو زندہ اور فعال بنانے کے لیے جن نوجوانوں کو آگے لایا گیا ان میں معراج محمد خاں سرفہرست تھے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت بننے کے بعد بھی ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں اور مصطفےٰ کھر کو اپنا دایاں اور بایاں بازو کہا تھا۔ لیکن پیپلز پارٹی کی حکومت کے ساتھ معراج محمد خاں کے اختلافات پیدا ہو

گئے۔ یہ اختلافات مزدوروں اور کسانوں کے بارے میں حکومت کی پالیسی سے تھے۔
۱۹۷۳ء میں انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اگرچہ ان کی گرفتاری دوسرے الزام میں تھی لیکن نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈروں پر جب بغاوت کا مقدمہ چلا تو معراج محمد خاں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۹۷۴ء میں معراج محمد خاں نے انقلابی نوجوانوں کے ساتھ مل کر پاکستان قومی محاذ آزادی کی داغ بیل ڈالی۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے بعد ولی خاں وغیرہ کے ساتھ معراج محمد خاں کو بھی رہا کر دیا گیا لیکن رہا ہونے والے وہ واحد لیڈر تھے جنہوں نے اس مارشل لاء کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ اس مارشل لاء میں بھی وہ جیل گئے لیکن انہوں نے اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔

پاکستان قومی محاذ آزادی ایک سامراج دشمن، قوم پرست، جمہوریت پسند اور عوام دوست جماعت ہے۔ اس کے چار نعرے ہیں۔

۱۔ قومی آزادی
۲۔ جمہوریت
۳۔ سماجی انصاف
۴۔ تمام اختیارات عوام کے پاس۔

اس جماعت میں شامل ہونے کے لئے رکنیت کے امیدواروں سے جس عہد نامے پر دستخط کرائے جاتے ہیں وہ اس کے منشور کا خلاصہ اور جماعت کی پالیسی دستاویز ہے۔ جماعت کے منشور میں جن اغراض و مقاصد کا اعلان کیا گیا ہے ان کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

قومی محاذ آزادی کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ جب تک سامراج کے جدید نوآبادیاتی تسلط اور سامراج کے مقامی گماشتوں یعنی جاگیرار، فوج اور نوکر شاہی کے گٹھ جوڑ نیز موجودہ ریاستی ڈھانچے کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ملک کے اندر جمہوریت

اور جمہوری ادارے قائم نہیں ہو سکتے۔ ہم نے مختصر سے تاریخی تجربے سے اچھی طرح سیکھ لیا ہے کہ موجودہ ریاستی ڈھانچہ اور استحصالی نظام ـــــ

۱۔ جمہوریت اور جمہوری نظام

۲۔ عوام کی فلاح و بہبود

۳۔ صوبوں کی خود مختاری حتیٰ کہ

۴۔ ملک کی سلامتی اور سالمیت کے لئے بھی زبردست نقصان دہ ہے۔"

قومی محاذ آزادی کا عہد نامہ درج ذیل ہے۔

عہد نامہ برائے رُکنیت

میں عہد کرتا ہوں کہ :

۱۔ ملک و قوم سے وفاداری

پاکستان اور اس کے عوام کا مکمل وفادار رہوں گا / رہوں گی عوام کو ملک کے اقتدارِ اعلیٰ کا حقیقی مالک عظیم استاد تمام تر سماجی تعمیر و ترقی پیدا وار و خوشحالی علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کا اصل خالق اور طاقت کا سرچشمہ تسلیم کروں گا اور یہ کہ مادرِ وطن اور عوام کی خدمت کو اپنی زندگی کا اہم ترین نصب العین بنا دوں گا / بنا دوں گی۔

۲۔ ملک و قوم کا دفاع

پاکستان کی قومی آزادی، ریاستی اقتدارِ اعلیٰ اور علاقائی سالمیت کا ہر قیمت پر دفاع کروں گا / کروں گی نیز یہ کہ ملک کو ہر قسم کے سامراجی غلبے، مداخلت، استحصال اور بندھنوں سے آزاد کرانے۔ قومی دفاع اور معیشت کو سامراجی امداد اور قرضوں کی محتاجی سے چھٹکارا دلانے اور خود کفیل بنانے ثقافتی محاذوں پر سامراجی یلغار کا موثر سدِ باب کرنے، قومی مفادات کے منافی سامراجی اور بیرونی دباؤ میں کیے گئے تمام غیر مساویانہ اور غیر منصفانہ معاہدوں کو منسوخ کروانے اور پاکستان کو اقوامِ عالم کے درمیان ایک اہم، باعزت اور پروقار مقام دلوانے کے لئے بھرپور جدوجہد کروں گا / کروں گی۔

۳۔ عوام کی حاکمیت

پاکستان کے اقتدار اعلیٰ پر عوام الناس کی مطلق حاکمیت کے قیام کے مقصد اعلیٰ کے حصول کے لئے ملک کے تمام ذرائع پیداوار اور وسائل دولت کو عوام دشمن طاقتوں اور طبقوں سے بتدریج آزاد کرانے جبر و تشدد کے ریاستی اداروں کا خاتمہ کرنے اور خاص طور پر نظم و نسق، دفاع، امور خارجہ، عدلیہ، پیداوار اور منصوبہ بندی، صنعت و زراعت، مواصلات، ابلاغ عامہ، تعلیم صحت اور تمام دیگر سرکاری اداروں کو سول و ملٹری نوکر شاہی کی گرفت سے چھٹکارہ دلانے ان پر عوام کا عمل دخل اور کنٹرول قائم کرنے اور انہیں قومی ضرورتوں، ترجیحات، امنگوں اور وسائل کے مطابق از سر نو منظم کرنے کے لئے کسی قربانی اور جدوجہد سے گریز نہیں کروں گا/ کروں گی۔

۴۔ جمہوریت کا قیام

پاکستان کا موجودہ نیم نوآبادیاتی نیم جاگیردارانہ اور گماشتہ سرمایہ دارانہ نظام بشمول سول و ملٹری نوکر شاہی وہ عوامل ہیں جو ملک میں جمہوریت حتیٰ کہ مغربی جمہوریت تک سے معاندانہ تضاد و تصادم رکھتے اور اس کی کلی نفی کرتے ہیں۔ اور جو وقتاً فوقتاً اپنی اجارہ داری اور استحکام کے لئے ملک پر طبقاتی آمریت کی بدترین شخصی فوجی اور فسطائی اشکال مسلط کرتے ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں جمہوریت کے قیام و استحکام کی راہ میں حائل مذکورہ عوامل کا قلع قمع کرنے اور ایک ایسے عظیم الشان و مثالی جمہوری معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے لئے کسی قسم کی قربانی اور جدوجہد سے گریز نہیں کروں گا/ کروں گی جو اپنی روح، ہیئت اور کردار کے اعتبار سے جدید نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ کرتا ہو۔ ہر قسم کے قومی اور طبقاتی ظلم و استحصال اور جبر و محکومیت کی نفی کرتا ہو۔ امن و آزادی، ترقی و خوشحالی، علم و حکمت اور سماجی انصاف

کا گہوارہ ہو۔ سیاسی حقوق و آزادی کو معاشی حقوق و آزادی کی اساس پر قائم کرتا ہو۔ حریت فکر و تحقیق، عزت نفس، عظمت محنت اور تمام بنیادی انسانی حقوق کا ضامن ہو۔ رنگ و نسل، لسان و قومیت، مذہب و عقیدے اور کام و پیشے کی تفریق و امتیاز سے قطع نظر تمام افراد کو مساوی حقوق و فرائض کا مالک اور قانون و ریاست کے سامنے یکساں حیثیت کا شہری قرار دیتا ہو عوام کو رائے دہی کے ذریعے اپنے حکمران منتخب کرنے اور انہیں معزول کرنے کا حق عطا کرتا ہو، عوام کی تخلیقی و تعمیری علمی و پیداواری صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما کرنے کے لئے پرسکون سماجی ماحول اور رزق روزگار، مکان، تعلیم، علاج اور تفریح جیسی بنیادی ضرورتوں کی آئینی ضمانت مہیا کرتا ہو۔ فرد کی سماجی حیثیت اور مرتبے کا تعین کرتے وقت دولت و امارت کے بجائے اس کے علم و تجربے صلاحیت سماجی خدمات اور کردار کو کسوٹی بناتا ہو اور جو ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام اور اس کی محنت کے مطابق معاوضہ ادا کرنے اصول پر قائم ہو۔

۵۔ معاشیات

پاکستان کے عوام کو بھوک و افلاس، معاشی استحصال و محرومی، جہالت و بیماری اور بے روزگاری و پسماندگی سے نجات دلانے ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما کرنے، انہیں قومی آزادی اور جمہوریت کے ثمرات سے فیض یاب کرنے اور ایک منصفانہ، ترقی پسندانہ اور مستحکم اقتصادی نظام قائم کرنے کے لئے موجودہ بڑے زمینداروں، گماشتہ اور اجارہ دار سرمایہ داروں اور عالمی استعمار کے مفادات کی محافظ اور محتاج و طفیلی معیشت کا خاتمہ کرنے اور اس کی جگہ کروڑوں مفلوک الحال کسانوں، مزدوروں، کاریگروں، دست کاروں، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ادنیٰ افسروں اور ملازموں، نچلے اور نچلے درمیانہ طبقوں، چھوٹے زمینداروں، ادنیٰ قومی صنعت کاروں،

تاجروں دکانداروں اور تمام دیگر پیشوں سے متعلق ذہنی وجسمانی محنت کرنے والوں کے
مفادات کی محافظ اور ترجمان قومی معیشت کے قیام واستحکام کے لئے بھرپور جدوجہد
کروں گا/کروں گی۔ اور یہ کہ پارٹی کی نئی اقتصادی پالیسی کی جو قومی اقتصادیات کو
غیر سرمایہ دارانہ راہ پر استوار کرنے، ذرائع پیداوار اور وسائل دولت کے اہم عضور
کو ملکی ترقی کے لئے قومی ملکیت قرار دینے، بیرونی امداد، قرضوں اور مشیروں کے بجائے
بنیادی طور پر اپنے مادی وسائل، انفرادی طاقت اور ملکی ماہرین کی قابلیت پر بھروسہ کرنے،
معیشت میں قومی ضرورتوں کے مطابق ترجیحات قائم کرنے، انفرادی مفادات پر اجتماعی
مفادات کو، بیرونی مفادات پر قومی مفادات کو، غیر پیداواری منصوبوں پر پیداواری
منصوبوں کو اور فرسودہ طریقہ پیداوار پر جدید منصوبہ بند سائنس طریقہ پیداوار کو فوقیت دینے،
سرمائے پر محنت کی بالادستی قائم کرنے، سامان تعیشات اور قومی پیداوار اور ضرورتوں کے
منافی بیرونی درآمدات پر مکمل پابندی عائد کرنے، ملکی منڈی کو بیرونی تسلط اور استحصال
سے آزاد کرا کے اسے قومی پیداوار کے لئے محدود و محفوظ کرنے، معاشی منصوبوں میں
فضول خرچی، غیر ضروری اصراف اور تعیشات کا قلع قمع کرنے، قومی پیداوار کی منصفانہ
تقسیم کا نظام رائج کرنے، ارتکاز دولت کو روکنے افراط زر کا موثر سدباب کرنے، منافع
خوری، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ کا سختی سے خاتمہ کرنے، اشیاء صرف کی قیمتوں
اور عام آدمی کی قوت خرید میں مطابقت پیدا کرنے، جمہوریت سے کامل جمہوریت
تک کی عبوری مدت میں معاشی تفریق واستحصال کو دوررس اصلاحات اور منصوبہ بندی
کے ذریعے کم سے کم کرنے، تیز رفتار اقتصادی ترقی کے لئے صنعت و زراعت کو سرکاری،
نجی اور اجتماعی حلقوں میں منظم کرنے اور ان کی جائز اور حتمی حدود مقرر کرنے کے مذکورہ بالا
اصولوں پر قائم ہے تائید وحمایت کروں گا/کروں گی یہ کہ تمام بڑی زمینداریوں اور جاگیردارانہ
نظام کی باقیات کو ختم کرنے زرعی اصلاحات سے حاصل شدہ زمینوں کو کسانوں میں

مساویانہ طور پر تقسیم کرنے، خاندان کی بنیاد پر زرعی زمین کی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کرنے، تعلیم و ترغیب کے ذریعے کسانوں کو اجتماعی کھیتی باڑی پر مائل کرنے، کاشت کاروں کو آڑھتیوں کی لوٹ مار سے چھٹکارہ دلانے، جائز قیمتوں پر زرعی اجناس کی فروخت کا انتظام کرنے، کسانوں کے لئے آسان شرائط پر زرعی قرضوں کھاد، ٹریکٹر اور بیج کے حصول کو ممکن بنانے، زرعی زمینوں کو سیم و تھور سے محفوظ رکھنے کے لئے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کرنے پر آب رسانی کے فرسودہ نظام کو درست کرنے اور اس سلسلے میں سنئے منصوبے بنانے اور دیہی علاقوں کی ترقی کے لئے تعلیم، علاج، بجلی ٹرانسپورٹ اور مواصلات کی مدمیں کثیر رقوم مختص کرنے، قومی سطح پر صنعت و ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے تمام بھاری اور بنیادی نوعیت کی صنعتوں، بینکوں، انشورنس کمپنیوں اور سرمایہ کاری کے دیگر اداروں کو قومی ملکیت میں برقرار رکھنے اور ان پر مزدوروں کا عمل دخل قائم کرنے، نجی شعبے میں سرمایہ کاری اور صنعت کاری کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے قومی سرمایہ داروں، چھوٹے صنعت کاروں کاریگروں، دست کاروں اور کاروباری افراد کو سرکاری سطح پر مالی امداد قرضے اور ضروری سہولتیں مہیا کرنے، بشرطیکہ وہ قومی اقتصادی پالیسیوں اور ملک و قوم کے مفادات کے منافی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں۔ تمام بیرونی صنعتی اور تجارتی اداروں، بنکوں اور انشورنش کمپنیوں کو ضبط کرنے، ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام اور اس کی محنت کے مطابق معاوضہ ادا کرنے اور تمام سرکاری و غیر سرکاری اداروں اور صنعتوں میں محنت کشوں اور دیگر ذہنی و جسمانی محنت کرنے والوں کو اپنے معاشی حقوق کے تحفظ کے لئے یونین اور ایسوسی ایشن بنانے اور ہڑتال کا حق دینے وغیرہ کے سلسلے میں پارٹی کے مذکورہ عظیم الشان پروگرام کے نفاذ کے لئے کسی قسم کی قربانی اور جدوجہد سے گریز نہیں کروں گا / کروں گی۔

۶۔ خارجہ پالیسی

پارٹی کے پروگرام کے مطابق پاکستان میں ایک مثبت، غیر وابستہ اور آزاد خارجہ پالیسی کے نفاذ کے لئے جدوجہد کروں گا/کروں گی جو تمام اقوام و ممالک کے درمیان ایک دوسرے کی قومی آزادی اور ریاستی اقتدار اعلیٰ کے احترام، جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ، ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت/قوموں کے مابین برابری اور ایک دوسرے کی ترقی و خوشحالی کے لئے غیر مشروط امداد و تعاون کے عظیم الشان اصولوں پر قائم ہو۔ جو عالمی استعمار، نوآبادیات اور جدید نوآبادیات کی دشمن اور کمزور و پسماندہ اور مظلوم و محکوم اقوام پر ان کی سیاسی، معاشی اور فوجی بالادستی، تسلط اور استحصال کی کٹر مخالف ہو، جو پسماندہ اور ترقی یافتہ اقوام کے مابین موجودہ غیر منصفانہ عالمی اقتصادی نظام کے بجائے ایک نئے منصفانہ، ترقی پسندانہ اور متوازن عالمی اقتصادی نظام کی ترجمان ہو، جو دنیا بھر کی محکوم اقوام کی آزادی، مظلوم طبقات کے انقلاب اور قومی آزادی کی جنگوں کی غیر مشروط حمایت کرتی ہو۔ لیکن ہر قسم سامراجی جنگوں، فوجی معاہدوں اور چھوٹے ممالک کے خلاف سازشوں کی مذمت اور مزاحمت کرتی ہو۔ جو تیسری دنیا کے ممالک، برادر مسلم ممالک، سوشلسٹ ممالک اور خاص طور پر تمام پڑوسی ممالک کے ساتھ ایک دوسرے کی آزادی کے احترام اور داخلی معاملات میں عدم مداخلت کی بنیاد پر دوستی، اقتصادی تعاون اور ثقافتی اشتراک کے مستحکم تعلقات پر قائم ہو اور جو امن عالم کے فروغ و استحکام کے لئے قوموں کے مابین تمام تنازعات کو اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق پرامن طور پر حل کرنے، جدید ٹیکنالوجی اور جوہری ہتھیاروں پر چند ممالک کی اجارہ داری کے خاتمے اور مکمل تخفیف اسلحہ کی پرزور حمایت کرتی ہو۔

۔ صوبائی خود مختاری

پاکستان کی تمام قومی، لسانی، ثقافتی، تاریخی اور جغرافیائی وحدتوں کے عوام کی قومی آزادی، خود مختاری اور قومی تشخص کا دفاع کرنے، انہیں ہر قسم کے قومی جبر و محکومی اور استحصال و نابرابری سے نجات دلانے، انہیں وفاق پاکستان کے اقتدار اعلیٰ، نظم و نسق دفاع، منصوبہ بندی، تعمیر و ترقی، خوشحالی اور تمام دیگر داخلی اور خارجی امور مملکت میں برابر کا حصہ دار بنانے، ان کے سیاسی، معاشی، لسانی اور ثقافتی حقوق کا کلی تحفظ کرنے اور انہیں اپنے صوبے پر داخلی خود مختاری سے مکمل حق دینے ان کے مابین قومی عصبیت منافرت، اور تضاد و تصادم کا خاتمہ کرنے اور باہمی امن و دوستی کو مستحکم کرنے اور یہ کہ انہیں کسی جبر اور دباؤ کے بغیر رضاکارانہ آزادانہ طور پر وفاق پاکستان اور اس کی وحدتوں کے مابین اختیارات کی از سر نو منصفانہ اور قابل عمل تقسیم کرنے اور ایک ناقابل تنسیخ تقسیم ترقی پسندانہ اور مستحکم پاکستان کی بنیاد ڈالنے کے لئے پارٹی کے مذکورہ پروگرام کی حمایت میں کسی قربانی اور جدوجہد سے گریز نہیں کروں گا / کروں گی۔

۔ خواتین کے حقوق

پاکستان میں خواتین پر مردوں کی سماجی برتری، جنسی تسلط اور مردانہ عصبیت کی بنیاد پر قائم شدہ تمام فرسودہ اور دقیانوسی تصورات، رسم و رواج، غیر منصفانہ حدود و قیود اور سماجی تفریق و امتیازات کا بتدریج خاتمہ کرنے، خواتین کو سیاسی و معاشی تعلیم و ثقافتی اور تمام دیگر شعبہ ہائے زندگی اور امور مملکت میں مردوں کے برابر حقوق اور اختیارات دلوانے، قومی تعمیر و ترقی اور سماجی پیداوار میں انہیں معاشرے کا ایک اہم حصہ قرار دینے اور انہیں ریاست قانون اور سماج کی نظروں میں مردوں کے مساوی حیثیت کا شہری خیال کرنے

خواتین کی خرید و فروخت، عصمت فروشی اور جبری شادی کو سنگین جرم قرار دینے، عصمت فروشی پر مجبور خواتین کی اصلاح کرنے اور انہیں رزق روزگار اور دیگر سماجی تحفظات فراہم کرنے کسی جائز جسمانی، طبی، خاندانی اور قانونی وجوہ کے بغیر ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کو قانوناً جرم قرار دینے اور یہ کہ عائلی قوانین کو سختی کے ساتھ نافذ کرنے، خواتین کی صدیوں کی پسماندگی اور محرومیت کو دور کرنے اور معاشرے میں انہیں ایک مثبت، فعال اور پروقار مقام دلوانے کے لئے ان کی ذہنی وجسمانی نشوونما اور تخلیقی و تعمیری اور علمی و پیداواری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے خصوصی مراعات، تعاون اور امداد کے ساتھ ساتھ صحت مندانہ سماجی ماحول پیدا کرنے کے لئے قومی بجٹ میں خصوصی اور کثیر رقوم مختص کرنے اور یہ کہ آزادی نسواں کی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کروانے کے بھرپور جدوجہد کروں گا/کروں گی۔

مذہبی اقلیتوں کی آزادی وحقوق

قرآنی احکامات، قائداعظم کے ارشادات اور اقوام متحدہ کے عالمی حقوق کے منشور کے مطابق تمام مذہبی اقلیتوں کو مکمل تحفظات فراہم کرنے، مذہب اور عقیدے کی آزادی کا دفاع کرنے، مذہبی رسم ورواج، پرچار اور عبادت گاہوں کو مکمل تحفظ دینے، تمام مذہبی اقلیتوں کو بلاامتیاز مذہب وعقیدے، دوسرے عوام کے مساوی حقوق واختیارات اور دیگر مراعات مہیا کرنے، انہیں امور مملکت میں برابر کا شریک کرنے اور انہیں ریاست کے سامنے یکساں حیثیت کا شہری قرار دینے اور یہ کہ پاکستان کے عوام کے درمیان مذہبی منافرت اور تصادم کا مکمل خاتمہ کرنے اور مذہبی رواداری کو فروغ دینے کے لئے زبردست جدوجہد کروں گا/کروں گی۔

۱۰۔ مظلوموں کی حمایت

ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے اور مظلوم و محکوم کی حمایت اور داد رسی کرنے کو اپنا مقدس ترین فریضہ تصور کروں گا/کروں گی۔ حق و باطل، جمہوریت و آمریت، محکوم و حاکم اور مجبور و جابر کی کش مکش اور تصادم میں اول الذکر کی حمایت کروں گا/کروں گی اور یہ کہ اپنی سیاسی زندگی میں تحمل و انکساری، محبت اور اعلیٰ ظرفی، صداقت و دیانت داری اور رواداری کو اپنا شعار بناؤں گا/بناؤں گی اور خود کو وطن عوام دشمن سازشوں اور سماجی جرائم سے ہر حالت میں علیحدہ رکھوں گا/رکھوں گی۔

جماعتِ اسلامی

جماعت اسلامی پاکستان کی کوئی بڑی سیاسی جماعت نہیں لیکن یہ ایک اہم جماعت ضرور ہے۔ جماعت ان معنوں میں سیاسی نہیں جن معنوں میں جمہوری ملکوں میں عام سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں۔ یہ ایک نظریاتی جماعت ہے جس میں ہر کوئی شخص اپنی خواہش سے رکنیت اختیار نہیں کر سکتا۔ جماعت اسلامی کا ایک مخصوص نظریہ ہے۔ اس نظریے سے دلی اتفاق اور اس کی خاطر زندگی گزارنے کا عزم و اہتمام اس سے تعلق پیدا کرنے کی پہلی شرط ہے۔

جماعت اسلامی ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو اسلامیہ پارک چوبرجی لاہور میں بانیٔ جماعت سید ابو الاعلیٰ مودودی کی رہائش گاہ میں قائم کی گئی اور جس مقصد اور نصب العین کے لئے اُسے قائم کیا گیا اس کی یوں وضاحت کی گئی:

> "انسانی زندگی کے پورے نظام کو اُس کے تمام شعبوں — فکر و نظر، عقیدہ و خیال، مذہب و اخلاق، سیرت و کردار، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت تمدن و معاشرت، معیشت و سیاست، قانون و عدالت، صلح و جنگ اور بین الاقوامی تعلقات سمیت خدا کی بندگی اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت پر قائم کیا جائے۔"

جماعت اسلامی نے پاکستان بننے سے پہلے جو رول ادا کیا، اس کے دو پہلو

قابل ذکر ہیں اول یہ کہ جماعت نے اپنے لٹریچر کے ذریعے دو قومی نظریے کو تقویت پہنچائی۔ دوم یہ کہ تحریکِ پاکستان سے قطعاً الگ رہی۔ بانی جماعت کی نظر میں تحریکِ پاکستان مسلمانانِ ہند کی ایک قومی تحریک تھی جو ان کے لئے حصول آزادی کی خاطر وجود میں آئی تھی یہ کوئی اسلام کی تحریک نہ تھی کہ جماعت اسلامی اس کا ساتھ دیتی بلکہ بانی جماعت نے اپنی بعض تحریروں میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ عام مسلمان جوں جوں تحریکِ پاکستان سے وابستہ ہوتے جاتے ہیں، اسی قدر وہ اسلامی تہذیب و ثقافت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ جماعتِ اسلامی انگریزی عہد کی قانون ساز اسمبلیوں کے طرزِ وجود کو غیر اسلامی تصور کرتی تھی اور ووٹ کے اس پورے نظام کے خلاف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں جس کی کامیابی پر پاکستان کے معرضِ قیام میں آنے کا انحصار تھا۔ جماعت اسلامی نے حصہ نہ لیا اور مسلم لیگ یا پاکستان کے حق میں رائے دینے سے اجتناب کیا۔

پاکستان بن جانے پر جماعت اسلامی نے یہ موقف اختیار کیا کہ مسلم لیگ نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں کیونکہ اس نعرے کی بدولت مسلمانوں سے ووٹ حاصل کئے تھے کہ پاکستان کا مطلب کیا لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لہٰذا پاکستان کو مکمل طور پر ایک اسلامی ریاست بنانا نہ صرف حکمران جماعت کی ذمہ داری ہے بلکہ ہر پاکستانی (مسلمان) کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس نوزائیدہ مملکت کو اسلامی ریاست بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

چنانچہ جماعت اسلامی کی یوں کہنا چاہیئے کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر یہ کوشش بلکہ جدوجہد رہی ہے کہ پاکستان کو ایک مکمل اسلامی ریاست بنایا جائے جو قریب قریب ایک مذہبی ریاست سے ملتی جلتی ہو۔ اگرچہ جماعت اسلامی نے برملا یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ تھیا کریسی کی حامی ہے اور پاکستان کو ایک تھیاکریٹک سٹیٹ دیکھنا چاہتی ہے۔

اس مرحلے پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جماعت نے اس امر پر بہت زور دیا ہے کہ سیاست دان اور ایک عام سیاسی آدمی کی زندگی میں اخلاقی قدروں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جو لوگ سیاست کو دولت کمانے، شہرت حاصل کرنے یا ہوسِ اقتدار کی خاطر سیاست میں آتے ہیں اور سیاسی رول ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی کی نگاہ میں ایسے لوگ قابل مذمت ہی نہیں بلکہ اس لائق ہیں کہ ان پر قومی اور سیاسی زندگی کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ جماعت اسلامی عام زندگی اور سیاسی زندگی میں کوئی فرق روا نہیں رکھتی۔ ہر شخص بالخصوص مسلمان کو ایماندار، دیانت پسند، صداقت شعار، بے غرض، حوصلہ مند اور ایثار پیشہ ہونا چاہیئے۔ اس کا رزق حلال ہونا چاہیئے اور اس کے وسائل رزق ظلم، فریب اور استحصال سے پاک ہوں۔ یہی اوصاف اس ریاست کو پائیدار بناتے ہیں جو اسلامی ہونے کی دعویدار ہو۔

جماعت اسلامی نے ایک طرف تو اخلاقی پہلوؤں پر زور دیا اور اس میں بڑے چھوٹے، عورت مرد اور خاص و عام کی تمیز روا نہ رکھی اور دوسری طرف انہی شخصی اوصاف کی بنیاد پر اپنی تنظیم کو استوار کیا اور ذاتی اور جماعتی ڈسپلن کو عملاً رائج کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ کہا جاتا ہے اور درست کہا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان میں واحد منظم سیاسی جماعت ہے جو اپنے اعلان کردہ دستور کے مطابق سالہا سال سے جماعتی تنظیم کی پابند ہے۔ کچھ اور سیاسی جماعتیں بھی اپنے دستور کے مطابق جماعتی انتخابات کرواتی ہیں جیسے تحریک استقلال ہے مگر پابندیٔ دستور کی جتنی لمبی تاریخ جماعت اسلامی کی ہے، اس میں اس کا کوئی حریف نہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جماعت اسلامی کے ارکان اور مؤیدین اور حامی و ہمدرد جماعت کے مقاصد کے ساتھ نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جماعتی تنظیم کا ایک قابلِ ذکر اور وقیع پہلو جماعت کی ذیلی تنظیم اسلامی جمعیت

طلبہ ہے جس نے جماعت کے مقاصد کے لئے نوجوانوں کو منظم کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس میدان میں اُسے خاصی کامیابی ہوئی۔ اسلامی احساس، اسلام کی اخلاقی قدروں کا شعور اور ان کی پاسداری اور حالات سے لڑنے کا جذبہ جمعیت کی خصوصیات ہیں مگر یہ تنظیم ایک طرح کی انتہا پسندی کا شکار ہوگئی ہے اور مطالبات اور کالجوں میں اس تنظیم کے عہدیداروں نے اپنے رویّوں سے تعلیم، معلّم اور درسگاہوں کے تقدّس کو برقرار رکھنے میں کوئی مدد نہیں کی۔ آج پاکستان کا ایک سنگین مسئلہ اعلیٰ درسگاہوں میں بدنظمی، تعلیم و تعلّم سے بے توجہی، اساتذہ کی تنظیم میں شدید کمی اور تشدد پسندی کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ اکثر مبصّرین کا خیال ہے کہ اس صورتِ حال کی زیادہ تر ذمہ داری دیگر عناصر و اسباب کے علاوہ اسلامی جمعیت طلبہ پر عائد ہوتی ہے۔ دین و مذہب کے نام پر سیاست میں تشدّد کا رجحان کسی بھی دین و مذہب کی تعلیمات کا حصہ نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اسے اسلام کا حصہ سمجھا جائے۔ اسلامی جمعیت طلبہ میں اگر انتہا پسندی اور تشدد آمادگی کے رجحان پر قابو پایا جاسکے تو یہ جماعت اسلامی اور پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کے بہترین مفاد میں ہوگا۔ اور یہ ناممکن نہیں۔

بانیٔ جماعت کی ابتدائی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کے اس طرح مخالف نہیں تھے جس طرح آج بہت سے اہلِ فکر و نظر مخالف نظر آتے ہیں جو بالخصوص نظام جاگیرداری کو انسانی ترقی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور اسی نظام کو ظلم و استحصال کی بنیادوں پر استوار جانتے ہیں مگر رفتہ رفتہ جماعت اسلامی کا معاشی شعور ترقی کرتا گیا اور اس نے معاشرے میں روحانی و اخلاقی قدروں کے ساتھ معاشی و سیاسی حقیقتوں کے بہتر ادراک کا ثبوت دینا شروع کیا حتیٰ کہ زمینداری کی تحدید کو قبول کرلیا مگر کھلے دل سے نہیں، عارضی ضرورت کے تحت عارضی ضرورت

کی حد تک اپنے منشور مطبوعہ جنوری ۱۹۷۰ء میں جہاں قدیم املاک کو محدود کر کے اُسے ۱۰۰ سے ۲۰۰ ایکڑ تک رکھنے کا اعلان ہے، ہاں آخر میں یہ جملہ بھی درج ہے "یہ تحدید صرف عارضی طور پر پچھلی ناہمواریاں دور کرنے کے لئے کی جائے گی۔ اسے مستقل حیثیت نہیں دی جائے گی، کیونکہ مستقل تحدید صرف اسلامی قانون وراثت ہی سے نہیں بلکہ متعدد دوسرے شرعی قوانین سے بھی متصادم ہوتی ہے۔ منشور جماعت اسلامی پاکستان ۲۲۔" یہ اندازِ نظر ماضی کی طرح آج بھی بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح سرمایہ داری نظام کے استقبال یا اس کے فروغ کو روکنے کی صورتیں ہیں۔ آج کوئی بھی حکومت خواہ اشتراکی ہو یا غیر اشتراکی (سوائے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی آخری پشت پناہ ہے) ملک کی بنیادی اور بڑی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے اور رکھنے کے اصولاً حامی ہے کہ اس کے بغیر جدید دور میں انتہا درجے کی امیری اور پرلے درجے کی غریبی کے درمیان بے حد حساب فاصلے کو روکنا ممکن نہیں یہ جدید دور کا ایک سیاسی اور انسانی تقاضا ہے اور اسلام اس کے خلاف نہیں جا سکتا کیونکہ اسلام شدید معاشی تفاوتوں اور بے ناہمواریوں کا دشمن ازلی ہے۔ حیرت ہے کہ جماعت اسلامی اسلام کی علمبردار ہوتے ہوئے قومی ملکیت کے اصول کی حامی نہیں۔ چنانچہ بتذکرہ منشور کے صفحہ ۲۷ کو دیکھئے: "ہم قومی ملکیت کے نظام کو بطور اصول اختیار کرنے کے مخالف ہیں۔ لیکن جن صنعتوں کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جن کا نجی ہاتھوں میں چلنا اجتماعی حیثیت سے نقصان دہ ہے، انہیں قومی ملکیت میں بمعاوضہ لے لینے یا خود حکومت کے انتظام میں قائم کرنے اور چلانے کو ناجائز بھی نہیں سمجھتے۔" یعنی یہ تسلیم کر بعض صنعتوں کا نجی ہاتھوں میں ہونا اجتماعی حیثیت سے نقصان دہ ہوتا ہے لیکن یہ نہیں تسلیم کہ قومی ملکیت کا اصول جدید معاشرے میں معاشی توازن برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ

'نا جائز بھی نہیں مگر کھلے دل سے اس کا اعتراف بھی نہیں۔

میں یہاں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ قومی ملکیت کا ضابطہ اشتراکی ملکوں میں تو قریب قریب ہمہ گیر ہے مگر غیر اشتراکی ملکوں میں یہ بطور ایک اصول کے اختیار کیا گیا ہے کہ جہاں اور جب کوئی صنعت نجی شعبے میں مفید نتائج کی حامل نہ رہے تو اسے قومی ملکیت میں لینا اصول کے دائرے میں آتا ہے۔ بڑی اور کلیدی صنعتوں کا انفرادی ملکیت میں ہونا کیونکہ مجموعی معاشی انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے لہذا انہیں قومی شعبے میں رکھنا اصولاً ایک طے شدہ امر ہے۔ یہ اگر نظام کا ایک لازمی، طے شدہ اور ناگزیر حصہ ضرور ہے جس کے بغیر خود نظام کی چولیں ہل جاتی ہیں!!

ابتدائے اسلام میں صنعت کاری تو تھی نہیں مگر حضرت عمرؓ نے مصر و شام و عراق کی وسیع مفتوحہ اراضی کو ریاست کی ملکیت میں لے لیا اور اس اراضی کو مجاہدینؓ میں تقسیم کرنے کے خیال سے اتفاق نہ کیا مبادا مسلمانوں میں جاگیرداری کا رجحان پیدا ہو جائے نیز انہیں اندیشہ تھا کہ اگر یہ اراضی نجی ملکیت میں دے دی گئی تو اس سے آنے والی نسلوں کی حق تلفی ہو گی۔ گویا حضرت عمرؓ نے قومی ملکیت کا اصول موقع پیدا ہونے پر بلا پس و پیش وضع و اختیار کیا۔

عہد جدید کا ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ جو معاشرے اور ملک کسی دین سے وابستہ ہیں اور اُس دین کے نام لیوا ہیں اور اسے اپنی زندگیوں میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں تو آبادی کی بھاری اکثریت کی یہ خواہش اُس ملک کی سیاست میں کس طرح در آئے؟ کیا روپ اختیار کرے؟ اس کی عملی صورت کیا ہو؟ کیا وہ ملک ایک مذہبی ریاست بن جائے اور اُس دین کی بنیاد پر جزماً اور لفظاً اپنی عمارت استوار کرے یا اس دین کے جو سیاسی و معاشی اصول ہیں، ان کو اس ملک کے نظام میں رائج

کیا جائے ؟ پہلی صورت میں عقیدے کا جبر بھی ریاست کے اصولوں میں شامل ہو کر رہ جائے گا اور مذہب کی رسوم کو بھی قانون کا درجہ دینا ہوگا اور جو کوئی ان سے انحراف کرے گا یا ان رسوم کو اختیار کرنے سے انکار کرے گا وہ مجرم گردانا جائے گا۔ اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ دین کے اساسی لٹریچر کی ایک مخصوص تعبیر کو آپ قانوناً درست تسلیم کریں گے اور اس کے علاوہ جو تعبیر ممکن ہوگی یا کوئی عالم دین اس سے مختلف تعبیر پیش کرے گا تو از روئے قانون اس امر کی اُس کو اجازت نہیں ہوگی اور عین ممکن ہے کہ کسی مرحلے پر اسے باغی قرار دے کر تختۂ دار پر کھینچنے کی نوبت آئے اور حکم الہٰی کو اس کی موت میں اپنی زندگی کا فروغ دکھائی دے جیسا کہ ہال ہی میں سوڈان کے ایک بزرگ ترین عالم دین کو موت کی سزا دی گئی، یہ الگ بات کہ سزا دینے والے حکمران نمیری کو اس دردناک واقعہ کے فوراً بعد ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا!! جب آپ کسی ملک میں 'شریعت' نافذ کریں گے تو اس کا نتیجہ یہی نکلے گا۔ فرقہ واریت بڑھے گی، اختلافات زیادہ سر اٹھائیں گے ریاستی جبر کی گرفت مضبوط ہوگی اور آزادی فکر و نظر پر پہرے بٹھا دیئے جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر آپ اُس دین کے سیاسی و معاشی اصولوں کو کار و بار مملکت میں رائج کریں گے جیسے کہ اسلام کے ہیں تو انصاف، اخوت اور اتحاد کی فضا پیدا ہوگی اور ظلم و استحصال اور تفرقہ بازی کی جڑیں کٹ جائیں گی۔ لوگ آزادی بھی محسوس کریں گے اور بہتری بھی ملک مضبوط بھی ہوگا اور متحد بھی۔ آخری تجزیے میں جماعت اسلامی پہلی صورت کی علمبردار ہے اور دوسری صورت کے لئے اس کے دل میں کوئی ولولہ نہیں اور چالیس سال کی تگ و دو میں وہ اپنی منزل سے آج بھی اتنی ہی دور ہے جس قدر وہ نصف صدی پہلے تھی!! ہاں اس کے ارکان کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور اس کی قوت بڑھی ہے اور وہ حکومت کے ایوانوں میں داخل ہوئی ہے اور ایوانوں سے باہر بھی

اس کا اثر ورسوخ ایک مسلمہ حقیقت ہے ۔

بے شمار دوسرے مذہبی افراد اور گروہوں کے مقابلے میں جو جمہوریت اور انتخابات اور سیاسی جماعتوں کے وجود ہی کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں اور دانستہ یا نادانستہ ملک میں آمریت، لاقانونیت اور مفاد پرستی کو تقویت پہنچانے کا موجب ہیں، جماعت اسلامی واضح طور پر جمہوریت کی علمبردار ہے اور انتخابات اور سیاسی جماعتوں کے وجود و عمل کی از روئے اسلام قائل ہے۔ اور یہ ایک غنیمت بات ہے کہ ایک انتہا پسند مذہبی جماعت سیاسی اعتبار سے جمہوری اصولوں کی پاسدار اور پابند ہے اور خود اس کی تنظیم میں جمہوریت کے آثار پائے جاتے ہیں، تاہم جماعت نے ادعائے جمہوریت کے باوصف پہلے یحییٰ خان اور اب جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومتوں کا جی بھر کر ساتھ دیا حتیٰ کہ جماعت کو مارشل لاء حکومت کی بی ٹیم کی شہرت نصیب ہو گئی!! اور اس بات اور شہرت کا خود جماعت کے بعض زعماء نے اعتراف کیا۔

مارشل لاء کی بی ٹیم کی شہرت کے علاوہ جماعت اسلامی کچھ مدت کے لئے مارشل لاء حکومت میں شامل ہو گئی اور اس کے بعض لیڈر حکومت کے وزیر با تدبیر بنے رہے مگر افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ اس مدت میں جماعت نے اپنے مقاصد کی تکمیل یعنی "نفاذ اسلام" کی کوئی تدبیر نہ کی۔ اور ایک عرصے تک ضیاء الحق کے اسلامائزیشن کی تائید و حمایت کے بعد جب یہ وزیر حکومت سے الگ ہوئے یا الگ کر دیئے گئے تو تب جاکر کہیں ان پر منکشف ہوا کہ جنرل ضیاء الحق کا اسلامائزیشن فقط ان کے اقتدار کو طول دینے کا ایک بہانہ تھا۔ ورنہ اس میں نفاذِ اسلام کے کوئی حقیقی آثار نہ تھے اور اسلامائزیشن کے پردے میں ہر قسم کی بدعنوانی، رشوت ستانی اور جرائم پھلتے پھولتے رہے یا سیاست اور تدبر موجود احوال کو درست طور سے دیکھنے سمجھنے اور آنے والے

واقعات کو بھانپنے کا نام ہے۔ جماعت کی دین فہمی تو یہاں زیرِ بحث نہیں مگر جہاں تک اُس کی سیاست فہمی کا تعلق ہے، اس نے اکثر غلط بینی کا ثبوت دیا۔ پاکستان بن رہا تھا تو وہ 'پاکستان' کی حقیقت کو نہ دیکھ سکی۔ مشرقی پاکستان ایوب خان اور یحییٰ خان کے آمرانہ رویّے سے تنگ آ کر (دیگر وجوہ کے علاوہ) سے الگ ہو رہا تھا تو جماعت کو یہ علیحدگی اور اس کا درست پس منظر دکھائی نہ دیا۔ بھٹو اور ان کی حریف سیاسی جماعتوں میں قریب قریب سمجھوتہ ہو چکا تھا کہ ضیاء الحق نے فوجی حکومت قائم کر دی۔ فوجی حکومت کس نہج پر کام کرے گی اور ملک کو کدھر لے جائے گی۔ اس کے بارے میں جماعت کے زعماء اب کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں اور ضیائی اسلامائزیشن اور مارشل لاء حکومت کے بارے میں ان دنوں جیسے خیالات ان کی طرف سے شائع ہو رہے ہیں، وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے چنداں مختلف نہیں مگر ابتدائے مارشل لاء میں جماعت اسلامی اس تبدیلی سے بے حد مطمئن اور پُر امید تھی اور اب معلوم ہوا کہ اُن کی کوئی اُمید بھی پوری نہیں ہوئی۔ یعنی جماعت کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے اور تمام اُمیدیں بے بنیاد نکلیں۔ بہ قول اقبال:

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!!

افغان مسئلہ بھی ایسا نہیں کہ جماعت کا ذکر ہو اور اس کا ذکر نہ آئے یا یوں کہئے کہ جہاں جماعت اسلامی مذکور ہوگی وہاں افغان مسئلے کا ذکر ناگزیر ہے۔ بلاشبہ افغانستان میں روسی فوجوں کا داخلہ ایک سانحہ تھا، ایک المیہ تھا اور افغان مجاہدین اور مہاجرین سے پاکستان نے انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کا جو مظاہرہ کیا وہ بہر حال قابلِ ستائش ہے مگر تین لاکھ مہاجرین کی آمد سے جو مسائل پاکستان کے لئے پیدا ہو۔۔۔ اور ہو رہے ہیں اور اس مسئلے کو جو انسانی حقوق اور آزادی کا مسئلہ ہے امریکہ اور

بعض دوسری یورپی طاقتوں نے جس طرح اپنے مفاد میں چلانا چاہا، اس پر نگاہ نہ رکھنا بھی دانش و فراست سیاسی کے خلاف ہے۔ افغان مسئلے نے نہ صرف ہماری معیشت اور معاشرت کو متاثر کیا بلکہ اس نے ہماری خارجہ حکمت عملی کو نئے افق دکھائے۔ تاہم انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کے جو تقاضے بھی ہوں، پاکستان کی سالمیت اور آزادی کا تقاضا بہرحال ہمارے نزدیک سب سے بڑا اور سب پر مقدم تقاضا ہے۔ یہ موقع نہیں کہ ہم اپنی افغان پالیسی سے بحث کریں یا اس کے نقائص کی نشاندہی کریں لیکن یہ موقع اس بات کا ضرور ہے کہ ہم یہ کہیں کہ پاکستان نے سات سال کے عرصے میں اس میدان میں جو رول ادا کیا، اس کا تقاضا ہے کہ اگر حکومت پاکستان اپنے اور افغانوں کے مفاد میں کوئی فیصلہ کرے اور کابل اور ماسکو کے ساتھ سمجھوتے کی کوئی صورت نکالنے میں کامیاب ہو جائے تو مجاہدین کا فرض ہے کہ وہ ایسے سمجھوتے کی راہ میں خود کو رکاوٹ نہ بننے دیں۔ مجاہدین اور مہاجرین ایک فریق ضرور ہیں مگر پاکستان سے بڑھ کر ان کا ہمدرد اور خیر خواہ کوئی نہیں لہذا پاکستان پر ان کی طرف سے عدم اعتماد یا حکومت پاکستان کے ساتھ ان کا عدم تعاون قطعی طور سے ایک بے جواز طرز عمل ہو گا۔ جماعت اسلامی نے ہمیشہ مجاہدین کا ساتھ دیا ہے مگر جو صورت حال ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء کے جنیوا مذاکرات میں سامنے آ رہی ہے، "افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کا سمجھوتہ ہو گیا"۔ ۱ فروری کے " نوائے وقت" کی شہ سرخی تھی۔ خبر کی تفصیل میں لکھا ہے "جنیوا میں مسئلہ افغانستان کے سلسلے میں چار دستاویزات پر دستخط ہوں گے۔ پہلی دستاویز عدم مداخلت، دوسری مہاجرین کی واپسی، تیسری بین الاقوامی ضمانتوں اور چوتھی روسی فوجوں کی واپسی کے کے بارے میں ہو گی۔ افغان وزیر خارجہ کا بیان" " نوائے وقت" مورخہ ۱ فروری ۱۹۸۴ء اس کے پیش نظر سمجھوتے کی مخالفت کرنا پاکستان کی کسی محب وطن جماعت کو زیب نہیں دیتا۔ ہمیں ابتدا کرنی چاہیئے کہ کم از کم ایسے موقع پر جماعت اسلامی ایک مثبت رول ادا

کرنے کے اہل ثابت ہوگی۔

تنظیم اور تنظیمی امور میں پابندیٔ دستور کی بات میں پہلے کر چکا ہوں۔ اس شذرے کے آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ جماعت اسلامی ہی غالباً واحد جماعت ہے جو سائنٹیفک طریقے پر کام کر رہی ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ یہ سیاسی جماعت ان اصولوں پر عمل پیرا ہے جو جمہوری ملکوں کی بڑی اور کامیاب پارٹیوں کا دستور العمل ہے۔ جماعت سازی اور فروغ جماعت کے لئے دو باتوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔ اوّل، وسیع لٹریچر۔ دوئم، کارکنوں کی ذہنی و فکری و سیاسی تربیت کا بڑے مؤثر انداز میں اہتمام۔ جماعت اسلامی ان شرائط کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے۔ اس کے پاس نہ صرف اپنے نقطۂ نظر، اپنے نظریۂ حیات اور اپنے فکر و فلسفہ کی وضاحت میں درجنوں کتابیں موجود ہیں جو باقاعدگی سے چھپتی اور ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں بلکہ کارکنوں کی ایک لمبی چوڑی تنظیم اس کام پر لگی ہوئی ہے کہ وہ اس لٹریچر کو عام کرے، قارئین تک پہنچائے اور مبلغانہ جذبے اور جدوجہد کا مظاہرہ کریں چنانچہ جماعت اسلامی میں جماعت کے لٹریچر کو پھیلانے کی لگن دیدنی ہے۔ اسی طرح کارکنوں بالخصوص نوجوانوں اور طلبہ کی ذہنی و سیاسی تربیت کا ایک پورا جال ہے جو ملک بھر میں پھیلا دیا گیا ہے۔ بڑے شہروں میں جیسا کہ لاہور ہے، محلے محلے میں جمعیت کی تنظیم کام کرتی ہے۔ اس کے باقاعدہ اجلاس ہوتے ہیں، رہنما تقریریں کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ تربیت کے نصاب کی باقاعدہ تدریس ہوتی ہے اور تعمیر کردار پر زور دیا جاتا ہے۔ اور عقائد و خیالات کی درستی کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جماعت اسلامی کے پاس نہ صرف پختہ عزم کارکن موجود ہیں بلکہ کارکنوں کی بھاری اکثریت اپنے مقاصد اور حصولِ مقاصد کے ذرائع کے بارے میں صاف ذہن ہے۔

جماعتِ اسلامی کی دو دستاویزات شامل کتاب کی جا رہی ہے۔ اگرچہ جماعت کے ذہن، نظریات، فلسفۂ حیات اور طریقِ کار کی وضاحت میں بہت سی کتابیں، پمفلٹ اور رسالے موجود ہیں تاہم دو بنیادی دستاویزیں جو ہمیں میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی اور چوہدری رحمت علی صاحب نائب امیر جماعت کی طرف سے موصول ہوئی ہیں، ان میں ایک "جماعت اسلامی کا نصب العین، دعوت اور طریق کار" اور دوسرا منشور جماعت ہے۔ پہلی دستاویز میں جماعت کا نصب العین، رکنیت کی شرائط، ارکان کے فرائض اور ذمہ داریاں، جماعت، طریق کار، تطہیر افکار، صالح افراد کی تلاش، اصلاح معاشرہ اور جماعت کے لائحۂ عمل کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ منشور میں جماعت کے عزائم، منصوبے اور پروگرام درج ہیں۔ یہ ان مقاصد پر روشنی ڈالتا ہے جو جماعت اسلامی کے پیش نظر ہیں اور حکومت میں آنے کے بعد جن کے حصول کے لئے وہ کام کرنا چاہتی ہے۔ یہ منشور ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے وقت مرتب کر کے شائع کیا گیا تھا اور تاحال جماعت کے اہداف کا ایک معتبر خاکہ ہے۔ (مشرقی پاکستان کا ذکر دانستہ حذف نہیں کیا گیا) اس منشور کے رُو سے (۱۹۷۰ء میں) ایک مزدور کی کم سے کم تنخواہ ڈیڑھ سو اور دو سو کے درمیان مقرر ہونی چاہیئے۔ تعلیم میں عربی کی تدریس لازمی قرار دینی چاہیئے۔ مشن اسکولوں کو سرکاری تحویل میں لے لینا چاہیئے۔ زمین کی مالکانہ حد دو سو ایکڑ تک ہونی چاہیئے۔ خارجہ پالیسی کے متعلق منشور میں درج ہے "ہم دنیا کی بڑی قوموں اور ان کے بلاکوں سے پاکستان کو بالکل الگ رکھنا چاہتے ہیں اور سیٹو اور سینٹو جیسے معاہدوں سے پاکستان کی وابستگی کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی خارجہ پالیسی اس کے اپنے مفاد اور اصولوں کے مطابق بالکل آزادانہ ہونی چاہیئے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منشور

دیباچہ

جماعت اسلامی پاکستان محض ایک "سیاسی" یا "مذہبی" یا "اصلاحی" جماعت نہیں ہے، بلکہ یہ وسیع معنی میں ایک اصولی جماعت Ideological party ہے جو پوری انسانی زندگی کے لیے اسلام کے جامع اور عالمگیر نظریۂ حیات پر یقین رکھتی ہے اور اس کو زندگی کے ہر شعبے میں عملاً نافذ کرنا چاہتی ہے۔ اس جماعت کے نزدیک دنیا کے بگاڑ کا حقیقی سبب خدا اور آخرت سے بے نیازی اور رسالت کی رہنمائی سے رُوگردانی ہے۔ دنیا میں جب، جہاں اور جس شعبۂ زندگی میں بھی خرابی پیدا ہوئی ہے، اس کی تہہ میں یہی بنیادی سبب کارفرما رہا ہے، اور کوئی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ خدا کی اطاعت، آخرت کی جوابدہی کے احساس اور رسالت کی رہنمائی کو نظام زندگی کی بنیاد بنا دیا جائے۔ اس کے بغیر کسی مادّہ پرستانہ نظریہ کی اساس پر عدل قائم کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ ایک نئے ظلم کی شکل اختیار کرلے گی۔

یہ جماعت کوئی قوم پرست یا وطن پرست جماعت نہیں ہے، بلکہ اس کا نظریۂ حیات عالمگیر ہے اور پوری انسانیت کی فلاح اس کے پیشِ نظر ہے۔ مگر وہ یقین رکھتی ہے کہ جب تک ہم خود اپنے ملک کو اسلامی نظام کا مثالی نمونہ نہ بنا دیں اور جب تک ہم یہ ثابت نہ کردیں کہ جس حق و صداقت پر ہم ایمان کا دعویٰ کررہے ہے

ہیں اس پر خود بھی عمل کر رہے ہیں، اور جب تک ہم یہ نہ دکھادیں کہ اس پر عمل کرنے کے کیسے بہتر نتائج ہمارے ملک میں برآمد ہوئے ہیں۔ اس وقت تک ہم دنیا کو اس کے حق اور صداقت ہونے کا قائل نہیں کر سکتے۔

اس جماعت کے نزدیک پاکستان میں دراصل کسر اس چیز کی نہیں ہے کہ یہاں خدا اور آخرت اور رسالت کے ماننے والوں کی کمی ہے بلکہ جس عقیدے اور نظام کو یہاں کے باشندوں کی عظیم اکثریت حق مانتی ہے وہ عملاً نافذ نہیں ہو رہا ہے اور اس پر ملک کا پورا نظامِ زندگی قائم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہمارا ملک ایک اسلامی ملک ہونے کے باوجود اسلام کی نعمتوں اور برکتوں سے نہ خود فائدہ اٹھا رہا ہے اور نہ دنیا کے لئے اسلام کے برحق ہونے کا گواہ بن رہا ہے۔

جماعت اسلامی اس کسر کو پورا کرنے کے لئے تمام ممکن تدابیر سے کام لے رہی ہے۔ اسلام کا علم پھیلانا، قدیم اور جدید جاہلیتوں کی پیدا کی ہوئی گمراہیوں کو دور کرنا، سوچنے سمجھنے والے طبقوں کو علمی حیثیت سے یہ بتانا کہ اسلام ہمارے تمام مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے، اور اخلاقِ عامّہ کی اصلاح کی جدوجہد کرنا، یہ سب کام جماعت کے پروگرام کے لازمی اجزا ہیں، جن پر وہ گذشتہ ۵۴ سال سے عمل پیرا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ حکومت کے نظام کی اصلاح بھی قطعاً ایک ناگزیر صورت ہے بخصوصیت کے ساتھ موجودہ زمانے میں جب کہ زندگی کا ہر شعبہ حکومت کی گرفت میں آگیا ہے اور اس کے اختیارات ہر گوشۂ حیات پر حاوی ہو گئے ہیں، نظامِ حکومت کی اصلاح کے بغیر نہ افراد کی انفرادی اصلاح ہو سکتی ہے، اور نہ معاشرے میں اجتماعی عدل قائم کیا جا سکتا ہے۔ ایک بگڑی ہوئی حکومت اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی مزاحم طاقت ہوتی ہے اور خود بگاڑ پیدا کرنے والے تمام عناصر اور اسباب کی پشت پناہ بن جاتی ہے۔ اسلامی نظام کے خواہش مند لوگ غیر سیاسی تدبیروں سے اپنے اس مقصد کے لئے خواہ کتنی

ہی کوشش کریں، ان کو ایسی حالت میں کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی جب کہ حکومت کی باگیں اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوں جو ملک کے تمام ذرائع و وسائل، اور قانون و انتظام کی تمام طاقتیں ملک کو سرمایہ داری، یا اشتراکیت (سوشلزم) یا کسی دوسرے غیر اسلامی نظامِ زندگی کی طرف لے جانے میں استعمال کر رہے ہوں۔

اسی غرض کے لئے جماعت اسلامی پرامن آئینی اور جمہوری طریقوں سے نظامِ حکومت کو بدلنا چاہتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر پاکستان کو ایک ایسی ریاست بنانا ہے:

— جو قرآن و سُنت کے اتباع کی پابند اور خلافت راشدہ کے نمونے کی پیرو ہو، جس میں اسلام کے اصول و احکام پوری طرح کارفرما ہوں۔

— جو بُرائی کو مٹائے، نیکی کو پروان چڑھائے اور دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرے،

— جو ظلم، ناجائز استحصال اور اخلاقی بے راہ روی کی ہر شکل کو مٹائے، اسلامی اقتدار کی بنیاد پر معاشرے کی تعمیر کرے اور زندگی کے ہر پہلو میں عدل قائم کر دے۔

— جو ایک خادمِ خلق ریاست ہو، ہر شہری کو اُس کی بنیادی ضروریات (غذا، لباس، مکان، تعلیم اور علاج) کی فراہمی کی ضمانت دے، رزق حلال کے دروازے کھولے، کسبِ حرام کے دروازے بند کرے، تمام جائز ذرائع سے ملک کی دولت بڑھائے اور اس دولت کی منصفانہ تقسیم کا انتظام کرے

— جو لوگوں کے چیخنے چلاّنے سے پہلے اُن کی ضرورتوں کو سمجھے اور فریاد سے پہلے ان کی مدد کو پہنچے،

— جو درحقیقت عوام کی خیر خواہ ہو اور عوام اس کے خیر خواہ، جس میں لوگوں کے تمام بنیادی حقوق پوری طرح محفوظ ہوں،

— جو صحیح معنوں میں ایک جمہوری حکومت ہو، عوام اپنی آزاد مرضی سے جن

لوگوں کو اس کا اقتدار سونپنا چاہیں وہی انتخابات کے ذریعہ سے برسرِ اقتدار آئیں، اور عوام جنہیں اقتدار سے ہٹانا چاہیں انہیں انتخابات کے ذریعہ سے بآسانی ہٹایا جا سکے۔

یہ ہیں جماعت اسلامی کے مقاصد۔ جو لوگ اِن مقاصد سے اتفاق رکھتے ہوں انہیں ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان کے حصول میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

پالیسی اور پروگرام

۱۔ اصولِ عامہ

۱۔۔۔۔ یہ بات قطعی طور پر طے شدہ ہے کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے مملکت کی اس بنیاد کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ ہر وہ کوشش جو اسے ایک لادینی مملکت بنانے کے لئے یا اس ملک میں کسی دوسرے نظریے کو نافذ کرنے کے لئے کی جائے، دراصل پاکستان کے وجود کو مٹانے کی کوشش ہے، اور کسی بیرونی نظریے پر اسلام کا لیبل لگا کر اسے رواج دینا عوام کے ساتھ فریب ہے۔ ایسی ہر تحریک کا ہم شدّت کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔

۲۔۔۔۔ پاکستان کی وحدت و سالمیت کو برقرار رکھنا ہم اپنا اوّلین فرض سمجھتے ہیں اور وہ تمام تحریکیں ہمارے نزدیک سخت تباہ کن ہیں جو اس ملک کے لوگوں میں نسلی، لسانی، علاقائی، یا طبقاتی تعصّبات اُبھار کر انہیں ایک دوسرے سے پھاڑنے کی کوشش کرتی ہوں۔ ہمارے نزدیک پاکستان کا بقا اور اس کے تمام باشندوں کی سلامتی، اور اس کی آزادی و خود مختاری کا تحفظ اس پر منحصر ہے کہ ملک کے تمام لوگوں میں وحدت کا احساس و شعور پیدا کیا جائے اور ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جائے جو سب کے ساتھ انصاف کر کے سب کو مطمئن کر دے۔

۳ــــ ہمارے نزدیک پاکستان میں وحدت کے احساس کو جن اسباب سے نقصان عظیم پہنچا ہے ان میں بہت بڑا دخل ان بے انصافیوں کا ہے جو پچھلے ادوار میں ملک کے مختلف حصوں کے ساتھ کی گئی ہیں۔ ہم ان تمام بے انصافیوں کا تدارک کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور ملک کی سالمیت کو محفوظ رکھتے ہوئے ہر علاقے کے لوگوں کو حکومت خود اختیاری سے متمتع ہونے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔

۴ــــ ہمارے نزدیک جو مسلمان ہندوستان سے ترکِ وطن کر کے پاکستان میں آباد ہو چکے ہیں اُن کو ہر لحاظ سے ملک کے قدیم باشندوں کے ساتھ برابر کے حقوق حاصل ہیں اور جس علاقے میں بھی وہ آباد ہوئے ہیں اس کے پُرانے باشندوں اور ان نئے باشندوں کے درمیان حقوق میں کسی قسم کی تمیز کرنا جائز نہیں ہے۔ ہم فرزندِ زمین Son of the soil کے نظریے کو بالکل غلط اور غیر اسلامی سمجھتے ہیں، اور ہماری نگاہ میں ان تارکینِ وطن کے متعلق یہ نقطۂ نظر قطعی ناروا ہے کہ جب تک وہ زبان، تہذیب اور طرزِ زندگی کے اعتبار سے اپنے علاقے کے لوگوں میں بالکل جذب نہ ہو جائیں، اُن سے غیروں کا سا سلوک کیا جائے اگرچہ جذب ہونے کا عمل فطری اسباب سے بالآخر ہو کر رہے گا، لیکن اُن کو برابر کے حقوق دینے کے لئے اِسے شرط نہ ہونا چاہیے۔

۵ــــ ہم بنگلہ اور اُردو کو پورے ملک کی قومی زبان تسلیم کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کو کسی علاقے کی مخصوص زبان قرار دینے کے خلاف ہیں۔

۶ــــ ہمارے نزدیک پاکستان میں کوئی پائیدار و مستحکم جمہوری نظام اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہماری قومی زندگی کے تمام عناصر اخلاص اور ایمانداری کے ساتھ حسبِ ذیل چھ اصولوں پر متفق نہ ہو جائیں اور عملاً ان کی

پابندی کا فیصلہ نہ کرلیں :

اوّل یہ کہ ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت چونکہ اسلامی نظام چاہتی ہے اس لئے جو لوگ اس سے متفق نہیں ہیں وہ اکثریت کی رائے کے مطابق ملک میں اس نظام کے قیام کو قبول کرلیں اور غیر جمہوری طریقوں سے اس کی مزاحمت چھوڑ دیں۔ خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ جو سازشوں اور مار دھاڑ کے ذریعہ سے پاکستان پر کوئی غیر اسلامی نظریہ مسلّط کرنے کی کوشش کریں اس ملک کے دشمن ہیں اور ملک کے ہر خیر خواہ کا فرض ہے کہ پوری طاقت سے ان کا مقابلہ کرے۔

دوّم یہ کہ ملک تمام باشندوں کا ہے نہ کہ کسی خاص طبقے یا گروہ کا۔ اس لئے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عام باشندوں کو ملک کے معاملات سے بے دخل کرکے فرماں روائی اپنے لئے مخصوص کرلے۔

سوّم یہ کہ ملک کی حکومت کا نظام چلانا باشندگانِ ملک کے نمائندوں کا کام ہے، اور ملازمینِ حکومت کا کام ان کی ہدایات کے تحت ملک کا انتظام کرنا ہے۔ جو سرکاری ملازمین نمائندگانِ قوم کی اطاعت نہ کرنا چاہتے ہوں یا اُن کی پالیسی سے مطمئن نہ ہوں یا اپنے مخصوص نظریات کو رواج دینا چاہتے ہوں ان کے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ مستعفی ہو کر آئینی اور جمہوری طریقوں سے نظامِ حکومت میں تبدیلی کی کوشش کریں۔ مگر یہ حق ان کو حاصل نہیں ہے کہ ملازم رہتے ہوئے خود ایک سیاسی جتھے کی شکل اختیار کرلیں اور جو اختیارات انہیں ملک کے انتظام اور دفاع کی خاطر دیئے گئے ہیں انہیں ملک پر قبضہ کرلینے کے لئے استعمال کریں۔

چہارم یہ کہ ملک کے صحیح نمائندے صرف وہی ہیں جنہیں لوگ اپنی آزاد

مرضی سے منتخب کریں۔ لالچ، دباؤ، دھوکے، دھاندلی اور حکومت کے اثرات سے انتخابات جیتنے والے دراصل غاصب اور جمہوریت کے قاتل ہیں۔ اس ملک کی سیاسی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو عہد کر لینا چاہیئے کہ آئندہ کبھی وہ انتخابات میں نہ خود ان ذرائع سے کام لیں گے نہ کسی ایسے شخص یا گروہ کا ساتھ دیں گے جو اپنے ملک اور اپنی قوم کے ساتھ اس غداری کا ارتکاب کر رہا ہو۔

پنجم یہ کہ ہر شخص اور ہر گروہ جمہوری و آئینی طریقوں سے اپنے نقطۂ نظر کے لئے رائے عام ہموار کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس حق پر کوئی پابندی نہ ہونی چاہیئے اور اس راستے سے اقتدار تک پہنچنا ہر ایک کے لئے جائز ہے مگر اس کے سوا کسی دوسرے راستے سے حصولِ اقتدار کی کوشش کسی کے لئے جائز نہیں۔ کوئی شخص اس طرح اقتدار حاصل کرنے پر قادر بھی ہو تو اُسے ملک کی بھلائی کی خاطر اس سے باز رہنا چاہیئے۔

ششم یہ کہ ملک کا پریس، ریڈیو، ٹیلیویژن اور خبر رساں ایجنسیاں وہ ذرائع ہیں جن سے باشندگانِ ملک حالات اور خیالات سے باخبر ہو کر معاملات میں رائے قائم کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کو کبھی حقائق پر پردہ ڈالنے اور کسی کے حق میں یک طرفہ پروپیگنڈا کرنے کے لئے استعمال نہ ہونا چاہیئے۔ جمہوریت اِس کے بغیر نشوونما نہیں پا سکتی کہ عوام اپنے ملک کے حالات سے بھی آگاہ ہوں اور ہر گروہ کا نقطۂ نظر بھی اپنی اصلی شکل میں اُن کے سامنے آتا رہے۔

۷ ــــــ ہمارے نزدیک پاکستان میں کام کرنے والی تمام جماعتیں جب تک حسبِ ذیل ضابطۂ اخلاق کی پابند نہ ہوں، یہاں کی سیاسی زندگی صاف ستھری نہیں ہو سکتی،

(۱) نظریۂ پاکستان (یعنی اسلامی نظامِ حیات) اور ملک کی وحدت وسالمیت کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے۔

(۲) کوئی پارٹی، یا اُس کا کوئی ذمہ دار شخص معقول اعتراض وتنقید کے حدود سے تجاوز کرکے کسی دوسری پارٹی یا اس کے لیڈروں کے خلاف، اور انتخابات کے زمانہ میں اس کے اُمیدواروں کے خلاف، دشنام طرازی اور ناشائستہ پروپیگنڈا نہ کرے، اور نہ ایسے الزامات لگائے جن کا ثبوت وہ نہ دے سکتا ہو۔ ملک کے قانون میں بھی یہ بات طے کردینی چاہیئے کہ جو شخص انتخابات کا اعلان ہونے کے بعد انتخابات میں حصہ لینے والی کسی پارٹی یا اس کے کسی لیڈر یا امیدوار پر کوئی جھوٹا الزام لگائے اس کا بارِ ثبوت اُس کے ذمّہ ہوگا، اور اگر وہ اسے ثابت نہ کرسکے تو اس کی سزا دی جائے گی۔ نیز یہ کہ اگر انتخابات میں حصّہ لینے والی کوئی پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرے تو وہ انتخابات میں حصّہ لینے کی نااہل قرار دی جائے گی۔

(۳) ہر پارٹی کو جلسے اور جلوس اور پرامن مظاہرے کرنے کا حق ہے لیکن کسی دوسروں کے جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں کو درہم برہم کرنے کا یا ان میں خلل اندازی کا حق نہیں ہے۔ خاص طور پر انتخابات کے زمانے میں اگر کوئی پارٹی یہ طرزِ عمل اختیار کرے تو قانونِ انتخاب میں یہ تصریح ہونی چاہیئے کہ وہ انتخابات میں حصّہ لینے کی مجاز نہ ہوگی۔

(۴) کسی پارٹی کو ملک کے اندر تشدّد کے ذریعہ سے انقلاب لانے کی کوشش کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے یا کسی ایسی تشدّد آمیز تحریک جاری کرنے کا حق نہیں ہے جس کا مقصد جمہوری طریقوں کے بجائے جبراً ملک کے نظام میں

تبدیلی لانا ہو، جو پارٹی اس قسم کا رویہ اختیار کرے اسے بہ حیثیت ایک ملک میں کام کرنے کا حق نہ ہونا چاہیئے۔

(۵) اگر کوئی شخص یا کوئی پارٹی یا اس کا کوئی لیڈر انتخابات کا بائیکاٹ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ اس طرح کے اعلانات کرے کہ وہ انتخابات نہیں ہونے دے گا، یا انتخابات میں حصہ لینے والوں کو زبردستی اس اس سے روکے گا، یا پولنگ اسٹیشنوں پر انتخابات کی کارروائی نہ ہونے دے گا، تو اس کو نہ صرف یہ کہ ملکی سیاست میں حصہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ یہ باتیں از روئے قانون جُرم قابل دست اندازئ پولیس ہونی چاہئیں اور ان کی سزا مقرر ہونی چاہیے۔

(۶) انتخابات کا اعلان ہونے کے بعد اور دورانِ انتخاب تمام پارٹیاں حسبِ ذیل کاموں سے قطعی پرہیز کریں گی:

(الف) روپے کے ذریعے یا کسی اور طرح کا لالچ دے کر ووٹ حاصل کرنا۔

(ب) ووٹروں پر سرکاری افسروں کے ذریعہ سے دباؤ ڈلوا کر یا اپنے کارکنوں یا اپنے حامیوں کے ذریعہ سے ڈرا دھمکا کر زبردستی ووٹ حاصل کرنا۔

(ج) برادریوں اور علاقائی، نسلی یا لسانی تعصبات کے نام پر اپیل کرنا۔

(۷) ہر پارٹی کو اس بات کا عہد کرنا ہو گا کہ انتخابات کے ذریعہ اگر وہ برسرِاقتدار آئے تو وہ حسبِ ذیل چیزوں سے احتراز کرے گی:

(الف) سرکاری ملازمین اور سرکاری ذرائع اور وسائل کو پارٹی کے مفاد کے لئے استعمال کرنا۔

(ب) ملک کے ذرائع نشر و اشاعت، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور خبررساں ایجنسیوں کو اپنی پارٹی کے حق میں اور مخالف پارٹیوں کے خلاف پروپیگنڈا کے لئے

استعمال کرنا۔

(ج) پریس اور پلیٹ فارم کی آزادیوں پر اپنی پارٹی کے مفاد میں قدغن لگانا۔

(د) لائسنس، پرمٹ یا کسی دوسرے مالی مفاد کے ذریعہ دوسری پارٹیوں کے آدمیوں کو توڑنا یا اپنی پارٹی کی تعداد میں ان کے ذریعہ سے اضافہ کرنا، یا اپنے اثر و نفوذ کو بڑھانے کے لئے یہ ذرائع استعمال کرنا۔

(۸) کسی ایسی پارٹی کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق نہ ہو گا جو پاکستان کی اسلامی بنیاد کو نہ مانتی ہو، یا پاکستان میں جمہوری نظام کے خلاف کوئی اور نظام لانا چاہتی ہو، یا پاکستان کی وحدت و سالمیت کی مخالف ہو۔

۲- آئینی اصلاحات

۸ ـــــــ ہم پہلے مرحلے میں ۱۹۵۶ء کے دستور کو حسبِ ذیل ترمیمات کے ساتھ ملک کا آئین قرار دے دینا چاہتے ہیں :

(۱) وفاقی مرکز میں دو ایوانی مجلسِ مقننہ قائم کی جائے۔ ایوانِ زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی ہو اور ایوانِ بالا میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی دی جائے۔ دونوں ایوانوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں مشترکہ اجلاس کر کے فیصلہ کیا جائے۔ اور اس میں رائے دہی کا ایسا طریقہ رکھا جائے کہ اس مشترکہ اجلاس کے فیصلوں میں ملک کے کسی علاقے کے ساتھ بے انصافی نہ ہو سکے۔

(۲) ون یونٹ توڑ کر مغربی پاکستان کے سابق صوبے بحال کر دیئے جائیں، کوئٹہ قلات ڈویژن اور لس بیلا کو ایک پورے صوبہ کا درجہ دیا جائے۔ کراچی کو سندھ میں شامل کر دیا جائے، اور بہاولپور کو ایک الگ صوبہ بنا دیا جائے۔

(۳) دفاع، امورِ خارجہ، کرنسی اور وفاقی مالیات Federal Finance بیرونی اور بین العلاقائی تجارت اور مواصلات، اور دوسرے امور جن پر اتفاق ہو، مرکز کے پاس رہیں اور ان شعبوں کو چلانے کے لئے مرکز کو براہِ راست خود ٹیکس عائد کرنے کے اختیارات حاصل ہوں۔

(۴) مذکورہ امور کے ماسوا تمام اختیارات اُن حکومتوں کی طرف منتقل کر دیئے جائیں جو از روئے دستور ملک کے دونوں بازوؤں میں قائم ہوں اور انہیں مکمل علاقائی خود مختاری حاصل رہے۔

(۵) موجودہ آزاد سرحدی علاقوں کو پوری طرح پاکستان میں شامل کر لیا جائے، وہاں کے باشندوں کو بالغ رائے دہندگی کی بنا پر ووٹ کا حق دیا جائے، وہاں پاکستان کے تمام قوانین نافذ کیے جائیں، اور پاکستان سے ان کی علیحدہ امتیازی حیثیت ہر لحاظ سے ختم کر دی جائے۔

۹ ــــــ مذکورہ بالا ترمیمات کے بعد جب ۱۹۵۶ء کا دستور ملک کا آئین قرار پا جائے، اور اقتدار اسمبلی کی طرف منتقل ہو جائے، تو دوسرے مرحلے میں ہم کوشش کریں گے کہ اس آئین میں حسب ذیل مزید ترمیمات کی جائیں:

(۱) قرآن و سنّت کو بالفاظِ صریح قانون کا ماخذِ اوّل Chief Source of Law تسلیم کیا جائے۔

(۲) تمام سابق غیر اسلامی قوانین کو جلدی سے جلدی اسلام کے مطابق تبدیل کرنے کے لئے قابلِ اطمینان مشینری قائم کی جائے۔

(۳) جداگانہ طریق انتخاب کو از سرِ نو رائج کیا جائے، اور پاکستان کی ہر غیر مسلم اقلیت کو اس کی آبادی کے لحاظ سے علیحدہ نمائندگی کا حق دیا جائے، یا پھر متناسب نمائندگی Proportional representation کا

طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۴) بنیادی حقوق کی دفعات میں سے تمام غیر معقول اور غیر منصفانہ پابندیوں کو ختم کیا جائے، اور خصوصاً احتیاطی نظر بندی Preventive detention کے قاعدے میں ایسی اصلاح کی جائے جس سے کسی شخص کی آزادی عدالتی فیصلے کے بغیر، اور اس کو صفائی کا موقع دیئے بغیر سلب نہ کی جاسکے۔

(۵) عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل علیحدہ اور مکمل طور پر آزاد کر دیا جائے۔

(۶) ہنگامی حالات میں بنیادی حقوق کو کلیتہً معطل کر دینے کے اختیارات منسوخ کیے جائیں۔

(۷) مارشل لا لگانے اور انڈمنٹی ایکٹ جیسے قوانین بنانے کے غیر مشروط اور غیر محدود اختیارات کو معقول حدود سے مُقیّد کیا جائے۔

(۸) فوجی ملازمین کو فوجی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا حق اسی طرح دیا جائے جس طرح پاکستان کے دوسرے باشندوں کو سول عدالتوں کے معاملہ میں دیا گیا ہے۔

(۹) صدارت، وزارت اور دوسرے ذمہ دارانہ عہدوں پر مامور کیے جانے والے لوگوں سے جو حلف لیا جاتا ہے اس میں یہ بات بھی شامل کی جائے کہ وہ اپنے فرائض دیانت وامانت کے ساتھ انجام دیں گے اور اپنی ذاتی زندگی میں بھی احکام اسلامی کی پابندی کریں گے۔

(۱۰) تمام ملازمین حکومت سے، بشمول فوجی ملازمین، یہ حلف لیا جائے کہ وہ کبھی اپنے ایسے افسر اعلیٰ کا حکم نہیں مانیں گے جو ملک کے دستور کو منسوخ کرنے کا اقدام کرنا چاہے۔

(۱۱) جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبی مانتے ہوں

اور اس کی نبوت پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر قرار دیا جائے، کیونکہ ان کو مسلمان تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان کے مسلمان غیر مسلم اکثریت ہیں۔

۳۔ مشرقی پاکستان

۱۔ ـــ حکومت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ اُن تمام تدابیر کو عمل میں لائے جو مشرقی پاکستان کی معاشی پسماندگی دُور کرنے اور اُسے ہر لحاظ سے مغربی پاکستان کے برابر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس غرض کے لئے حسبِ ذیل تدابیر اختیار کی جائیں گی:

(۱) مشرقی پاکستان کے کمائے ہوئے زرمبادلہ کو، دفاع، امور خارجہ اور مرکزی ادائیگیوں کے سلسلے میں (جن کے اندر موجودہ یا آئندہ غیر ملکی قرضے بھی شامل ہیں) حصہ رسدی وضع کرنے کے بعد، تمام تر مشرقی پاکستان ہی میں صرف کیا جائے گا، اور جب تک معاشی نامساوات رفع نہ ہو جائے، حکومتِ پاکستان غیر ملکی امداد اور بیرونی قرضوں کی تقسیم میں مشرقی پاکستان کو ترجیح دے گی۔

(۲) کرنسی، زرمبادلہ، مرکزی بنکاری، بین العلاقائی تجارت و مواصلات اور بیرونی تجارت کے انتظام کے لئے ایک بورڈ قائم کیا جائے گا جس میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے ارکان کی تعداد مساوی ہوگی اور بورڈ کے ارکان کا انتخاب مرکزی اسمبلی کے ہر علاقے کے ارکان علیحدہ علیحدہ کریں گے۔

(۳) مشرقی پاکستان سے سرمایہ کے فرار کی روک تھام کرنے اور اس کے اسباب کو ختم کرنے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار کی جائیں گی، نیز وہاں سرمایہ کاری

Capital formation and investment کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

(۴) مرکزی ملازمتوں میں آئندہ تقرّرات آبادی کے تناسب کے لحاظ سے کیے جائیں گے۔

(۵) حکومت پاکستان کی یہ آئینی ذمہ داری ہوگی کہ مشرقی پاکستان کو دفاع کے معاملہ میں ہر لحاظ سے خودکفیل بنائے۔ اس غرض کے لئے مشرقی پاکستان میں بھی ملٹری اکیڈیمی، اسلحہ ساز فیکٹری، کیڈیٹ کالج اور سکول وغیرہ کھولے جائیں گے۔ بری، بحری اور فضائی، تینوں شعبوں میں مشرقی پاکستان منتقل کر دیا جائے گا۔ ان امور پر پوری طرح عمل درآمد کرنے کے لئے ایک ڈیفنس کونسل قائم کی جائے گی جس میں دونوں بازوؤں کے ارکان کی تعداد مساوی ہوگی۔

(۶) فوج اور فضائیہ کے ڈپٹی کمانڈر انچیف مشرقی پاکستان میں متعین کیے جائیں گے اور ان کو اتنے اختیارات حاصل ہوں گے کہ کسی ضرورت کے موقع پر وہ مؤثر طریقہ سے کام کر سکیں۔

(۷) ملک کے وسائل کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ دونوں بازوؤں میں فی کس آمدنی مساوی ہو جائے۔

(۸) مشرقی پاکستان میں سیلابوں کی روک تھام، گنگا اور ٹیسٹا دریاؤں پر بلاتاخیر بیراجوں کی تعمیر، برہم پترا بیراج اور پل کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے اور مشرقی پاکستان میں آبپاشی کے منصوبوں کو عمل میں لانے کے لئے مرکز کی طرف سے مالی امدادی جائے گی تاکہ بہت کم شرحوں پر کاشت کاروں کو بڑے پیمانے پر آب پاشی کی سہولتیں بہم پہنچ سکیں۔

(۹) مشرقی پاکستان کے جتنے ڈیپازٹ اور پریمیم بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کو

وصول ہوں گے وہ پوری طرح مشرقی پاکستان ہی میں استعمال ہوں گے۔[1]

۴ - قانونی اصلاحات

۱۱ ـــــ ملک کے موجودہ قوانین میں ہم حسب ذیل اصلاحات کرنا چاہتے ہیں :

(۱) اسلام کے جو احکام قانون کی حیثیت سے ایک اسلامی مملکت میں رائج ہونے چاہئیں ان کے نفاذ کے لئے قانون سازی کرنا۔

(۲) تمام ایسے غیر منصفانہ قوانین کی تنسیخ جن کے ذریعہ حکومت کو مقدمہ چلائے بغیر کسی شخص کی آزادی سلب کر لینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے یا جن سے شہریوں کے بنیادی حقوق پر ضرب پڑتی ہے۔ نیز دفعہ ۱۴۴ کو ایسی شرائط سے مقید کرنا جن سے شہری آزادیوں کے خلاف اس کا بے جا استعمال نہ ہو سکے۔

(۳) ایسے تمام ناروا قوانین یا پابندیوں کا خاتمہ جن کے ذریعہ پریس یا عوام کی آزادیٔ اظہار رائے مجروح ہوتی ہے۔

(۴) کورٹ فیس کو بتدریج ختم کرنا تاکہ لوگوں کو بلا معاوضہ انصاف حاصل ہو سکے۔

(۵) ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری میں ایسی ترمیم و اصلاح جس سے عدالتوں میں جلدی اور بآسانی انصاف ہو سکے۔

(۶) بلا تاخیر ایسے قوانین بنانا جن کے ذریعہ سے زنا، شراب، قمار بازی، عریانی، فحاشی، بردہ فروشی اور مخرب اخلاق فلموں، کتابوں، رسالوں اور اشتہارات کو روکا جا سکے۔

---

[1] : بینکنگ اور انشورنس کے بارے میں جماعت اسلامی کی پالیسی آگے معاشی اصلاحات میں بیان کی گئی ہے۔

(۷) عورتوں کو شریعت کے عطاکردہ حقوق دلوانے کے لئے قوانین بنانا اور رائج الوقت عائلی قوانین کو احکام شریعت کے مطابق درست کرنا۔

(۸) اسلامی اصولوں کے مطابق معاشرے کی اصلاح و تعمیر کے لئے نئے قوانین بنانا۔

(۹) فوجی قوانین کی اصلاح اسلامی اصولوں اور جدید جمہوری ریاستوں کے قوانین کی روشنی میں۔

۵۔ مذہبی اور اخلاقی اصلاحات

۱۲۔ مسلمانوں کی مذہبی و اخلاقی حالت کو درست کرنے کے لئے ہم حسب ذیل پروگرام پر عمل کریں گے:

(۱) مسلمانوں میں اقامت صلوٰۃ کو فروغ دینے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار کی جائیں گی اور نماز ادا کرنے کے لئے ضروری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

(۲) احترامِ رمضان کو پوری طاقت کے ساتھ قائم کیا جائے گا۔

(۳) اتوار کے بجائے جمعہ کی تعطیل مقرر کی جائے گی۔

(۴) اوقاف کا انتظام شرعی احکام کے مطابق کیا جائے گا، اور علماء کا ایک نمائندہ بورڈ اس کی نگرانی کرے گا، اور اس امر کا خاص اہتمام کیا جائے گا کہ محکمۂ اوقاف مسجدوں کو اقتدار کے بُت کی پرستش گاہ نہ بنا سکے۔

(۵) مساجد کو مسلم معاشرے میں جو اہمیت حاصل ہونی چاہیئے اسے از سرِ نو قائم کیا جائے گا اور ان کے لئے امام اور خطیب تیار کرنے کا موزوں انتظام کیا جائے گا۔

(۶) حج کے لئے مسلمانوں کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی اور ان تمام پابندیوں کو ختم کر دیا جائے گا جو اس وقت پائی جاتی ہیں۔

(۷) اسلامی عقائد، احکام اور تعلیمات سے عوام کو آگاہ کرنے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار کی جائیں گی تاکہ ہر مسلمان کم از کم ضروریات دین سے واقف ہو جائے اور اُن احکام کو جان لے جو ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے اُس کو معلوم ہونے چاہئیں۔

۱۳ ــــــ بحیثیتِ مجموعی ملک کی اخلاقی اصلاح کے لئے ہمارا پروگرام یہ ہے:

(۱) قانون اور انتظام کی تمام طاقتوں اور حکومت کے تمام ذرائع ووسائل سے کام لے کر معاشرے کو ہر قسم کے فواحش اور اخلاقی مفاسد سے پاک کیا جائے گا اور ان اسباب کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی جن سے معاشرے میں جرائم اور اخلاقی برائیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

(۲) اخلاقِ عامہ کی اصلاح اور عوام کی اخلاقی تربیت کے لئے بڑے پیمانے پر ایسی تدابیر اختیار کی جائیں گی جن سے لوگوں میں خدا ترسی اور خدا پرستی پیدا ہو، اپنے فرض اور اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو، قانون کے احترام کا جذبہ اور اجتماعی مفاد کا درد پیدا ہو، اور ہمارا معاشرہ اس قابل ہو سکے کہ اس میں برائیوں کی روک تھام اور اجتماعی فرائض کی ادائیگی محض قانونی جبر پر منحصر ہو کر نہ رہ جائے۔

(۳) خاندانی منصوبہ بندی کی پوری اسکیم ختم کر دی جائے گی اور ملک کے وسائل پر روز افزوں آبادی کے دباؤ کا علاج وسائل کو مزید ترقی دینے سے کیا جائیگا۔

۶ــ تعلیمی اصلاحات

۱۴ ــــــ ہم معاشرے کی تعمیر میں تعلیم کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ہمارا پروگرام حسبِ ذیل ہے:

(۱) پورے نظامِ تعلیم کو اس لحاظ سے مرتب کیا جائے گا کہ اس میں ابتدا سے انتہائی مدارج تک، ہر علم اور فن کی تعلیم میں خدا پرستانہ نظریۂ حیات پیوست ہو جائے۔

(۲) ملک میں کئی کئی تعلیمی نظاموں کو بتدریج ختم کر کے ایک ہی نظامِ تعلیم رائج کیا جائے گا۔

(۳) تعلیم صرف علوم پڑھانے تک محدود نہ رہے گی بلکہ اس کے ہر شعبے میں لازمی طور پر اخلاقی تربیت بھی شامل کی جائے گی تاکہ معاشرے اور ریاست کے لئے خدا ترس اور فرض شناس کارکن تیار ہو سکیں۔

(۴) ثانوی تعلیم تک ہر مسلمان بچے کو لازماً اسلامی عقائد، اور اسلامی زندگی کے ضروری احکام سے واقف کرا دیا جائے گا، اور اسے قرآن پڑھنے اور ایک حد تک سمجھنے کے قابل بھی بنا دیا جائے گا۔ جو مسلمان فرقے اکثریت سے مختلف عقائد رکھتے ہیں ان کے لئے ان کی مرضی کے مطابق حتی الامکان جُداگانہ انتظامات کیے جائیں گے اور غیر مسلموں کے بچوں کو اسلامی تعلیم کے بجائے اخلاقی تعلیم دینے کا انتظام کیا جائے گا۔

(۵) علوم و فنون کی تحقیق کے لئے اعلیٰ درجہ کے ادارے قائم کیے جائیں گے اور اسلامی علوم کی تحقیقات پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

(۶) ملک سے ناخواندگی کو جلدی سے جلدی دور کرنے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

(۷) کم سے کم مدت کے اندر ابتدائی تعلیم لازمی اور مفت، اور ثانوی تعلیم مفت کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔

(۸) تعلیم کو سستا کیا جائے گا اور ایسی تدابیر اختیار کی جائیں گی کہ کوئی باصلاحیت

نوجوان محض وسائل کی کمی کے باعث اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے محروم نہ رہ جائے۔

(۹) فنی تعلیم و تربیت کے اداروں کو بڑے پیمانے پر ملک کے مختلف حصوں میں قائم کیا جائے گا۔

(۱۰) مخلوط تعلیم کا طریقہ ختم کر دیا جائے گا اور عورتوں کے لئے ان کی ضروریات کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے مواقع زنانہ درسگاہوں اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ سے فراہم کیے جائیں گے۔

(۱۱) تعلیمی اداروں میں آزاد فضا پیدا کی جائے گی اور یونیورسٹیوں کو قومی تعلیمی پالیسی کے حدود کے اندر پوری طرح خود مختارانہ حیثیت دی جائے گی۔

(۱۲) اساتذہ کے لئے معقول معاوضے بہتر شرائطِ کار کے ساتھ مقرر کیے جائیں گے تاکہ معاشرے کے بہترین دماغ اس پیشے کی طرف راغب ہوں۔

(۱۳) معلّمین کی صحیح تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے گی تاکہ وہ نہ صرف بہتر اُستاد بنیں بلکہ طلبہ کو بہتر اخلاقی اور اسلامی تربیت بھی دے سکیں۔

(۱۴) اساتذہ کے تقرّر میں صرف اُن کی علمی اسناد ہی نہ دیکھی جائیں گی بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ نظریۂ پاکستان کے مخالف نہ ہوں اور اپنے اخلاق کے لحاظ سے ملک کی نئی نسل کو تعلیم دینے کے اہل ہوں۔

(۱۵) مشن اسکولوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے گا۔

(۱۶) پبلک اسکول سرکاری خرچ پر قائم کرنے اور چلانے کا سلسلہ بند کر دیا جائیگا۔

(۱۷) پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی مگر انہیں تجارتی ادارے نہ بننے دیا جائے گا اور اس امر کی نگرانی کی جائے گی کہ ان میں تعلیم کا معیار بلند ہو۔

(۱۸) بنگلہ بولنے والوں کو مغربی پاکستان میں، اور اردو بولنے والوں کو مشرقی پاکستان میں اپنی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں دی جائیں گی۔

(۱۹) تعلیمی اداروں میں فوجی تربیت کا انتظام کیا جائے گا تاکہ ملک کے نوجوان دفاع کے لئے تیار ہوسکیں۔

(۲۰) عربی زبان ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جائے گی۔

(۲۱) قومی زبانوں کو انگریزی کے بجائے ذریعہ تعلیم بنایا جائے گا۔

(۲۲) علاقائی زبانوں کی ترقی کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی، اور اگر کہیں وہ پہلے سے ذریعۂ تعلیم رہی ہوں تو ان کی اس حیثیت کو نقصان نہ پہنچنے دیا جائے گا۔

۷ — انتظامی اصلاحات

۱۵ — ہمارے نزدیک ملک کی اصلاح کے لئے کوئی اچھے سے اچھا پروگرام بھی اُس وقت تک مفید ثابت نہیں ہوسکتا جب تک اس کو عمل میں لانے کے لیے ایک دیانت دار، اہل اور فرض شناس انتظامیہ موجود نہ ہو۔ اس غرض کے لئے ہم حسب ذیل تدابیر اختیار کرنا چاہتے ہیں:

(۱) سرکاری محکموں سے رشوت، خیانت اور دوسری بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں کو دور کرنے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ اور اُن اسباب کا بھی تدارک کیا جائے گا جن کی وجہ سے کم تنخواہیں پانے والے ملازمین میں رشوت کا مرض پھیلتا ہے۔

(۲) ہر شخص جو کسی اعلیٰ منصب پر مقرر ہو اس کے تقرر کے وقت اس کی اور

اس کے متعلقین کی مالی حیثیت کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر وقتاً فوقتاً یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں کوئی ایسا اضافہ نہ ہو سکے جو اس کے جائز ذرائع آمدنی کی نسبت سے زیادہ ہو۔

(۳) کوئی سرکاری ملازم جو اپنی جائز مالی حیثیت سے زیادہ بلند معیارِ زندگی اختیار کرے یا جائداد پیدا کرے اُس کا بلا تاخیر محاسبہ کیا جائے گا۔

(۴) ایک ایسا اعلیٰ اختیارات رکھنے والا محکمہ قائم کیا جائے گا جو سرکاری افسروں کے ظلم اور اختیارات کے بے جا استعمال کی شکایات سُنے اور ان کے فوری تدارک کا اہتمام کرے۔ اس غرض کے لئے ایک مستقل انتظامی قانون بنایا جائے گا۔

(۵) تمام مقابلہ کے امتحانات Competitive Examination میں اسلامیات کو ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا جائے گا، اور جن اداروں میں سرکاری ملازمتوں کے لئے کارکنوں کی تربیت کی جاتی ہے ان میں اخلاقی و دینی تعلیم و تربیت لازم کی جائے تاکہ ان سے ایسے افسر تیار ہو کر نکلیں جو صرف قابل ہی نہ ہوں بلکہ خدا ترس، مُتدیّن اور فرض شناس بھی ہوں۔ نیز ان اداروں میں تربیت پانے والوں کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی جو کوششیں کی جاتی ہیں اور عوام سے بالا بن کر رہنے کے جو طریقے سکھائے جاتے ہیں ان کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔

(۶) انگریزی دور کے ضوابطِ ملازمت Service conduct Rules میں ایسی اصلاحات کی جائیں گی جن سے وہ معقول اور اسلام کے اخلاقی تقاضوں کے مطابق ہو جائیں۔

(۷) انگریزی زبان کو سرکاری محکموں سے جلد از جلد رُخصت کر دیا جائے گا۔

(۸) سرکاری افسروں کے لئے سرکاری ڈیوٹی کے وقت، نیز سرکاری تقریبات میں قومی لباس کے استعمال کو لازم کیا جائے گا۔ اور ایسے تمام آثار کو مٹایا جائے گا جن کی وجہ سے عوام الناس ابھی تک انگریزی دور کی ذہنی غلامی سے آزاد نہیں ہوسکے ہیں۔

(۹) انتظامیہ کے اخراجات کو کم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور قومی خزانے کو بے جا اخراجات سے بچایا جائے گا۔

(۱۰) جرائم کی تفتیش کے تمام وحشیانہ اور غیر مُہذب طریقوں کو بند کردیا جائیگا۔

(۱۱) خفیہ پولیس کے بے جا استعمال کو روک کر اُسے رشوت خور سرکاری ملازمین کی نگرانی، جرائم کی روک تھام، سمگلنگ، بلیک مارکیٹنگ اور دوسری خرابیوں کے انسداد میں استعمال کیا جائے گا۔

(۱۲) پولیس کے شعبۂ احتساب Prosecution Branch اور شعبۂ تفتیش Investigation Branch کو عملاً علیٰحدہ کردیا جائے گا جو اب محض برائے نام الگ ہیں۔

(۱۳) جیل کے تمام وحشیانہ اور غیر مہذب ضابطوں کو اسلامی طریقوں کے مطابق بدل دیا جائے گا۔ اسے دارالعذاب اور جرائم کی تربیت گاہ کے بجائے قیدیوں کی اخلاقی و ذہنی اصلاح کی جگہ بنایا جائے گا اور اس میں ایسے طریقے رائج کیے جائیں گے جن سے مجرمین شریفانہ زندگی کے قابل بن سکیں۔

(۱۴) مخصوص فنی شعبہ ہائے حکومت کی سربراہی انہی شعبوں کے آدمیوں کو دی جائے گی اور نظم و نسق پر کسی ایک سروس کی اجارہ داری قائم نہ رہنے دی جائے گی۔

(۱۵) ڈاکٹروں انجنیئروں اور دوسرے صاحب فن لوگوں کے لئے تنخواہ اور شرائط ملازمت

میں ایسی کشش پیدا کی جائے گی کہ ان کے اندر ملک سے باہر جانے کا رجحان ختم ہو۔

(۱۶) سرکاری افسروں کے اونچے طبقے کو ایک سیاسی جتھے کی سی شکل اختیار نہ کرنے دی جائے گی اور ایسی تدابیر اختیار کی جائیں گی کہ وہ قوم کے ملازم بن کر رہیں نہ کہ آقا۔

(۱۷) بیرونی ممالک میں پاکستان کے سفارت خانوں کی اصلاح کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۸ — معاشی اصلاحات

۱۶ — ہمارے ملک میں اس وقت جو معاشی نظام پایا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ سے از سرتا پا ظلم بن گیا ہے کہ اس میں پرانے جاگیرداری نظام اور نئے سرمایہ داری نظام کی تمام برائیاں جمع ہو گئی ہیں، اور ان کو حکومت کی غلط معاشی پالیسیوں اور ایک مطلق العنان بیوروکریسی کی خود غرضیوں نے اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اس پورے نظام میں جب تک بنیادی تبدیلیاں نہ کی جائیں، یہاں عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا، مگر یہ تبدیلیاں لازماً ایسی ہونی چاہئیں جو اسلام کے اصولوں کے مطابق ہوں اور جن کے ساتھ افراد کے ساتھ افراد کے بنیادی حقوق محفوظ اور معاشرے کی شہری آزادیاں برقرار رہیں۔

۱۷ — ہماری معاشی پالیسی کے بنیادی مقاصد یہ ہیں:

— عادلانہ تقسیم دولت۔

— دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے سے روکنا۔

— ظلم اور ناجائز استحصال کی تمام صورتوں کا خاتمہ،

— تمام لوگوں کے لئے مساوی مواقع کی فراہمی،

— معاشی ترقی کے فوائد سے ملک کے تمام لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع دینا،

— ملک سے غربت کا خاتمہ اور اس امر کی ضمانت کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے کوئی باشندہ محروم نہ رہنے پائے۔

مذکورہ بالا مقاصد کے لئے ہمارا پروگرام چار بڑے بڑے اجزا پر مشتمل ہے:

(۱) زراعت،

(۲) صنعت و تجارت،

(۳) مزدوروں اور کم تنخواہ پانے والے ملازموں کے حقوق،

(۴) عام معاشی اصلاحات۔

زراعت

۱۸ — ایک طویل مدت تک زرعی املاک کے معاملہ میں نہایت غلط نظام رائج رہنے کی وجہ سے جو ناہمواریاں پیدا ہو چکی ہیں ان کو ختم کرنے کے لئے شریعت کے اس قاعدے پر عمل کیا جائے گا کہ "غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوتی ہوں" اس قاعدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے:

(الف) اُن تمام نئی اور پُرانی جاگیرداریوں کو قطعی ختم کر دیا جائے گا جو کسی دور حکومت میں اختیارات کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوئی ہوں، کیونکہ ان کی ملکیت ہی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔

(ب) قدیم املاک کے معاملہ میں زمین کی ملکیت کو ایک خاص حد تک محدود کر دیا جائے گا۔ مغربی پاکستان کے زرخیز علاقوں میں یہ حد زمین کی پیداواری

صلاحیت کے لحاظ سے سو (۱۰۰) اور دو سو (۲۰۰) ایکڑ کے درمیان ہو گی اور جن علاقوں میں زمین کی پیداواری صلاحیت بہت کم ہے وہاں اس معیار کے لحاظ سے حد مقرر کی جائے گی۔ مشرقی پاکستان میں ۱۰۰ بیگھہ کی حد رکھی جائے گی۔ اس سے زائد ملکیتوں کو منصفانہ شرح پر خرید لیا جائے گا۔ یہ تحدید صرف عارضی طور پر پچھلی ناہمواریاں دور کرنے کے لئے کی جائے گی، اسے مستقل حیثیت نہیں دی جائے گی، کیونکہ مستقل تحدید صرف اسلامی قانونِ وراثت ہی سے نہیں بلکہ متعدد دوسرے شرعی قوانین سے بھی متصادم ہوتی ہے۔

(ج) تمام زمینیں خواہ وہ سرکاری املاک میں سے ہوں، یا مذکورۂ بالا دونوں طریقوں سے حاصل ہوئی ہوں، یا نئے بیراجوں کے ذریعہ سے کاشت کے قابل ہو گئی ہوں، ان کے بارے میں یہ قاعدہ طے کر دیا جائے گا کہ وہ غیر مالک کاشت کاروں، یا اقتصادی حد سے کم زمین کے مالکوں کے ہاتھ آسان اقساط پر فروخت کی جائیں گی۔ اور اس معاملہ میں قریبی علاقے کے لوگوں کا حق مقدم رکھا جائے گا۔ سرکاری لوگوں یا افسروں کو سستے داموں دینے یا عطیّے کے طور پر دے دینے کا طریقہ بند کر دیا جائے گا اور جن کو اس طرح زمینیں دے دی گئی ہیں انہیں واپس لے لیا جائے گا نیز نیلام کے ذریعہ سے فروخت کرنے کا طریقہ بھی ترک کر دیا جائے گا۔

(د) مزارعت کے تمام اسلامی قوانین کی سختی کے ساتھ پابندی کرائی جائے گی اور تمام غیر اسلامی طریقوں کو ازروئے قانون روک دیا جائے گا، تاکہ کوئی زمینداری ظلم کی شکل اختیار نہ کر سکے۔

۱۹ — حتی الامکان کوشش کی جائے گی کہ ہر کاشت کار کو کم از کم گزارہ کے قابل

زمین ضرور حاصل ہو۔

۲۰ —— اس امر کا پورا انتظام کیا جائے گا کہ کاشت کاروں کو ان کی پیداکردہ اجناس کی معقول قیمت ملے اور ان کے حصے کا فائدہ بیچ کے لوگ نہ لے اڑیں خصوصیت کے ساتھ پٹ سن، کپاس، تمباکو، گنے اور دوسری تجارتی فصلوں کے معاملہ میں کاشت کاروں کے ساتھ جو زیادتیاں ہو رہی ہیں اُن کا پوری طرح سدِّباب کیا جائے گا۔

۲۱ —— مغربی پاکستان میں گزارہ یونٹ تک اور مشرقی پاکستان میں ۱۰ ایکڑ تک اراضی کے مالکوں کو مال گزاری سے مُستثنیٰ کر دیا جائے گا۔

۲۲ —— مالگزاری کی تشخیص اس اصول پر کی جائے گی کہ زیادہ آمدنی والوں پر نسبتاً زیادہ اور کم آمدنی والوں پر نسبتاً کم مالگزاری عائد کی جائے۔ نیز مالگزاری وصول کرنے کے طریقوں کی بھی اصلاح کی جائے گی۔

۲۳ —— دیہی آبادی کے محنت کش طبقات پر کسی قسم کے پیشہ وارانہ ٹیکس نہیں لگائے جائیں گے۔

۲۴ —— ملکیتوں کے حقوق برقرار رکھتے ہوئے کوآپریٹو فارمنگ، مشینی کاشت اور کوآپریٹو مارکیٹنگ کی حوصلہ افزائی کے لئے مناسب تدبیریں اختیار کی جائیں گی۔ لیکن مشینی کاشت کو ملک میں فروغ دینے کے ساتھ ان مسائل کو بھی حل کیا جائے گا جو اس کے رواج سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲۵ —— کسانوں کو کاشت کے لئے بہتر آلات، بیج اور کھاد کی فراہمی کا انتظام کیا جائے گا۔

۲۶ —— کسانوں کو بلا سُود تقاوی قرضے دیئے جائیں گے۔

۲۷ —— سیلابوں کی روک تھام کے انتظامات کیے جائیں گے۔

۲۸ ـــــ دیہی علاقوں میں غیر مالک محنت کش لوگوں کی سکونت کے لئے ایسا انتظام کیا جائے گا کہ وہ اپنے گھروں کے خود مالک ہو سکیں اور ان سے بے دخل نہ کیے جا سکیں۔

۲۹ ـــــ جنگلات کی حفاظت، توسیع اور ان کے صحیح استعمال کے لئے ضروری تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۳۰ ـــــ اراضی کے زرخیز قطعات صنعتوں کے لئے حاصل کرنے کو روک دیا جائے گا اور جو اراضی پہلے صنعتی مقاصد کے لئے حاصل کی جا چکی ہوں ان کے مالکوں کو معقول معاوضے دے کر قابلِ کاشت رقبے مہیا کیے جائیں گے۔

۳۱ ـــــ دیہی علاقوں میں ایسی صنعتوں کو رواج دینے کی کوشش کی جائے جن سے بے روزگاری بھی ختم ہو اور زراعت پیشہ آبادی کی آمدنی میں اضافہ بھی ہو سکے۔

۳۲ ـــــ ملک میں خوراک کی کمی دور کرنے کے لئے حسب ذیل تدابیر اختیار کی جائیں گی:

(۱) اُفتادہ قابلِ کاشت زمینوں کو زیر کاشت لانا۔

(۲) بنجر زمینیں جو اصلاح کے قابل ہوں، انہیں قابلِ کاشت بنا کر زیر کاشت لانا۔

(۳) سیم اور تھور کے پھیلاؤ کو روکنا، اور ان سے متاثرہ زمینوں کی اصلاح کرنا۔

(۴) آبپاشی کے موجود اور ممکن وسائل کو پوری طرح استعمال کرنا، اور یہ سہولتیں لوگوں کو لاگت کی بنیاد پر فراہم کرنا۔

(۵) کیڑوں سے فصلوں کو محفوظ کرنا، سمندری پانی سے زمین کو بچانا، اور دوسرے اُن اسباب کو رفع کرنا جو پیداوار کی کمی کے موجب ہوتے ہیں۔

(۶) نقد آور فصلوں Cash Corps اور خوراک پیدا کرنے والی فصلوں کے درمیان صحیح توازن قائم کرنا۔

۳۳ ـــــ اجناس خوردنی کی تجارت میں ان اسباب اور طریقوں کا خاتمہ کیا جائے گا جن

سے اشیاء کی مصنوعی قلّت اور گرانی پیدا ہوتی ہے، نیز ایسی تدابیر اختیار کی جائیں گی جن سے یہ اشیاء عام صارفین کو ارزاں نرخ پر مل سکیں اور کاشت کاروں کو بھی ان کی معقول قیمت ملے۔

۳۴ ـــــ مارشل لاء ریگولیشن ۸۹ اور ۹۱ کو منسوخ کر دیا جائے گا اور جو لوگ اس کے شکار ہوئے ہیں ان کے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔

صنعت و تجارت

۳۵ ـــــ ملک میں غلط قوانین اور انتظامی پالیسیوں کی وجہ سے دولت کا جو بے تحاشا ارتکاز پیدا ہوا ہے اور ہوتا چلا جا رہا ہے، اس کو روکنے، اور مرتکز شدہ دولت کو پھیلانے کے لئے حسب ذیل تدابیر اختیار کی جائیں گی:

(۱) سُود، سٹہ، جُوا، بیُوعِ فاسدہ، ناجائز ذخیرہ اندوزی اور کسبِ مال کے دوسرے تمام اُن طریقوں کو قانوناً منسوخ کر دیا جائے گا جنہیں اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اور دولت حاصل کرنے کے صرف حلال طریقے باقی رہنے دیئے جائیں گے۔

(۲) اب تک ناجائز اور حرام طریقوں اور ایک فاسد نظام کی غلط بخششوں سے دولت کا جو انتہائی ظالمانہ ارتکاز ہو چکا ہے اس کا استیصال کرنے کے لئے اسلامی اصولوں کے مطابق تمام اُن لوگوں کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا جائے گا جن کے پاس دولت کا غیر معمولی اجتماع پایا جاتا ہے اور اس حرام دولت کو واپس لینے کے لئے تمام مناسب انتظامی اور قانونی تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

(۳) بڑی بڑی صنعتوں اور تجارتوں کی ملکیت کو عام لوگوں میں پھیلایا جائے گا۔ کمپنیوں کا انتظام تنخواہ دار منیجروں کے سپرد کیا جائے گا جو عام حصہ داروں کے منتخب

کردہ بورڈ کے تحت کام کریں گے۔

(۵) بینکوں، انشورنس کمپنیوں، بازارحصص اور سرکاری مالیاتی اداروں پر سے سرمایہ داروں کا تسلط ختم کر دیا جائے گا۔

(۶) قرض دینے کی پالیسی پر نظر ثانی کی جائے گی اور چھوٹے اور نئے سرمایہ کاروں کو بھی قرض دیئے جائیں گے۔

(۷) کمپنیوں کو اپنے منافع کا صحیح صحیح اعلان کرنے اور حصہ داروں میں اسے تقسیم کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

(۸) اجارہ داریوں اور کاروباری جتھہ بندیوں Cartel کو توڑا جائے گا اور سرمایہ داروں کو ساز باز کرکے قیمتیں مقرر کرنے سے روکنے کے لئے سخت قوانین بنائے جائیں گے۔

(۹) برآمدی بونس اسکیم پر نظر ثانی کی جائے گی اور صرف ان اشیاء پر بونس دیا جائے گا جنہیں باہر بیچنے میں دقت ہوتی ہو اور جن کی اندرونی لاگت زیادہ ہو۔ یہ بونس بھی مختصر مدت کے لئے دیئے جائیں گے تاکہ یہ کارخانہ داروں کی بدانتظامی اور نااہلی کی ضمانت نہ بنے رہیں اور وہ اپنے مال کا معیار بہتر بنانے اور لاگت کم کرنے پر مجبور ہوں۔

(۱۰) بونس کے استعمال پر بھی پابندیاں عائد کی جائیں گی اور اسے سامان تعیش کے بجائے صرف ضروری اشیاء (مثلاً مشینیں، پرزے، صنعتی مال وغیرہ) کی درآمد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

(۱۱) صنعتوں اور درآمدی اور برآمدی تجارت کے لئے لائسنسوں کے اجرا کا کام ایک ایسے بورڈ کے سپرد کیا جائے گا جو قابل اعتماد لوگوں پر مشتمل ہو، اور یہ لائسنس صرف مستحق تاجروں اور صنعت کاروں کو دیئے جائیں گے۔ کاروبار

کے ہر شعبے میں لائسنسوں اور پرمٹوں کی غلط بخشی کا قطعی انسداد کر دیا جائیگا

(۱۲) اس امر کی سختی کے ساتھ نگرانی کی جائے گی کہ صنعت کار اور بڑے تاجر ایک معقول حد سے زیادہ منافع نہ کما سکیں۔

۳۶ —— ہم قومی ملکیت کے نظام کو بطور اصول اختیار کرنے کے مخالف ہیں، لیکن جن صنعتوں کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جن کا نجی ہاتھوں میں چلنا اجتماعی حیثیت سے نقصان دہ ہے انہیں قومی ملکیت میں بمعاوضہ لے لینے، یا خود حکومت کے انتظام میں قائم کرنے اور چلانے کو ناجائز بھی نہیں سمجھتے۔ اس امر کا فیصلہ کرنا کہ کن صنعتوں کو قومی انتظام میں چلانا ضروری ہے، ہمارے نزدیک عوام کی نمائندہ اسمبلی کا کام ہے۔ اور ایسا فیصلہ کرتے ہوئے یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ ان صنعتوں کا انتظام بیوروکریسی کی معروف خرابیوں کا شکار نہ ہونے پائے۔

۳۷ —— ہمارے نزدیک بینکنگ اور انشورنس کے پورے نظام کو لازماً اسلامی اصولِ شرکت و مضاربت اور تعاون باہمی کے مطابق از سرِ نو تعمیر کرنا چاہیئے۔ اس بنیادی اصلاح کے بغیر وہ خواہ نجی انتظام میں رہیں یا سرکاری انتظام میں لے لیے جائیں، ان کے حقیقی نقصانات دور نہیں ہو سکتے۔

۳۸ —— ملک کی صنعتی ترقی کے لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جلدی سے جلدی بھاری صنعتوں Heavy Industry کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳۹ —— ملکی دفاع کے لئے اسلحہ سازی کی صنعت کو بھی زیادہ سے زیادہ ترقی دینا ہمارے نزدیک ضروری ہے۔

۴۰ —— ہم چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کریں گے اور انہیں بڑے پیمانے پر رواج دینے کی کوشش کریں گے۔ اس معاملے میں

جاپان، سوئٹزرلینڈ اور دوسرے ممالک کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔

۴۱ ـــــ ملک کی صنعتی ترقی اور تمام ترقیاتی کاموں میں ہم سرمایہ کے استعمال کی بہ نسبت محنت کے استعمال اور روزگاری کی فراہمی کو زیادہ اہمیت دیں گے۔

۴۲ ـــــ ہم ملک کے تمام علاقوں میں صنعتوں کو پھیلانے کی کوشش کریں گے تاکہ صنعتی ترقی کے فوائد چند علاقوں تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔

مزدوروں اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین کے حقوق

۴۳ ـــــ معاوضوں کے درمیان موجودہ تفاوت کو جو ایک اور سو سے بھی زیادہ ہے گھٹا کر فی الحال ہم ایک اور بیس کی نسبت پر، اور بتدریج ایک اور دس کی نسبت پر لائیں گے۔ نیز یہ طے کر دیا جائے گا کہ کوئی معاوضہ اس حد سے کم نہ ہو جو موجودہ زمانے کی قیمتوں کے لحاظ سے ایک کنبے کی بنیادی ضروریات کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ حد بحالت موجودہ ڈیڑھ سو اور دو سو کے درمیان ہونی چاہیے، اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کم سے کم حدِ معاوضہ پر وقتاً فوقتاً نظر ثانی کی جاتی رہنی چاہیے۔

۴۴ ـــــ کم تنخواہ پانے والے ملازمین کو مکان، علاج، اور بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں مناسب سہولتیں دی جائیں گی۔

تمام صنعتوں میں مزدوروں کو مذکورۂ بالا کم سے کم حد معاوضہ کے علاوہ نقد بونس بھی دیا جائے گا، اور بونس شیئرز کے ذریعہ سے انہیں صنعتوں کی ملکیت میں حصہ دار بھی بنایا جائے گا، تاکہ جس صنعت سے وہ تعلق رکھتے ہیں اس کی ترقی سے ان کی ذاتی دلچسپی وابستہ ہو جائے، اور جس دولت کے پیدا

کرنے میں ان کی محنت شامل ہے، اس کے منافع میں بھی وہ حصہ دار ہوں۔

۴۶ ـــــ موجودہ لیبر قوانین کو بدل کر ایسے منصفانہ قوانین بنائے جائیں گے جو سرمایہ اور محنت کی کشمکش کو حقیقی تعاون میں تبدیل کر دیں، محنت پیشہ گروہ کو اس کے جائز حقوق دلائیں، اور نزاعات کی صورت میں تصفیہ کا ایسا طریقہ مقرر کر دیں جو ٹھیک ٹھیک انصاف قائم کر سکتا ہو۔

۴۷ ـــــ ہفتہ کار زیادہ سے زیادہ ۴۲ گھنٹہ رکھا جائے گا۔

۴۸ ـــــ ہفتہ میں ڈیڑھ دن کی چھٹی دی جائے گی۔

۴۹ ـــــ بارہ سال کی عمر کے بچوں سے محنت لینے کی ممانعت کر دی جائے گی۔

۵۰ ـــــ عورتوں اور مردوں سے یکجا کام لینے کی بھی ممانعت کر دی جائے گی۔

۵۱ ـــــ بیماری اور مشینی حادثات کی صورت میں علاج کا انتظام، نیز قابل کار نہ رہ جانے کی صورت میں منصفانہ معاوضہ، اور ریٹائر ہونے پر پنشن یا پراویڈنٹ فنڈ لازمی ہوگا۔

۵۲ ـــــ مزدوروں اور ملازموں کو ہڑتال کا حق دیا جائے گا۔

۵۳ ـــــ صحیح اصولوں پر پیشہ ورانہ تنظیم Healthy Trade Unionism کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ قانون کے مطابق ٹریڈ یونین بنانے کا تمام مزدوروں اور کم تنخواہ پانے والے سرکاری و نیم سرکاری ملازموں کو پورا حق حاصل ہوگا، مگر ایک صنعت کے تمام مزدوروں کو اس امر پر مجبور نہ کیا جا سکے گا کہ وہ لازماً ایک ہی ٹریڈ یونین سے وابستہ ہوں۔

۵۴ ـــــ محنت کاروں کے لئے صحت مندانہ ماحول میں کام کرنے کا انتظام لازمی ہوگا۔

عام معاشی اصلاحات

۵۵ ـــــ حکومت کی طرف سے صدقات و زکوٰۃ اور عام رفاہی اغراض کے لئے

فی سبیل اللہ اعانتیں جمع کرنے کا انتظام کیا جائے گا اور یہ فنڈ شرعی قواعد کے مطابق حسب ذیل کاموں پر صرف کیا جائے گا۔

(۱) بوڑھوں، اپاہجوں، معذوروں اور دوسرے تمام محتاج اعانت لوگوں کو مالی سہارا اور وظائف،

(۲) یتیموں اور غریب بچوں کی تعلیم اور ان کے مصارف کی کفالت،

(۳) بے روزگاروں کو اس وقت تک سہارا دینا جب تک ان کے روزگار کا بندوبست نہ ہو جائے،

(۴) ایسے لوگوں کی مدد جو تھوڑے سرمایہ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں،

(۵) ضرورت مند اور مستحق لوگوں کو قرضۂ حسنہ،

(۶) غریبوں کا علاج،

(۷) ایسے مسافروں کی امداد جو حالتِ سفر میں مدد کے محتاج ہوں،

(۸) مساجد کی اصلاح حال اور دینی درسگاہوں اور دوسرے دینی اداروں کی اعانت،

(۹) علمی کام کرنے والوں کو وظائف۔

ان مدات سے جو کچھ بچے گا اسے بڑے پیمانے پر دنیا میں تبلیغ اسلام، غیر مسلم ممالک کی مسلمان اقلیتوں کی مدد اور دوسرے فی سبیل اللہ کاموں پر صرف کیا جائے گا۔

۵۶ — ٹیکس عائد کرنے کی پالیسی پر نظر ثانی کی جائے گی، ٹیکسوں کے نظام کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا، بالواسطہ ٹیکسوں Indirect Taxation پر انحصار کو کم اور بلاواسطہ ٹیکسوں Direct Taxation کو بڑھایا جائے گا اور اس کا اہتمام کیا جائے گا کہ ان کا بار عوام کی طرف منتقل نہ کیا جا سکے۔

۵۷ ـــــ ملک کی معاشی منصوبہ بندی میں عوام کے منتخب نمائندوں کو شریک کیا جائے گا اور تمام منصوبے مجلسِ مُقنّنہ کی منظوری سے نافذ کیے جائیں گے۔

۵۸ ـــــ معاشی منصوبہ بندی میں تعلیم، صحتِ عامّہ، معاشرتی بہبود، اور زراعت کی ترقی کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔

۵۹ ـــــ حرام راستوں میں دولت کے خرچ کو روک دیا جائے گا اور اسراف وتبذیر کی روک تھام کے لئے بھی تمام مناسب تدبیریں اختیار کی جائیں گی۔

۶۰ ـــــ سرکاری ضروریات کے لئے بڑی بڑی عالی شان اور نمائشی عمارتیں بنانے اور ان کی آرائش پر بلاضرورت سرکاری خزانے کا مال صرف کرنے کا سدِّباب کیا جائے گا۔

۶۱ ـــــ سرکاری خزانے کو حرام آمدنیوں سے پاک کیا جائے گا اور تمام ناجائز مصارف میں اس کا استعمال بند کر دیا جائے گا۔

۶۲ ـــــ بیرونی قرضوں اور بیرونی سرمایہ پر ملک کے انحصار کو ختم کرنے اور سابق قرضوں سے نجات پانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

۶۳ ـــــ گرانی کے اسباب کا جائزہ لیا جائے گا اور ان تمام اسباب کا خاتمہ کیا جائے گا جن سے مصنوعی طور پر اشیائے ضرورت گراں ہوتی ہیں۔

۶۴ ـــــ بے روزگاری کے انسداد کے لئے تمام تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۶۵ ـــــ کم آمدنی رکھنے والے لوگوں کے لئے سستے مکانات کی تعمیر کا انتظام کیا جائے گا اور ملک میں مکانات کے کرایوں کو معقول حد پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔

۶۶ ـــــ دیہی علاقوں میں علاج، صاف پانی اور بجلی کی فراہمی کا انتظام کیا جائے گا، ذرائع آمدورفت کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

۶۷ ــــــ ملک کے پسماندہ علاقوں کو ترقی دینے کی کوشش کی جائے گی۔

۶۸ ــــــ رفاہ عام کے کاموں اور اُن تجارتی کاموں سے جو سرکاری انتظام میں چلائے جا رہے ہوں بے جا نفع اندوزی کو روک دیا جائے گا۔

۶۹ ــــــ مہاجر فنڈ کو صرف مہاجرین کی آبادکاری اور فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائیگا۔

۹ــ قومی صحت

۷۰ ــــــ ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کا کوئی باشندہ محض ناداری کی بنا پر علاج سے محروم نہ رہ جائے۔

نیز اس ملک کی عام صحت کو جو روز بروز گرتی جا رہی ہے، سنبھالا جائے۔

اس غرض کے لیے ہم حسبِ ذیل تجاویز عمل میں لائیں گے:

(۱) سستی قیمت پر دواؤں کی فراہمی کا انتظام اور علاج کے مصارف کم کرنے کے لئے ضروری تدابیر۔

(۲) سرکاری شفا خانوں اور دایہ گھروں کی تدریجی توسیع۔

(۳) سرکاری شفاخانوں کے عملے کی اخلاقی اصلاح تاکہ وہ مریضوں کے حقیقی ہمدرد اور خادم بنیں۔

(۴) علاج کی سہولتوں کو عام کرنے کے لئے ایلوپیتھی کی طرح یونانی طبّ اور ہومیوپیتھی کے شفا خانے بھی سرکاری طور پر قائم کرنا۔

(۵) دق، وبائی اور مُتعدّی امراض کی روک تھام پر خصوصی توجہ۔

(۶) غذا اور دواؤں میں آمیزش کو پُوری سختی کے ساتھ بند کرنا۔

(۷) شہروں اور دیہات میں حفظانِ صحت کا اطمینان بخش انتظام۔

(۸) حفظانِ صحت، تیمارداری، وباؤں کی مدافعت، صحت بخش غذا اور فوری طبّی امداد

First Aid کے متعلق ضروری معلومات کو مدارس کے نصاب اور تعلیمِ بالغان کے نصاب میں شامل کرنا، نیز ان معلومات کو زیادہ عام کرنے اور عوام میں صفائی کی حس پیدا کرنے کے لئے تمام ممکن ذرائع سے کام لینا۔

۱۰ــــ اسلامی فرقوں کے حقوق

۱۷ــــ مُسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ انہیں اپنے پیروں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا پورا حق ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی کہ انہی کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

۱۱ــــ غیر مُسلم اقلّیتیں

۱۸ــــ غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں ہماری پالیسی یہ ہو گی:

(۱) ان کے تمام شہری اور قانونی حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور حکومت ان کی جان، مال، آبرو اور شہری آزادیوں کے تحفظ کی پوری طرح ذمہ دار ہوگی۔

(۲) اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے وہ جس قسم کے قوانین منظور کرانا چاہیں، بشرطیکہ وہ دوسروں کے حقوق پر اثر انداز نہ ہوں، انہیں پاس کرانے میں ان کی مدد کی جائے گی۔

(۳) ان کو اپنے تعلیمی و تہذیبی معاملات میں حکومت کے وسائل سے جس جائز مدد کی ضرورت ہو وہ کشادہ دلی کے ساتھ دی جائے گی۔

(۴) ان کے مذہبی و معاشرتی معاملات میں کوئی بے جا مداخلت نہ ہونے دی جائے گی۔

(۵) انہیں اکثریت کے طرزِ عمل یا حکومت کے نظم و نسق سے جو بھی معقول شکایات ہوں انہیں رفع کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

(۶) انہیں حدودِ قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت، اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

(۷) شیڈولڈ کاسٹ Scheduled Casts کی فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

۱۲۔ خارجہ پالیسی

۷۳۔ ہماری خارجہ پالیسی کے اصول اور مقاصد حسب ذیل ہیں:

(۱) پاکستان ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے لہٰذا اس کی ملکی پالیسی کی طرح خارجہ پالیسی بھی لازماً اس کے اختیار کردہ نظریۂ حیات پر قائم اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہونی چاہیئے۔ ہمارے نظریۂ حیات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ ہم دنیا میں حق اور انصاف کے عَلَم بردار ہوں، ظلم و زیادتی کے مخالف ہوں، راست بازی سے خود کام لیں، اور دوسروں کو اس پر آمادہ کریں، عہد و پیمان کے خود پابند رہیں اور دوسروں کو پاسِ عہد کی تلقین کریں۔

(۲) ہم امنِ عالم کے خواہشمند ہیں، اور اسے برقرار رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھیں گے۔ لیکن ہماری نظر میں محض حالتِ جنگ کا نہ ہونا ہی امن کے مترادف نہیں ہے، بلکہ امن سے ہماری مراد یہ ہے کہ دُنیا میں

بین الاقوامی انصاف کی ایسی فضا قائم ہو جس میں تمام قوموں اور ملکوں کو آزادی کے ساتھ ترقی کے کھلے مواقع حاصل ہوں اور کوئی کسی کے جائز حقوق پر نہ دست درازی کرے، نہ کسی کی پُرامن ترقی میں رکاوٹ بنے۔

(۳) ہم سامراجیت اور استعماری نظام کو بین الاقوامی انصاف کے خلاف، اور اُن بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب سمجھتے ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں فساد برپا ہوتا ہے۔ یہ سامراج خواہ مشرقی ہو یا مغربی، بہرحال قابلِ مذمّت ہے۔ ہم اس کے خاتمہ کے لئے اپنی انتہائی کوشش کریں گے اور ہماری امداد وتائید ہمیشہ ان مظلوم قوموں کے ساتھ ہو گی جو ان بلاؤں کی شکار ہوں، خصوصیت کے ساتھ دنیا میں جہاں جہاں مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے، اُن سے ہمدردی ہمارے دین کا تقاضا بھی ہے اور انسانیت کا بھی۔

(۴) ہم دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ دوستانہ تعاون کے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں، مگر کسی ایسے تعلق، دوستی یا اِتحاد کے لئے تیار نہیں ہیں جو ہمارے نظریۂ حیات کے خلاف ہو، یا جس کے ہمارے جائز قومی مفاد پر آنچ آتی ہو، یا جس کا ہماری آزادی و مختاری پر برا اثر پڑتا ہو۔ ہم اس کے لئے بھی تیار نہیں ہیں کہ جس قوم سے ہماری دوستی ہو، یا جو بین الاقوامی تعلقات میں ہماری کسی طریقہ سے مدد کرے، ہم اس کی تہذیب اور اس کے نظریات بھی اپنے ملک میں درآمد کرنے لگیں اور اس کے اصولوں کی تبلیغ کے لئے اپنے ملک کے دروازے چوپٹ کھول دیں۔

(۵) ہم دنیا کی بڑی قوموں اور ان کے بلاکوں کی کشمکش سے پاکستان کو بالکل الگ رکھنا چاہتے ہیں اور سیٹو اور سینٹو جیسے معاہدوں سے پاکستان کی وابستگی

کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی خارجہ پالیسی اس کے اپنے مفاد اور اصولوں کے مطابق بالکل آزادانہ ہونی چاہیئے۔

(۶) کشمیر کو استصواب کے ذریعہ حق خود اختیاری دینا، اور فرخابند کے مسئلے کو انصاف کے ساتھ طے کرنا، اور ہندوستان کی مسلم اقلیت کے ساتھ انصاف کرنا، ہمارے نزدیک ہندوستان کے ساتھ تعلقات کی درستی کے لئے لازمی شرط ہے۔ ان مسائل کے لئے ہم تمام ممکن وسائل اور تدابیر استعمال کریں گے۔

(۷) عالم اسلام کے ساتھ ہم قریب ترین تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس امر کی پوری کوشش کریں گے کہ مسلم ممالک اسلام کی بنیاد پر متحد ہوں، اور کم از کم حسب ذیل امور میں کوئی مشترکہ لائحۂ عمل بنائیں؛

— اسلامی تہذیب کا احیا اور فروغ، اور غیر اسلامی تہذیبوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے اسلامی دنیا کی حفاظت،

— تمام مسلم ممالک کے لئے ایک مشترکہ اور متوازن تعلیمی پالیسی،

متحدہ کوششوں سے مسلمان ملکوں میں اسلحہ سازی کی صنعتوں کا قیام تاکہ یہ ملک دفاع کے معاملہ میں خود کفیل ہوں،

— مسلمانوں کی مشترک بین الملّی زبان کی حیثیت سے عربی زبان کی ترویج،

مسلم ممالک کے باہمی نزاعات کا تصفیہ کرنے کے لئے ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کے طرز کی ایک عدالت کا قیام،

مسلمان ملکوں کے درمیان آمد و رفت کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانا،

مسلمان ملکوں کو ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رکھنے کا انتظام،

مسلمان ملکوں کے درمیان باہمی تجارت کو فروغ دینے کی تدابیر،

افریقہ کے مسلمانوں کو سہارا دینے کی کوشش۔
مختلف ملکوں کی مسلم اقلیتوں کو ظلم و تشدد سے بچانے کی کوشش۔

۱۳- پارلیمانی پالیسی

۳۷ ـــــ صوبائی اور نیشنل اسمبلیوں میں جماعت اسلامی کی پارلیمانی پارٹی حسب ذیل اصول پر کام کرے گی:

(۱) وہ احکام اسلامی کے اجراء، انصاف کے قیام، اور ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کے کاموں میں اسمبلی کی دوسری پارٹیوں کے ساتھ تعاون کرے گی، مگر ناجائز امور میں یا ناروا اغراض کی تکمیل میں کسی کی مددگار نہ بنے گی۔

(۲) اگر وہ اکثریت میں ہو تو اپنی وزارت بنائے گی اور اس صورت میں اس کی پالیسی یہ ہو گی:

(الف) حاکمانہ زعم میں پبلک کی تنقیدوں سے بے پروائی نہ برتی جائے۔

(ب) پبلک کی شکایات کی طرف، خواہ وہ اخبارات کے ذریعہ سے شائع ہوں یا کسی دوسرے ذریعہ سے پہنچیں، پوری توجہ کی جائے اور ہر جائز شکایت کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔

(ج) حکومت کے کاموں میں پبلک کے اہل فکر و نظر اور واقف کار لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے اور ان کے مشوروں سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

(د) وزراء بڑی بڑی تنخواہیں لے کر وزارت کے ٹھاٹھ نہ جمائیں اور نہ پبلک سے دور ہوں۔ ان کو اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کے بجائے اپنا معیارِ اخلاق اور معیارِ خدمت بلند کرنا چاہیے اور عوام سے دور ہونے کے بجائے اور زیادہ ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی حکومت کے تحت ملک کے حالات سے

براہِ راست واقف ہوں اور حالات کی اصلاح کریں۔

(ھ) پبلک کے روپے اور حکومت کی مشینری کو پارٹی کی اغراض کے لئے استعمال نہ کیا جائے، نہ حاکمانہ اختیارات سے کسی اور طرح کا ناجائز فائدہ اُٹھایا جائے۔

(و) حکومت کے اختیارات کو مخالف سیاسی پارٹیوں کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔

(ز) مغربی ڈپلومیسی کے طریقے ترک کرکے حکومت کا کام سچائی اور راست بازی کے ساتھ چلایا جائے۔

(ح) ہر قیمت پر وزارت سے چمٹے رہنے کی کوشش نہ کی جائے، اپنے عقیدہ و مقصد کے مطابق اپنے اصلاحی پروگراموں کو نافذ کرنے پر اصرار کیا جائے اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو وزارت سے استعفا دے دیا جائے۔

(۳) اگر یہ پارٹی اقلیت میں ہو لیکن دوسری پارٹیوں کے ساتھ مشترک وزارت بنانے کا امکان ہو تو صرف اُس صورت میں اس امکان سے فائدہ اُٹھایا جائے گا جبکہ:

(الف) مشترک وزارت میں شریک ہونے والی پارٹیاں اس پارٹی کے عقیدہ و مقصد سے اور اس کے منشور کے اصلاحی پروگرام یا کم از کم اس کے بنیادی اصولوں سے متفق ہوں۔

(ب) وہ اُس پالیسی پر عمل کرنے کا اقرار کریں جو اُوپر نمبر ۲ میں بیان کی گئی ہے۔

(۴) اگر اس پارٹی کو اپوزیشن میں رہنا پڑے تو یہ کبھی اختلاف برائے اختلاف نہ کرے گی۔ بلکہ حق کی موافقت اور باطل کی مخالفت کے اصول پر عامل ہوگی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منشور جماعتِ اسلامی

جماعتِ اسلامی کا قیام اور نصب العین

جماعتِ اسلامی ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء بمطابق ۲ شعبان ۱۳۶۰ھ کو اسلامیہ پارک، چوبرجی، لاہور میں واقع مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ کی رہائش گاہ متصل فصیح منزل میں قائم کی گئی اور جس مقصد اور نصب العین کے لئے اسے قائم کیا گیا وہ یہ ہے کہ:

"انسانی زندگی کے پورے نظام کو اس کے تمام شعبوں (فکر و نظر، عقیدہ وخیال، مذہب و اخلاق، سیرت و کردار، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت، تمدن و معاشرت، معیشت و سیاست، قانون و عدالت، صلح و جنگ اور بین الاقوامی تعلقات) سمیت خدا کی بندگی اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت پر قائم کیا جائے۔"

یہ مقصد اول روز سے ہمارے پیشِ نظر رہا ہے اور آج بھی یہی ایک مقصد ہے جس کے لئے ہم کام کر رہے ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہ ہمارے پیشِ نظر کبھی تھا نہ آج ہے، نہ انشاء اللہ کبھی ہوگا۔ آج تک جس کام سے بھی ہم نے دلچسپی لی ہے اس مقصد کے لئے لی ہے اور اس حد تک لی ہے جس حد تک ہماری دانست میں اس کا تعلق اس مقصد سے تھا۔

جس چیز کو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کا جامع نام قرآن کی اصطلاح میں "دین حق" ہے، یعنی وہ نظامِ زندگی (دین) جو حق (پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق اللہ کی بندگی واطاعت) پر مبنی ہو۔

(جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل)

دستورِ جماعت میں نصب العین کی تشریح

تشکیل جماعت کے وقت اس کے تاسیسی اجتماع میں جو دستور وضع کیا گیا اس میں جماعت کا نصب العین ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہوگا اور اس کے بعد ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۷ء میں جب دستور میں مزید تفصیلات کا اضافہ کیا گیا تو اسی نصب العین کو ان الفاظ میں درج کیا گیا:

"اس کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود عملاً اقامتِ دین (یعنی حکومتِ الٰہیہ یا اسلامی نظامِ زندگی کا قیام) اور حقیقتاً رضائے الٰہی اور فلاحِ اُخروی کا حصول ہوگا۔"

دستورِ جماعت میں اس نصب العین کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

"الدین"، "حکومتِ الٰہیہ" اور "اسلامی نظامِ زندگی" تینوں اس جماعت کی اصطلاح میں ہم معنی الفاظ ہیں۔ قرآن نے اپنے جس مفہوم کو بیان کرنے کے لئے "اقامتِ دین" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اسی مفہوم کو یہ جماعت اپنی زبان "حکومتِ الٰہیہ" یا "اسلامی نظامِ زندگی" کے قیام سے ادا کرتی ہے۔ ان تینوں کا مطلب اس کے نزدیک ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انسانی زندگی کے جس دائرے میں انسان کو اختیار حاصل ہے اُس میں وہ برضا ورغبت اسی طرح

اللہ کی تشریعی حکومت (خدا کے قانون کی حکمرانی) تسلیم کرے جس طرح دائرۂ طبعیہ Physical words میں کائنات کا ذرہ ذرہ چار و ناچار اس کی تکوینی حکومت (اس کے قانونِ قدرت کی حکمرانی) تسلیم کر رہا ہے۔ اللہ کی اس تشریعی حکومت کے آگے سر جھکانے سے جو طریقِ زندگی رُونما ہوتا ہے وہی "الدین" ہے، وہی "حکومتِ الٰہیہ" ہے اور وہی "اسلامی نظامِ زندگی" ہے۔

اقامتِ دین سے مقصود دین کے کسی خاص حصے کی اقامت نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے، خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ سے ہو یا معیشت و معاشرت اور تمدن و سیاست سے۔ اسلام کا کوئی حصہ بھی غیر ضروری نہیں ہے۔ پورے کا پورا اسلام ضروری ہے۔ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اس پورے اسلام (انسانوں کے لئے خدا کے مقرر کردہ نظامِ زندگی) کو کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کے جس حصے کا تعلق افراد کی ذات سے ہے، ہر مومن کو اسے بطورِ خود اپنی زندگی میں قائم کرنا چاہیے اور جس حصے کا تعلق معاشرے اور اجتماعی زندگی سے ہے اور اجتماعی جدوجہد کے بعد وہ قائم نہیں ہو سکتا اس کے قیام کے لئے اہلِ ایمان کو مل کر اجتماعی جدوجہد اور منظم سعی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اگرچہ مومن کا اصل مقصدِ زندگی رضائے الٰہی کا حصول اور آخرت کی فلاح ہے، مگر اس مقصد کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لئے مومن کا عملی نصب العین اس دنیا کی زندگی میں اقامتِ دین اور حقیقی نصب العین وہ رضائے الٰہی ہے جو اقامتِ دین کی سعی کے نتیجے میں آخرت میں حاصل ہو گی۔"

(دستورِ جماعتِ اسلامی پاکستان دفعہ ۴)

جماعتِ اسلامی کی نوعیت اور اس کے نزدیک انسانی مسائل کا اصل حل

دستور کے بعد ایک جماعت کی اہم ترین دستاویز اس کا منشور ہوتا ہے۔۱۹۷۰ء میں قومی انتخابات کے موقع پر جماعت اسلامی نے اپنا جو منشور قوم کے سامنے پیش کیا تھا اس میں بھی اس نے سب سے پہلے اپنے مقصدِ وجود کو اس طرح پیش کیا:

جماعت اسلامی پاکستان محض ایک "سیاسی" یا "مذہبی" یا "اصلاحی" جماعت نہیں ہے بلکہ وسیع معنی میں ایک اصولی جماعت Ideological Party ہے جو پوری انسانی زندگی کے لئے اسلام کے جامع اور عالمگیر نظریۂ حیات پر یقین رکھتی ہے اور اس کو زندگی کے ہر شعبے میں عملاً نافذ کرنا چاہتی ہے۔ اس جماعت کے نزدیک دنیا کے بگاڑ کا حقیقی سبب خدا اور آخرت سے بے نیازی اور رسالتؐ کی رہنمائی سے رُوگردانی ہے۔ دنیا میں جب، جہاں اور جس شعبۂ زندگی میں بھی خرابی پیدا ہوئی ہے، اُس کی تہ میں یہی بنیادی سبب کارفرما رہا ہے، اور کوئی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ خدا کی اطاعت، آخرت کی جوابدہی کے احساس اور رسالتؐ کی رہنمائی کو نظامِ زندگی کی بنیاد بنایا جائے۔ اس کے بغیر کسی مادہ پرستانہ نظریہ کی اساس پر عدل قائم کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ ایک نئے ظلم کی شکل اختیار کرلے گی۔

یہ جماعت کوئی قوم پرست یا وطن پرست جماعت نہیں ہے، بلکہ اس کا نظریہ عالمگیر ہے اور پُوری انسانیت کی فلاح اس کے پیشِ نظر ہے۔ مگر وہ یقین رکھتی ہے کہ جب تک ہم خود اپنے ملک کو اسلامی نظام کا مثالی نمونہ نہ بنادیں، اور جب تک ہم یہ ثابت نہ کردیں کہ جس حق و صداقت پر ہم ایمان کا دعویٰ کررہے ہیں، اس پر خود بھی عمل کررہے ہیں اور جب تک ہم یہ نہ دکھادیں کہ اس پر عمل کرنے کے کیسے بہتر نتائج

ہمارے ملک میں برآمد ہوئے ہیں۔ اس وقت تک ہم دنیا کو اس کے حق اور صداقت ہونے کا قائل نہیں کر سکتے۔

(منشور جماعت اسلامی پاکستان برائے عام انتخابات ۱۹۷۰ء)

جماعت اسلامی میں داخلہ اور اُس کی رکنیت کی شرائط

ہر عاقل و بالغ شخص (خواہ وہ عورت ہو یا مرد اور خواہ وہ کسی ذات، برادری یا نسل سے تعلق رکھتا ہو) جماعت اسلامی پاکستان کا رُکن بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ علیم و خبیر خداوند عالم کو گواہ کر کے یہ شہادت دے کہ وہ:

۱۔ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ پر سچے دل سے ایمان رکھتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے نزدیک واقعتہً صرف اللہ ہی ایک الٰہ ہے، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسُول ہیں۔

جماعت کے دستور میں اس کی جو صراحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کلمے کے پہلے جُز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی یہ ہیں کہ زمین اور آسمان جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، سب کا خالق، پروردگار، مالک اور تکوینی و تشریعی حاکم صرف اللہ ہے، ان میں سے کسی حیثیت میں بھی (خواہ قانون قدرت اور طبیعات کا دائرہ ہو یا قانون سازی و فرمانروائی کا، کسی دائرے میں بھی) کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی ولی و کارساز ہے، نہ حاجت روا و مُشکل کُشا نہ فریاد رس یا حامی و ناصر، نہ نفع و نقصان پہنچانے والا نہ کوئی ایسا جس پر انسان توکل کرے یا اس سے اُمیدیں وابستہ کرے یا دعا مانگے اور مدد کے لیے پکارے اور یہ سمجھے کہ وہ قضائے الٰہی کو ٹال سکتا ہے، کیونکہ خدا کی سلطنت میں اس کے سوا سب بے اختیار رعیت ہیں، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء۔ نیز اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جُھکائے، کسی کی پرستش نہ کرے، کسی کو نذر نہ دے

اور کسی کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے جو مشرکین اپنے معبُودوں کے ساتھ کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں، نہ اللہ کے سوا کسی کو فرمانروا و بادشاہ، مالک الملک اور مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرے، نہ کسی کو با اختیار خود حکم دینے اور منع کرنے کا مجاز سمجھے۔ نہ کسی کو مستقل بالذات شارع اور قانون ساز مانے کیونکہ اپنے ملک کا ایک ہی جائز مالک اور اپنی مخلوق کا ایک ہی جائز حاکم اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو مُطلق مالکیت اور حاکمیت کا حق نہیں پہنچتا۔ باقی سب کے حقوق و اختیارات اس کے تابع اور اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں۔

اس عقیدے کے دوسرے جزو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سُلطانِ کائنات کی طرف سے اس زمین پر بسنے والے انسانوں کو جس آخری نبیؐ کے ذریعے سے مستند ہدایت نامہ اور ضابطۂ حیات بھیجا گیا اور جس کو اس ضابطے کے مطابق ایک مکمل نظامِ زندگی قائم کر دینے پر مامُور کیا گیا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

اس امرِ واقعی کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ آدمی ہر اُس تعلیم اور ہر اُس ہدایت کو بے چُون و چرا قبول کرے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہو، اُس کو کسی حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنے اور کسی طریقے اور بات کی پیروی سے روک دینے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہو کہ اس چیز کا حکم یا اس چیز کی ممانعت رسولِ خدا سے ثابت ہے، وہ رسولِ خدا کے سوا کسی کی مستقل بالذات پیشوائی اور رہنمائی تسلیم نہ کرے۔ ہر دوسرے کی پیروی کتاب اللہ اور سنّتِ رسُولؐ اللہ کے تحت ہو، نہ کہ ان سے آزاد اور زندگی کے ہر معاملے میں خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سُنّت کو حجت اور سند اور مرجع قرار دے اور اسے حل کرنے کے لئے اسی سرچشمۂ ہدایت کی طرف رجُوع کرے۔ نیز رسولِؐ خُدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، کسی کو

تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجے میں ہو، اُس کو اُسی درجے میں رکھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والے کسی دوسرے انسان کا یہ منصب تسلیم نہ کرے کہ وہ اس کو ماننے یا نہ ماننے پر آدمی کے کفر و ایمان کا انحصار ہے۔

۲۔ جماعت کے نصب العین کو اس تشریح کے ساتھ سمجھ لینے کے بعد (جو اُوپر شروع میں بیان ہو چکا ہے) شہادت دے کہ یہی اس کا اپنا نصب العین ہے۔

۳۔ جماعت کے دستور کا مطالعہ کرنے کے بعد عہد کرے کہ وہ اس کے مطابق جماعت کے نظم کی پابندی کرے گا۔

۴۔ فرائضِ شرعی کا پابند ہو اور کبائر (بڑے بڑے گناہوں) سے اجتناب کرتا ہو۔

۵۔ کوئی ایسا ذریعۂ معاش نہ رکھتا ہو جو معصیتِ فاحشہ کی تعریف میں آتا ہو۔ مثلاً سُود، شراب، زنا، رقص و سرود، شہادتِ زور (جھوٹی گواہی دینا) یا گھڑنا، رشوت، خیانت، قمار وغیرہ۔

۶۔ اگر اس کے قبضے میں ایسا مال (یا جائیداد) ہو جو حرام طریقے سے آیا ہو یا جس میں حق داروں کے تلف کردہ حقوق شامل ہوں تو اس سے دست بردار ہو جائے اور اہل حقوق کو اُن کے حق پہنچا دے۔

۷۔ کسی ایسی جماعت یا ادارے سے تعلق نہ رکھتا ہو جس کے اصول و مقاصد جماعت اسلامی کے عقیدہ و نصبُ العین اور طریق کار کے خلاف ہوں۔

۸۔ نظمِ جماعت اس کے بارے میں مطمئن ہو جائے کہ وہ جماعت کی رُکنیت کا اہل ہے۔

رُکنیّت کے فرائض اور ذمّے داریاں

جماعت اسلامی کی رُکنیّت قبول کرنے کے بعد جو کام اور تغیرات ہر رُکن کو بتدریج اپنی زندگی میں کرنے ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ دین کا کم از کم اتنا علم حاصل کر لینا کہ اسلام اور جاہلیت (غیر اسلام اور کفر) کے فرق اور حدودُاللہ سے واقفیت ہو جائے۔

۲۔ تمام معاملاتِ زندگی میں اپنے اندازِ فکر و عمل اور سوچ کو کتاب وسُنّت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا اور اپنی زندگی کے مقصد، اپنی پسند و ناپسند کے معیار اور اپنی وفاداریوں کے محور کو تبدیل کر کے رضائے الٰہی کے مطابق بنانا۔

۳۔ اپنے ظاہر و باطن کو احکامِ شریعت کے مطابق بنانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش اور اپنی زندگی کو جاہلانہ رُسُوم سے پاک کرنا۔

۴۔ اپنے قلب وضمیر کو ہر قسم کے غلط تعصبات اور لایعنی جھگڑوں، بحثوں اور مشاغل اور دلچسپیوں سے پاک کرنا۔

۵۔ بُرے لوگوں (فُسّاق و فجّار) کی سوسائٹی اور صُحبت سے اجتناب اور شریف اور نیک وصالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

۶۔ اپنی دوڑ دھوپ اور سعی وجہد کو اللہ کے دین کی اقامت کے نصبُ العین پر مُتکز کر دینا۔ انہی تغیرات اور فرائض کی انجام دہی کی نسبت سے جماعت میں آدمی کے مرتبے کا تعیّن ہو گا۔

۷۔ ہر رُکن جماعت کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے حلقۂ تعارف میں جہاں تک وہ پہنچ سکے، بندگانِ خُدا کے سامنے بالعموم جماعت کی دعوت (عقیدے اور نصب العین) کو پیش کرے، جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں اُنہیں اقامت دین

کی منظم جدوجہد کرنے پر آمادہ کرے اور جو لوگ جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہوں انہیں جماعت اسلامی کے نظام میں شامل ہونے کی دعوت دے۔

رکن خواتین کے فرائض اور ذمے داریاں

جو خواتین جماعت سے منسلک ہوں اُن پر بھی اپنے دائرۂ عمل (اپنے خاندان یعنی ماں، باپ، بھائی، شوہر، اولاد اور دیگر افرادِ کنبہ اور حلقۂ تعارف) میں وہ تمام فرائض عائد ہوتے ہیں جو اُوپر بیان ہوئے ہیں۔ نیز اپنے بچوں کے دلوں میں نورایمان پیدا کریں، ان کی اچھی سے اچھی دینی داخلاقی ترتیب کریں، اگر ان کے شوہر اور باپ اور بھائی اور بیٹے جماعت سے وابستہ ہوں تو اپنی صابرانہ رفاقت سے ان کی ہمت افزائی کریں اور مشکلات و مصائب کے نزول کی صورت میں صبر و استقامت سے کام لیں، اور اگر خدانخواستہ وہ غلط راستے پر گامزن اور حرام کماتے ہوں تو صبر و حکمت سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں۔

جماعت میں آدمی کے درجہ و مرتبہ کا تعین

" جماعت اسلامی" میں آدمی کے درجے و مرتبے کا تعین اس کے حسب و نسب اور علمی اسناد یا ڈگریوں اور اس کے مال و جائیداد کے لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے اس تعلق کے لحاظ سے ہوتا ہے جو وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اس کے دین کے ساتھ رکھتا ہے اور جماعت بھی اس کے اس تعلق کا اندازہ اس کی ان نفسی، جسمانی اور مادی قربانیوں سے کرتی ہے، جو اللہ کے دین کی راہ میں اور اس کی اقامت کی جدوجہد کے لئے کرتا ہے۔

جماعت اسلامی کرنا کیا چاہتی ہے؟

اگر کوئی شخص جماعت اسلامی کے لٹریچر اور اس کی سعی و جہد کے طریق کا کھلے دل و دماغ سے مطالعہ کرے تو وہ بآسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کے پیش نظر کسی ایک گروہ یا جماعت کو ہٹا کر کسی دوسرے گروہ یا جماعت کو یا اپنے کسی خود ساختہ نظام سیاست کو ملک پر مسلط کرنا نہیں ہے بلکہ وہ یہ چاہتی ہے کہ پوری انسانی زندگی کے نظام، انفرادی اور اجتماعی دونوں میں وہ ہمہ گیر انقلاب رونما ہو جو اسلام رونما کرنا چاہتا ہے جسے برپا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، ان کی امامت و قیادت میں اُمتِ مُسلمہ کے نام سے صالحین کی جماعتیں اُٹھائیں اور آخر کار جب انسانی معاشرہ اپنے بلوغ کو پہنچ گیا تو نبی آخر الزّمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بنی آدم پر اپنی نعمت تمام کرتے ہوئے انسانی زندگی کے لئے اپنے پسندیدہ دین کو مکمل کر کے اسے اپنے رسولؐ اور اُن کے خلفائے راشدین کی سنت اور عملی نمونے کی شکل میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے تا قیامت محفوظ فرما دیا۔ جماعت اسلامی کی دعوت کا منتہائے مقصود انسانی زندگی کے پورے نظام کو بلاکم و کاست اسی نمونے کے مطابق اور اسی عادلانہ شکل میں قائم کرنا ہے جس نمونے پر اور جس عادلانہ شکل میں وہ خلافتِ راشدہ کے دوران قائم تھا۔ یعنی سب انسان صرف اللہ کے بندے اور اس کے قانون کے تابع ہوں، ان کی زندگی نفاق و تناقض سے پاک ہو اور ملک کا نظم و نسق قوم کے نیکوکار اور خدا ترس و صالح افراد کے ہاتھوں میں ہو جن کو خدا کے روبرو جوابدہی کی فکر اور پورا احساس ہو۔

بانیٔ جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جماعت اسلامی کے کُل ہند

اجتماع منعقدہ ۵ مہ ۹ ۱ء بمقام دارالسلام (پٹھانکوٹ) میں فرمایا تھا کہ:

" اگر ہم اپنے مقصد اور اپنی اس دعوت کو مختصر طور پر صاف اور سیدھے الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو یہ مندرجہ ذیل تین نکات پر مشتمل ہے:

(۱) یہ کہ ہم بندگانِ خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں، ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

(۲) یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ یا اظہار کرے، اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کرے اور جب وہ مسلمان ہے یا بناہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

(۳) یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں اور فُسّاق وفُجّار کی راہنمائی اور قیادت و فرمانروائی میں چل رہا ہے اور معاملاتِ دُنیا کے انتظام کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے، ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور راہنمائی و امامت نظری اور علمی دونوں حیثیتوں سے مومنین اور صالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے ان نکات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

" یہ تینوں نکات اگرچہ اپنی جگہ بالکل صاف ہیں لیکن ایک مدت دراز سے ان پر غفلتوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑے رہے ہیں، اس لئے بدقسمتی سے آج غیر مسلموں کے سامنے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے سامنے بھی ان کی تشریح کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے۔

بندگیٔ رب کا حقیقی مفہوم

"انسان خدا کو پُورے معنی میں الٰہ، رب، معبود اور حاکم، آقا اور مالک، رہنما اور قانون ساز، مُحاسب اور مُجازی (جزا دینے والا) تسلیم کرے اور اپنی پُوری زندگی کو خواہ وہ شخص ہو یا اجتماعی، اخلاقی ہو یا مذہبی، تمدنی و سیاسی اور معاشی ہو یا علمی و نظری، اسی ایک خُدا کی بندگی میں سپرد کر دے..... بندگیٔ حق کے اس مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سچے دل سے یہ چاہیں کہ جو طریقِ زندگی، جو قانونِ حیات، جو اصولِ تمدن و اخلاق، جو ضابطۂ معاشرت و سیاست، جو نظامِ فکر و عمل اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے واسطے سے بیان دیا ہے، ہماری زندگی کا پورا کاروبار اس کی پیروی میں چلے اور ایک لمحے کے لئے بھی، اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے شعبے کے اندر بھی ہم اس نظامِ حق کے خلاف کسی دوسرے نظام کے تسلّط کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔"

(تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحۂ عمل صفحہ ۴۴، ۴۵)

منافقت کی حقیقت

دوسری چیز جس کی ہم دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے یا اسلام قبول کرنے والے سب لوگ منافقانہ رویّے کو بھی چھوڑ دیں اور اپنی زندگی کو تناقضات سے بھی پاک کریں۔ منافقانہ رویّے سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی جس دین کی پیروی کا دعویٰ کرے اس کے بالکل برخلاف نظامِ زندگی کو اپنے اُوپر حاوی و مسلّط پا کر راضی و مطمئن رہے اور اس کو بدل کر اپنے دین کو اس کی جگہ قائم کرنے کی کوئی سعی نہ کرے بلکہ اس کے برعکس اس فاسقانہ و باغیانہ

نظام زندگی کو اپنے لئے سازگار بنانے اور اس میں اپنے لئے آرام کی جگہ پیدا کرنے کی فکر کرتا رہے یا اس کو بدلنے کی کوشش بھی کرے تو اس کی غرض یہ نہ ہو کہ اس فاسقانہ نظام زندگی کی جگہ دین حق قائم ہو، بلکہ صرف یہ کوشش کرے کہ ایک فاسقانہ نظام ہٹ کر دوسرا فاسقانہ نظام اس کی جگہ قائم ہو جائے ... ہمارا ایک نظام پر ایمان رکھنا اور دوسرے نظام زندگی میں راضی رہنا بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں مخلصانہ ایمان کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ جس طریق زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اسی کو ہم اپنا قانونِ حیات دیکھنا چاہیں اور ہماری رُوح اپنی آخری گہرائیوں تک ہر اس رکاوٹ کے پیش آ جانے پر بے چین و مضطرب ہو جائے جو اس طریق زندگی کے مطابق جینے میں سدِراہ بنی رہی ہو۔ ایمان تو ایسی کسی چھوٹی رکاوٹ کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، کجا کہ اس کا پورا کا پورا دین کسی دوسرے نظام زندگی کا تابع مہمل بن کر رہ گیا ہو۔ اس دین کے کچھ اجزاء پر عمل درآمد ہوتا بھی ہو تو صرف اس وجہ سے کہ غالب نظامِ زندگی نے ان کو بے ضرر سمجھ کر رعایتہً باقی رکھا ہو اور ان رعایات کے ماسوا ساری زندگی کے معاملات دین کی بُنیادوں سے ہٹ کر غالب نظام زندگی کی بنیادوں پر چل رہے ہوں اور پھر بھی ایمان اپنی جگہ نہ صرف خوش اور مطمئن ہو بلکہ جو کچھ بھی سوچے اسی غلبۂ کفر کو اصُولِ موضوعہ کے طور پر تسلیم کر کے سوچے اس قسم کا ایمان چاہے فقہی اعتبار سے معتبر ہو، لیکن دینی لحاظ سے تو اس میں اور نفاق میں کوئی فرق نہیں ہے "

(رُوداد جماعت اسلامی حصہ سوم صفحہ ۷۳،۷۲)

تناقض کی حقیقت

اس نفاق کے بعد دوسری چیز جس کو ہم ہر پُرانے اور نئے مسلمان کی زندگی

سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور جس کے خارج کرنے کی ہر مُدّعیِ ایمان کو دعوت دیتے ہیں وہ تناقض ہے۔ تناقض سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی جس چیز کا زبان سے دعویٰ کرے عمل سے اس کی خلاف ورزی کرے۔ نیز یہ بھی تناقض ہے کہ آدمی کا اپنا عمل ایک معاملے میں کچھ ہو اور دوسرے معاملے میں کچھ اور۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اپنی پُوری زندگی کو خدا کی بندگی میں دے دیا ہے تو اسے جان بوجھ کر کوئی حرکت بھی ایسی نہ کرنی چاہیئے جو بندگیٔ رب کی ضد ہو، اور اگر بشری کمزوری کی بنا پر ایسی کوئی حرکت اُس سے سرزد ہو جائے تو اسے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے پھر بندگیٔ رب کی طرف پلٹنا چاہیئے۔ ایمان کے مقتضیات میں سے یہ بھی ایک اہم مقتضا ہے کہ پوری زندگی صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگی ہوئی ہو، پچرنگی اور چورنگی زندگی تو درکنار دو رنگی زندگی بھی دعویٔ ایمان کے ساتھ میل نہیں کھاتی۔ ہمارے نزدیک یہ بات بہروپیے پن سے کچھ کم نہیں ہے کہ ایک طرف.... ہم مسجد میں جا کر نمازیں پڑھیں اور دوسری طرف ہم مسجد سے باہر نکلتے ہی اپنی گھر کی زندگی، اپنے لین دین میں، اپنی معاش کی فراہمی میں، اپنی شادی بیاہ میں، اپنی میراثوں کی تقسیم میں، اپنی سیاسی تحریکوں اور اپنے سارے دینی معاملات میں خدا اور اُس کی شریعت کو بھول کر کہیں اپنے نفس کے قانون کی، کہیں اپنی برادری کے رواج کی، کہیں اپنی سوسائٹی کے طور طریقوں کی اور کہیں خُدا سے پھرے ہوئے حکمرانوں کے قوانین کی پیروی میں کام کرنے لگیں۔ ایک طرف ہم اپنے خُدا کو بار بار یقین دلائیں کہ ہم تیرے ہی بندے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف ہر اُس بُت کی پوجا کریں جس کے ساتھ ہمارے مفاد، ہماری دلچسپیاں اور ہماری محبتیں اور آسائشیں کچھ بھی وابستگی رکھتی ہوں۔ یہ اور ایسے بے شمار تناقضات ...... ہمارے نزدیک وہ اصلی گھُن ہیں جو اُمتِ مسلمہ کے سیرت و اخلاق کو اور اس

کے دین و ایمان کو اندر ہی اندر کھائے جاتے ہیں اور آج زندگی کے ہر پہلو میں مسلمانوں سے جن کمزوریوں کا اظہار ہو رہا ہے ان کی اصل جڑ یہی تناقضات ہیں... ہماری دعوت کا ایک لازمی عنصر یہ ہے کہ ہم ہر مدعیِ ایمان کی زندگی کو ان تناقضات سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہر مومن سے یہ ہے کہ وہ حنیف ہو کر یک رنگ مومن و مسلم ہو، ہر اس چیز سے کٹ جائے، نہ کٹ سکتا ہو تو پیہم کٹنے کی جدوجہد کرتا رہے جو ایمان کی ضد اور مسلمانہ طریق زندگی کے منافی ہو، اور خوب اچھی طرح مقتضیاتِ ایمان میں سے ایک ایک تقاضے کو سمجھے اور اُسے پُورا کرنے کی پیہم سعی کرتا رہے۔

امامت میں تغیّر کی ضرورت

ہمارا اپنے آپ کو بندگیِ رب کے حوالے کر دینا اور اس حوالگی و سپردگی میں ہمارا منافق نہ ہونا بلکہ مخلص ہونا۔ اور پھر ہمارا اپنی زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مُسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس نظامِ زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے، اور جس کے نقشے بنانے والے مفکّرین اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبّرین، سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کی شرائع کے قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمامِ کار اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی، جب تک علوم و فنون، آرٹ اور ادب، تعلیم و تدریس، نشر و اشاعت، قانون سازی اور تنفیذِ قانون، مالیات، صنعت و حرفت و تجارت، انتظامِ ملکی اور تعلقاتِ بین الاقوامی ہر چیز کی باگ ڈور یہ لوگ سنبھالے رہیں گے، کسی شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور خدا کی بندگی کو اپنا ضابطۂ حیات بنا کر رہنا نہ صرف عملاً

محال ہے، بلکہ آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا غیر ممکن ہے۔ اس کے علاوہ صحیح معنوں میں جو شخص بندۂ رب ہو اُس پر منجملہ دوسرے فرائض کے ایک اہم ترین فرض یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ خدا کی رضا کے مطابق دُنیا کے انتظام کو فساد سے پاک کرے اور صلاح پر قائم کرے اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ زمامِ کار صالح کے ہاتھ میں نہ ہو۔ فساق و فجار اور خدا کے باغی اور شیطان کے مطیع دُنیا کے امام و پیشوا اور منتظم رہیں اور پھر دنیا میں ظلم و فساد، بداخلاقی اور گمراہی کا دور دَورہ نہ ہو، یہ عقل اور فطرت کے خلاف بات ہے اور آج تجربے و مشاہدے سے کالشمس فی النہار ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پس ہمارا مسلم ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم دنیا کے آئمۂ ضلالت کی پیشوائی ختم کر دینے اور غلبۂ کفر و شرک کو مٹا کر دینِ حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی سعی کریں۔

مگر یہ تغیّر محض چاہنے سے نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیّت بہرحال دنیا کا انتظام چاہتی ہے۔ اور دنیا کے انتظام کے لئے کچھ صلاحیتیں اور قوتیں اور صفات درکار ہیں۔ جن کے بغیر کوئی گروہ اس انتظام کو ہاتھ میں لینے اور چلانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اگر مومنین، صالحین کا ایک منظم جتھا ایسا موجود نہ ہو جو انتظام دنیا کو چلانے کی اہلیت رکھتا ہو، تو پھر مشیّت الٰہی غیر مومن اور غیر صالح لوگوں اپنی دنیا کا انتظام سونپ دیتی ہے، لیکن اگر کوئی گروہ ایسا موجود ہو جائے جو ایمان بھی رکھتا ہو، صالح بھی ہو اور ان صفات اور صلاحیتوں اور قوتوں میں بھی کفار سے بڑھ جائے جو دنیا کا انتظام چلانے کے لئے ضروری ہیں تو مشیّتِ الٰہی نہ ظالم ہے اور نہ فساد پسند کہ پھر بھی اپنی دنیا کا انتظام فُسّاق و فجّار اور کفار ہی کے ہاتھ میں رہنے دے۔ پس ہماری دعوت صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ دنیا کی زمامِ کار فُسّاق و فجّار کے

ہاتھ سے نکل کر مومنین صالحین کے ہاتھ میں آئے بلکہ ایجاباً Positively ہماری دعوت یہ ہے کہ اہلِ صلاح کا ایک ایسا گروہ منظم کیا جائے جو نہ صرف اپنے ایمان میں پختہ، نہ صرف اپنے اسلام میں مخلص و یک رنگ اور نہ صرف اپنے اخلاق میں صالح اور پاکیزہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ان تمام اوصاف اور قابلیتوں سے بھی آراستہ ہو جو دنیا کی کارگاہِ حیات کو بہترین طریقے پر چلانے کے لئے ضروری ہیں، اور صرف آراستہ ہی نہ ہو بلکہ موجودہ کارفرماؤں اور کارکنوں سے ان اوصاف اور قابلیتوں میں اپنے آپ کو فائق ثابت کر دے۔

(رُوداد جماعت اسلامی حصہ سوم صفحہ ۷۸-۸۰ ایڈیشن سوم)

جماعتِ اسلامی کا طریقِ کار

جماعت اسلامی جس نصب العین کے حصول کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اُس تک پہنچنے کے لئے جماعت کے قیام کے وقت جن اصولوں کے التزام کا اقرار و اعلان کیا گیا تھا وہ آج بھی دستورِ جماعت میں اوّل روز کی طرح ثبت ہیں۔

دستورِ جماعت اسلامی کی دفعہ ۵ میں جماعت کا مستقل طریقِ کار یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

۱۔ وہ کسی امر کا فیصلہ کرنے یا کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے یہ دیکھے گی کہ خدا اور رسولؐ کی ہدایت کیا ہے۔ دُوسری ساری باتوں کو ثانوی حیثیت سے صرف اس حد تک پیشِ نظر رکھے گی جہاں تک اسلام میں اس کی گنجائش ہو گی۔

۲۔ اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لئے جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کرے گی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رُونما ہو۔

۳ ۔ جماعت اپنے پیشِ نظر اصلاح اور انقلاب کے لئے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی۔ یعنی یہ کہ تبلیغ وتلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعے سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے، اور رائے عام کو اُن تغیرات کے لئے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیشِ نظر ہیں۔

۴ ۔ جماعت اپنے نصب العین کے حصول کی جدّوجہد خفیہ تحریکوں کے طرز پر نہیں کرے گی، بلکہ کھُلّم کھُلّا اور علانیہ کرے گی۔

(دفعہ ۵ دستور جماعت اسلامی پاکستان)

جماعت اسلامی کے بانی اور مسلسل تین پینتیس سال اسی کی امارت وقیادت پر فائز رہنے والے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ومغفور نے ۱۲ مارچ ۴۸ ۱۹ء کے کل پاکستان اجتماع ارکانِ جماعت سے خطاب کرتے ہوئے جماعت کے طریقِ کار کی وضاحت کے سلسلے میں فرمایا:

" جماعت اسلامی جمہوری ذرائع ہی سے اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے اور وہ غیر جمہوری ذرائع کی کیوں مخالف ہے اس کو میں چند الفاظ میں بیان کیے دیتا ہوں۔ خُدا کی قسم ہے، اور مَیں قسم بہت کم کھایا کرتا ہوں کہ جماعت اسلامی نے جو مسلک اختیار کیا ہے کہ وہ کسی قسم کے تشدّد اور توڑ پھوڑ کے ذریعے سے، کسی قسم کی دہشت پسندانہ تحریک کے ذریعے سے اور کسی قسم کی خفیہ تحریک یا سازشوں کے ذریعے سے ملک میں انقلاب برپا کرنا نہیں چاہتی ہے۔ یہ ہرگز اس بنا پر نہیں ہے کہ ہم کبھی کسی ابتلا کے وقت اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے یہ کہہ سکیں کہ ہم تشدّد پسند نہیں ہیں۔ ہمارے اوپر تشدد یا قانون شکنی کا الزام نہ لگایا جائے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پیشِ نظر اسلامی انقلاب ہے اور اسلامی انقلاب کسی خطّۂ زمین میں اس وقت تک مضبوط جڑوں سے قائم نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے افکار اور اُن

کی اخلاق و آداب میں تبدیلی نہ لائی جائے اُس وقت تک مضبوط بنیادوں پر کوئی انقلاب برپا نہیں ہوسکتا۔ اگر زبردستی کسی قسم کے تشدّد کے ذریعے سے یا سازشوں اور خفیہ ہتھکنڈوں کے ذریعے سے کوئی انقلاب برپا کر دیا جائے تو اس کو کبھی دوام اور ثبات نصیب نہیں ہوتا اور بالآخر کسی دوسرے انقلاب کے لئے اسے جگہ خالی کرنی پڑتی ہے اسی طرح اگر دھوکے بازیوں اور جھوٹ اور افترا کی مہم کے ساتھ انتخاب جیت کر یا کسی اور طریقے سے حکومت پر قبضہ کر کے کوئی سیاسی انقلاب برپا کر بھی دیا جائے تو چاہے وہ کتنی دیر تک قائم رہے لیکن جب وہ اکھڑتا ہے تو اس طرح اکھڑتا ہے جیسے اس کی کوئی جڑ ہی نہیں تھی۔"

(تقریر مولانا مودودی اجتماع ارکان ۳۱ مارچ ۱۹۷۴ء)

اس سے اٹھائیس سال قبل جماعت اسلامی کے کُل ہند اجتماع منعقدہ ۱۹۴۵ء بمقام دارالسلام (پٹھانکوٹ) میں بانیٔ جماعت اسلامی مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنے خطاب کے دوران جماعت کے طریق کار اور اُس کی حکمتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:

"ہماری دعوت کی طرح ہمارا یہ طریق کار بھی دراصل قرآن اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے ماخوذ ہے۔ جو لوگ ہماری دعوت قبول کرتے ہیں، ان سے ہمارا اوّلین مطالبہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو عملاً اور بالکلیہ بندگیٔ رب میں دے دو اور اپنے عمل سے اپنے اخلاص اور اپنی یکسوئی کا ثبوت دو اور ان تمام چیزوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنے کی کوشش کرو جو تمہارے ایمان کی ضد ہیں۔ یہیں سے اُن کے اخلاق و سیرت کی تعمیر اور اُن کی آزمائش کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں نے بڑی بڑی اُمنگوں Ambitions کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کے حاصل کی تھی انہیں اپنے اونچے اُونچے خوابوں کی عمارتیں اپنے ہاتھ سے ڈھا دینی پڑتی ہیں اور اُس زندگی

میں قدم رکھنا پڑتا ہے جس میں جاہ و منصب اور معاشی خوشحالیوں کے امکانات انہیں اپنی زندگی میں تو درکنار اپنی دوسری تیسری پشت میں بھی دور دور نظر نہیں آتے جن لوگوں کی معاشی خوشحالی کسی مرہونہ زمین یا کسی منصوبہ جائیداد یا کسی ایسی میراث پر قائم تھی جس میں حقداروں کے حقوق مارے گئے تھے۔ اُنہیں بسا اوقات دامن جھاڑ کر اس خوشحالی سے کنارہ کش ہو جانا پڑتا ہے۔ صرف اس لئے کہ جس خدا کو انہوں نے اپنا آقا تسلیم کیا ہے اُس کے منشأ کے خلاف کسی کا مال کھانا ان کے ایمان کے منافی ہے۔ جن لوگوں کے وسائلِ زندگی غیر شرعی تھے یا نظامِ باطل سے وابستہ تھے، اُن کو ترقیوں کے خواب دیکھنا تو درکنار ان وسائل سے حاصل کی ہوئی روٹی کا ایک ایک ٹکڑا حلق سے اُتارنا ناگوار ہونے لگتا ہے اور وہ ان وسائل کو پاک تر وسائل سے خواہ وہ حقیر ترین ہی کیوں نہ ہوں، بدلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔۔۔۔ اس مسلک کو عملاً اختیار کرتے ہی آدمی کا قریب ترین ماحول اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس کے اپنے والدین، اس کے بھائی بند اس کی بیوی اور بچے اور اس کے جگری دوست سب سے پہلے اس کے ایمان سے قوت آزمائی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس مسلک کا پہلا اثر ہوتے ہی آدمی کا اپنا گھوارہ جس میں وہ نازوں سے پالا گیا تھا اس کے لئے زنبورخانہ بن کے رہ جاتا ہے۔ یہ ہے وہ ابتدائی تربیت گاہ جو صالح و مخلص اور قابلِ اعتماد سیرت کے کارکن فراہم کرنے کے لئے قدرتِ الٰہی نے ہمارے لئے پیدا کر دی ہے۔ ان ابتدائی آزمائشوں میں جو لوگ ناکام ہو جاتے ہیں وہ آپ سے آپ چھٹ کر الگ ہو جاتے ہیں اور ہمیں ان کو چھانٹ پھینکنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑتی۔ اور جو لوگ ان میں پُورے اُترتے ہیں، وہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ان کے اندر کم از کم اُتنا اخلاص، اُتنی یکسوئی، اُتنا صبر اور عزم، اُتنی محبتِ حق اور اُتنی مضبوطیٔ سیرت ضرور موجود ہے جو خدا کی راہ میں قدم رکھنے اور پہلے مرحلۂ امتحان سے کامیاب

گزر جانے کے لئے ضروری ہے۔ اس مرحلے کے کامیاب لوگوں کو ہم نسبتاً زیادہ بھروسے اور اطمینان کے ساتھ لے کر دُوسرے مرحلے کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں جو آگے آنے والا ہے۔ اور جس میں اس سے زیادہ آزمائشیں پیش آنے والی ہیں۔ وہ آزمائشیں پھر ایک دوسری بھٹی تیار کریں گی جو اسی طرح کھوٹے سکّوں کو چھانٹ کر پھینک دے گی اور زرِ خالص کو اپنی گود میں رکھ لے گی۔ یہاں تک ہمارا علم ساتھ دیتا ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی معاون سے کار آمد عناصر کو چھانٹنے اور ان کو زیادہ کار آمد بنانے کے لئے یہی طریقہ پہلے بھی اختیار کیا جاتا رہا ہے اور جو تقویٰ ان بھٹیوں میں تیار ہوتا ہے، چاہے وہ فقہی ناپ تول میں پُورا نہ اُترے اور خانقاہی معیاروں پر بھی ناقص نکلے، مگر صرف اس طرز سے تیار کیے ہوئے تقویٰ میں یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ انتظامِ دنیا کی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھال سکے اور ان عظیم الشان امانتوں کا بوجھ اٹھا سکے جن کے ایک قلیل سے قلیل جُز کا وزن بھی خانقاہی تقوے کی برداشت سے باہر ہے۔

اس کے ساتھ دوسری چیز جو ہم اپنے ارکان پر لازم کرتے ہیں یہ ہے کہ جس حق کی روشنی انہوں نے پائی ہے اُس سے وہ اپنے قریبی ماحول کو اور اُن سب لوگوں کو جن سے ان کا قرابت یا دوستی یا ہمسائیگی یا لین دین کا تعلق ہے، رُوشناس کرانے کی کوشش کریں اور انہیں اس کی طرف آنے کی دعوت دیں۔ یہاں پھر آزمائشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس تبلیغ کی وجہ سے مبلغ کی اپنی زندگی درست ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کام شروع کرتے ہی بے شمار خوردبین اور دوربان اس کی ذات کی طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں اور مُبلّغ کی زندگی میں اکثر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے ایمان اور اس کی دعوت کے منافی موجود ہو تو یہ مفت کے محتسب اسے نمایاں کر کے مبلغ کے سامنے رکھ دیتے

ہیں اور تازیانے لگا لگا کر اُسے مجبور کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کو اس سے پاک کرے۔ اگر مبلّغ فی الواقع اس دعوت پر سچے دل سے ایمان لایا ہو تو وہ ان تنقیدوں پر جھنجھلانے اور تاویلوں سے اپنے عمل کی غلطی کو چھپانے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ ان لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھائے گا جو مخالفت کی نیّت ہی سے سہی مگر بہرحال اس کی اصلاح میں بغیر کسی معاوضے کے سعی و محنت صرف کرتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس برتن کو بیسیوں ہاتھ مانجھنے میں لگ جائیں اور مانجھتے ہی چلے جائیں وہ چاہے کتنا ہی کثیف ہو آخر کار مجلّا و مُصفّا ہو کر رہے گا۔

پھر اس تبلیغ سے ہمارے کارکنوں میں بہت سے اُن اوصاف کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے جنہیں آگے چل کر دوسرے میدانوں میں کسی اور شکل سے ہم کو استعمال کرنا ہے۔ جب مبلّغ کو طرح طرح کے دل شکن حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ کہیں اس کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، کہیں اس پر طعنے اور آوازے کسے جاتے ہیں، کہیں گالیوں اور دوسری بہالتوں سے اس کی تواضع کی جاتی ہے، کہیں اس پر الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے، کہیں اس کو فتنوں میں اُلجھانے کی نت نئی تدبیریں کی جاتی ہیں، کہیں اسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے، میراث سے محروم کیا جاتا ہے، دوستیاں اور رشتہ داریاں اس سے منقطع کر جاتی ہیں اور اس کے لئے اپنے ماحول میں سانس لینا تک دشوار کر دیا جاتا ہے، تو ان حالات میں جو کارکن نہ ہمت ہارے، نہ حق سے پھرے، نہ باطل پرستوں کے آگے سپر ڈالے، نہ مشتعل ہو کر اپنے دماغ کا توازن کھوئے، بلکہ اس کے برعکس حکمت اور تدبّر اور ثابت قدمی اور راست بازی اور پرہیزگاری اور ایک سچے حق پرست کی سی ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم اور اپنے ماحول کی اصلاح میں پیہم کوشاں رہے۔ اُس کے اندر ان اوصافِ عالیہ کا پیدا ہونا اور نشو و نما پا نا یقینی ہے جو آگے چل کر ہماری اس جدّوجہد کے

دوسرے مرحلوں میں اس سے زیادہ بڑے پیمانے پر درکار ہوں گے۔

اس تبلیغ کے سلسلے میں ہم نے یہی طریق کار اپنے کارکنوں کو سکھانے کی کوشش کی ہے جو قرآن مجید میں تعلیم فرمایا گیا ہے، یعنی یہ کہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ خدا کے راستے کی طرف دعوت دیں۔ تدریج اور فطری ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے دین کے اولین بنیادی اصولوں کو اور پھر رفتہ رفتہ ان کے مقتضیات اور لوازم کو پیش کریں، کسی کو اس کی قوتِ ہضم سے بڑھ کر خوراک دینے کی کوشش نہ کریں، فروع کو اصول پر اور جزئیات کو کلیات پر مقدم نہ کریں، بنیادی خرابیوں کو رفع کیے بغیر ظاہری برائیوں اور بیرونی شاخوں کو چھانٹنے اور کاٹنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں، غفلت اور اعتقادی و عملی گمراہیوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کے ساتھ نفرت و کراہت کا برتاؤ کرنے کے بجائے ایک طبیب کی سی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ ان کے علاج کی فکر کریں، گالیوں اور پتھروں کے جواب میں دعائے خیر کرنا سیکھیں، ظلم اور ایذا رسانی پر صبر کریں، جاہلوں سے بحثوں اور مناظروں اور نفسانی مجادلوں میں نہ الجھیں، لغو اور بیہودہ باتوں سے عالی ظرف اور شریف لوگوں کی طرح گذر کریں، جو لوگ حق سے مستغنی بنے ہوئے ہیں اُن کے پیچھے پڑنے کے بجائے ان لوگوں کی طرف توجہ کریں جن کے اندر کچھ طلبِ حق پائی جاتی ہو خواہ وہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی ناقابلِ توجہ سمجھے جاتے ہوں، اور اپنی اس تمام سعی و جہد میں ریا اور نمود و نمائش سے بچیں، اپنے کارناموں کو گنانے اور فخر کرنے کے ساتھ ان کا مظاہرہ کرنے اور لوگوں کی توجہات اپنی طرف کھینچنے کی ذرہ برابر کوشش نہ کریں۔ بلکہ جو کچھ کریں اس نیت اور اس یقین و اطمینان کے ساتھ کریں کہ یہ سب خالصتاً خدا کے لئے ہے اور خدا بہرحال ان کی خدمات سے بھی واقف ہے اور ان خدمات کی قدر بھی اس کے ہاں ہوتی ہے خواہ خلق اس سے واقف ہو یا نہ ہو اور خلق کی طرف

سے سزا ملے یا جزا۔ یہ طریق کار غیر معمولی صبر اور حلم اور لگاتار محنت چاہتا ہے۔ اس میں ایک مدتِ دراز تک مسلسل کام کرنے کے بعد بھی شاندار نتائج کی وہ ہری بھری فصل لہلہاتی نظر نہیں آتی جو سطحی اور نمائشی کام شروع کرتے ہی دوسرے دن سے تماشا ئیوں اور مداریوں کا دل بھانا شروع کر دیتی ہے۔ اس میں ایک طرف خود کارکن کے اندر وہ گہری بصیرت، وہ سنجیدگی، وہ پختہ کاری اور وہ معاملہ فہمی پیدا ہوتی ہے جو اس تحریک کے زیادہ صبر آزما اور زیادہ محنت و حکمت چاہنے والے مراحل میں درکار ہونے والی ہے، اور دوسری طرف اس سے تحریک اگرچہ آہستہ رفتار سے چلتی ہے، مگر اس کا ایک ایک قدم مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے۔ صرف ایسے ہی طریق تبلیغ سے سوسائٹی کا مکھن نکال کر تحریک میں جذب کیا جا سکتا ہے۔ اوچھے اور سطحی لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے کے بجائے اس طریق تبلیغ سے سوسائٹی کے صالح ترین عناصر تحریک کی طرف کھینچتے ہیں اور سنجیدہ کارکن تحریک کو بہتر آتے ہیں جن میں سے ایک ایک آدمی کی شرکت ہزار بوالفضولوں کے انبوہ سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

(رُوداد جماعت اسلامی حصہ سوم صفحات ۷۳ تا ۸۰)

تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان

اس طرز پر کارکنوں کی تیاری و تربیت اور تنظیم کا کام کرتے ہوئے ابھی چھ سال ہی ہوئے تھے کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو کر بھارت اور پاکستان کی دو خود مختار ریاستوں میں منقسم ہو گیا۔ اس تقسیم کے وقت جماعت اسلامی کا مرکز بھارتی علاقے میں رہ جانے والے حصے پنجاب کے ضلع گورداسپور کے تحصیل ٹاؤن پٹھانکوٹ سے چار میل کے فاصلے پر پٹھانکوٹ امرتسر روڈ پر سرنا

ریلوے اسٹیشن کے قریب دارالاسلام کی چھوٹی سی بستی کی شکل میں آباد تھا اور پورے ہندوستان میں جماعت کے کل ارکان کی تعداد صرف سوا چھ سو تھی۔ تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو قتلِ عام ہوا اس کی وجہ سے بھارتی پنجاب تقریباً کُلیتہً مسلمانوں سے خالی ہوگیا اور یہ سب پاکستان ہجرت کر آئے۔ دارالاسلام ان دنوں میں اس علاقے کے مسلمانوں کے لئے عملاً 'دارالسلام' بن گیا اور آس پاس کے مسلمان ہجرت کرکے وہاں آ پناہ گزین ہوئے۔ جماعت کے کارکنوں نے اُس وقت تک جان پر کھیل کر ان کی حفاظت کی اور اس سلسلے میں ہمارا ایک کارکن سکھوں کے ہاتھوں مارا بھی گیا۔ لیکن کسی پناہ گزین کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیاگیا، یہاں تک کہ فوج نے اس کیمپ کا چارج سنبھال کر لوگوں کو پاکستان منتقل کرنا شروع کردیا۔ اسی سلسلے میں اور اسی طرح مولانا مودودی مرحوم اور ہم سب کارکن ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو فوجی کانوائے کے ذریعے دارالاسلام سے لاہور پہنچے۔

اس تقسیمِ ملک کے نتیجے میں جو ارکانِ جماعت پہلے پاکستانی علاقے میں موجود تھے اور جو ہندوستانی علاقوں سے ہجرت کرکے پاکستان پہنچے ان سب کی مجموعی تعداد تین سو پچاسی تھی اور جو مستقل طور پر بھارت میں رہ گئے ان کی تعداد صرف دو سو چالیس تھی۔ پاکستان کے ارکان نے جماعت اسلامی پاکستان کی شکل اختیار کرلی اور بھارت میں رہ جانے والے ارکان نے اپنی الگ جماعت، جماعت اسلامی ہند کے نام سے قائم کرکے مولانا ابواللیث صاحب کو اپنا امیر بنالیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ابھی اہلِ پاکستان ہندوستان کے لُٹے پُٹے اور زخموں سے چُور چُور کروڑوں کی تعداد میں مہاجرین کی روزانہ آمد کے انتہائی پریشان کُن مسائل میں اُلجھے ہوئے تھے کہ تحریکِ پاکستان کے بعض لیڈروں نے ایسے بیانات دینے شروع کردیئے جو ظاہر کرتے تھے کہ انہوں نے تحریکِ پاکستان کے دوران مسلمانوں

کو پاکستان کا مطلب کیا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بتا کر اس کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دینے کی جو دعوت دی تھی اب یہ لوگ اسے پسِ پشت ڈال کر پاکستان کو ایک عام سیکولر قوم پرست ریاست بنانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ چنانچہ امیر جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس خطرے کو بھانپتے ہی دوسرے مخلص پاکستان دوست احباب کے تعاون سے جنوری ۱۹۴۸ء میں لاء کالج لاہور میں پے در پے دو زبردست تقاریر کیں جن میں "اسلامی قانون اور پاکستان میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر" پر وضاحت سے روشنی ڈالتے ہوئے دستور ساز اسمبلی پاکستان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ سب سے پہلے بلا تاخیر اُن مقاصد کا صاف صاف اعلان کرے جن کے لئے مسلمانوں نے بے مثال تاریخی قربانیاں دے کر پاکستان بنایا ہے اور وہ مقاصد یہ ہیں کہ:

۱۔ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ اور حاکمیت کے اختیارات اللہ ربّ العالمین کو حاصل ہوں گے۔

۲۔ پاکستان کا بنیادی قانون اسلامی شریعت ہو گی۔

۳۔ پاکستان کے تمام رائج الوقت قوانین کو ایک معیّن مدت کے اندر قرآن و سنّت کے مطابق تبدیل کر دیا جائے گا اور آئندہ کوئی قانون قرآن و سنّت کے منافی نہیں بنایا جائے گا۔

۴۔ حکومتِ پاکستان اپنے اختیارات اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرے گی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس کے بعد اس مطالبے کو ملک کے بڑے بڑے شہروں میں جلسہ ہائے عام کے ذریعے باشندگانِ ملک کے سامنے پیش کر کے اس کی ضرورت و اہمیت کو واضح کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ اس کا اعلان کیے بغیر

ریاست پاکستان اسلامی ریاست میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہ مطالبہ جنگل کی آگ کی طرح ملک میں پھیل گیا اور حکومت نے اسے ناکام بنانے کے لئے مولانا مرحوم کے خلاف بے تحاشہ اشتعال انگیز جھوٹا پراپیگنڈا کیا اور کرایا یہاں تک کہ یہ بہتان بھی لگایا گیا کہ مولانا کشمیر کے جہاد کے مخالف اور اس کے شہداء کو کتے کی موت مرنے والے قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد انہیں اور ان کے بعض ساتھیوں کو حوالۂ زنداں بھی کر دیا گیا۔ مگر یہ مطالبہ کسی حربے سے بھی نہ رد کا جا سکا۔ بلکہ "درد بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق بالآخر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے مسلمانانِ پاکستان کے مسلسل اور متفقہ، مطالبے (مطالبۂ نظام اسلامی) سے متاثر ہو کر اپنے اجلاس منعقدہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء میں وہ قرار داد مقاصد پاس کر دی جس میں مملکتِ پاکستان کے بارے میں اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور ریاستِ پاکستان میں رائج تصور جمہوریت آزادی، اجتماعی انصاف و رواداری اُن اصولوں پر مبنی ہوگا جو اسلام کے مقرر کیے ہیں اور ریاست کا کام یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کی تعلیمات اور اُن کے تقاضوں کے مطابق بسر کریں۔ اس اقرار کے بعد پاکستان اصولاً ایک اسلامی ریاست بن گیا۔ اس آئینی تغیر کے بعد نئی صورتِ حال کے بارے میں جماعت اسلامی کے نقطۂ نظر میں بنیادی تبدیلی واقع ہو گئی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے بانی جماعت مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

> "ہماری نوزائیدہ مملکت نے جب اپنی آئینی زبان سے یہ شہادت ادا کر دی تو جس روز شہادت ادا ہوئی ٹھیک اُسی روز جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اس کے ایک اسلامی مملکت ہونے کو تسلیم کر لیا اور اس کے ۴۴ روز بعد پوری آئینی پوزیشن کا جائزہ لے کر یہ اعلان کر دیا

کہ اب اس ریاست کی شرعی حیثیت سابق غیر مسلم ریاست سے بالکل مختلف ہو چکی ہے۔ اب اس کی ملازمت جائز ہے۔ اس کے قوانین اپنی عارضی نوعیت میں قابلِ تسلیم ہیں۔ اس کی عدالتوں میں جانا حلال ہے اور اس کی اسمبلی و پارلیمنٹ کے انتخابات میں ہر حیثیت سے حصّہ لیا جا سکتا ہے۔ اس دستوری تغیّر کے ساتھ جماعت نے اپنی پالیسی میں بھی یہ تغیّر کیا کہ وہ آئندہ اس ملک کے انتخابات میں حصّہ لے کر آئینی طریقوں سے اس کو مکمّل دارالاسلام بنانے کی کوشش کرے گی۔"

یہ ہماری تحریک کی تاریخ میں ایک اہم نقطۂ انقلاب تھا جس نے ہمارے لئے ایک طریقِ کار کے بجائے دوسرے طریقِ کار کا دروازہ کھول دیا۔ اب ایک باقاعدہ اسلامی مملکت بن جانے کے بعد یہ دارِ عدو نہیں رہی جس کے خلاف جدوجہد کرنا ہمارا کام ہو، بلکہ دارِ دوست، ہمارا اپنا دار بن گئی ہے۔ جسے بنانا، سنوارنا اور ترقی دینا ہمارا کام ہو گیا۔

اس آئینی تغیّر کے بعد سے جماعت اسلامی جس لائحہ عمل پر کام کر رہی ہے وہ چار بڑے بڑے مقاصد پر مشتمل ہے:

اوّل یہ کہ اس مملکت کو ان تمام فکری اور عملی رجحانات سے بچایا جائے جو اسلام کے راستے سے منحرف کرنے والے ہیں۔

دوم یہ کہ عوام النّاس کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کی جائے یہاں تک کہ ہمارا معاشرہ جاہلیّت کی بنیادوں سے ہٹ کر اسلام کی صالح بنیادوں پر قائم ہو اور اس قابل بن جائے کہ اس میں برائیاں دبیں اور بھلائیاں نشوونما پا سکیں۔

سوم یہ کہ ہماری اس نئی مملکت کی تعمیر لازماً انہی بنیادوں پر ہو جو قراردادِ مقاصد میں متعیّن کر دی گئی ہیں اور کسی ایسی تدبیر کو نہ چلنے دیا جائے جو قراردادِ

مقاصد کو بالائے طاق رکھ کر یہاں ایک غیر اسلامی طرز کا نظام حکومت قائم کرنے کے لئے اختیار کی جائے۔

چہارم یہ کہ آئینی ذرائع سے اس مملکت کی غیر صالح اور غلط کار قیادت کو ایک صالح اور صاحبِ صلاحیت قیادت سے تبدیل کیا جائے اور اُسے بروئے کار لاکر قوانین، نظم و نسق، مالیات، معاشی نظام، فلاحِ عمومی، دفاع اور خارجی سیاست میں وہ اصلاحات کی جائیں جن سے پاکستان دنیا میں اسلام کی صحیح نمائندہ ریاست بن جائے۔

(ماخوذ از جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل صفحات ۱۸۸)

جماعت اسلامی کا لائحہ عمل

بانیٔ جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جماعتِ اسلامی کے کل پاکستان اجتماع منعقدہ ۱۱ نومبر ۱۹۵۱ء بمقام کراچی میں جماعت اسلامی کے مقصد وجود پر روشنی ڈالنے کے بعد فرمایا کہ "ہمارے لائحہ عمل کے چار بڑے بڑے اجزاء ہیں جنہیں میں الگ الگ بیان کروں گا۔

۱. تطہیر افکار و تعمیر افکار

اس کا پہلا جز تطہیر افکار و تعمیر افکار ہے۔ ہم کئی سال سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور ہماری اس کوشش کا سلسلہ برابر جاری ہے کہ ایک طرف غیر اسلامی قدامت کے جنگل کو صاف کرکے اصل اور حقیقی اسلام کی شاہراہِ مستقیم کو نمایاں کیا جائے، دوسری طرف مغربی علوم و فنون اور نظامِ تہذیب و تمدن پر تنقید کرکے بتایا جائے کہ اس میں کیا کچھ غلط اور قابلِ ترک ہے اور کیا کچھ صحیح اور قابلِ اخذ ہے اور تیسری

طرف وضاحت کے ساتھ یہ دکھایا جائے کہ اسلام کے اصولوں کو زمانۂ حال کے مسائل و معاملات پر منطبق کر کے ایک صالح تمدن کی تعمیر کس طرح ہو سکتی ہے اور اس میں ایک ایک شعبۂ زندگی کا نقشہ کیا ہوگا۔ اس طریقے سے ہم خیالات کو بدلنے اور ان کی تبدیلی سے زندگیوں کا رُخ پھیرنے اور ذہنوں کو تعمیرِ نو کے لئے فکری غذا بہم پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کوشش کے نتائج ہمارے لٹریچر اور ہماری شائع شدہ تقریروں کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ہر شخص انہیں دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ ہم کس رُخ پر جا رہے ہیں اور کدھر اپنی قوم کو لے جانا چاہتے ہیں۔

۲۔ صالح افراد کی تلاش، تنظیم اور تربیت

اس کا دوسرا جُز صالح افراد کی تلاش، تنظیم اور تربیت ہے۔ ہم ان آبادیوں میں ان مردوں اور عورتوں کو ڈھونڈ رہے ہیں جو پرانی اور نئی خرابیوں سے پاک ہوں یا اب پاک ہونے کے لئے تیار ہوں، جن کے اندر اصلاح کا جذبہ موجود ہو، جو حق کو حق مان کر اس کے لئے وقت، مال اور محنت کی کچھ قربانی کرنے پر بھی آمادہ ہوں، خواہ وہ نئے تعلیم یافتہ ہوں یا پرانے، خواہ وہ عوام سے ہوں یا خواص میں سے، خواہ غریب ہوں یا امیر یا متوسط۔ ایسے لوگ جہاں کہیں بھی ہیں، ہم انہیں گوشۂ عافیت سے نکال کر میدانِ سعی و عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے مقصد، طریقِ کار اور نظامِ جماعت کو قبول کر لیں تو انہیں اپنی جماعت کا رُکن بنا لیتے ہیں۔ اور اگر وہ رُکنیت کی شرائط پوری کیے بغیر صرف تائید اور اتفاق پر اکتفا کریں تو ان کو اپنے حلقۂ متفقین میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک صالح عنصر بچا کھچا موجود ہے، مگر منتشر ہونے کی وجہ سے یا جُزوی اصلاح

کی پراگندہ کوششیں کرنے کی وجہ سے کوئی مفید نتیجہ پیدا کر رہا ہے، اسے چھانٹ کر ایک مرکز پر جمع کیا جائے اور ایک حکیمانہ پروگرام کے مطابق اس کو اصلاح و تعمیر کی منظم سعی میں لگایا جائے۔

ہم صرف اس تنظیم ہی پر قناعت نہیں کر رہے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ ان منظم ہونے والوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا بھی انتظام کر رہے ہیں، تاکہ ان کی فکر زیادہ سے زیادہ سُلجھی ہوئی، اور ان کی سیرت زیادہ سے زیادہ پاکیزہ، مضبوط اور قابلِ اعتماد ہو۔ ہمارے پیش نظر ابتدا سے یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام محض کاغذی نقشوں اور زبانی دعووں کے بل پر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے قیام اور نفاذ کا سارا انحصار اس پر ہے کہ آیا اس پشت پر تعمیری صلاحیتیں اور صالح انفرادی سیرتیں موجود ہیں یا نہیں۔ کاغذی نقشوں کی خامی تو اللہ کی توفیق سے علم اور تجربہ ہر وقت رفع کر سکتا ہے، لیکن صلاحیّت اور صالحیت کا فقدان سرے سے کوئی عمارت اُٹھا ہی نہیں سکتا اور اُٹھا بھی لے تو سہار نہیں سکتا۔

۳۔ اصلاحِ معاشرہ

اس کا تیسرا جُز ہے اجتماعی اصلاح کی سعی۔ اس میں سوسائٹی کے ہر طبقے کی اس کے حالات کے لحاظ سے اصلاح شامل ہے، اور اس کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہو سکتا ہے جتنے ہمارے ذرائع وسیع ہوں۔ ہم اپنے ارکان اور کارکن متفقین کو ان کی صلاحیتوں کے لحاظ سے مختلف حلقوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر ایک کے سپرد وہ کام کرتے ہیں جس کے لئے وہ اہل تر ہو۔ ان میں سے کوئی شہری عوام میں کام کر رہا ہے اور کوئی دیہاتی عوام میں۔ کوئی کسانوں کی طرف متوجہ ہے اور کوئی مزدوروں کی طرف، کوئی متوسط طبقے کو خطاب کر رہا ہے اور کوئی اونچے طبقے کو، کوئی سرکاری ملازمین

کی اصلاح کے لئے کوشاں ہے اور کوئی تجارت پیشہ لوگوں کی اصلاح کے لئے کسی کی توجہ پرانی درس گاہوں کی طرف ہے اور کسی کی نئے کالجوں کی طرف۔ کوئی مزدوروں کے قلعوں کو توڑنے میں لگا ہوا ہے اور کوئی الحاد و فسق کے سیلاب کو روکنے میں۔ کوئی شعر و ادب کے میدان میں کام کر رہا ہے اور کوئی علم و تحقیق کے میدان میں۔ یہ سب اگرچہ اپنے الگ حلقہ ہائے کار رکھتے ہیں، مگر سب کے سامنے ایک مقصد اور ایک سکیم ہے جس کی طرف وہ قوم کے سارے طبقوں کو گھیر کر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا متعین نصب العین یہ ہے کہ اس ذہنی، اخلاقی اور علمی انارکی کو ختم کیا جائے جو پرانے جمود اور نئے انفعالی رجحانات کی وجہ سے ساری قوم میں پھیلی ہوئی ہے اور عوام سے لے کر خواص تک سب میں صحیح اسلامی فکر، اسلامی سیرت اور سچے مسلمانوں کی سی عملی زندگی پیدا کی جائے۔

یہ کام صرف وعظ و تلقین اور نشر و اشاعت اور شخصی ربط و مکالموں ہی سے نہیں کیا جا رہا ہے، بلکہ مختلف سمتوں میں باقاعدہ تعمیری پروگرام بنا کر پیش قدمی کی جا رہی ہے۔ مثلاً ہمارے کارکن جہاں کہیں اپنی تبلیغ سے چند آدمیوں کو متفق بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہاں وہ انہیں ملا کر ایک حلقۂ متفقین منظم کرتے ہیں اور پھر ان کی مدد سے ایک پروگرام کو عمل میں لانے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں جس کے چند اجزاء یہ ہیں:

بستی کی مسجدوں کی اصلاحِ حال، عام باشندوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرانا، تعلیم بالغاں کا انتظام، کم از کم ایک دارالمطالعہ کا قیام، لوگوں کو ظلم و ستم سے بچانے کے لئے اجتماعی جدوجہد، باشندوں کے تعاون سے صفائی اور حفظانِ صحت کی کوشش، بستی کے یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور غریب طالب علموں کی فہرستیں مرتب کرنا اور جن

جن طریقوں سے ممکن ہو اُن کی مدد کا انتظام کرنا اور اگر ذرائع فراہم ہو جائیں تو کوئی پرائمری سکول، یا مذہبی تعلیم کا ایسا مدرسہ قائم کرنا جس میں تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت کا بھی انتظام ہو۔

اسی طرح ہم مزدوروں کو اشتراکیت کے زہر سے بچانے کے لئے صرف تبلیغ ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ عملاً ان کے مسائل کو حل کرنے کی سعی بھی کرتے ہیں چنانچہ ہم نے مزدوروں اور کارکن طبقوں کی نئی تنظیمات کا سلسلہ شروع کر دیا ہے جن کی بنیاد اسلامی فکر پر رکھی گئی ہے۔ ان تنظیمات کا مقصد انصاف کا قیام ہے نہ کہ ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت بنانا، ان کا مسلک جائز اور معقول حقوق کے حصول کی جد وجہد ہے نہ کہ طبقاتی کشمکش، ان کا طریق کار اخلاقی اور آئینی ہے نہ کہ توڑ پھوڑ اور تخریب۔ ان کے پیش نظر صرف اپنے حقوق ہی نہیں ہیں بلکہ فرائض بھی ہیں، اور جو مزدور یا کارکن بھی ان میں شامل ہوتے ہیں اُن پر یہ شرط عائد کر دی جاتی ہے کہ وہ ایمانداری کے ساتھ اپنے حصے کا فرض ضرور ادا کریں گے۔ پھر ان کا دائرہ عمل صرف اپنے طبقے کے مفاد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ تنظیمات جس طبقے سے بھی تعلق رکھتی ہیں اس کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی حالت کو بھی درست کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اس عمومی اصلاح کے پورے لائحہ عمل کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو شخص جس حلقے اور طبقے میں کام کرے، مسلسل اور منظم طریقے سے کرے اور اپنی سعی کو ایک نتیجے تک پہنچائے بغیر نہ چھوڑے، ہم اس کے قائل نہیں کہ ہوا کے پرندوں اور آندھی کے جھکڑوں کی طرح بیج پھینکتے چلے جائیں۔ اس کے برعکس ہم کسان کی طرح کام کرنا چاہتے ہیں جو ایک متعین رقبے کو لیتا ہے، پھر زمین کی تیاری سے لے کر فصل کی کٹائی تک مسلسل کام کر کے اپنی محنتوں کو ایک نتیجے تک پہنچا کر دم لیتا

ہے۔ پہلے طریقے سے جنگل پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے طریقے سے باقاعدہ کھیتیاں تیار ہوا کرتی ہیں۔

۴۔ نظامِ حکومت کی اصلاح

اس لائحہ عمل کا چوتھا جز نظامِ حکومت کی اصلاح ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زندگی کے موجودہ بگاڑ کو دُور کرنے کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اصلاح کی دوسری کوششوں کے ساتھ نظامِ حکومت کو درست کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے۔ اس لئے کہ تعلیم اور قانون اور نظم و نسق اور تقسیمِ رزق کی طاقتوں کے بل پر جو بگاڑ اپنے اثرات پھیلا رہا ہے، اُس کے مقابلے میں بناؤ اور سنوار کی وہ تدبیریں جو صرف وعظ اور تلقین کے ذرائع پر منحصر ہوں، کبھی کارگر نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا اگر ہم فی الواقع اپنے ملک کے نظامِ زندگی کو فسق و ضلالت کی راہ سے ہٹا کر دینِ حق کی صراطِ مستقیم پر چلانا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ بگاڑ کو مسندِ اقتدار سے ہٹانے اور بناؤ کو اُس کی جگہ متمکن کرنے کی براہِ راست کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر اہلِ خیر و اصلاح کے ہاتھ میں اقتدار ہو تو وہ تعلیم اور قانون اور نظم و نسق کی پالیسی کو تبدیل کر کے چند سال کے اندر وہ کچھ کر ڈالیں گے جو غیر سیاسی تدبیروں سے ایک صدی میں بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ تبدیلی کس طرح ہو سکتی ہے؟ ایک جمہوری نظام میں اس کا راستہ صرف ایک ہے، اور وہ ہے انتخابی جدّوجہد۔ رائے عام کی تربیت کی جائے، عوام النّاس کے معیارِ انتخاب کو بدلا جائے، انتخاب کے طریقوں کی اصلاح کی جائے اور پھر ایسے صالح لوگوں کو اقتدار کے مقام پر پہنچایا جائے جو ملک کے نظام کو خالص اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور قابلیت بھی۔ خوش قسمتی سے قرار دادِ مقاصد

نے ہمارے راستے سے وہ دستوری رکاوٹیں دُور کردی ہیں جو ہمارے لئے اب تک اس طریقے کو اختیار کرنے میں سدِراہ بنی ہوئی تھیں۔ ان رکاوٹوں کے دور ہوتے ہی اب ہم نے انتخابات میں حصّہ لینا شروع کردیا ہے اور اس کام میں وہی مقصد ہمارے پیشِ نظر ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے بیان کیا ہے.... ہمیں اطمینان ہے کہ ہم اس طریقے سے مسلسل کام کرکے اپنے ملک کی پبلک کو بتدریج چند سال کے اندر کافی تربیت دے سکیں گے اور ہر نئے انتخاب کے موقع پر خود بخود پیمائش ہوتی چلی جائے گی کہ اس تربیت کے اثرات کو پبلک نے کس حد تک قبول کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نظامِ حکومت کی واقعی تبدیلی میں ۲۵ سال صرف ہوجائیں یا اس سے بھی زیادہ، مگر ہم سمجھتے ہیں کہ تبدیلی کا صحیح راستہ یہی ہے اور جو تبدیلی اس طریقے سے ہوگی وہ انشاء اللہ پائیدار اور مستحکم ہوگی۔

(ماخوذ از رُوداد جماعت اسلامی حصّہ ششم صفحات ۴۰۴ تا ۴۱۴، ۴۱۹ ایڈیشن دوم)

جماعت کے لائحۂ عمل کی خصوصیات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے جماعتِ اسلامی کے کُل پاکستان اجتماع ارکان منعقدہ ماچھی گوٹھ فروری ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی کے لائحۂ عمل کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اس لائحۂ عمل کو اگر اس نصب العین کے ساتھ ملاکر دیکھیں جس کی تشریح ابھی میں آپ کے سامنے پیش کرچکا ہوں تو آپ بیک نظر محسوس کرلیں گے کہ یہ لائحۂ عمل اس نصب العین کا فطری تقاضہ ہے اور اس کا ایک ایک جزاس کے ایک ایک گوشے پر ٹھیک ٹھیک منطبق ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس جماعت کا وہ نصب العین ہو اس کا یہی لائحۂ عمل ہونا چاہیئے اور یہی ہوسکتا ہے۔ اس کے سوا اس کا کوئی اور

لائحۂ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے چاروں اجزاء آپس میں ایسا منطقی ربط رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا تقاضا کرتا ہے، ہر ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے، اور جس کو بھی ساقط کر دیا جائے اُس کے سقوط سے ساری اسکیم خراب ہو جاتی ہے۔ جماعت کے نصب العین کا حصول اگر ممکن ہے تو ان چاروں اجزاء پر بیک وقت متوازی کام، اور متوازن طریقے پر کام کرنے ہی سے ممکن ہے۔ آپ اس کے جس جز کو بھی الگ کر دیں گے، باقی اجزا کا کام نہ صرف کمزور اور بے اثر ہو جائے گا، بلکہ اپنے نصب العین کے لئے آپ کی جدوجہد ہی لاحاصل ہو کر رہ جائے گی۔

اس کا پہلا جُز اسلام کی خالص دعوت کو نکھار کر پیش کرتا ہے، اس کی قبولیت کے لئے عوام اور خواص کو تیار کرتا ہے، اور اس کی کامیابی کے لئے ذہنی فضا ہموار کرتا ہے۔ یہ اس تحریک کا اوّلین بنیادی کام ہے جس کے بغیر آگے کسی کام کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا دوسرا جُز دعوت قبول کرنے والوں کو منظم کرتا ہے اور ان کی قوتوں کو دعوت کی توسیع میں اور اس کی کامیابی کے لئے جدوجہد کرنے میں استعمال کرتا ہے یہ جُز پہلے جُز کا لازمی تقاضا ہے۔ دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اگر آپ دعوت قبول کرنے والوں کو منظم نہ کرتے جائیں، اور ان کو دعوت کے مقاصد کی تحصیل کے لئے تیار نہ کرتے جائیں، اور انہیں عملاً اس کام میں لگاتے نہ چلے جائیں تو دعوت بجائے خود بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہی کام تو اس مشینری کو تیار کرتا ہے جو دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے درکار ہے۔ آخر دعوت کا حاصل کیا ہے، اگر آپ صرف پکارتے ہیں اور ان لوگوں کو جو آپ کی پکار پر لبیک کہہ کر آئیں اکٹھا کر کے کسی کام پر نہ لگائیں۔

اس کا تیسرا جز معاشرے کو اسلامی نظامِ زندگی کے لیے عملی اور اخلاقی حیثیت

سے تیار کرتا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے یہ کوئی الگ کام نہیں ہے جسے اس پروگرام میں شامل کرنے یا نہ کرنے کا کوئی سوال پیدا ہو سکے۔ دراصل یہ اس کام کی تفصیل ہے جو لائحۂ عمل کے دوسرے جز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ دعوت قبول کرنے والوں کو منظم کر کے اور تربیت دے کر جس کام میں لگائیں گے وہ معاشرے کی اصلاح ہی کا کام تو ہوگا۔ معاشرے کی اصلاح کا جتنا کام آپ کریں گے آپ کی دعوت و تنظیم جتنی وسیع ہوگی اتنا ہی معاشرے کی اصلاح کا دائرہ پھیلتا جائے گا اور اسلامی نظامِ زندگی کے لئے زمین ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ اس طرح یہ دونوں اجزا بالکل ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ آپ کسی حال میں اس بات کا تصور نہیں کر سکتے کہ ان میں سے ایک آپ کے لائحۂ عمل میں شامل ہو اور دوسرا نہ ہو۔

اب چوتھے جز کو لیجئے یہ پتا ہے کہ جیسے جیسے آپ کی دعوت مقبول ہو اور اس کے قبول کرنے والوں کی تنظیم قوت پکڑتی جائے، اُسی نسبت سے آپ اسلامی نظامِ زندگی کو عملاً برسرِ اقتدار لانے اور جاہلیت کی پُشت پناہ طاقتوں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتے چلے جائیں۔ اپنے نصب العین کو نگاہ میں رکھ کر اگر آپ اس لائحۂ عمل کے لئے تین اجزا پر غور کریں گے تو یہ چوتھا جز ان تینوں کا ایسا فطری تقاضا نظر آئے گا کہ اگر یہ آپ کے پروگرام میں شامل نہ ہو تو وہ تینوں سراسر بے معنی ہو جائیں گے۔ آخر آپ دعوت کس چیز کی دیتے ہیں؟ اسی چیز کی نا کہ اسلامی نظامِ زندگی قائم ہو۔ اس دعوت کو قبول کرنے والوں کو منظم کرنے اور حرکت میں لانے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ اسلامی نظامِ زندگی کے قیام کی جدوجہد کریں۔ معاشرے کو آپ کس غرض کے لئے تیار کرتے ہیں؟ اس کے سوا اور اس کی غرض کیا ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی کے لئے زمین ہموار ہو۔ اب خود سوچیے کہ یہ سارے کام کرنے کا فائدہ

کیا ہے اگر آپ ان کاموں سے حاصل ہونے والے نتائج کو اصل مقصد کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے ساتھ ساتھ استعمال نہ کرتے چلے جائیں، آپ کا اصل مقصد آخر کار جس کام کے ذریعے سے حاصل ہونا ہے وہ یہی چوتھا کام ہی تو ہے۔ یہ آپ کے پروگرام میں شامل نہ ہو تو پہلے تین کام سعی بے حاصل کے سوا کچھ نہ ہوں گے اور امنہیں کرکے آپ زیادہ سے زیادہ بس مبلغوں کی ایک جماعت بن کر رہ جائیں گے جن کی پہلے بھی اس ملک میں کوئی کمی نہ تھی۔ اس طرح کی تبلیغ و تلقین اور اصلاح اخلاق کی کوششوں سے جاہلیت کا سیلاب نہ پہلے رکا تھا نہ اب رک سکتا ہے۔

اس تجزیہ و تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس نتیجۂ مطلوب کے لئے جماعت اسلامی کی یہ ساری سکیم بنائی گئی ہے وہ لائحۂ عمل کے ان چاروں اجزاء پر بیک وقت کام کرنے کا تقاضا کرتا ہے اگر وہ نتیجہ فی الواقع آپ کو مطلوب ہے تو پھر اس پورے مرکب پر آپ کو ایک ساتھ کام کرنا ہوگا۔

(تحریک اسلامی کا آئندہ لائحۂ عمل صفحات ۶۶-۷۰)

وہ کم سے کم اصلاحات جو جماعت اسلامی کے نزدیک ملک کے اجتماعی نظام میں لازماً ہونی چاہئیں۔

۱۔ ملک کے پورے نظام تعلیم کو اس لحاظ سے مرتب کیا جائے کہ اس میں ابتداء سے انتہائی مدارج تک ہر علم اور فن کی تعلیم میں خدا پرستانہ نظریہ حیات پیوست ہو جائے اور ہماری ہر قسم کی تعلیم گاہوں سے نئی تعلیم یافتہ نسل عملاً سچی مومن و مسلم بن کر نکلے۔

۲۔ سارے ملک اور ساری قوم کے بچوں کے لئے نظام اور نصاب تعلیم ایک ہو اور اس کے ساتھ اخلاقی و دینی تربیت کا بھی ایک ہی طرح کا انتظام کیا جائے

تاکہ معاشرے اور ریاست کے لئے ایک ہی ذہن کے اور خدا ترس و فرض شناس کارکن و کارفرما تیار ہو سکیں۔

۳۔ مخلوط تعلیم کا طریقہ کُلّیتہً ختم کر دیا جائے اور عورتوں کے لئے ان کی ضروریات کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے مواقع زنانہ درس گاہوں اور یونیورسٹیوں کے ذریعے سے فراہم کیے جائیں۔

۴۔ رمضان اور دوسرے شعائرِ اسلام کا احترام اور نماز کی پوری پابندی کرائی جائے حج پر تمام پابندیوں کو ختم کر کے اس کے لئے مسلمانوں کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں اور مسلم عوام کو اسلامی عقائد، احکام اور تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار کی جائیں تاکہ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔

۵۔ قانون اور انتظام کی تمام طاقتوں اور حکومت کے تمام ذرائع و وسائل سے کام لے کر معاشرے کو ہر قسم کے فواحش اور اخلاقی مفاسد سے پاک کیا جائے اور ان اسباب کو ختم کرنے کی مؤثر کوشش کی جائے جن سے معاشرے میں جرائم اور اخلاقی خرابیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اور فواحش پھیلانے اور ان کو فروغ دینے کے مرتکب عناصر اور اداروں کو سنگین سزائیں دے کر ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔ خاندانی منصوبہ بندی کی پوری اسکیم کو ختم کر دیا جائے اور اس پر ضائع کیے جانے والے وسائل کو ذرائع رزق کو ترقی دینے پر صرف کیا جائے۔

۶۔ شرعی عدالت کا دائرہ اختیارات ملک کے تمام قوانین و معاملات پر محیط کیا جائے تاکہ ملک کا جو قانون و ضابطہ یا کارروائی بھی قرآن و سنّت کے خلاف ہو، لوگ اس کی اصلاح کے لئے اس کی طرف رجوع کر سکیں اور وہ اسے

درست راہ پر ڈال سکے۔

۷۔ حکومت اور اُس کی مقننہ کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ دستور اور قانون کے مطابق شرعی عدالت کے فیصلوں اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات و آراء کو کسی غیر ضروری تاخیر کے بغیر عملی جامہ پہنائے اور ان کے مطابق ملک کے قوانین وضوابط اور دوسری کارروائیوں کو قرآن و سُنّت کے مطابق ڈھالے۔

۸۔ ۱۹۷۳ء کے متفق علیہ دستور میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی متفقہ ترمیم کے سوا اُن تمام ترامیم کو منسوخ کر کے اسے ملک کا دستور بنایا جائے جو بھٹو پارٹی کی حکومت نے من مانے طریق پر اپنی آمریّت کو مستقل اور اُس کے مقابلے میں عوام اور عدالتوں کو بے بس کرنے کے لئے کی تھیں۔ نیز صدر اور وزیرِ اعظم کے اختیارات میں بھی توازن پیدا کر دیا جائے۔

۹۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل علیحدہ اور مکمل طور پر آزاد کر دیا جائے اور کسی شہری کو صفائی کا موقع دیے اور عدالتی فیصلے کے بغیر بنیادی حقوق اور آزادی سے محروم نہ کیا جائے۔

۱۰۔ کوئی سرکاری ملازم جو اپنی آمدنی کے جائز ذرائع اور مالی حیثیت سے بلند معیارِ زندگی اختیار کرے یا جائیداد پیدا کرے اور فرائض کی پابندی اور کبائر سے اجتناب نہ کرتا ہو اس کا بلا تاخیر محاسبہ کیا جائے۔

۱۱۔ سرکاری افسروں کے ظلم و زیادتی اور اختیارات کے بے جا استعمال کی شکایات سننے اور ان کے تدارک کے لئے اعلیٰ اختیارات رکھنے والا ایک محکمہ قائم کیا جائے جو انتظامی بدعنوانیوں اور بے اعتدالیوں کا بروقت تدارک کرے۔

۱۲۔ جیلوں کو دارالعذاب اور جرائم کی تربیت گاہوں کے بجائے قیدیوں کی اخلاقی

و ذہنی اصلاح کی جگہ بنایا جائے۔

۱۳۔ ملک میں ناجائز استحصال کے خاتمے اور وسائل روزگار و دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے سے روکنے اور ملک میں دولت کی عادلانہ تقسیم اور معاشی ترقی کے فوائد میں سب لوگوں کو شریک کرنے کے لئے پاکستان کے معاشی نظام میں اسلامی اصولوں کے مطابق ایسی تبدیلیاں لائی جائیں جن کے نتیجے میں ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس کے دولت مند اور صاحب ثروت حضرات اپنے ملک کے غریب و پسماندہ برادران قوم کے سچے بہی خواہ اور شفیق سرپرست بن کر ان کی محنت مزدوری سے بڑھ کر ان کا حق ادا کرنے والے خدا ترس انسان بنیں اور دوسری طرف غریب و پسماندہ کارکن بھی کام چوری کے بجائے خدا کے روبرو جوابدہی کے احساس کے تحت پوری محنت اور فرض شناسی سے مالک کو اتنا کام کر کے دیں کہ وہ بخوشی ان کی مزدوری کا پورا معاوضہ ادا کر کے اپنے کاروبار کو ترقی بھی دے سکے۔ قومی معیشت کے دونوں عامل ایک دوسرے کے معاون و مددگار اور دل سے خیر خواہ ہوں نہ کہ باہم متصادم و محارب اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرا۔

۱۴۔ سود، سٹہ، جوا، ناجائز ذخیرہ اندوزی، لین دین اور کمائی کے دوسرے تمام ان طریقوں کو منسوخ کر دیا جائے جنہیں اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور دولت حاصل کرنے کے صرف حلال طریقے باقی رہنے دیئے جائیں۔

۱۵۔ زمین کے بارے میں وہ تمام اصلاحات پورے ملک میں عملاً نافذ کر دی جائیں جو مسلم لیگ کی پہلی حکومت کے دور سے بھٹو کی حکومت تک کاغذ پر تو کی جاتی رہی ہیں لیکن عملاً ان کو شاذ و نادر ہی کہیں نافذ کیا گیا ہے۔ اس سے حاصل شدہ اور بنجر زمینوں کو جو اصلاح کے قابل ہوں، انہیں قابل کاشت بنا کر بے زمین

یا گزارسے سے کم زمین کے مالک کاشت کاروں کو دے دیا جائے۔ اور مالک و مزارع اور کارخانہ دار اور مزدور کے حقوق و فرائض شریعتِ الٰہی کے مطابق از سرِ نو مرتب کیے جائیں۔

۱۶۔ کسانوں کو بہتر آلات، بیج اور کھاد وغیرہ کے لئے بلا سود قرضے دیئے جائیں تاکہ وہ زمین سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کر سکیں اور اپنی پیداوار کو منڈی تک پہنچانے کی زیادہ سے زیادہ آسانیاں فراہم کی جائیں۔

۱۷۔ اجارہ داریوں اور کاروباری جتھہ بندیوں کو توڑا جائے اور سرمایہ داروں کو سازباز کر کے قیمتیں مقرر کرنے سے روکنے کے لئے سخت قوانین بنائے جائیں۔ صنعت و تجارت میں باہم مسابقت کو فروغ دیا جائے۔

۱۸۔ ملک میں سردست تنخواہوں کا اسکیل اس طرح تشکیل دیا جائے کہ کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ میں ایک اور دس سے زیادہ کا فرق نہ ہو۔

۱۹۔ علاج کی سہولتوں کو عام اور سستا کرنے کے لئے ایلوپیتھی کی طرح یونانی طب اور ہومیوپیتھی کے شفا خانے بھی سرکاری طور پر قائم کیے جائیں۔ حفظانِ صحت، تیمارداری، وباؤں کی مدافعت، صحت بخش غذا اور فوری طبی امداد کے متعلق ضروری معلومات کو اسکولوں اور مدرسوں کے نصاب میں شامل کر دیا جائے تاکہ ہر تعلیم یافتہ شخص یہ چھوٹے موٹے کام خود کر سکے۔

۲۰۔ غیر مسلم شہریوں کے شہری اور قانونی حقوق اور آزادیاں اور جان و مال اور آبرو کو اسی طرح تحفظ حاصل ہو جو ملک کے اندر کسی دوسرے کو حاصل ہے اور وہ دوسروں کے حقوق پر اثر انداز ہوئے بغیر اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے جس قسم کے قوانین وہ چاہیں بنوا سکیں گے۔ نیز حدود و قانون کے اندر انہیں مذہب، عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہو گی۔

۱۲۔ جماعت کی خارجہ پالیسی بھی اس کی ملکی پالیسی کی طرح اس کے نظریۂ حیات کی آئینہ دار اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہوگی۔

یعنی:

(الف) ہم دنیا میں حق و انصاف کے علمبردار اور ظلم و زیادتی کے مخالف ہوں گے، راستبازی سے خود کام لیں گے اور دوسروں کو اس پر آمادہ کریں گے۔ عہد و پیمان کی خود پابندی کریں گے اور دوسروں کو پاس عہد کی تلقین کریں گے۔

(ب) ہم امن عالم کے خواہشمند ہیں اور اسے برقرار رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ لیکن ہمارے نزدیک امن عالم قائم اور برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں بین الاقوامی انصاف کی ایسی فضا قائم ہو جس میں تمام فرقوں اور ملکوں کو آزادی کے ساتھ ترقی کے کھلے مواقع حاصل ہوں اور کوئی کسی کے جائز حقوق پر نہ دست درازی کرے، نہ کسی کی پُرامن ترقی میں رکاوٹ بنے۔

(ج) ہم دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ دوستانہ تعاون کے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں، مگر کسی ایسے تعلق، دوستی یا اتحاد کے لئے تیار نہیں ہیں جو ہمارے نظریۂ حیات کے خلاف ہو، یا جس سے ہمارے جائز قومی مفاد پر آنچ آتی ہو، یا جس کا ہماری آزادی و خود مختاری پر برا اثر پڑتا ہو اور نہ ہی ہم اپنی تہذیب اور نظریۂ حیات کے خلاف اصولوں کی ملک میں درآمد یا تبلیغ کی اجازت دیں گے۔

(د) اہل کشمیر کو استصواب کے ذریعے حق خود اختیاری دینا اور ہندوستان کی مسلم اقلیت کے ساتھ انصاف کرنا ہمارے نزدیک ہندوستان کے ساتھ تعلقات کی دوستی کے لئے لازمی شرط ہے۔

(۵) عالمِ اسلام کے ساتھ ہم قریب ترین تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس امر کی پوری کوشش کریں گے کہ مسلم ممالک اسلام کی بنیاد پر متحد ہوں اور کم از کم حسبِ ذیل امور میں کوئی مشترکہ لائحۂ عمل بنائیں۔

★ اسلامی تہذیب کا احیاء اور فروغ، اور غیر اسلامی تہذیبوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے اسلامی دنیا کی حفاظت۔

★ تمام مسلم ممالک کے لئے ایک مشترک اور متوازن تعلیمی پالیسی۔

★ متحدہ کوششوں سے مسلمان ملکوں میں اسلحہ سازی کی صنعتوں کا قیام تاکہ یہ ملک دفاع کے معاملے میں خود کفیل ہوں۔

★ مسلمانوں کی مشترک بین الملّی زبان کی حیثیت سے عربی زبان کی ترویج۔

★ مسلم ممالک کے باہمی نزاعات کا تصفیہ کرنے کے لئے ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کے طرز کی ایک عدالت کا قیام۔

★ مسلمان ملکوں کے درمیان آمدورفت کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانا۔

★ مسلمان ملکوں کو ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رکھنے کا انتظام

★ مسلمان ملکوں کے درمیان باہمی تجارت کو فروغ دینے کی تدابیر۔

★ افریقہ کے مسلمانوں کو سہارا دینے کی تدابیر۔

★ مختلف ملکوں کی مسلم اقلیتوں کو ظلم و تشدد سے بچانے کی کوشش۔

۲۲۔ صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں جماعت اسلامی کی پارلیمانی پارٹی قرآن مجید کے تعلیم کردہ اصول "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنی نیکی وبھلائی اور خدا ترسی کے کاموں میں یہ سب سے تعاون کرے گی اور گناہ اور برائی کے کاموں میں کسی کا بھی ساتھ نہیں دے گی" کی پابندی کرے گی۔

(منشور جماعت اسلامی پاکستان برائے انتخابات ۱۹۷۰ء)

جمعیتِ علماءِ پاکستان

تین خصوصیات جمعیت علماءِ پاکستان کو ملک کی دوسری مذہبی سیاسی جماعتوں میں ممتاز کرتی ہیں۔ اوّل یہ کہ جمعیت کے اکابرین نے تحریکِ پاکستان اور قائدِاعظم محمد علی جناح کا کھل کر ساتھ دیا تھا اور ۱۹۴۰ء کی قراردادِ پاکستان سے پہلے بھی اور قرارداد پاس ہونے کے بعد بھی جمعیت نے اپنا سارا وزن اور وقار پاکستان کے پلڑے میں ڈالے رکھا۔ اور ان مذہبی گروہوں اور جماعتوں کا (علمی اور دینی سطح پر) ڈٹ کر مقابلہ کیا جو اسلام یا یک قومی نظریے کی بنا پر پاکستان کی مخالفت کر رہی تھیں۔ دوم، جمعیت کا اسلام بڑی حد تک ایک ترقی پسند، فراخ نظر اور انسان دوست اسلام ہے جس میں تنگ نظری، تشدد اور حرف پرستی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ اور سوم جمعیت علمائے پاکستان نے سیاست کا کھیل ہمیشہ اصولوں کے مطابق کھیلا ہے۔ اس نے اقتدار میں شرکت کی خاطر کبھی سودا بازی نہیں کی۔ وہ بھٹو حکومت کے خلاف پی۔ این۔ اے کی تحریک (۱۹۷۷ء) میں شدومد سے شامل تھی مگر جب مارشل لاء لگ گیا اور پی۔ این۔ اے میں شامل کئی جماعتوں نے نئی حکومت سے تعاون میں جلدی اور تیزی دکھائی حتیٰ کہ اُس کے تحت وزارتوں کی پیشکش بھی قبول کر لی تو جمعیت علماءِ پاکستان (دوسری مثال تحریکِ استقلال کی ہے) ایسی ہر پیشکش سے کنارہ کش رہی اور اس نے اپنے دامن کو وزارتوں اور سفارتوں سے آلودہ نہ ہونے دیا۔ اس طرح جہاں بعض سیاسی

جماعتوں سے پہلے تو مارشل لا کا بھرپور ساتھ دیا اور بعد میں مارشل لاء کو زہرناک قرار دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں جمعیت نے استقامتِ مزاج کا ثبوت دیا۔ اُس نے جس بات کو غلط سمجھا اُسے ہر حال میں اور ہر موقع پر غلط قرار دیا اور اس راہ میں کسی کمزوری یا لغزش پا کا مظاہرہ نہ کیا۔ اس کی ایک حالیہ مثال ۳ مئی کی ایک اخباری رپورٹ ہے جو حسبِ ذیل ہے:

اسلام آباد ۳ مئی (نمائندہ خصوصی) جمعیت علماء پاکستان نے حکومت کی طرف سے شریعت بل کے بارے میں مذاکرات کی دعوت مسترد کر دی ہے۔ جے یو پی کے ذرائع کے مطابق وفاقی وزیر مذہبی امور حاجی محمد سیف اللہ نے جمعیت کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی کو تحریری دعوت نامہ ارسال کیا تھا اور جمعیت کے رہنماؤں نے باہمی مشاورت کے بعد ان مذاکرات میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جے یو پی کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالستار نیازی نے حکومت کو پارٹی کے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ جمعیت کے ترجمان نے بتایا کہ ہماری جماعت غیر جماعتی بنیادوں پر منتخب ہونے والی اسمبلیوں اور حکومت کو تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی نفاذِ شریعت کے سلسلے میں ان سے کوئی توقع وابستہ کی جا سکتی ہے۔ بلکہ موجودہ حکومت کو نظامِ مصطفٰے کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہے۔ ان حالات میں جے یو پی شریعت بل کے مسئلے پر حکومت سے مذاکرات کو بے سود سمجھتی ہے۔

(جنگ لاہور، ۴ مئی ۱۹۸۷ء)

ایسا کھرا اور واضح موقف جمعیت کے اکثر فیصلوں اور اقدامات میں ملتا ہے۔ اس کے منشور کی پہلی شق وا اسلامی پارلیمانی فلاحی حکومت سے متعلق ہے جو متناسب نمائندگی

کے اصول کے تحت قائم ہو۔ دوسری شق نظامِ مصطفیٰ اور مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور تیسری شق، ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں، غذا، لباس، مکان، تعلیم اور صحت کی ضمانت دیتی ہے۔ منشور جاگیردارانہ نظام کا مکمل خاتمہ چاہتا ہے۔ شہروں میں مکان کی تعمیر کو ۶۰۰ مربع گز تک محدود رکھتا ہے اور پورے ملک میں ایک ہی سطح کا تعلیمی نظام رائج کرنے پر زور دیتا ہے۔ جسے پی پی نے ۱۹۸۷ء میں جو منشور اپنے لئے منظور کیا، اس کی چند دفعات درج ذیل ہیں۔

- زمین، محنت، سرمایہ اور دیگر ذرائع پیداوار کو تمام افراد کی بہتری کے لئے کام میں لایا جائے گا۔
- زکوٰۃ عشر اور بلاسود معاشی نظام کو شریعت کے مطابق رائج کر کے قومی معیشت کو مضبوط بنایا جائے گا۔ اور ملک سے بھوک، افلاس اور معاشی ناہمواری کا خاتمہ کیا جائے گا۔
- تنخواہوں کا تناسب ایک اور پانچ کے دائرے میں لایا جائے گا اور ماہرین اقتصادیات کا ایک مستقل کمیشن قائم کیا جائے گا جو اشیائے صرف کی قیمتوں کے پیش نظر حسبِ ضرورت تنخواہوں اور دیگر مراعات کی نئی شرح مقرر کرنے کا کام انجام دیتا رہے گا۔ کم تنخواہ پانے والے اہلکاروں کی تنخواہوں اور دیگر مراعات، مثلاً رہائش وغیرہ کے انتظامات اور پنشن کی رقوم کا تعین اس طرح کیا جائے گا کہ ہر ملازم اور پنشنر باعزت اور باوقار زندگی بسر کر سکے۔
- تنخواہ اور الاؤنس کے علاوہ، رہائش، اندرونِ ملک علاج اور صرف سرکاری کام کے لئے ذرائع آمدورفت اور سفر کے سوا کوئی فرد بشمول صدر، وزیر اعظم کسی اور ذاتی مراعات کا مستحق نہیں ہوگا۔
- ایک محکمہ احتساب عمومی قائم کیا جائے گا جس کا سربراہ عہدے کے لحاظ سے سپریم کورٹ

کے جج کے برابر ہوگا اور جسے پارلیمنٹ مقرر کرے گی اور وہ اُس کے سامنے جواب دہ ہوگا اور اس کے قواعد و ضوابط اسلامی شریعت کے مطابق خود محکمۂ احتسابِ عمومی مرتب کرے گا۔

- چیف جسٹس آف پاکستان کے سفارش کردہ پینل میں سے پارلیمنٹ ایک ایسا ٹریبونل تشکیل دے گی جو ان سربراہانِ حکومت، وزراء، عوامی نمائندوں اور سرکاری ملازمین کے خلاف مقدمات کی سماعت کرے گا جو محکمۂ احتسابِ عمومی ان کے خلاف ٹریبونل میں پیش کرے۔ اس ٹریبونل کو عدالتِ عالیہ کے اختیارات ہوں گے۔ اس کے فیصلے کے خلاف اپیل صرف سپریم کورٹ میں کی جا سکے گی۔
- سودی معیشت کا مکمل خاتمہ اور ہر قسم کے سودی لین دین پر مکمل پابندی۔
- خود کفیل معیشت کے لئے مثبت اقدامات کئے جائیں گے تاکہ بیرونی قرضوں پر انحصار ختم ہو سکے۔
- کلیدی اور دفاعی صنعتوں کا قومی شعبے میں قیام
- سرکاری افتادہ زرعی زمینوں کی ملکیت اسلامی قوانین کے مطابق اسی کی ہوگی جو اسے آباد کرے گا۔
- سیاسی رشوت کے طور پر جنرلوں، فوجی افسروں، نوکر شاہی کے کارندوں، سیاستدانوں، جاگیرداروں اور دیگر خوشامدیوں کو جو زمینیں دی گئی ہیں انہیں واپس لے کر ہاریوں، کسانوں اور کم اراضی کے مالکان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس طرح بڑے زمینداروں نے زرعی اصلاحات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جو زمینیں چھپا رکھی ہیں یا مختلف حیلوں بہانوں سے اس کا مفاد خود حاصل کر رہے ہیں۔ تحقیقات کے بعد وہ بھی بے زمین ہاریوں اور کسانوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ اور اس طرح جاگیرداری کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے گا۔

- پاکستان میں ہر محقق اور موجد کی بھرپور سرپرستی کی جائے گی۔
- حکومت ایک ایسا نظام قائم کرے گی کہ اندرونی اور بیرونی تجارت پر حکومت کا کنٹرول کم سے کم کر لیا جائے۔
- ریڈیو اور ٹی وی کارپوریشنوں کو قومی اسمبلی کے ایک ایسے ادارے کے سامنے جوابدہ ٹھہرایا جائے گا جس میں حکمران پارٹی کے علاوہ حزبِ اختلاف کو بھی نمائندگی حاصل ہوگی۔
- دنیا کی بڑی طاقتوں امریکہ، روس کی کشمکش سے الگ رکھا جائے گا۔
- سامراجیت اور استعماری نظام کے خاتمے کے لئے انتہائی کوشش کی جائیگی۔
- ہماری امداد و تائید ہمیشہ مظلوم قوموں کے ساتھ ہوگی، غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کی معاشی آزادی کے لئے جدوجہد کی جائے گی۔
- ملک میں علمی و فکری نشوونما کے لئے جگہ جگہ لائبریریاں قائم کی جائیں گی۔
- نظریہ پاکستان اور تحریکِ پاکستان سے متعلق ایسی نصابی کتب تیار کی جائیں گی جس میں ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک تحریکِ پاکستان کے صحیح عوامل و حقائق بیان ہوں۔ ان اکابر علماء اور قائدین کا خصوصی ذکر ہوگا۔ جنہوں نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

غور کیجئے کہ اگر یہ نظام مصطفےٰ ہے تو کسی ہوش مند شخص کو اس سے اختلاف کیا ہو گا۔

ہم اس باب کے ساتھ جمعیت علماء پاکستان کا منشور درج کر رہے ہیں جو پارٹی کی مرکزی مجلس شوریٰ نے جولائی ۱۹۷۰ء میں منظور کیا تھا۔ اس کے آغاز میں وہ پیش لفظ بھی ہے جو جمعیت کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالستار نیازی کا لکھا ہوا ہے اور جس میں جے یو پی کی مختصر تاریخ بھی درج ہے۔ تاہم نیازی صاحب کے "پیش لفظ"

کے بارے یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاکستانی مسلمانوں کے جو تین طبقے بیان کئے ہیں، ان میں مبالغے کا عنصر موجود ہے۔ قرآن وسنّت کے حقائق برحق اور اسلام کی بنیادی قدروں کی سچائی تسلیم لیکن تاریخ کا سارا بوجھ اگر آپ اپنی پیٹھ پر لاد کر چلیں گے تو جدید عہد میں چند قدم چل کر آپ کا سانس پھول جائے گا۔ اور آپ تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔ آگے بڑھنا ہے تو اتنا بوجھ اٹھائیے جو ضروری اور لابدی ہے۔ ماضی کا جو حصّہ لائق تحسین ہے ضروری نہیں کہ وہ سارے کا سارا عہد حاضر میں بھی لائق تقلید ہو۔ عہد حاضر کے اپنے تقاضے بھی تو ہیں جن کو نظرانداز کرنا مقصودِ اسلام نہیں!! پیشِ لفظ میں

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس (اقبالؒ)

پر جس قدر زور دیا گیا ہے اتنا ہی زور اب ایک اسلامی ریاست میں وحدتِ انسانی پر دینا ہوگا کیونکہ اقبالؒ کے نزدیک اسلامی ریاست کا عہدِ جدید میں پہلا تقاضا انسانی وحدت کا استحکام Human solidarity ہے۔ اس غرض کے لئے ماضی کے متعلق مختلف رویّوں کی گنجائش باقی رہنی چاہیئے۔ ماضی کا ایک حصہ مستقبل کی تعمیر میں ضرور شامل ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے لیکن اگر سارا ماضی مستقبل میں داخل ہو گیا تو وہ ماضی ہو کر رہ جائے گا مستقبل نہیں ہوگا۔ اس نکتے کا ملحوظ رکھنا ہر تعمیر نو کے لئے از بس ضروری ہے۔ منشورِ ملّی اسلام کی جو تعبیر ہے، وہ بڑی حد تک اعتدال اور انصاف پر مبنی ہے۔

پیش لفظ

برصغیر پاک وہند میں اہلِ سنّت وجماعت کے عقیدہ ومسلک کی مسلسل ساڑھے گیارہ سو سال حکمرانی رہی ہے۔ اس طویل عرصے میں اہل سنت وجماعت کا تشخص بطور قوتِ حاکمہ کے ہمیشہ یہ رہا کہ زیرِ تصرف مملکت میں قوتِ اقتدار کا مقصدِ اوّلین شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی اور اعلائے کلمۃ الحق۔

دورِ زوال میں جب مسلمانوں کے اندر قبائلی اور علاقائی تعصبات بھڑک اُٹھے تو قوت اجتماعیہ میں زبردست دراڑیں پیدا ہوگئیں۔ مرکز کمزور ہوگیا اور صوبہ جات عملاً مطلق العنان ہوگئے۔ اس خانہ جنگی اور باہم آویزی نے اقتدار کے لئے چپقلش پیدا کردی اور بنیا، برہمن، فرنگی اور غدارانِ ملّت کے تگڈم نے کہیں میر جعفر، لارڈ کلائیو اور امی چند کی ارواح خبیثہ کی شکل میں ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں ملّتِ اسلامیہ کے نمائندہ سراج الدولہ کی شکست کا سامان فراہم کیا تو ۱۷۹۹ء میں لارڈ ولزلی (فرنگی) پورنیا (بنیا برہمن کے بزدل) اور میر صادق (غدارِ ملت) کے تگڈم نے اسلام کے مجاہد ٹیپو سلطان شہیدؒ کے مقابلے میں آکر حق وباطل کے معرکہ میں باطل کی ہمنوائی کی۔ علیٰ ہذا القیاس ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے بہادر شاہ ظفرؔ کے مقابلے میں غدارانِ ملّت مرزا الٰہی بخش، جاٹ مل (بنیا برہمن) اور لارنس نکلس وغیرہ (فرنگی) کے تگڈم نے ابلیسی کردار ادا کرکے سقوطِ دہلی کے لئے میدان ہموار کیا۔

جنگ آزادی میں علامہ فضل حق خیرآبادیؒ، احمد اللہ شاہ مدراسیؒ، اور جنرل بخت خان جیسے شمعِ رسالت کے پروانوں نے باطل قوتوں کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد آج تک ایک طرف علامہ فضل حق خیرآبادیؒ کے جانشینوں نے فرنگی استعمار کو ختم کرنے کے لئے جہدِ مسلسل

سے مجاہدانہ کردار ادا کیا اور دوسری طرف فرنگی کے حامیوں نے استعمار کے وفادار اجیروں کی طرح عذر و نفاق کا پارٹ ادا کیا۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی اور اس کے جانشینوں نے فرنگی کی حمایت کی اور علامہ فضل حق خیر آبادیؒ کے نقش قدم پر چلنے والے مجاہدوں نے باطل قوتوں کا مقابلہ کیا، اہل حق و صداقت کی یہ جدوجہد قیام پاکستان تک اجماع اہل سنت کے ماتحت جاری رہی، حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت احمد رضا خان بریلویؒ ان کے رفقاء اور خلفاء نے اسے سُنّی کانفرنس کے نام سے آگے بڑھایا۔ مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہم نے مسلمانوں کے جُداگانہ وجود اور امتیازی تشخص کے لئے استخلاص وطن اور حق خود ارادیت کے نام سے تحریک کا آغاز کیا جو بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔ اس کے مقابلے میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کے جانشینوں نے انگریز سے موالات کے بعد ہندو کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا اور عصر حاضر میں جمعیت علمائے ہند نے موہن داس کرم چند گاندھی کے ساتھ مل کر دین کے بجائے وطن کو اساس اجتماعیت قرار دیا اور برصغیر کے چالیس کروڑ مسلموں اور غیر مسلموں کو متحدہ قومیت میں ضم کر کے اسلام کی بالادستی اور برتری کو عملاً ترک کر دیا۔ ان نا دانوں نے سابرمتی آشرم کے سامری مسٹر گاندھی کی پڑھائی ہوئی منطق میں مسلم اکثریت کے صوبوں کو بھی فیڈریشن میں شامل کر کے بے اثر بنا دینا چاہا۔ دفاع، خزانہ، رسل و رسائل اور مواصلات کو مرکز کے سپرد کر دیا جائے تو بنگال، آسام، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کی حیثیت میونسپل کمیٹیوں کی سی رہ جاتی ہے۔ اور یوں دس کروڑ مسلمانوں کی تباہی کا سامان کرنا چاہا۔ اگر پاکستان وجود میں نہ آتا تو دس کروڑ پاکستانی مسلمانوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو آج بارہ کروڑ بھارتی مسلمانوں کا ہو رہا ہے۔

متحدہ قومیت کے اس جاہلانہ تصور کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جب مولوی حسین احمد مدنی کا یہ بیان پڑھا کہ،

"قومیں اوطان سے بنتی ہیں"
تو کرب واضطراب میں تلملا کر مندرجہ ذیل اشعار اُن کی زبان پر آ گئے۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سُرود برسرِ منبر کہ ملّت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

ہندو فرقوں کے ساتھ مل کر متحدہ قومیت بنانے میں کانگریس کے علاوہ فرنگی استعمار کے گماشتوں اور نمائندوں، بالخصوص لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈ کلف نے بھی تحریک پاکستان کی مخالفت کرتے ہوئے وہ گھناؤنا کردار ادا کیا جو تاریخ عالم میں فرنگی قوم کے لئے مستقلاً روسیاہی کا باعث بنا رہے گا۔

علماءِ اہلِ سنت جماعت نے اجمیر شریف، مراد آباد، لکھنؤ، دہلی اور بالآخر ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں سنی کانفرنس منعقد کر کے اُمّتِ محمدیہ کو خیر الاُمم کا مستحق بنانے کے لئے اپنی مساعی جاری رکھیں۔ بنارس میں سنی کانفرنس اس ساری جدوجہد کا نقطۂ عروج تھا جس میں محدث علی پوری، پیر سید جماعت علی شاہؒ، شیخ الاسلام صاحبزادہ حافظ محمد قمر الدین سیالویؒ، پیر آف گولڑہ شریف، مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ، سید محمد احمد محدث کچھوچھوی، صدر الشریعت مولانا امجد علیؒ (مصنف بہارِ شریعت) غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ، ابوالحسنات مولانا محمد احمد قادریؒ، مولانا عبدالحامد بدایونی قادریؒ، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادریؒ جیسے اعاظم رجالِ ملت نے برصغیر میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے احیاء اور سطوتِ ماضیہ کے قیام

کے لئے تحریک پاکستان کی قلندرانہ انداز میں حمایت کا اعلان کرتے ہوئے یہاں تک فرما دیا کہ:

"خدانخواستہ اگر قائداعظم محمد علی جناحؒ بھی مطالبۂ پاکستان سے ہٹ جائیں تو بھی ہم اس مطالبے سے دستبردار نہیں ہوں گے۔"

نیز اس موقع پر مملکتِ پاکستان کے لئے آئین وقانون مرتب کرنے کی خاطر ایک تیرہ رُکنی کمیٹی بھی قائم کردی۔

بنارس سُنّی کانفرنس کے بعد اس کی تائید میں کراچی میں سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس طرح سے برِصغیر کے سوادِاعظم اہل سنت وجماعت نے قیامِ پاکستان کے لئے عزم بالجزم کا اظہار کردیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد سنی کانفرنس کو جمعیت علماءِ پاکستان میں بدل دیا گیا۔ اور ۱۹۴۸ء میں ایک عظیم الشان کنونشن میں جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ بانی صدر، اور غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

جمعیت علماءِ پاکستان نے دولتِ خداداد پاکستان میں مقامِ مُصطفیٰؐ کے تحفظ اور نظامِ مصطفیٰؐ کے نفاذ کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ جہادِ کشمیر ۱۹۴۷ء و ۱۹۴۸ء، ۱۹۴۹ء کی قراردادِ مقاصد، ۱۹۵۳ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت اور ۱۹۵۶ء میں تدوینِ دستورِ پاکستان کے لئے اس نے عظیم الشان پیش کیں۔ قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں اور دار ورسن تک پہنچے۔ اس کے بعد ملک کے اندر شہری آزادیوں کی بحالی اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بالادستی کے لئے سارے ملک میں کانفرنسیں منعقد کیں۔

۱۹۷۰ء میں جب سُرخ استعمار کی شہ پر کمیونسٹوں نے اُودھم مچایا اور "ایشیا سرخ ہے"، "ایشیا سُرخ ہے" کے نعرے لگانے شروع کئے، تو ۱۹۷۰ء میں دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے اندر ایک آل پاکستان سُنّی کانفرنس منعقد کرکے اشتراکی فتنے کی تہ بہ تہ سازشوں کو

بے نقاب کر کے انہیں فنا کے گھاٹ اتارا۔ اس سال جمعیت علماء پاکستان کو وسیع پیمانے پر منظم کیا گیا۔ شیخ الاسلام حافظ خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ اس کے صدر اور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نائب صدر منتخب ہوئے اور مولینا سید محمود احمد رضوی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ اسی سال عمومی انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان نے حصہ لیا اور آٹھ سیٹیں حاصل کر لیں۔ جمعیت علماء پاکستان نے تھوڑے عرصے میں اتنی اہمیت حاصل کر لی کہ وزارت عظمیٰ کے انتخابات میں متحدہ جمہوری محاذ نے علامہ شاہ احمد نورانی کو اپنا متفقہ امیدوار نامزد کیا۔

۱۹۷۴ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوبارہ شروع ہونے پر علامہ شاہ احمد نورانی، مولینا محمود احمد رضوی، مولانا عبدالستار خان نیازی اور ان کے رفقاء نے شاندار خدمات سرانجام دیں۔ بالآخر قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی کی مساعی جمیلہ سے قادیانیوں کے متعلق نیشنل اسمبلی میں قرارداد منظور ہوئی جس نے بالآخر آئینی ترمیم کی شکل اختیار کر لی اور مسلمان کی تعریف میں عقیدۂ خاتمیت کو جزو لازم قرار دیا گیا۔ آج تک اسی ترمیم نے کفر و اسلام کے مابین ایک واضح حدِ فاصل قائم کر رکھی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں جب تحریک نظام مصطفیٰ چلی تو اس میں جمعیت علماء پاکستان نے سب سے زیادہ قربانیاں پیش کیں اور جب اکثر جماعتوں نے اسلام یعنی نظام مصطفیٰ کو منتہائے مقصود بنانے کے بجائے اسلام آباد کو اپنی منزل قرار دے دیا۔ اور نامزد وزارتوں میں شامل ہو گئے تو جمعیت علمائے پاکستان اپنے اصول پر قائم رہی اور وزارتوں کی پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ علیٰ ہذا القیاس ۱۹۸۱ء میں جب صدر مملکت نے مجلس شوریٰ کی نامزدگی اور صوبہ جات اور مرکز میں وزارتوں کا تقرر کیا تو اس موقع پر بھی جمعیت علماء پاکستان نے

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

کہہ کر عطائے تو بہ لقائے تو کا نعرۂ مستانہ بلند کیا اور آزمائش کی ہر گھڑی میں یہ جماعت کندن بن کر نکلی ۱۹۸۵ء سے لے کر آج تک آمر مطلق نے ریفرنڈم اور عمومی انتخابات کا جو ڈھونگ رچایا اُسے ایک لمحہ کے لئے وقعت نہ دی اور اسے ڈھونگ سمجھا۔ ۱۹۸۵ء میں صدر کے خود ساختہ آئین کے ماتحت قائم شدہ حکومت اپنی پانچ سالہ میعاد پوری کرنے پر مُصر ہے، اپوزیشن اِن انتخابات کو خلافِ آئین سمجھ کر بلا تاخیر آئین ۱۹۷۳ء کے ماتحت نئے انتخابات کا مطالبہ کر رہی ہے۔ جمعیتِ علماءِ پاکستان اس مطالبے میں سب سے بڑھ کر عزم بالجزم اور کوہ شگاف ارادے پر ڈٹی ہوئی ہے۔

ملک میں ساری جدوجہد کے اندر جو جماعتیں حصہ لے رہی ہیں انہیں تین طبقات میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

اوّل: وہ گروہ جو دل سے نظریۂ پاکستان اور نظریۂ اسلام کو نہیں مانتا، اوٹ پٹانگ تاویلیں کرتا ہے، رائے عامہ کے دباؤ اور خوف سے کھلم کھلا اپنے کفر کا اعلان نہیں کر سکتا۔ اس طبقے کو ست

کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو

کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا: طبقہ ان جماعتوں پر مشتمل ہے جو دین کو آقا نہیں مانتا بلکہ اسے اپنی پست سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سیاست، معیشت، تہذیب، تمدن، معاشرت، اور بین الاقوامی نظریات پر اسلام کی حکمرانی نہیں۔ جب یہ طبقہ مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو اسلام کی دہائی دیتا ہے، لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو اسلام کو اپنے پروگرام سے خارج کر دیتا ہے۔

تیسرا طبقہ: ان جماعتوں پر مشتمل ہے جو زندگی کے ہر مسئلے میں اسلام کو حکم مانتا ہے، مگر مصیبت یہ ہے کہ اگر بعض قرآن کو منبعِ حق وصداقت مانتے ہیں تو سُنّت کو خارج

کر دیتے ہیں، جو سنّت کو کتاب اللہ کے ساتھ شامل کرتے ہیں وہ فقہ کو خارج کر دیتے ہیں۔ اور جو فقہ کو بھی شامل کرتے ہیں تو اس میں اجماعِ اُمّت کو اہمیت نہیں دیتے، کچھ سُنّتِ صدیقین کے انکاری ہیں تو کچھ سنت خلفائے راشدین کے۔ کچھ شیخین کریمین کو مانتے ہیں، مگر یہ خارجی دوسرے دو کو نہیں مانتے۔ کچھ ایک کو مانتے ہیں، مگر رافضی بن کر پہلے تین خلفاء کو نہیں مانتے۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیارِ حق نہیں مانتے، کچھ تابعین اور تبع تابعین کے اجتہاد کو وقعت نہیں دیتے، اور بعض بدبخت ایسے ہیں جو صلحائے امت، سلف صالحین اور اولیائے کاملین کے طرزِ زندگی سے انحراف کرتے ہیں۔ اور یوں اہلِ اسلام میں ان تحریفی، انحرافی، اعتزالی اور خروجی طبقات نے انتشار، افتراق اور باہم آویزی کی مصیبت پیدا کر رکھی ہے۔ اس لئے یہ لوگ کسی طرح بھی ملّت کے اجتماعی مفاد کے ترجمان نہیں ہو سکتے۔

ان سب طبقات سے ہٹ کر سوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت ملک کی غالب اکثریت پر مشتمل ایسی تنظیم ہے جو سیاست میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوت، معیشت میں مساواتِ محمدی اور اعتقادی لحاظ سے مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کی علمبردار ہے اور کتاب، سُنّتِ رسول، سُنّت صدیقین، سنت خلفائے راشدین، سُنّت تبع تابعین، سُنّت شہداء، سنت صالحین وائمہ اہلِ بیت، ائمہ فقہ، ائمہ علم کلام، ائمہ حدیث، ائمہ تصوّف اور اجماعِ اُمّت تمام کو آئینی، قانونی، دینی، تہذیبی، تمدّنی، معاشی، معاشرتی اور بین الاقوامی معاملات ومسائل میں اپنے لئے واجب الاتباع تصور کرتی ہے۔ یہ ملک کے اندر ایک روحانی، فلاحی مملکت کو اپنا نصب العین قرار دے چکی ہے۔ اس کا ماٹو۔

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مُبین ایں است وبس

الغرض جمعیت علماءِ پاکستان ہی وہ جماعت ہے جو عصرِ حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور ملک کی سالمیت، وحدت و استحکام کے ساتھ ساتھ ایک حق و صداقت کی علمبردار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معاشرہ قائم کر کے اقوام عالم کی قیادت و سربراہی اور عالم اسلام کی اخوّت کا سامان فراہم کر سکتی ہے۔ آئندہ صفحات میں اس کا منشور پیش کیا جاتا ہے۔

محمد عبدالستار خان نیازی

منشور کے بنیادی نکات

- اسلامی، پارلیمانی، فلاحی حکومت کا، متناسب نمائندگی کے اصول کے تحت قیام۔
- نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر شعبۂ زندگی میں مکمل نفاذ اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ۔
- ملک کے ہر شہری کے بنیادی حقوق کا تحفظ اور عدالتی ضمانت۔
- ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں، غذا، لباس، مکان، تعلیم اور صحت کی مکمل ضمانت۔
- تمام غیر اسلامی اور غیر جمہوری قوانین کا خاتمہ۔
- بے روزگاری کا انسداد، افرادی قوت کی مناسب تنظیم، منافع میں مزدوروں کی شرکت۔
- تنخواہوں میں فرق کو کم سے کم کرنا، کم تنخواہ پانے والوں کے لئے مناسب انتظام کرنا۔
- عام لوگوں کی قوت خرید اور اشیائے ضرورت کی قیمت فروخت میں توازن پیدا کرنے کے لئے ایک مستقل جائزہ کمیٹی کا قیام۔
- جاگیردارانہ نظام کا مکمل خاتمہ، ملک کی لاکھوں ایکڑ اراضی کو قابل کاشت بنا کر بے زمین یا گزارہ یونٹ سے کم زمین رکھنے والوں میں تقسیم کرنا، ہاریوں اور کسانوں کے حقوق کا مکمل تحفظ۔
- دیہی علاقوں کے سب گھر افراد کو کم از کم سات مرلے پلاٹ کی فراہمی اور مکان کی تعمیر کے لئے قرض حسنہ جاری کرنا۔ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینا۔
- شہروں میں زیادہ سے زیادہ ۶۰۰ مربع گز پر مکان کی تعمیر کی اجازت دینا۔
- دیہاتوں کو اس طریقے پر ترقی دینا کہ آبادی کا شہروں میں منتقل ہونے کا رجحان کم

سے کم ہو جائے۔

- مزدوروں کو انجمن سازی اور سودا کاری کا غیر مشروط حق۔ ان کے تمام بنیادی حقوق کا تحفظ۔
- پریس اینڈ پبلیکیشن سے متعلق تمام غیر جمہوری قوانین کا خاتمہ۔
- پورے ملک میں ایک ہی سطح کا تعلیمی نظام۔ ثانوی درجے تک تعلیم مفت اور پرائمری سطح تک تعلیم لازمی۔
- ہر نوجوان کے لئے لازمی فوجی تربیت، فوج میں صوبائی کوٹے کا قیام۔
- عالم اسلام کے اتحاد کی کوشش مسئلہ کشمیر، مسئلہ فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کے لئے قابل عمل اقدام۔
- بالکلیہ آزاد عدلیہ کا قیام جو بلا روک ٹوک انصاف کے تقاضے پورے کر سکے۔
- خواتین کے جائز حقوق کا تحفظ۔
- سقوط مشرقی پاکستان کی از سر نو تحقیقات۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تا ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کے مارشل لاء دور کے جرائم کی تحقیقات۔
- نوکر شاہی اور پولیس کے نظام میں انقلابی تبدیلی۔
- ہر سطح پر احتساب کا مؤثر نظام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منشور جمعیتِ علماءِ پاکستان

ابتدائیہ

جمعیتِ علماءِ پاکستان کے اراکین اپنے اس عقیدے کا اعلان کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اُسی کا حکم پوری انسانیت کے لئے واجب التعمیل ہے۔

حضورِ اکرم، نورِ مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمان کا سرمایہ ہے اور مقامِ مصطفےٰ کا تحفظ اور عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی ہمارا دینی فریضہ ہے۔

ہم پاکستان میں نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے علمبردار ہیں، جس کی بنیاد خلافت علیٰ منہاج النبوت (یعنی خلافت راشدہ)

ہمارے نزدیک اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر پہلو میں ہر لحاظ سے غیر مشروط طور پر اپنانے اور نافذ کرنے کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تعبیر سے متعلق ہر اختلاف سلف صالحین کی فقہی رہنمائی میں اجماع سے طے کرانا واجب ہے قرآن مجید یا اسلام کی کوئی ایسی تعبیر قابلِ قبول نہیں ہوگی جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم یا فقہ حنفیہ سے انحراف کرکے پیش کی جائے۔

ہم پاکستان کے روشن مستقبل پر پورا یقین رکھتے ہیں یہ سرزمین اللہ کے فضل و کرم

سے قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ ان وسائل کو ملک اور قوم کی بہتری کے لئے جاں فشانی اور دیانت داری سے بروئے کار لانا ضروری سمجھتے ہیں جنہیں بدقسمتی سے پامال کیا جا رہا ہے۔

لہٰذا ہم عہد کرتے ہیں کہ:

ہم اس ملک میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا تاخیر نافذ کریں گے تاکہ تمام ناروا پابندیوں، خوف وہراس، معاشی بدحالی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

مقاصد!

جمعیت علماء پاکستان اس ملک میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لئے کوشاں ہے اور اسی نے پوری قوم کو اس مقدس پروگرام سے سب سے پہلے واضح طور پر آگاہ کیا۔

اس منزل کے حصول کے لئے ہم درج ذیل بنیادی مقاصد کی جد وجہد کا عزم کرتے ہیں۔

۱۔ پاکستان میں قرآن وسنت کی مکمل پابندی کی جائے گی اور ہر مسلمان کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اسلامی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کر سکے، تاکہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل پا سکے۔

۲۔ ملک کے تمام باشندوں کو مساوی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جائے گی۔

۳۔ ملک کے مختلف حصوں میں بسنے والوں کے مابین محبت واخوت اور ہمدردی کے جذبات بیدار کیے جائیں گے۔ تاکہ نسلی، لسانی، علاقائی، فرقہ وارانہ اور طبقاتی تعصبات کا خاتمہ ہو۔

۴۔ ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جائے جس میں ہر فرد سے انصاف ہو اور ملک کے مختلف حصوں کے باشندوں کے درمیان پایا جانے والا موجودہ تفاوت کم سے کم

مدت میں ختم ہو جائے۔

۵۔ ظلم و استحصال اور ناانصافی کی ہر شکل کو مٹایا جائے گا۔

۶۔ زمین، محنت، سرمایہ اور دیگر ذرائع پیداوار کو تمام افراد کی بہتری کے لئے کام میں لایا جائے گا۔

۷۔ روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کی قیمتوں کو عام آدمی کی قوتِ خرید کے اندر رکھنے کے لئے جامع منصوبہ بندی کی جائے گی۔

۸۔ ہر شہری کو غذا، لباس، مکان، تعلیم اور علاج کی فراہمی کی ضمانت دی جائے گی تاکہ ایک اسلامی فلاحی مملکت تسلیم پا سکے۔

۹۔ ہر شہری بلا امتیازِ عہدہ و مرتبہ قانون کی نظر میں یکساں ہو۔ ایک ایسی آزاد عدلیہ قائم کی جائے گی جو کسی دباؤ کے بغیر انصاف کے تقاضے پورے کر سکے۔

۱۰۔ خواتین کو شریعت کے مطابق ان کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی حقوق دیئے جائیں گے تاکہ وہ معاشرے میں تعمیر میں مردوں کے ساتھ ساتھ مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

۱۱۔ ہماری یہ انتہائی کوشش ہوگی کہ ملک کے تمام عہدوں پر وہی افراد فائز ہو سکیں جو بددیانتی سے پاک ہوں اور خود اپنی عملی زندگی سے ایمانداری، کفایت شعاری، عمدہ اخلاق اور سادہ بود و باش کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کریں۔

۱۲۔ ایک ایسی آزاد خارجہ پالیسی اختیار کی جائے گی جو قومی امنگوں کے مطابق ملکی مفاد اور مکمل امن و سلامتی اور حقوقِ انسانی کی ضامن ہو۔ مسلم ممالک کے ساتھ نہایت قریبی دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کو فروغ دینے اور عالمِ اسلام کے اتحاد کو مضبوط تر بنانے کے لئے ایسے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے تاکہ ایک ایسا اسلامی بلاک تشکیل پا سکے جس کی ایک مشترکہ پارلیمنٹ ہو، جو اُمتِ مسلمہ کے اجتماعی مفادات بالخصوص معاشی، سیاسی اور دفاعی معاملات سے متعلق ایک قابلِ عمل مشترکہ پالیسی

وضع کر سکے۔

۱۳۔ جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں گے، تاکہ وہ اقوامِ متحدہ کی قرارداد کی روشنی میں آزادی کے ساتھ اپنے حق کا استعمال کر سکیں۔

۱۴۔ قبائلی علاقوں کے باشندوں کو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق دیا جائے گا۔ اور آزاد قبائل کی ترقی اور تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

۱۵۔ طلباء اور نوجوانوں کے مسائل پر خصوصی توجہ دی جائے گی اور ان کے روزگار کا خاص نظامِ کار وضع کیا جائے گا۔

۱۶۔ ہر صحت مند اور کام کے قابل تشخیص کے لئے روزگار کی فراہمی کا انتظام کیا جائیگا۔

۱۷۔ پاکستان میں معروف پارلیمانی طرز حکومت قائم کی جائے گی جو اسلامی شورائی نظام سے مطابقت رکھتی ہو جس کے انتخابات میں امیدواروں کے مقررہ حد سے زائد اخراجات پر پابندی ہو گی، اور ہر شخص اپنا حق رائے دہی مکمل آزادی سے استعمال کر سکے گا۔

۱۸۔ تمام عدالتیں اپنے فیصلوں میں شریعتِ محمدی کی پابند ہوں گی۔

۱۹۔ مزارعین، زرعی، صنعتی مزدور، غیر مالک کاشت کار اور چھوٹے دکان دار جو اس ملک کا حقیقی سرمایہ ہیں، ان کے مسائل کے حل کو اولیت دی جائے گی۔

۲۰۔ ملکی انتظامیہ کی موجودہ خرابیوں کو دور کر کے ایک ایسا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا جائے گا کہ اس کا ہر رکن دینی اور جمہوری تقاضوں کے مطابق قوم کا خادم بن کر اپنا فریضہ انجام دے سکے۔

۲۔ دستور

۱۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی ان تمام ترامیم کو منسوخ کر دیا جائے گا جن

سے بنیادی حقوق متاثر ہوئے ہوں، یا وہ شریعت سے متصادم ہوں۔

۲۔ صدر، وزیراعظم اور دیگر مرکزی اور صوبائی ارکانِ حکومت کے وہ تمام اختیارات ختم کردیئے جائیں گے۔ جو حکومت میں نیابت اور امانت کے اسلامی اصولوں سے متصادم ہوں۔ یا جن کے ذریعے انہیں عام ملکی قوانین سے بالاتر قرار دیا گیا ہو۔

۳۔ اس امر کی ضمانت دی جائے گی کہ کسی شہری کی آزادی شواہد و ثبوت کے بغیر سلب نہ کی جائے۔

۴۔ متناسب نمائندگی کے اصول پر ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا جمہوری عمل جاری رکھنے کی ضمانت دی جائے گی۔

۵۔ صوبوں میں احساس محرومی ختم کرنے کے لئے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔

۶۔ اردو کو سرکاری زبان کے طور پر عملاً نافذ کیا جائے گا۔ عربی کو فروغ دیا جائے گا اور علاقائی زبانوں کو ان کا جائز مقام دیا جائے گا۔

۳۔ ملکی قوانین

۱۔ غیر اسلامی اور غیر جمہوری قوانین منسوخ کردیئے جائیں گے۔

۲۔ عدالتی نظام میں اس طرح اصلاح کی جائے گی کہ ایک جامع مؤثر اور آزاد نظامِ عدل ہر شہری کو بلا تاخیر انصاف مہیا کرنے کی ضمانت دے سکے۔

۳۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے دستوری فیصلے کو مؤثر بنانے کے لئے فوری طور پر ضروری قانونی قواعد وضوابط مرتب کیے جائیں گے۔

۴۔ شرعی اوامر اور نواہی کو قانونی شکل دے کر عملاً نافذ کیا جائے گا۔

۵۔ اسمگلنگ، منشیات کے کاروبار اور ملاوٹ کے مجرموں کو عبرت ناک سزا دی جائے گی

۴۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب کی تحقیقات

ایک اعلیٰ اختیارات کا حامل عدالتی تحقیقاتی کمیشن قائم کیا جائے گا، جو ۱۹۷۱ء کے سانحۂ مشرقی پاکستان کی ذمے داری کا تعین کرے گا اور اس کے ذمہ دار افراد پر مقدّمات چلا کر عبرت ناک سزائیں دی جائیں گی۔

۵۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تا ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کے معاملات کی تحقیقات

ایک اعلیٰ اختیاری عدالتی کمیشن مقرر کیا جائے گا جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تا ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کے مندرجہ ذیل معاملات کی چھان بین کرے گا اور بدعنوانیوں کے مرتکب ذمہ دار افراد پر حکومت مقدمہ چلا کر عبرت ناک سزا دے گی تاکہ آئندہ اس قسم کی ملک دشمن حرکات کا ازالہ ہو سکے۔

(الف) جو اختیارات عدالتِ عظمیٰ نے ۱۹۷۷ء میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو دیئے تھے ان سے کس حد تک تجاوز کیا گیا۔ اور کون افراد اس حد تک ملوث تھے۔

(ب) چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے دوبار انتخابات کیوں ملتوی کیے۔ اس التواء کے ذمے دار کون تھے۔

(ج) سیاچین گلیشیر پر بھارتی افواج نے کیوں اور کس طرح قبضہ کیا؟ اس سانحہ کے ذمہ دار کون افراد ہیں؟

(د) مارشل لاء کے دوران سیاسی اور غیر سیاسی سطح پر جو بھی ظلم زیادتی اور بدعنوانیاں کی گئی ہیں اس کی تحقیقات

۶۔ انتظامیہ!

۱۔ انتظامیہ کو نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات اور تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری اصلاحات اور تعمیری تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں گی۔

۲۔ سرکاری ملازموں کو ملازمت کا تحفظ دیا جائے گا اور کسی بھی ملازم کو صفائی کا موقع دیئے بغیر ملازمت سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا۔ نئے انتظامی ڈھانچے میں ماہرینِ فن اور پیشہ ورانہ قابلیت کے افراد کو اہمیت دی جائے گی، فنی اور

پیشہ ورانہ وزارتوں اور محکموں کے اعلیٰ عہدیدار، ترجیحی بنیاد پر متعلقہ فن اور پیشے سے لیے جائیں گے۔

۳۔ سرکاری محکموں سے رشوت، خیانت، نااہلی، کام چوری اور دوسری بدعنوانیوں کو دور کرنے کے لئے فوری اور مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۴۔ تنخواہوں کا تناسب ایک اور پانچ کے دائرے میں لایا جائے گا اور ماہرین اقتصادیات کا ایک مستقل کمیشن قائم کیا جائے گا۔ جو اشیائے صرف کی قیمتوں کے پیش نظر حسب ضرورت تنخواہوں اور دیگر مراعات کی نئی شرح مقرر کرنے کا کام انجام دیتا رہے گا۔ کم تنخواہ پانے والے اہل کاروں کی تنخواہوں اور دیگر مراعات، مثلاً رہائش وغیرہ کے انتظامات اور پنشن کی رقوم کا تعین اس طرح کیا جائے گا کہ ہر ملازم اور پنشنر باعزت اور باوقار زندگی بسر کر سکے۔

۵۔ انتظامیہ کے اخراجات کو کم کیا جائے گا انتظامیہ کے افسران پر اپنی جائز آمدنی کے مطابق سادہ طرز زندگی اختیار کرنے کی پابندی ہوگی۔

۶۔ موجودہ گریڈوں کی تعداد کم کر کے ہر درجے میں تنخواہ، الاؤنس اور دیگر مراعات کا تعین اس طرح کیا جائے گا کہ تمام ضروریات زندگی عزت، سہولت اور کفایت شعاری کے ساتھ باآسانی پوری کی جا سکیں۔

۷۔ سول سروس اکیڈیمی کے نصاب میں اس طرح ترمیم کی جائے گی کہ وہاں سے تربیت پا کر نکلنے والے افراد اپنے کو قوم کا خادم تصور کریں۔

۸۔ تنخواہ اور الاؤنس کے علاوہ رہائش، اندرون ملک علاج اور صرف سرکاری کام کے لئے ذرائع آمدورفت وسفر کے سوا کوئی فرد (بشمول صدر، وزیراعظم) کسی اور ذاتی مراعات کا مستحق نہیں ہوگا۔

۹۔ (الف) اعلیٰ صوبائی اور وفاقی ملازمین کا تقرر پبلک سروس کمیشن کے ذریعے قابلیت

اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

(ب) ملازمین کے تقرر میں اہلیت اور تجربے کے ساتھ ساتھ اچھی شہرت، دینی شعور، عمدہ کردار اور خدا ترسی کو بھی پوری اہمیت دی جائے گی۔

(ج) صوبائی انتظامیہ کی آسامیوں پر متعلقہ صوبے کے افراد تعینات کئے جائیں گے۔ نیز ملازمتوں کی اس طرح از سرِ نو تنظیم کی جائے گی کہ کسی ایک سروس کے افراد کو انتظامیہ میں بالادستی حاصل نہ ہو۔

۱۰۔ (الف) پولیس کے محکمے کو انقلابی تبدیلیوں کے ذریعے ایک عوام دوست، خادمِ خلق اور فرض شناس ادارہ بنا دیا جائے گا تاکہ پولیس کے ظلم اور زیادتیوں کی روک تھام ہو سکے۔

(ب) پولیس ملازمین کی معاشی حالت کو اس حد تک بہتر بنایا جائے گا کہ ہر ملازم باعزت، باوقار اور دیانت دارانہ زندگی بسر کرنے کے علاوہ اپنا فرضِ منصبی بلا خوف ولالچ دیانت داری اور جاں فشانی سے ادا کر سکے اور رشوت کا سدِ باب ہو سکے۔

(ج) پولیس عملے کی ترقی میں محکمہ جاتی امتحانات اور کارکردگی کے ساتھ اخلاق، کردار اور اسلامی دینی شعور کو اہمیت دی جائے گی۔

۱۱۔ جیل خانہ جات کو قیدیوں کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے لئے متعلقہ قوانین کو از سرِ نو مرتب کیا جائے گا تاکہ جیل سے رہائی کے بعد قیدی اچھے شہری بن سکیں۔

۱۲۔ پاکستانی سفارت خانوں کی اصلاح کے لئے مؤثر اقدامات کیے جائیں گے۔ سفارت خانوں میں ایسے افراد کا تقرر کیا جائے گا جو نہ صرف امورِ خارجہ کے ماہر ہوں بلکہ اپنی سفارتی ذمے داریاں بہ حسن وخوبی ادا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور پاکستان اور اسلام کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔ سفارتی افسران بیرونِ ملک رہنے والے پاکستانیوں کی صحیح رہ نمائی اور جائز مدد کرنے کے پابند ہوں گے۔

۷۔ احتسابِ عمومی

حکومت، انتظامیہ کو خرابیوں سے پاک رکھنے کا ایک ایسا نظام قائم کرے گی کہ تحدید و توازن کے ساتھ ہر شعبے کا، بشمول پارلیمنٹ، انتظامیہ اور عدلیہ اور مسلح افواج سے وابستہ افراد کے احتساب کا باضابطہ سلسلہ جاری رہے۔

۱۔ ایک محکمۂ احتسابِ عمومی قائم کیا جائے گا۔ جس کا سربراہ عہدے کے لحاظ سے سپریم کورٹ کے جج کے برابر ہوگا۔ اور جسے پارلیمنٹ مقرر کرے گی اور وہ اُسی کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ اور اس کے قواعد و ضوابط اسلامی شریعت کے مطابق خود محکمۂ احتسابِ عمومی مرتب کرے گا۔

۲۔ سرکاری ملازمین کی مالی حیثیت اور کردار کا مسلسل جائزہ لینے کا اہتمام احتسابِ عمومی کرے گا۔ ایسے افراد کا احتساب کیا جائے گا جو اپنی حیثیت سے بلند معیارِ زندگی بسر کر رہے ہوں گے، یا اُن کا کردار مطلوبہ معیار سے گرا ہوا ہو۔

۳۔ محکمۂ احتساب کی شاخیں ملک بھر میں قائم کی جائیں گی تاکہ سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے اختیارات کے ناجائز و غلط استعمال کی شکایات کی سماعت و تفتیش ہر جگہ بہ آسانی ہو سکے۔

۴۔ چیف جسٹس آف پاکستان کے سفارش کردہ پینل میں سے پارلیمنٹ ایک ایسا ٹریبونل تشکیل دے گی جو ان سربراہانِ حکومت، وزراء، عوامی نمائندوں اور سرکاری ملازمین کے خلاف مقدمات کی سماعت کرے گا، جو محکمۂ احتسابِ عمومی ان کے خلاف ٹریبونل میں پیش کرے۔ اس ٹریبونل کو عدالتِ عالیہ کے اختیارات ہوں گے۔ اس کے فیصلے کے خلاف اپیل صرف سپریم کورٹ میں کی جا سکے گی۔

۸۔ عدلیہ

ایک بااختیار اور آزاد عدلیہ کے قیام کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر عمل میں لائی جائیں گی۔

۱۔ (الف) صدر مملکت چیف جسٹس پاکستان کی تقرری سپریم کورٹ کے جج صاحبان میں سے سنیارٹی اور اہلیت کی بنیاد پر کریں گے۔

(ب) ہائی کورٹ کے جج کی تقرری کے لئے متعلقہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور چیف جسٹس آف پاکستان تین ناموں کی سفارش کریں گے جن میں سے صدر مملکت کسی ایک کا تقرر بطور جج ہائی کورٹ کرے گا۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا تقرر سنیارٹی اور اہلیت کی بنیاد پر ہوگا۔

۲۔ عدلیہ اپنا بجٹ خود تیار کرے گی اور وفاقی حکومت مطلوبہ اخراجات کو پورا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔

۳۔ عدلیہ انتظامیہ سے کلیتہً علیحدہ ہوگی۔

۴۔ جوڈیشنل اکادمی قائم کی جائے گی جس میں سیشن جج اور عدالتوں کے دیگر عملے کے لئے تربیتی نصاب کا اہتمام کیا جائے گا۔

۵۔ مقامی سطح پر چھوٹے تنازعات کے فیصلوں کے لئے پنچائتی نظام میں مناسب اصلاحات کی جائیں گی۔

۶۔ ایک مستقل قانونی کمیشن قائم کیا جائے گا جو عدالتی نظام وضوابط اور قوانین کو اسلام کے اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے سفارشات کرے گا۔

۷۔ ہر عدالت پر لازم ہوگا کہ وہ اس کے سامنے پیش ہونے والے مقدمے یا اپیل کا فیصلہ تین ماہ کے اندر کردے۔

۸۔ احکام شرعی کی تشریح کے لئے فقہی بورڈ قائم کیا جائے گا۔ یہ بورڈ فقہ اسلامی کے

ماہرین پر مشتمل ہو گا۔ جن کا تقرر پارلیمنٹ کی منظوری سے کیا جائے گا۔

۹۔ اقتصادی نظام

جمعیت علماء پاکستان کا یہ عقیدہ ہے کہ پوری کائنات کا مالک مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر شئے اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ بحیثیت نائب اور خلیفۃ اللہ، شرعی قوانین حضور خاتم النبیین محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صادر فرمائے ہیں۔ ان قوانین کو مکمل طور پر نافذ کرنا اور ان پر دل و جان سے عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ جمعیت علماء پاکستان اس ملک کو نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اصولوں کی روشنی میں مکمل طور پر اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی خواہاں ہیں جس کے لئے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

۱۔ شریعت کے مطابق زکوٰۃ وعشر کے نظام کا مکمل نفاذ اور اس کی وصولی اور تقسیم کے لئے امانت و دیانت کی حامل انتظامی ڈھانچہ کا قیام تاکہ بھوک اور افلاس کا خاتمہ ہو سکے۔

۲۔ انکم ٹیکس کے موجودہ جابرانہ اور ظالمانہ نظام کو ختم کر کے ٹیکس کا ایک ایسا منصفانہ نظام قائم کیا جائے گا۔ جس کے ذریعے ہر قسم کی بدعنوانی اور ناانصافی کا خاتمہ ہو سکے۔

۳۔ وفاقی، صوبائی، بلدیاتی ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے ایسے نظام کا قیام تاکہ ٹیکس دہندگان اپنے تمام ٹیکس ایک ہی جگہ جمع کرا سکیں اور انہیں ہر قسم کی پریشانی اور بدعنوانی سے نجات مل سکے۔

۴۔ خود کفیل معیشت کے لئے مثبت اقدامات کئے جائیں گے تاکہ بیرونی قرضوں پر انحصار ختم ہو سکے۔

۵۔ ایسی زرعی حکمت عملی جس سے ملک جلد از جلد غذا میں خود کفیل ہو سکے اور زرعی

اجناس کی پیداواری لاگت میں کمی ہو۔
۷۔ کلیدی اور دفاعی صنعتوں کا قومی شعبے میں قیام۔
۸۔ ایسی واضح صنعتی حکمتِ عملی جس سے محنت اور سرمایہ کاری دونوں کا تحفظ ہو اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو سکے۔
۹۔ بے روزگاری کا انسداد اور افرادی قوت کی تنظیم۔
۱۰۔ منافع میں مزدوروں کی مؤثر شرکت۔
۱۱۔ نجی سرمایہ کاری کے لئے سازگار اور مستحکم فضا کا قیام اور تحفظ۔
۱۲۔ معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم تاکہ کوئی کسی کا محتاج نہ رہے۔
۱۳۔ معاشرتی انصاف کے اصولوں پر عمل کر کے استحصال کی تمام صورتوں کا خاتمہ۔
۱۴۔ ہر شہری کے لئے بنیادی ضروریاتِ زندگی اور ترقی کے مساوی مواقع کی فراہمی اور معاشی ترقی کے فوائد تک ملک کے تمام افراد کی رسائی اُن مقاصد کے حصول کے لئے ہمارا پروگرام درج ذیل اجزاء پر مشتمل ہوگا۔
الف۔ زراعت۔ ب، دیہی ترقی۔ ج، شہری مسائل۔ د، عام معاشی اصلاحات۔ ذ، صنعت و تجارت۔ س، مزدوروں اور کم آمدنی والے افراد کے حقوق۔

الف۔ زراعت

ملک کی بیشتر معیشت کا دارومدار زرعی ترقی پر ہے، اس لئے زراعت کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے ایسے اقدامات اشد ضروری ہیں جن کے ذریعے نہ صرف پیداوار میں اضافہ ہو سکے بلکہ ملک خوشحالی اور ترقی کی شاہراہ پر بھی گامزن ہو، ہمارا یقین ہے کہ پاکستان زرعی طور پر اس قدر ترقی یافتہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے نہ صرف ہماری اپنی ضروریات پوری ہو سکیں گی۔ بلکہ ہم اناج کی اس قدر فاضل پیداوار بھی حاصل کر سکیں گے

کہ اس کے ذریعے ملک کے زرمبادلہ کے ذخائر میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ ملک میں لاکھوں ایکڑ قابلِ کاشت زرعی سرکاری اراضی بے کار پڑی ہوئی ہے، اُسے ترقی دے کر کاشت کاروں، بے زمین ہاریوں اور کسانوں یا گزارہ یونٹ سے کم رکھنے والے مالکانِ اراضی میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مقامی لوگوں کا حق مقدم ہوگا۔

۲۔ جو قابلِ کاشت اراضی تین سال تک عملاً بلا جواز زیرِ کاشت نہیں لائی جائے گی اسے لے کر مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

۳۔ سرکاری اراضی کی پٹے داری کو ختم کر دی جائے گی۔ جس پٹے دار کے پاس ۲۵ ایکڑ سے زائد زمین ہوگی۔ اس زائد زمین کو مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ۲۵ ایکڑ یا اس سے کم زمین کے پٹے داروں کو مالکانہ حقوق منتقل کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ امدادِ باہمی کے اصول کے تحت کوآپریٹو فارمنگ رائج کرنے کے لئے ہر ممکن مدد دی جائے گی۔

۵۔ سرکاری افتادہ زرعی زمینوں کی ملکیت اسلامی قوانین کے مطابق اسی کی ہوگی جو اسے آباد کرے گا۔

۶۔ سیم اور تھور کے تدارک کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں گے اور اسے اوّلین اہمیت دی جائے گی۔

۷۔ مزارعین کے حقوق کا پورا تحفظ کیا جائے گا اور مزارعت کے نظام کو اسلامی قوانین کے مطابق بنایا جائے گا۔

۸۔ عشر کی ادائیگی کے ساتھ ہی مالیانہ معاف کر دیا جائے گا اور آبیانہ کی شرح معقول اور مناسب سطح پر مقرر کی جائے گی جن کاشت کاروں اور مالکانِ اراضی سے آبیانہ وصول کیا جائے گا۔ حکومت انہیں نہری پانی کی فراہمی کی ذمے دار ہوگی۔

۹۔ عمدہ بیج کی فراہمی حکومت کی ذمے داری ہوگی۔ کیمیادی کھاد، ڈیزل، بجلی، ٹریکٹر اور زرعی آلات مناسب نرخوں پر مہیا کئے جائیں گے اور ساڑھے بارہ ایکڑ تک کے مالکان کو آسان شرائط پر قرضۂ حسنہ دیا جائے گا۔ اور چھوٹے زمین داروں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دی جائیں گی تاکہ ملکی پیداوار میں اضافہ ہوسکے۔

۱۰۔ زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے کارپوریٹ (اشتراکی کاشت کاری) اور صنعتی کاشتکاری کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔

۱۱۔ زرعی اجناس کی خرید و فروخت کا ایسا منصفانہ نظام قائم کیا جائے گا جس سے کاشت کاروں اور صارفین دونوں کے جائز حقوق کا تحفظ ہوسکے اور پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکے۔

۱۲۔ کھیت مزدور کو روزگار اور ملازمت کا تحفظ دیا جائے گا اور اس کی اُجرت مقرر کرتے وقت کام کی نوعیت اور اشیائے ضرورت کی قیمتوں کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔

۱۳۔ جنگلات کی حفاظت، توسیع اور صحیح استعمال کے لئے ضروری تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۱۴۔ مویشیوں کی پرورش، بھیڑ بکریوں کی پرداخت، ماہی پروری اور مگس پروری، ڈیری فارمنگ اور پولٹری فارمنگ وغیرہ کو احسن اور جدید طریقوں پر ڈھالا جائے گا اور اس کے لئے ہر قسم کی مالی اور فنی امداد مہیا کی جائے گی اور اسے صنعت کا درجہ دے دیا جائے گا۔

۱۵۔ زرعی اراضی کے ترقیاتی پروگرام کو صنعت کا درجہ دیا جائے گا۔

(ب) دیہی ترقی

۱۔ دیہات میں بے مکان خاندانوں کو کم سے کم مدت میں سات مرلے رہائشی پلاٹ تقسیم کر کے مستقل مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے اور ان پلاٹوں پر مکان کی تعمیر کے لئے قرضہ حسنہ جاری کیا جائے گا۔

۲۔ دیہات میں زرعی اور گھریلو صنعتوں کو تحفظ دیا جائے گا۔ اور اس سلسلے میں قرض حسنہ جاری کیے جائیں گے تاکہ یہ صنعتیں فروغ پا سکیں اور اس طرح دیہات میں روزگار کے مواقع فراہم کر کے شہروں کی طرف آبادی کے بہاؤ کو روکا جا سکے۔

۳۔ دیہات میں آٹا، شکر، تیل اور دیگر ضروریات کی اشیاء کی مناسب قیمت پر فراہمی کا معقول اہتمام کیا جائے گا۔

۴۔ دیہی علاقوں کے اسکولوں میں زراعت کا مضمون نصاب میں شامل کیا جائے گا۔

۵۔ سیلابوں کے روک تھام کے لئے مؤثر اور مستقل انتظامات کئے جائیں گے مناسب مقامات پر چھوٹے چھوٹے بند تعمیر کر کے پانی کے ذخائر آب پاشی کے لئے استعمال کیے جائیں گے۔

۶۔ ملک کے تمام دیہاتوں میں پانچ سال کے اندر بجلی کی فراہمی کا انتظام کر دیا جائے گا۔

۷۔ آئندہ نئے دیہات کی حد بندی چک بندی کے طریقے پر ہو گی۔

۸۔ دیہات کو پختہ سڑکوں کے ذریعے شہروں سے ملا دیا جائے گا۔

۹۔ دیہی علاقوں میں پینے کے پانی، تعلیم اور علاج کی سہولتیں کم سے کم مدت میں فراہم کی جائیں گی۔

(ج) شہری مسائل

۱۔ تمام شہروں میں معروف کچی آبادیوں کے غیر مالک مکینوں کو حقوق ملکیت دینے کے

فیصلے کو کم سے کم مدت میں نافذ کیا جائے گا۔ اگر نجی اراضی پر کوئی کچی آبادی ہے تو ایسی اراضی کے مالکان کو متبادل اراضی یا معاوضہ دیا جائے گا۔

۲۔ ہر شہر میں آبادی کی شرح اضافہ کے مطابق مکانات کی تعمیر کے لئے جامع منصوبہ بندی کی جائے گی تاکہ مستقبل میں کچی آبادیوں کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہو۔

۳۔ بلدیاتی اداروں کو ترقیاتی اختیارات دیئے جائیں گے۔

۴۔ چنگی کی وصولی کا نظام ختم کر دیا جائے گا۔

۵۔ بلدیاتی اداروں کو زیادہ سے زیادہ ذمے داری سونپی جائے گی اور زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں گے۔

۶۔ اور زیادہ سے زیادہ ۲۰۰ گز پر رہائشی مکان تعمیر کیا جا سکے گا۔

۷۔ بنیادی ضرورت کے تحت خود رہائشی مکانات پر جائیداد ٹیکس ختم کر دیا جائے گا۔

(د) عام معاشی اصلاحات

۱۔ ملک کی معاشی منصوبہ بندی میں عوام کے منتخب نمائندوں اور فنی ٹیکنیکی ماہرین کو شامل کیا جائے گا۔

۲۔ قومی سطح پر محنت کی عظمت کا احساس دلایا جائے گا۔ کام چوری اور دوسروں کی محنت پر زندگی گزارنے کی عادات کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

۳۔ مہنگائی کی روک تھام اور عام اشیاء کی قیمتوں کو اعتدال پر لانے کے لئے بنیادی ضرورت کی اشیاء پر سے تمام ٹیکس ختم کر دیئے جائیں گے۔ قیمتوں میں استحکام اور اعتدال پیدا کرنے کے لئے ایک مستقل پرائس کمیشن قائم کیا جائے گا۔ جس میں صارفین کے نمائندے بھی شامل ہوں گے۔

(ر) صنعت و تجارت

۱۔ جوہری توانائی کے پروگرام کو اور ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال کے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے تمام بین الاقوامی وسائل کام میں لائے جائیں گے اور اس سلسلے میں ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا جائے گا۔

۲۔ زرعی آلات اور ٹریکٹر سازی کے کارخانوں کے قیام کو اولیت دی جائے گی۔

۳۔ پرائیویٹ سیکٹر میں زیادہ سے زیادہ صنعتیں لگانے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

۴۔ کپڑے اور دوسری اہم صنعتوں کو تباہی سے بچانے کے لئے بلاتاخیر موثر اقدامات کیے جائیں گے۔

۵۔ صنعتوں کو تمام ملک خصوصاً پسماندہ علاقوں تک پھیلانے کی پوری کوشش کی جائے گی، تاکہ ترقی کے فوائد چند علاقوں تک ہی محدود نہ رہیں۔ اس کے علاوہ ایسی صنعتوں جن کے لئے کسی علاقے میں خام مال موجود ہے، انہیں اسی علاقے میں کام کرنے کو ترجیح دی جائے گی۔

۶۔ ملک کو دفاعی لحاظ سے خود کفیل بنانے کے لئے اسلحہ سازی کی صنعت کو وسیع پیمانے پر ترقی دی جائے گی۔

۷۔ بجلی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے موثر اقدامات کیے جائیں گے۔

۸۔ کم سے کم مُدت میں تیل، گیس اور دیگر معدنیات کے مزید ذخائر دریافت کر کے ملک کو خود کفیل بنانے کی جدوجہد کی جائے گی۔

۹۔ کاغذ کی صنعت کو فروغ دے کر ملک کو اس میں خود کفیل بنایا جائے گا۔

۱۰۔ نئی صنعتوں کے قیام کی منظوری کے طریقۂ کار کو اس قدر سہل بنا دیا جائے گا کہ درخواست دہندہ کو صرف ایک ہی محکمے سے رابطہ قائم کرنا پڑے۔ اس سلسلے میں

ساری کارروائی کی ذمّے داری وزارتِ صنعت پر ہوگی جو تین مہینے کے اندر فیصلہ کرنے کی پابند ہوگی۔

۱۲۔ اشیائے تعیش، کاروں اور دیگر غیر ضروری چیزوں کی درآمد بالکل روک دی جائے گی، مقامی صنعتوں کے فروغ کے لئے اُن اشیاء کی درآمد بھی بند کر دی جائے گی جو پاکستان میں تیار ہو رہی ہیں، البتہ پاکستانی مصنوعات کی قیمتوں کی موثر نگرانی کی جائے گی۔

۱۳۔ پاکستان میں ہر محقق اور موجد کی بھرپور سرپرستی کی جائے گی۔

۱۴۔ کوئلہ، لوہا، تانبہ، گندھک اور المونیم کی بنیادی اہمیت کے پیش نظر، پاکستان میں ان کی پیداوار میں اضافے کے لئے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۵۔ بیرونی منڈیوں میں پاکستانی مال اور مصنوعات کی برآمد بڑھانے کے لئے تمام ممکنہ اقدامات کئے جائیں گے اور مصنوعات کے معیار کو بہتر بنایا جائے گا۔ برآمدات پر سے سرکاری اجارہ داری ختم کر دی جائے گی۔

۱۶۔ ملک کی تمام غیر ضروری کارپوریشنوں کو توڑ کر ان کے محکموں میں ضم کر دیا جائے گا۔

۱۷۔ واپڈا کو توڑ دیا جائے گا۔ بجلی کی پیداوار (جنریشن) ترسیل اور ٹرانسمیشن وفاق کے ذمّے ہوگی جبکہ تقسیم ڈسٹری بیوشن صوبوں کے سپرد کی جائے گی۔

(س) مزدوروں اور کم آمدنی والے افراد کے حقوق

۱۔ تعمیری اور صحت مند یونین سازی اور یونین سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ انجمن سازی اور سوداکاری کا غیر مشروط حق دیا جائے گا اور معقول وجہ بتائے بغیر برطرفی کو جرم قرار دیا جائے گا۔

۲۔ مزدوروں کو کارخانے کے منافع میں موثر شرکت دی جائے گی۔ اور مزدور اور صنعتکار

کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنایا جائے گا، ساتھ ہی پیداواری بونس اسکیم بھی نافذ کی جائے گی۔

۳۔ مزدوروں کی کم از کم تنخواہ مہنگائی اور ضروریاتِ زندگی کو مدنظر رکھ کر مقرر کی جائے گی۔ موجودہ تنخواہ میں اضافہ کیا جائے گا تاکہ مزدور باعزت اور باوقار زندگی گزار سکیں اور ایسا نظام نافذ کیا جائے گا جس سے پیداوار دینے والے مزدوروں کو اضافی پیداوار کے مطابق زیادہ منافع ملے۔

۴۔ مزدوروں کی سہولت کے پیشِ نظر مزدوروں کی تنخواہوں کی ہفتہ وار تقسیم کا نظام رائج کیا جائے گا۔ اور محنت کشوں کی اُجرت میں تاخیر کو جُرم قرار دیا جائے گا۔

۵۔ ماہرینِ صنعت و تجارت اور ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں کے مشورے سے وفاقی اور صوبائی محکمۂ صنعت کی کارکردگی کو بہتر بنایا جائے گا۔

۶۔ کسی صنعت کے اجراء کی اجازت دینے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے کم آمدنی والے ملازمین اور مزدوروں کے لئے مطلوبہ رہائش، علاج کے لئے معقول سہولت اور بچوں کے لئے معیاری تعلیم کا انتظام کرے۔ جو صنعتیں پہلے سے کام کر رہی ہوں انہیں چھ ماہ کے اندر یہ شرط پوری کرنی ہوگی۔

۷۔ مزدوروں کے اہل خاندان کے لئے فیئر پرائس شاپ قائم کی جائیں گی، جہاں سے وہ رعایتی قیمت پر اشیائے ضرورت خرید سکیں۔

۸۔ صنعتی عدالتیں مقدمات کا فیصلہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ اور اپیل کا فیصلہ عدالتِ مجاز دو ماہ کے اندر کرنے کی پابند ہوگی۔

۹۔ قصبوں اور شہروں میں تانگے والوں، ریڑھی والوں، خوانچہ فروشوں، رکشہ اور ٹیکسی ڈرائیوروں، چھوٹے دکانداروں اور دست کاروں کو پورا پورا کاروباری تحفظ دیا جائے گا۔ ان پر پولیس اور غنڈہ عناصر کا دباؤ ختم کر دیا جائے گا۔ اور کاروبار کی ترقی کے

لئے بلاسود قرضے کی سہولتیں دی جائیں گی۔

۱۰۔ سماجی تحفظ کی اسکیم کے نفاذ کو اختیاری بنایا جائے گا اور نمائندہ ٹریڈ یونینوں کے مشورے سے ایسی اسکیم نافذ کی جائے گی۔

۱۱۔ مزدوروں، صنعت کاروں اور حکومت کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ قائم کیا جائے گا، جو صنعتی قوانین میں تبدیلی، پیداوار میں اضافہ اور مزدوروں کے حقوق ومفادات کے بارے میں سفارشات مُرتب کیا کرے گا۔

۱۲۔ تجارتی اداروں میں کام کرنے والوں کو بہتر شرائط ملازمت کے ساتھ روزگار کا تحفظ دیا جائے گا۔

۱۳۔ موٹر رکشا اور ٹیکسی خود چلانے والوں کو آسان اقساط پر موٹر کار اور رکشا فراہم کیے جائیں گے تاکہ وہ خود مالک بن سکیں اور اُن کا استحصال ختم ہو اور عوام کو بھی ٹرانسپورٹ کی سہولتیں بیسّر آسکیں۔ عوام کی سہولت کے لئے سرکاری ٹرانسپورٹ کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ کمپنیوں کو بھی شہروں میں بسیں چلانے کی اجازت دی جائے گی۔

۱۴۔ حکومت ایک ایسا نظام کرے گی کہ اندرونی اور بیرونی تجارت پر حکومت کا کنٹرول کم سے کم کر دیا جائے۔

۱۵۔ پندرہ سال ملازمت کرنے کے بعد مزدور کو پنشن کا حق دیا جائے گا اور تیس سال ملازمت کرنے پر ہر مزدور پوری پنشن لینے کا حق دار ہوگا۔ جو مزدور ڈیوٹی کے دَوران کسی وجہ سے معذور ہو جائے، اس کے مفت علاج کا انتظام کیا جائے گا۔ اگر وہ اس کے باوجود بھی مکمل صحت یاب نہ ہوسکے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے تو اسے پوری پنشن دی جائے گی۔

۱۰۔ ذرائع ابلاغ اور نظریۂ پاکستان

ذرائع ابلاغ کی مکمل آزادی اور نظریۂ پاکستان کے مکمل تحفظ کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر

پر عمل کیا جائے گا ۔

الف ۔ نیشنل پریس ٹرسٹ توڑ دیا جائے گا ۔

ب ۔ پریس اور پبلیکیشن سے متعلق تمام جابرانہ قوانین ختم کر دیئے جائیں گے ۔

ج ۔ ڈیکلریشن کے اجرا میں حائل پیچیدہ رکاوٹوں کو ختم کرکے مقامی سطح پر مناسب اور ضروری سہولتیں مہیا کی جائیں گی ۔

د ۔ صحافیوں، ریڈیو اور ٹی وی کے ملازمین کی شرائط ملازمت کو بہتر بنایا جائے گا ۔

ر ۔ اخبارات کو ان کی اشاعت کی تعداد کے مطابق اشتہارات دیئے جائیں گے ۔

س ۔ ریڈیو اور ٹی وی کارپوریشن کو آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے کا موقع دیا جائے گا اور اُن پر سرکاری اجارہ داری ختم کر دی جائے گی ۔

ش ۔ ریڈیو اور ٹی وی کارپوریشنوں کو قومی اسمبلی کے ایک ایسے ادارے کے سامنے جوابدہ ٹھہرایا جائے گا جس میں حکمران پارٹی کے علاوہ حزب اختلاف کو بھی نمائندگی حاصل ہوگی ۔

ص ۔ ذرائع نشر و اشاعت کے بہتر استعمال اور ان کی نگرانی کے لئے ماہرین تعلیم علمائے دین، ماہرین قانون اور عام زندگی سے تعلق رکھنے والے موزوں افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے گی جو وقتاً فوقتاً ٹی وی اور حکومت کے اشاعتی پروگراموں کا تنقیدی جائزہ لے گی اور اصلاحی سفارشات کرے گی ۔

ض ۔ اسلامی معاشرتی قدروں کے مطابق ایک جامع قانون بنایا جائے گا اور فلم سنسر بورڈ میں تعلیم قانون اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے آگاہی رکھنے والے ماہرین کا تقرر کیا جائے گا ۔

ط ۔ اسلامی تعلیمات کو ریڈیو ٹی وی پر نشر کرنے کا اہتمام کیا جائے گا ۔

۱۱۔ تعلیم

تعلیم کی مسلمہ اہمیت کے پیش نظر اس شعبے پر خصوصی توجہ کی جائے گی، اور اس سلسلے میں انقلابی اقدامات کئے جائیں گے۔

الف۔ نظام تعلیم کو اسلام کے تقاضوں کے مطابق جدید ترین خطوط پر استوار کیا جائے گا۔ اور قومی زندگی میں تفریق اور ناہمواری کا سبب بننے والے متعدد قسم کے نظام ہائے تعلیم کو جلد از جلد ختم کر کے یکساں تعلیمی نظام رائج کیا جائے گا۔

ب۔ موجودہ تعلیمی نصاب پر نظر ثانی کر کے نظریاتی، سماجی، تمدنی اور اقتصادی تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے تعلیم کو با مقصد بنایا جائے گا تاکہ طالب علم اپنی ملی اور ملکی ذمے داریاں بہ طریق احسن پوری کر سکے۔

ج۔ تعلیمی نصاب وفاقی سطح پر تیار کیا جائے گا اور پورے ملک میں ایک ہی تعلیمی معیار قائم رکھا جائے گا۔

د۔ ثانوی درجے تک مفت تعلیم دی جائے گی۔ پرائمری تک تعلیم لازمی ہوگی، اور اس امر کو یقینی بنایا جائے گا کہ کوئی بچہ داخلے سے محروم نہ رہے۔ پسماندہ علاقوں کے بچوں کو وظائف دیئے جائیں گے۔

ر۔ فنی تعلیم کے فروغ اور طلباء کے طبعی رجحانات مطابق تعلیم دینے اور ان کی مناسب ماہرانہ رہنمائی کا انتظام کیا جائے گا۔ تعلیم یافتہ افراد کو ضمانت دی جائے گی۔ پاکستان کے صنعتی مراکز میں ایسے تربیتی ادارے قائم کئے جائیں گے جن کا تعلق متعلقہ صنعتوں سے ہوگا۔

س۔ مسلمان طلباء کے لئے ہر شعبہ اور ہر مرحلہ میں علوم اسلامیہ اور نظریہ پاکستان کو لازمی مضمون قرار دیا جائے گا۔ پرائمری سرٹیفکیٹ، قرآن پاک ناظرہ مکمل کیے بغیر

جاری نہیں ہوگا۔ بی اے تک اسلامیات کی تعلیم نہ صرف لازم ہوگی، بلکہ اس کا نصاب اس طرح ترتیب دیا جائے گا کہ ہر گریجویٹ اہم دینی امور سے کما حقہٗ واقف ہوجائے۔

ش ۔ ملک میں علمی اور فکری نشوونما کے لئے جگہ جگہ لائبریریاں قائم کی جائیں گی۔

ص ۔ بے وسیلہ، ذہین طالب علموں کو اہلیت اور موزونیت کی بنیاد پر ہر قسم کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کی ذمّے داری حکومت پر ہوگی۔

ض ۔ نظریۂ پاکستان اور تحریک پاکستان سے متعلق ایسی نصابی کتب تیار کی جائیں گی جس میں ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک تحریک پاکستان کے صحیح عوامل وحقائق بیان ہوں، اُن اکابر علماء اور قائدین کا خصوصی ذکر ہوگا جنہوں نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

ط ۔ صنعتی اور زرعی مزدوروں کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اضافہ کرنے کے لئے تربیتی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

ظ ۔ تعلیم بالغاں کے لئے مہم چلائی جائے گی جس کے تحت ہر شہری کو ایک مختصر مُدّت میں پڑھنا لکھنا سکھایا جائے گا۔

ع ۔ ہر جامعہ کو قومی تعلیمی مقاصد کی حدود کے اندر پوری خود مختاری دی جائے گی۔

غ ۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے قیام پر کوئی پابندی نہیں ہوگی، لیکن یہ حکومت کی نگرانی میں سرکاری قواعد وضوابط کے مطابق کام کریں گے اور ان کی شرح فیس مناسب سطح پر رکھی جائے گی۔

ف ۔ لڑکیوں کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح تک علیحدہ تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں گے۔

ق ۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں صرف اہلیّت کی بنیاد پر داخلہ دیا جائے گا۔ ہر سطح کے

اساتذہ کے لئے قبل از ملازمت اور دورانِ ملازمت تربیت کا انتظام کیا جائے تاکہ جدید تدریسی طریقے پر اساتذہ کی رہنمائی ہوسکے۔

ک۔ کالج کے طلباء کے لئے فوجی تربیت لازمی قرار دی جائے گی۔

ل۔ اساتذہ کو معاشرے میں ان کا صحیح مقام دیا جائے گا اور وہ اپنے دائرہ کار میں ہر قسم کی مداخلت سے آزاد ہوں گے۔ انہیں ملازمت کا معقول تحفظ حاصل ہو گا۔ ان کے مشاہرے اتنے مقرر کیے جائیں گے کہ وہ معاشرے میں خوش حال اور باوقار زندگی بسر کرسکیں۔

م۔ اساتذہ کی ترقی لازماً اُن کے تدریسی تجربے اور تحقیقی نتائج کے ساتھ منسلک ہوگی۔

ن۔ طلباً کو رہائشی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ جامعات اور پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں کے ساتھ ہوسٹل کی بہترین سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

و۔ ملک بھر میں معیارِ تعلیم کو بہتر بنانے، تعلیمی اداروں میں محاذ آرائی اور تشدد کے رُجحان کے خاتمے اور ملک کے مستقبل کے معماروں کو صحیح معنوں میں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے تمام تعلیمی اداروں میں ادبی، علمی اور تحقیقی سوسائٹیوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ہ۔ دینی مدارس کو قومی تحویل میں نہ لینے کی ضمانت دی جائے گی۔

ء۔ علماء اور ماہرینِ تعلیم پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا جائے گا جو دینی مدارس کے نصاب کو جدید خطوط پر مرتب کرے گا۔

ی۔ دینی مدارس اپنے دائرہ کار میں آزاد ہوں گے۔ حکومت کی جانب سے ان کی مؤثر مدد اور سرپرستی کی جائے گی اور ان کی اسناد کو سرکاری سطح پر تسلیم کیا جائے گا۔ دینی مدارس کے اساتذہ کے لئے سرکاری سطح کے اسکولوں اور کالجوں جیسی مراعات اور تنخواہ کا بندوبست کیا جائے گا۔

سے ۔ مسلمانوں کے ہر مکتبۂ فکر کو ان کے فقہ کے مطابق تعلیم کا حق حاصل ہوگا۔

۵ ۔ ایسے تمام رسائل، کتب اور دیگر لٹریچر پر پابندی ہوگی جس میں اللہ تعالیٰ انبیاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین، بزرگانِ دین، اہلِ بیت کرام اور ازواج پر دانستہ یا دانستہ بالواسطہ یا بلاواسطہ حملہ کیا گیا ہو یا اُن کی توہین کی گئی ہو۔

۶ ۔ کوئی تعلیمی ادارہ یا مذہبی تنظیم کسی قسم کی بیرونی امداد براہِ راست حاصل نہیں کر سکے گا اور نہ کسی نئے تعلیمی ادارے کو بیرونی سرمایہ سے قائم کیا جا سکتا ہے۔

۷ ۔ اس قسم کی بیرونی امداد وصول کرنے اور تقسیم کرنے کی ذمہ داری براہِ راست حکومت پر ہوگی۔

۸ ۔ تعلیمی اداروں میں کھیل کود کی مناسب سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۱۲ ۔ قومی صحت

قومی صحت کے سلسلے میں ایک ایسا نظام رائج کیا جائے گا جس میں کوئی فرد بھی محض ناداری کی بنا پر مناسب علاج سے محروم نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر عمل میں لائی جائیں گی۔

ا ۔ صفائی کے انتظامات بہتر بنائے جائیں گے۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی جائے گی اور کھیل کود اور ورزشوں کی قومی سطح پر حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ب ۔ ملاوٹ کرنے والوں کو بروقت اور بر سرِ عام عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

ج ۔ دیہی علاقوں میں اسپتال اور زچہ خانوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا۔ ایک منصوبے کے تحت دیہات میں ڈاکٹروں اور اطبا کا تعین کیا جائے گا خاندانی

منصوبہ بندی کے مراکز کو شفا خانوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

د۔ ہر ڈاکٹر پاکستان میں کم از کم دو سال قومی خدمت کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرونِ ملک جا سکے۔

ر۔ نرسوں کی شرائط ملازمت کو بہتر اور پرکشش بنایا جائے گا تاکہ بیرونِ ملک جانے کا موجودہ رجحان ختم ہو۔

س۔ نجی اور سرکاری شعبے کے اشتراک سے اندرونِ ملک ادویہ تیار کرنے کے کارخانے لگائے جائیں گے علاوہ ازیں نجی شعبے میں ادویہ سازی کی اجازت ہوگی۔

ش۔ نجی شعبے میں اسپتالوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اور انہیں قومی ملکیت میں نہ لینے کی ضمانت دی جائے گی۔ البتہ یہ اسپتال سرکاری قواعد و ضوابط کے پابند ہوں گے۔

ص۔ یونانی طب اور ہومیوپیتھی علاج کو مکمل سرکاری سرپرستی فراہم کی جائے گی اور یہ شفا خانے بھی سرکاری اہتمام میں قائم کئے جائیں گے۔

ض۔ موجودہ غیر رجسٹرڈ ایلوپیتھک میڈیکل پریکٹیشنرز کو مناسب تربیتی کورس کے بعد قانونی تحفظ دیا جائے گا۔

۱۳۔ دفاع

افواج پاکستان کی عسکری صلاحیت میں زیادہ سے زیادہ اضافے کو اوّلیت دی جائے گی اور اس کے لئے حسب ذیل اقدامات کئے جائیں گے۔

ا۔ افواج پاکستان کو جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا جائے گا۔

ب۔ پاکستان کو اسلحہ سازی میں خود کفیل بنایا جائے گا۔

ج۔ نوجوانوں میں عسکری صلاحیت کے ساتھ ساتھ حُبّ الوطنی اور اسلام کی سربلندی

کی خاطر جذبۂ جہاد بیدار کیا جائے گا۔

و۔ تمام صحت مند مردوں کے لئے لازمی فوجی تربیت اور خدمت کا قانون بلاتاخیر نافذ کیا جائے گا تاکہ پوری قوم دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ کے قابل بن سکے۔

ر۔ شہدا کے پس ماندگان کی مکمل کفالت حکومت کے ذمے ہوگی۔

س۔ فوج میں صوبائی کوٹہ مقرر ہوگا اور اس پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے گا۔

۱۴۔ اقلیتیں

اقلیتوں کے بارے میں ہماری پالیسی یہ ہوگی:

ا۔ سرکاری ملازمتوں، فنی اداروں اور پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں ان کے جائز حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

ب۔ ایسی جائیداد کو تحفظ دیا جائے گا جو اقلیتوں کی عبادت گاہوں سے منسلک ہوں۔

ج۔ اقلیتوں کو مکمل شہری اور قانونی تحفظ حاصل ہوں گے۔ حکومت ان کی جان و مال، عزت و آبرو اور شہری آزادی کے تحفظ کی پوری طرح ذمہ دار ہوگی۔

د۔ اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے اقلیتیں جس قسم کے قوانین منظور کرانا چاہیں منظور کیے جائیں گے۔ بشرطیکہ یہ قوانین ملکی مفاد سے متصادم نہ ہوں اور اس سے دوسروں کی دل آزاری نہ ہوتی ہو۔

ر۔ اقلیتوں کے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں ہونے دی جائے گی۔ انہیں اپنے مذہب کے مطابق عمل کی آزادی ہوگی، البتہ کسی اسلامی اصول کے خلاف تبلیغ و اشاعت کی اجازت نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں دستور میں دوسری ترمیم (۱۹۷۴ء) کے ضمن میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے قانون سازی کے فیصلے پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

س۔ اقلیتوں کو حدودِ قانون کے اندر مذہب وعبادت، تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی۔ انہیں اپنے شخصی معاملات کو اپنے مذہبی قانونی یا رسم ورواج کے مطابق چلانے کا پورا حق حاصل ہوگا۔

۱۵۔ خارجہ حکمتِ عملی

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے اصول یہ ہوں گے۔

الف۔ پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہے، لہٰذا ہماری خارجہ حکمتِ عملی قرآن وسُنّت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگی اور ہم " اندرامن اور باہر امن" کے اصول پر سختی سے گامزن رہتے ہوئے اپنی پالیسی مُرتب کریں گے۔

ب۔ عالمِ اسلام کے ساتھ قریب ترین برادرانہ روابط کو مضبوط اور مستحکم کیا جائے گا اور اس امر کی پوری کوشش کی جائے گی کہ عالمِ اسلام کا مکمل اتحاد وجود میں آئے اور تمام اسلامی ممالک ترقی وخوشحالی کے لئے ایک مشترکہ لائحہ عمل پر کام کریں اور ان میں سماجی، اقتصادی، معاشرتی، دفاعی تعاون واشتراک ہو۔

ج۔ پڑوسی ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی پوری کوشش کی جائے گی بشرطیکہ یہ تعلق ہمارے قومی مفادات اور ہماری خودمختاری پر اثر انداز نہ ہوں۔

د۔ جموں وکشمیر کے عوام کو سلامتی کونسل کے فیصلے کے مطابق استصواب کے ذریعہ حقِ خود اختیاری دلانے کی بھرپور جدوجہد کی جائے گی۔ اس مسئلے میں بھارت سے اس وقت تک حقیقی معنوں میں مصالحت، دوستی اور تعاون نہیں ہوسکتا جب تک جموں وکشمیر کے مسلمانوں کو اُن کا حقِ خود ارادیت نہیں مل جاتا اور وہ آزادانہ طور پر اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کرتے۔

ر۔ بھارت نے جن مقامات پر عیارانہ اور غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اس کے خلاف

موثر اور باوقار اقدامات کیے جائیں گے تاکہ حیدر آباد، جونا گڑھ مانا داد اور مانگرول کے مسئلے حل ہو سکیں۔

ز۔ دنیا کی بڑی طاقتوں امریکہ، روس کی کشمکش سے پاکستان کو الگ تھلگ رکھا جائے گا۔

س۔ ہر قسم کی سامراجیت اور استعماری نظام کے خاتمے کے لئے انتہائی کوشش کی جائے گی۔

ش۔ ہماری امداد و تائید ہمیشہ مظلوم قوموں کے ساتھ ہوگی، غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کی معاشی آزادی کے لئے جدوجہد کی جائے گی۔

ص۔ یہودی امریکی سامراج کی سازش نے مسلمانوں کے ساتھ کھلی دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے لہذا مسجد اقصیٰ کی بازیابی اور آزاد فلسطین مملکت کے قیام کے لئے ہر ممکن جدوجہد اور اس سلسلے میں فلسطینیوں کی تحریک آزادی کی حمایت اور مدد کی جائے گی۔

ض۔ مسلمان جہاں جہاں بھی مظلوم ہیں مثلاً ایتھوپیا، قبرص، یوگنڈا اور بھارت، اُن کے حقوق و مفادات کے تحفظ کی جدوجہد کی جائے گی۔

ط۔ روس نے جارحیت کے ذریعے افغانستان پر قبضہ کیا ہوا ہے، روسی افواج کا انخلا اور افغان مہاجرین کی باعزت طور پر اپنے وطن میں واپسی کو لازمی بنانے کے لئے ہر وہ تدابیر اختیار کی جائے گی جو اس مسئلے کے فوری حل کے لئے ممد و معاون ثابت ہو۔

جمعیۃ علماء اسلام

جمعیۃ علماء اسلام دراصل پاکستان میں جمعیۃ العلماء ہند کی جانشین جماعت ہے لیکن قیام پاکستان کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں اس نے پاکستان کے لئے اپنی نئی پالیسی وضع کی اور ۱۹۵۲ء میں جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا احمد علی لاہوری اس کے پہلے امیر اور مولانا احتشام الحق تھانوی پہلے ناظم مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں دوبارہ انتخاب ہوا تو مولانا مفتی محمد حسن امیر منتخب ہوئے۔ مولانا محمد حسن کی علالت کی وجہ سے مولانا مفتی محمد شفیع قائم مقام امیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں مولانا احمد علی دوبارہ امیر منتخب ہوئے ان کے ساتھ مولانا غلام غوث ہزاروی ناظم تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام اپنا رشتہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسین کی علمی، تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی تحریک سے جوڑتی ہے۔ پاکستان میں بھی جمعیۃ کی تحریک پر ۱۹۵۱ء میں سید سلیمان ندوی کی صدارت میں علماء کا ایک اجتماع ہوا تھا جس میں اسلامی نظام کے لئے بائیس نکات منظور کئے گئے تھے۔ مولانا مفتی محمود نے جمعیۃ کے ناظم عمومی کی حیثیت سے مارچ ۱۹۶۹ء میں گول میز کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں یہی نکات پیش کئے۔ ۱۹۶۲ء کے بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات تک اس جماعت کی سرگرمیاں مذہبی اور دینی حلقوں تک زیادہ تر محدود تھیں لیکن ایوب خاں کی قومی اسمبلی میں مفتی محمود کے انتخاب کے بعد اس جماعت میں ایک نئی

جان پڑگئی۔ مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی دو ایسی شخصیتیں تھیں جنہوں نے اس جماعت میں نئی روح پھونکی اور جمعیۃ اتنی بڑی سیاسی طاقت بن گئی کہ ایوب خاں کو جب اپنے آئین میں ترمیم کی ضرورت پیش آئی تو وہ مفتی محمود کی امداد حاصل کرنے پر مجبور ہوئے۔ مفتی محمود نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اپنے حلقے سے ذوالفقار علی بھٹو کو شکست دی۔ ان انتخابات کے بعد جمعیۃ نے سرحد اور بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنائی۔ سرحد میں مفتی محمود کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ مفتی محمود نے حکومت سنبھالتے ہی اردو زبان کو سرکاری زبان قرار دیا، شراب پر پابندی عائد کی اور ہفتہ وار تعطیل اتوار کے بجائے جمعہ کو قرار دی۔ اس کے علاوہ شلوار قمیص کو سرکاری لباس قرار دیا گیا۔ جب مرکزی حکومت نے بلوچستان کے گورنر اور وزیر اعلیٰ اور صوبہ سرحد کے گورنر کو برطرف کیا تو احتجاج کے طور پر مفتی محمود نے بھی اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نہیں چاہتے تھے کہ مفتی محمود وزارت چھوڑیں اس لئے انہوں نے ایک ہفتہ تک ان کا استعفیٰ منظور نہیں کیا گیا لیکن مفتی صاحب نے استعفیٰ واپس نہیں لیا۔ جنرل ضیاالحق کے مارشل لاء کے بعد ابتدا میں اگرچہ جمعیۃ علماء اسلام نے حکومت میں شرکت کی لیکن حکومت سے علیحدگی کے بعد جمعیۃ نے جمہوریت کی بحالی کے لئے دوسری جماعتوں کے ساتھ سرگرم حصہ لینا شروع کر دیا۔ ستمبر ۱۹۸۰ء میں جمعیۃ کی تحریک پر تمام جماعتوں کو اکٹھا کرنے اور ایک وسیع تر اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی گئی چنانچہ اسی کوشش کے نتیجہ میں تحریک بحالی جمہوریت (ایم آر ڈی) کا قیام عمل میں آیا۔ مفتی محمود اس کے روح رواں تھے۔ ۱۹۸۰ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن نے ناظم عمومی کی حیثیت سے جماعت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اگرچہ جمعیۃ میں درخواستی گروپ کے نام سے ایک اور گروپ بھی بن گیا لیکن جس گروپ کی قیادت مولانا حامد میاں (امیر) اور مولانا فضل الرحمٰن (ناظم عمومی)

کے ہاتھ میں ہے وہی گروپ سیاسی میدان میں زیادہ ترفعال اور زیادہ سرگرم عمل ہے۔

جمیتہ کا منشور ستمبر ۱۹۶۹ء میں منظور کیا گیا تھا جس میں مارچ ۱۹۸۶ء میں ترمیم کی گئی۔ ترمیم شدہ منشور حسبِ ذیل ہے۔

منشور

چونکہ پاکستان کے قیام کا مقصد برصغیر کے مسلمان عوام کو برطانوی دور کے غیر اسلامی اور ظالمانہ نظام و قوانین سے نجات دلا کر اسلامی نظریات، اسلامی اخوت اور اسلامی مساوات پر مبنی نظام حکومت قائم کرنا اور اسلامی معاشرہ تعمیر کرنا تھا۔

اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کا نظام حکومت خالص شریعت اسلامیہ کے احکام پر قائم کیا جائے اور اس کی زمام کار پاکستان کے مسلمان عوام معتمد، منتخب اور اہل ترین افراد کے ہاتھ میں ہو۔ تاکہ پاکستان دنیا میں ایک مثالی اسلامی مملکت بن سکے۔ چنانچہ اس پاک اور عظیم مقصد کے حصول کے لئے کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام کے منتخب ارکان مجلس عمومی آج مورخہ ۱۴ رجب ۱۳۸۹ھ بروز ہفتہ بمطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۶۹ء بمقام سرگودھا جمع ہوئے۔

اور مندرجہ ذیل منشور و پروگرام منظور کر کے پاکستان کے عوام اور مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

نظام حکومت

پاکستان کو ایک صحیح اور مکمل اسلامی مملکت اور اسلامی حکومت بنانے کے لئے

مندرجہ ذیل امور عمل میں لائے جائیں گے۔

سرکاری مذہب

۱۔ مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

۲۲۔ اسلامی نکات

۲۔ تمام فرقوں کے نمائندہ وجیّد علماء کے مرتب کردہ ۲۲ اسلامی نکات کی روشنی میں ملک کے دستور کو مکمل اسلامی بنایا جائے گا۔

قرآن وسنّت کے قوانین

۳۔ صرف قرآن وسنت کے احکام ہی ملک کے اساسی قوانین قرار پائیں گے۔

۴۔ ملک کے دستور اور قانون میں اسلام کے کامل ومکمل دین ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا دستوری وقانونی تحفظ کیا جائے گا۔

۵۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے ادوار حکومت وآثار کو اسلامی نظام حکومت کے جزئیات متعین کرنے کے لئے معیار قرار دیا جائے۔

کلیدی اسامیاں

۶۔ مملکت کی کلیدی اسامیاں غیر مسلموں کے لئے ممنوع قرار دی جائیں گی۔

صدر مملکت کے لئے اسلامی شرائط

۷۔ صدر مملکت اور وزیراعظم کا مسلمان مرد ہونا اور پاکستان کی غالب اکثریت اہل سنّت

کا ہم مسلک ہونا ضروری ہوگا۔

مسلمان کی تعریف

۸۔ مسلمان کی قانونی تعریف یہ ہوگی کہ:۔

"وہ قرآن و حدیث پر ایمان رکھتے ہوئے، ان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و اسلاف رحمہم اللہ اجمعین کی تشریحات کی روشنی میں حجت سمجھے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نبوت کا اور نہ کسی شریعت کا قائل ہو۔"

غیر اسلامی فرقے

۹۔ جو فرقے اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ مثلاً ختم نبوت وغیرہ سے انحراف کے مرتکب ہو چکے ہیں انہیں غیر اسلامی فرقے قرار دیا جائے گا۔ اور آئندہ اس قسم کے انحراف کو دستور میں ممنوع اور واجب التعزیر قرار دے دیا جائے گا۔

اسلامی دفعات میں تبدیلی ممنوع

۱۰۔ دستور کی اسلامی دفعات (قرآن و سنت کے اصولوں) اور مملکت کی اسلامی حیثیت میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کی اجازت نہیں ہوگی۔

ممانعت

۱۱۔ اسلام اور اس کے کسی بھی حکم و عقیدہ کے خلاف کسی قسم کی تنقید و تبلیغ کی نہ تقریری اجازت ہوگی نہ تحریری۔

عوام کی براہِ راست نمائندگی کی تصریح

۱۲۔ دستور میں مسلمان عوام کی براہِ راست نمائندگی و اختیار کو صراحتاً تسلیم کیا جائے گا۔

اللہ کی حاکمیت اور عوام کا اقتدار

۱۳۔ دستور میں یہ بات قانوناً واضح کر دی جائے گی کہ حاکمیت صرف اللہ رب العالمین کی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر پاکستان کے مسلمان عوام مملکت پاکستان کے اختیارات کے اصل مالک ہوں گے۔

انتخابی طریق شخصی نہیں جماعتی

۱۴۔ پاکستان کی مجالس شوریٰ (اسمبلیوں) وغیرہ میں نمائندگی کے لئے انتخابات کا نظام شخصی مقابلہ کے بجائے، جماعتی مقابلہ پر قائم کیا جائے گا اور افراد کے بجائے جماعتیں اپنے منشور و پروگرام کی اساس پر انتخابات میں حصہ لیں گی اور فی صد کامیابی کے تناسب سے مجالس شوریٰ کی رکنیت کی حقدار بنیں گی اور تشکیل حکومت کریں گی۔

نظام شرعی کا قیام

محکمہ احتساب

۱۔ قرآن حکیم کے فرمان:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

(وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دینگے نیکی کا حکم کرینگے اور برائی سے روکیں گے)

کے تحت ایک "محکمہ احتساب" قائم کیا جائے گا۔

ا پابندی نماز

ملک میں مسلمان عوام سے نماز باجماعت کی پابندی کرائے گا اور بلا عذر شرعی قصداً نماز ترک کر دینے والوں کو شرعی سزائیں دے گا۔

ب زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی اور خرچ

ہر صاحب نصاب مال دار کے مال میں سے مقررہ مقدار زکوٰۃ اور پیداوار میں سے عشر و نصف عشر نکالنے اور اس کو مقررہ مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنے، نیز صدقات واجبہ حکم شرعی کے مطابق نکالنے اور مستحقین میں تقسیم کرنے کی نگرانی کرے گا۔

ج شعائر اسلامی کی پابندی

تمام عبادات، احکام و شعائر اسلامی کی پابندی کرائے گا۔

د- دعوت وتبلیغ کا انتظام اور بندش منکرات

پورے ملک میں حکومتی سطح پر شعبۂ تبلیغ اور دعوت وارشاد کے تحت تمام احکام شرعیہ کی پابندی اور محرکات ومنکرات شرعیہ سے اجتناب کا اہتمام کرے گا۔

ھ- شرعی سزائیں

زنا، چوری، رہزنی اور شراب خوری مسکرات کا استعمال، قابل دست اندازی پولیس اور ناقابل مصالحت جرائم ہوں گے۔

ان پر شرعی سزائیں، حد زنا، حد سرقہ، حد رہزنی اور حد شرب خمر وحد قذف وغیرہ جاری کرے گا۔ غیر قانونی درآمد برآمد، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری پر شرعی سزائیں نافذ کرے گا۔

ز- اسلامی اخلاق کا تحفظ

قانونی سطح پر ملک سے فحاشی عریانی، بے حیائی اور ثقافت کے نام پر کیے جانے والے رقص وسرود وغیرہ کی۔ نیز اخبارات ورسائل اور تجارتی اشتہارات وغیرہ میں شائع کیے جانے والے مخرب اخلاق فوٹو، مواد اور تصاویر کی اشاعت کو قابل سزا جرم قرار دے گا۔

نظامِ تعلیم

۱۔ نظامِ تعلیم مکمل اسلامی ہو گا۔

تعلیم کی بنیاد

۲۔ تعلیم کی بنیاد اسلام پر، اسلام کی تاریخ پر اور مادری زبان کی اساس پر رکھی جائے گی۔

حصولِ تعلیم

۳۔ دسویں (میٹرک) جماعت تک تعلیم بالکل مفت ہو گی۔ اوپر کے درجات میں بھی تعلیم کو سستا اور سہل الحصول کر دیا جائے گا اور بتدریج دس سال کے اندر تمام درجات میں تعلیم مفت کر دینے کی کوشش کی جائے گی۔

فنی تعلیم

۴۔ فنی اور سائنسی تعلیم کے ادارے بکثرت اور جگہ جگہ کھولے جائیں گے۔

حصولِ تعلیم میں رکاوٹ کا خاتمہ

۵۔ تعلیم کا دروازہ سب کے لیے یکساں طور پر کھلا رکھا جائے گا اور داخلوں پر کسی

قسم کی رکاوٹ عائد نہیں رہنے دی جائے گی۔

تعلیم بالغان

۶۔ اَن پڑھ بالغان کی تعلیم کا بھی وسیع پیمانہ پر ایسا انتظام کیا جائے گا کہ ۵ سال کے اندر کم از کم ملک کی ۱/۲ بالغ آبادی بنیادی تعلیم سے بہرہ ور ہو جائے اور بیس سال کے اندر اندر ملک میں کوئی بالغ اَن پڑھ نہ رہنے پائے۔

کسانوں اور مزدوروں کے بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام

۷۔ دیہات میں کسان آبادی کی سہولت کے لئے اور شہروں میں، کارخانوں کی مزدور آبادی کی سہولت کے لئے ان کے قریب ہی ثانوی (میٹرک) معیار تک تعلیم کا مفت انتظام کیا جائے گا۔

غریبوں کے بچوں کے لئے حصول تعلیم کی سہولتیں

۹۔ سکولوں سے کامیاب ہونے والے غریبوں کے بچوں کی اعلیٰ فنی تعلیم کا مفت انتظام کیا جائے گا۔

اعلیٰ تعلیمی اداروں کی حیثیت

۱۰۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے با اختیار ہوں گے اور منتخبہ انتظامیہ کی نگرانی میں کام کریں گے۔

پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی حیثیت

۱۱۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی، اور حکومت ان کے انتظامات

کی اس طرح نگرانی کرے گی کہ ان اداروں کی تعلیمی آزادی اور خود مختاری متاثر نہ ہونے پائے۔

دینی تعلیمی ادارے

۱۲۔ دینی مدارس کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی ترقی میں زیادہ سے زیادہ مدد دی جائے گی۔ ان کی سندات، سرکاری درسگاہوں کی سندات کے برابر شمار ہوں گی اور ان مدارس کی ہر مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

نصاب تعلیم میں

۱۳۔ نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات سے آخر تک قرآن حکیم با معنی و تفسیر سنّت رسولؐ تاریخ صحابہؓ و اسلاف اور ضروری و بنیادی مسائل شرعیہ کو لازماً شامل کیا جائے گا۔

نصاب تعلیم سے خارج

۱۴۔ نصاب تعلیم میں اسلامی عقائد، عقیدۂ ختم نبوّت اور مسلک اہل سُنّت کے خلاف کوئی بات شامل نہیں ہونے دی جائے گی۔

تعلیم گاہوں میں احترام دینی کا انتظام

۱۵۔ تعلیم گاہوں میں ارکان دین کی ادائیگی اور احترام دین کی پابندی لازمی ہوگی۔

بیرونی غیر مسلم مشنریز کے ادارے

۱۶۔ بیرونی عیسائی مشنوں و دیگر غیر مسلموں کے تعلیمی ادارے بند کر دیئے جائیں گے۔

ملک کی غیر مسلم اقلیت کے تعلیمی ادارے

۱۷۔ ملکی غیر مسلم اقلیتوں کو اپنی مذہبی تعلیم کے ادارہ جات کھولنے کا حق ہوگا۔ لیکن ان میں کسی مسلمان بچے یا بچی کا داخلہ ممنوع ہوگا۔

اسلامی تعلیم عام تعلیمی اداروں میں

۱۸۔ عام تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیم لازمی ہوگی، لیکن غیر مسلم اقلیتوں کے بچوں کے لئے لازم نہ ہوگی۔

مخلوط تعلیم کی ممانعت

۱۹۔ مخلوط تعلیم کو ممنوع قرار دے دیا جائے گا۔

عورتوں کی تعلیم کا انتظام

۲۰۔ عورتوں کی تعلیم کے لیے الگ اسلامی اصولوں کے مطابق انتظام کیا جائے گا۔

انگریزی زبان کی تعلیم

۲۱۔ انگریزی زبان کی تعلیم کو اختیاری مضمون کی حیثیت میں رکھا جائے گا۔

عربی زبان کی تعلیم

۲۲۔ عربی زبان کو تعلیمی اداروں میں لازمی زبان کا مقام حاصل ہوگا۔

علاقائی زبانیں

۴۳۔ علاقائی زبانوں کو ترقی دی جائے گی۔

فنی وغیر فنی تعلیمی اداروں میں اضافہ ووسعت

۴۴۔ ملک میں تعلیمی ادارے، اعلیٰ تعلیم کے ادارے، فنی وسائنسی تعلیم کے ادارے زرعی و صنعتی تعلیم کے ادارے جگہ جگہ اور وسیع پیمانے پر کھولے جائیں گے اور ان کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی جائے گی۔

داخلہ کی پابندیاں ختم

۴۵۔ تعلیمی اداروں میں داخلہ اہلیت کی بنیاد پر ہوگا اور ان میں مقامی لوگوں کو شہری اور دیہی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی جائے گی۔

ذریعۂ تعلیم

۴۶۔ ملکی سطح پر ذریعۂ تعلیم اُردو ہوگا۔

صحت

حفظانِ صحت اور علاج کا وسیع انتظام

۱۔ ملک میں اعلیٰ پیمانہ پر حفظانِ صحت اور علاج کا ایک وسیع ترین ادارہ تشکیل دیا جائے گا جس کے منصوبہ میں دیہات کی کسان آبادیوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں اور شہر کے غریبوں کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

جگہ جگہ علاج کے مراکز

۲۔ ہر علاقہ میں مناسب طبّی امداد کے مراکز، زچہ خانے اور صفائی کا باقاعدہ انتظام کیا جائے گا۔

معالجین کا تعیّن

۳۔ ان مراکز میں مستند و ماہر معالج متعیّن کیے جائیں گے۔

علاج کی سہولتیں بلا معاوضہ

۴۔ علاج کی تمام سہولتیں بلا معاوضہ مہیّا کی جائیں گی۔

بڑے ہسپتالوں کا قیام

۵۔ ہر تحصیل میں ایک بڑا ہسپتال قائم کیا جائے گا۔ جس میں تشخیص و علاج کا جدید انتظام

ہو گا اور غریب عوام کو علاج کی خصوصی سہولتیں وہاں حاصل ہوں گی۔ ہر یونین کونسل کی سطح پر ایک ہیلتھ سنٹر قائم کیا جائے گا۔ جس میں زچہ بچہ کے لئے خصوصی اہتمام ہو گا۔ تمام ہسپتالوں میں مردوں کے لئے مردانہ اور عورتوں کے لئے زنانہ سٹاف مہیا کیا جائے گا۔

نرسنگ کالجوں کا قیام

۶۔ ہر ضلع میں کم از کم ایک نرسنگ کالج قائم کیا جائے گا۔ جس میں مڈوائفری، ابتدائی طبّی امداد اور نرسنگ کی تعلیم و تربیت کا مکمل انتظام ہو گا تا کہ ان کالجوں سے تربیت یافتہ افراد اپنے قریبی علاقہ میں رہ کر عوام کی زیادہ سے زیادہ علاج معالجہ کی خدمات انجام دے سکیں۔

ملک میں دوا سازی کا اہتمام

۷۔ ملک میں ہر قسم کی دوا سازی کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا جائے گا اور دواؤں کے سلسلہ میں ملک کو خود کفیل بنایا جائے گا۔ دوا سازی میں شرعی امور کا لحاظ رکھا جائے گا اور ریسرچ سنٹر قائم کیے جائیں گے۔

یونانی ہومیوپیتھک اور آیورویدک طریقہ ہائے علاج

۸۔ ملک میں دیسی یونانی ہومیوپیتھک اور آیورویدک طب کو فروغ دیا جائے گا۔ ان طریق ہائے علاج کے ماہرین کو ایلوپیتھک معالجین کے برابر حقوق دیئے جائیں گے اور ان طریقہ ہائے علاج کے کالج و شفا خانے اور دوا ساز ادارے قائم کیے جائیں گے۔

طبّی تعلیم کے ادارے

۹۔ ملک میں صوبے کی سطح پر میڈیکل یونیورسٹی اور ڈویژن کی سطح میڈیکل کالج قائم کیے جائیں گے۔

حصولِ معاش کے مواقع

۱۔ پاکستان کے ہر شہری کو حصولِ معاش (روزگار) کے باعزت مواقع مہیا کیے جائیں گے اور عورتوں کو اپنے مخصوص شعبوں میں شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ملازمت کے مواقع مہیا کیے جائیں گے۔

بے زمین کسانوں کیلئے معاش کا انتظام

۲۔ دیہات میں کاشت کا کام کرنے والے بے زمین افراد کو ایک کنبہ (فیملی) کی بالسہولت گزر اوقات کے لئے حسبِ گذارہ، زرعی زمین کا قطعہ مفت دیا جائے گا۔

بلاسُود تقاوی

۳۔ ضرورت کی صورت میں بلاسُود تقاوی بھی مہیا کی جائے گی۔

مالیہ سے مستثنٰی

۴۔ اتنا قطعہ زمین ہر قسم کے مالیہ سے مستثنٰی ہوگا۔

دیہات میں چھوٹی چھوٹی صنعتوں کا قیام

۵۔ دیہات میں جگہ جگہ مقامی چھوٹی چھوٹی صنعتیں (لوکل سمال انڈسٹری) قائم کی جائیں گی۔

جیسے پھلوں، سبزیوں، مچھلیوں وغیرہ کو ڈبوں میں بند کرنے کی صنعت؛ چھوٹے چھوٹے زرعی آلات ہل وغیرہ بنانے کی صنعت، ڈیری فارم، پولٹری فارم اور دستکاری کے مراکز کا قیام تاکہ دیہات کی آبادی کو روزگار مہیا ہو سکے اور وہ دیہات چھوڑ کر شہر میں منتقل ہونے پر مجبور نہ ہوں۔

بلا سود امداد باہمی کے اسٹور

۶۔ دیہات میں بلا سود امداد باہمی کے اصول پر اجناس وضروریات کی فروخت وخرید کے "اسٹور" کھولے جائیں گے۔

شہروں میں صنعتوں و کارخانوں کا قیام

۷۔ شہروں میں صنعتوں اور کارخانوں کا وسیع جال پھیلایا جائے گا جن میں زیادہ سے زیادہ مقامی افراد کو روزگار مہیا ہو سکے۔

بے روزگاری کے کلیتہ خاتمہ کی کوشش

۸۔ غرضیکہ دیہات اور شہروں سے بے روزگاری کا کلیتہً خاتمہ کر دیا جائے گا۔

گذارہ الاؤنس

۹۔ اس سب کے باوجود اگر کوئی شخص بے روزگار رہ جاتے گا تو اس کا گذارہ الاؤنس مقرر کر دیا جائے گا۔

سرپرستی سے محروم اور معذور افراد کی معاش کا انتظام

۱۰۔ معذور ہو جانے والے افراد کسی وجہ سے روزگار کے قابل نہ رہنے والے افراد

سرپرست کے فوت ہو جانے سے یتیم، بیوہ اور بے سہارا رہ جانے والے افراد کے گذارہ کا فوراً معقول انتظام کیا جائے گا۔

مالیات واقتصادیات

ملکی دولت پر اجارہ داری کا خاتمہ

۱۔ قرآنی ہدایت

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (اغنیاء کے درمیان دولت (محصور) نہ رہنے پائے)

کے مطابق ملکی دولت کو چند خاندانوں اور مخصوص طبقہ میں سمٹ آنے کے تمام ذرائع کو بند کر دیا جائے گا۔

ناجائز اور غیر شرعی ذرائع کا خاتمہ

۲۔ سودی کاروبار، سٹہ بازی، بنک کاری اور انشورنش وغیرہ جیسے کاروبار جن کے ذریعہ عوام کا اقتصادی استحصال کیا جاتا ہے اور ملکی دولت ایک خاص طبقہ کے اندر سمٹتی جاتی رہتی ہے۔ ان کی بیخ کنی کر کے یا ان کی شرعی احکام کے مطابق اصلاح کر کے ملکی دولت کو ملک بھر کے عوام میں دائر و سائر رکھنے کے وسائل بروئے کار لائے جائیں گے۔

سُود اور سُودی کاروبار کی ممانعت

۳۔ سودی کاروبار اور سُودی لین دین کی ہر شکل کو ہر شعبہ سے بالکل خارج کر دیا جائے گا

اور آئندہ کے لئے سودی کاروبار ممنوع اور سخت تعزیر کا موجب قرار دیا جائے گا۔

بینکوں اور مالیاتی اداروں کا جدید انتظام

۴۔ تمام سرکاری وغیر سرکاری بینکوں اور اداروں کو مضاربت یا شرکت کے اصول پر مشترک سرمایہ سے چلنے والی عوامی صنعتیں اور تجارتی کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

ناجائز طور پر حاصل کردہ دولت

۵۔ جن لوگوں نے ناجائز اور حرام طریقوں سے مثلاً سود، سٹہ، قمار، رشوت، چور بازاری، سمگلنگ، ناجائز اور غیر قانونی اشیاء کی درآمد برآمد یا ناجائز زرِ مبادلہ کے ذریعہ دولت حاصل اور جمع کی ہے ان کی ایسی تمام دولت واپس لے کر،

اوّل کوشش کی جائے گی کہ جن لوگوں سے انہوں نے یہ دولت حاصل کی تھی انہیں واپس کر دی جائے، ورنہ ملک کے محتاج اور مفلس طبقوں میں حسبِ ضرورت تقسیم کر دی جائیگی۔ (جیسا کہ اس قسم کا محاسبہ حضرت فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں عام طور سے کیا جاتا رہا ہے)

ملک کے قدرتی وسائل عوام کی ملکیت ہوں گے

۶۔ ملک کے قدرتی وسائل معیشت، معدنیات، گیس، پانی، جنگلات، تیل وغیرہ کسی ایک فرد، خاندان یا ادارہ کی ملکیت واجارہ داری میں نہیں رہنے دیئے جائیں گے۔ وہ شریعت کی رُو سے حکومت کی ملکیت ہوں گی۔ آمدنی بیت المال میں جائے گی۔ ان پر تصرّف کا حق صوبائی حکومتوں کو ہوگا اور محاصل حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں شریعت کے مطابق بروئے کار لائیں گی۔

سرکاری اخراجات میں تخفیف

۱۔ حکومت کے اخراجات میں اندرون ملک اور بیرون ملک زیادہ سے زیادہ تخفیف کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

سرکاری تقریبات کے اخراجات، سفارت خانوں کے اخراجات، صدر اور وزیراعظم کے اخراجات حکام بالا کے اخراجات، سرکاری، نیم سرکاری اور خودمختار اداروں کے اخراجات اور تمام محکمہ جات کے اخراجات کی چھان بین کے لئے ایک اعلیٰ کمیشن قائم کیا جائے گا جو نمائشی، غیرضروری اور فاضل اخراجات کی نشان دہی کرے گا اور صرف نہایت ضروری اخراجات کا تعین کرے گا۔

اس کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں تمام فاضل، غیرضروری اور نمائشی اخراجات ختم کردیئے جائیں گے اور صرف ضروری اخراجات قائم و باقی رکھے جائیں گے۔

تجارت

اجارہ داری اور سٹہ بازی کی ممانعت

۱۔ تجارت میں اجارہ داری اور سٹہ بازی کو بالکل ممنوع قرار دے دیا جائے گا۔

تجارت سے سُود کا اخراج

۲۔ قرآنی حکم " اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا "
اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔
کے تحت تجارت کو سُود کی ہر قسم سے پاک کر دیا جائے گا۔

چھوٹے تاجروں کیلئے زیادہ سہولت اور مواقع

۳۔ چھوٹے تاجروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

اشیاء کی قیمتیں

۴۔ ملک بھر میں اشیاء کی قیمتیں غریب عوام کی قوتِ خرید کے مطابق مقرر کی جائیں گی۔

ذخیرہ اندوزی چور بازاری اور ملاوٹ

۵۔ ذخیرہ اندوزی چور بازاری اور ملاوٹ کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے مرتکبین کو

سخت ترین سزا دی جائے گی۔

تجارت میں ناجائز نفع اندوزی کے رجحان کا خاتمہ

۶۔ تجارت میں زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی کے رجحان کو ختم کر کے کم سے کم نفع کا اصول رائج کیا جائے گا۔

درآمدی اور برآمدی تجارت پر سے اجارہ داری کا خاتمہ

۷۔ درآمدی اور برآمدی تجارت پر کسی کی اجارہ داری قائم نہیں ہونے دی جائے گی۔

ملکی مصنوعات و پیداوار کی برآمدی

۸۔ ملکی مصنوعات و فاضل پیداوار کی برآمدی تجارت کو وسیع تر بنایا جائے گا۔

درآمدی برآمدات

۹۔ درآمدی تجارت کو نہایت ضروری اور بنیادی اشیاء تک محدود کر دیا جائے گا۔

تجارت میں کی جانے والی تمام بدعنوانیوں کا خاتمہ

۱۰۔ تجارت سے ہر قسم کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا جائے گا۔

سرمایہ اور زرِمبادلہ

سرمایہ کی منتقلی

۱۔ پاکستان کے کسی حصہ سے بھی سرمایہ بیرونِ پاکستان منتقل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ بلکہ وہ سرمایہ اُسی حصہ پر خرچ کیا جائے گا۔

زرمبادلہ کا کاروبار

۲۔ زرمبادلہ کا غیر قانونی کاروبار قطعاً ممنوع ہوگا۔

صنعتیں

کلیدی صنعتیں قومی ملکیت ہوں گی

۱۔ بنیادی اور کلیدی صنعتیں جن کا براہِ راست تعلق ملک کے تمام عوام یا اکثریتی عوام کے مفاد سے ہے یا ملک کے دفاعی وعمومی نظام سے ہے جیسے اسلحہ سازی کی صنعت، فولاد سازی، پٹرول کی صنعت معدنیات کی صنعت، طیارہ سازی وغیرہ وغیرہ ان کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا۔

صنعتوں میں مزدوروں کا حصّہ

۲۔ مشترکہ و نجی سرمائے سے چلنے والی بڑی صنعتوں میں بونس کے عوض مزدوروں کا بھی حصّہ رکھا جائے گا۔

انتظام میں مزدوروں کی شمولیت

۳۔ ان صنعتوں کے انتظام اور بورڈ آف ڈائریکٹران میں پچاس فی صد مزدوروں کو بھی نمائندگی دی جائے گی۔

گھریلو اور چھوٹی صنعتیں

۴۔ گھریلو اور چھوٹی چھوٹی صنعتوں کی انفرادی ملکیت کی حیثیت برقرار رکھی جائے گی اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہے گی۔

کارخانے

صنعت کا پیشہ اختیار کرنے کا حق

۱۔ ہر باشندۂ ملک کو صنعت و حرفت کا پیشہ اختیار کرنے کا حق ہوگا اور کارخانہ بھی قائم کر سکے گا لیکن

ناجائز طور پر قائم کردہ کارخانے قومی ملکیت میں لے لیے جائیں گے

۲۔ جو کارخانے ناجائز سیاسی رشوتوں، بیرونی قرضہ جات سے حاصل شدہ رقوم اور ناجائز ذرائع سے کام لے کر قائم کیے گئے ہیں انہیں بلامعاوضہ قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا۔

کارخانوں کا آئندہ قیام

۳۔ آئندہ خصوصی مراعات و مواقع کے ذریعہ انفرادی کارخانے بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

کارخانوں میں عوام اور مزدوروں کا حصّہ

۴۔ حتی الامکان بڑے کارخانے عوامی حصص کی شرکت پر قائم کیے جائیں گے جن کے منافع میں کارخانے کے مزدور و ملازمین کو بھی بقدر حصہ شامل کیا جائے گا۔

اُجرت

۱۔ مزدوروں کو حسب لیاقت و کارگزاری پوری پوری اُجرت دی جائے گی۔

تنخواہ

۲۔ بحالات موجودہ کسی مزدور کی ماہانہ تنخواہ دو ہزار روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ اور ہر سال بعد اس پر نظر ثانی کی جائے گی۔

سکونت، تعلیم اور علاج کا معقول انتظام

۳۔ مزدوروں اور ملازموں کے لیے۔

الف: بہتر سکونتی مکانات کا انتظام کیا جائے گا۔

ب: ان کے بچوں کی تعلیم کا مفت انتظام کیا جائے گا۔

ج: ان کے اداران کے متعلقین کے علاج و معالجہ کے لئے شفاخانوں کا بہتر اور مفت انتظام کیا جائے گا۔

تنخواہوں میں غیر معمولی تفاوت کا خاتمہ

د: مزدوروں اور ملازموں کی تنخواہوں کا غیر معمولی فرق و تفاوت مٹا کر فوری طور پر ایک اور پانچ کی نسبت قائم کر دی جائے گی۔

ملازمتیں

ملازموں کے حقوق

۱۔ تمام سرکاری ملازمین کے حقوق یکساں ہوں گے۔

تنخواہوں میں تفاوت کا خاتمہ

۲۔ تنخواہوں میں تفاوت کم کر کے فوراً ایک اور پانچ کی نسبت قائم کر دی جائے گی۔

ملازمین کے لئے دوسری سہولتیں

۳۔ کم درجوں کے ملازمین کی رہائش، وسائل سفر، علاج، بچوں کی تعلیم وغیرہ کا انتظام سرکاری طور پر اور مفت کیا جائے گا۔

ملازمین کی دوسری مشکلات کا حل

۴۔ ملازمین کو عام اور ضروری رخصتوں، بیماری کے دوران چھٹیوں، معذوری اور بڑھاپے

کی پنشن اور حادثات کے معاوضہ کی مکمل سہولتیں دی جائیں گی۔ ملازمت کے دوران فوت ہو جانے کی صورت میں پس ماندگان کے گذارہ کا معقول انتظام کیا جائے گا۔

تعطیلات

جمعہ کو تعطیل ہوگی

۱۔ پاکستان میں ہفتہ وار تعطیل جمعہ ہی کو ہوا کرے گی۔

دوسری تعطیلات

۲۔ عیدین اور ضروری تاریخی دنوں کی تعطیل کا تعین دینی اور ملی تقاضوں کے مطابق کیا جائے گا۔

اوقات کار

کم سے کم اوقات

۱۔ ملازموں اور مزدوروں کے اوقات کار کم سے کم رکھے جائیں گے۔

آٹھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں

۲۔ اوقات کار کی مدت ۸ گھنٹے سے زیادہ ہرگز نہیں ہوگی۔

خطرناک کاموں کے اوقات میں مزید کمی

۳۔ خطرناک کاموں کے اوقات کار بہت کم کر دیئے جائیں گے۔

نماز، آرام و طعام کا وقفہ

۴۔ اوقات کار میں نمازوں کے لیے وقفہ اور آرام اور ناشتہ و کھانے کا وقفہ بھی دیا جائے گا۔

اوور ٹائم

۵۔ اوور ٹائم جبری نہیں لیا جائے گا۔

اوور ٹائم کا معاوضہ

۶۔ اوور ٹائم کا معاوضہ کم سے کم دوگنا ہو گا۔

زراعت

زمین کا اصل مالک

من احیا ارضا میتۃ فھی لہ ولیس لعرق ظالم حق فیھا

جس نے بھی بے آباد زمین کو آباد کیا وہ زمین اس کے لئے ہے اور جابر ظالم کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

۱۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق جس نے افتادہ زمین کو آباد کیا وہی اس

کا مالک قرار دیا جائے گا۔

دوسرے جائز مالکان زمین

۲۔ پھر وہ لوگ مالک سمجھے جائیں گے جن کو یہ زمین وراثت میں، ہبہ میں، وقف میں یا فروختگی میں جائز طور پر منتقل ہو گی۔

ناجائز طور پر حاصل کردہ زمینوں کی واپسی

۳۔ سیاسی رشوت کے طور پر، دھوکہ اور فریب کے ذریعہ جبراً اور ناجائز طور پر سے جو زمینیں وجاگیریں حاصل کی گئی ہیں وہ بغیر معاوضہ کے واپس لے لی جائیں گی اور اس علاقے کے مستحق کاشت کاروں میں تقسیم کر دی جائیں گی۔

اراضی کی تحدید ملکیت

۴۔ اراضی ملکیت کی کم یا زیادہ کوئی حد شریعت نے مقرر نہیں کی، لیکن اگر بڑی زمینداریاں ملکی نظام معیشت اور اجتماعی معاشی نظم و نسق کو فاسد کرنے کا سبب بن گئی اور شدید تر مذہبی ملّی و ملکی مفاسد اور خطرات نمودار ہو رہے ہیں تو شریعت کے اصولوں کی ہی روشنی میں اراضی کی ملکیت کی مناسب تحدید حکومت کرے گی۔ مزید وضاحت کے لئے ضمیمہ نمبر ا دیکھئے۔

اراضی پر مالکانہ تصرّف کا حق اور مزارع

۵۔ مالک اراضی کو اپنی زمین میں ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہو گا، مگر ظلماً اور بلا شرعی وجہ کے مزارع کو بے دخل نہیں کیا جا سکے گا۔

مزارعین کی بے دخلی

۶۔ جن مزارعین نے زمینوں میں ترقیاتی کام کیے ہیں، ان کا پورا پورا معاوضہ دیئے بغیر بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔

مزارعین کی ذمہ داری

۷۔ مزارعین کو کسی مالک اراضی کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

مزارعت کی شرعی حیثیت

۸۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے زمین کو بٹائی پر دینے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اگر ملک کا زرعی نظام مندرجہ بالا اصلاحات کے باوجود درست نہ ہو سکے تو حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق بٹائی پر زمین دینے پر پابندی لگا دے اور مالک اراضی کو حکم دے کہ یا تو وہ اپنی اراضی خود کاشت کرے یا کرایہ یا اجارہ پر اٹھائے۔

چھوٹے قطعات کے مالکان زمین کی مشکلات کا حل

۹۔ زمین کے چھوٹے قطعات کے مالکان کو بڑے قطعات کے مالکان کے دباؤ کے اثر سے نجات دلائی جائے گی۔ اور انہیں اپنی زمینوں پر غیر مشروط مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے۔

زراعت کی جدید سہولتوں کا عام استعمال

۱۰۔ زراعت کی جدید سہولتیں دیہات میں عام کی جائیں گی۔ جدید زرعی آلات کا استعمال قومی سطح

پروسیع تر بنایا جائے گا۔

زرعی زمینوں کا تحفظ

۱۱۔ زرعی زمینوں کا سیم و تھور سے تحفظ کیا جائے گا۔

زمینوں کا سیلاب سے تحفظ

۱۲۔ زرعی زمینوں کو سیلاب سے محفوظ کرنے کا مستقل بندوبست کیا جائے گا۔

زرعی پیداوار کی فروخت میں کاشتکاروں کا حق

۱۳۔ زرعی پیداوار کی فروخت کا ایسا انتظام کیا جائے گا کہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ آڑھتیوں، سٹاک ہولڈروں، اسٹاک ایکس چینجوں، بنکوں، سٹہ بازوں، دلالوں وغیرہ کی جیب میں جانے کے بجائے کاشتکاروں اور کھیت مزدوروں کو پہنچے۔

نئی آباد کی جانے والی زمینیں

۱۴۔ نئی آباد کی جانے والی زمینوں کو آسان شرائط پر صرف خود کاشت کرنے والوں کو دیا جائے گا اس میں اولیت اور فوقیت مقامی کاشت کاروں و کھیت مزدوروں کو ہوگی۔

خود کاشت کے لئے زمین کا قطعہ

۱۵۔ جن لوگوں سے ناجائز زمینیں واپس لی جائیں گی اگر ان کا ذریعۂ معاش کوئی دوسرا نہیں ہوا یا ناکافی ہوا تو گذارہ کے مطابق خود کاشت کے لئے انہیں قطعہ زمین دیا جائے گا۔

مالیہ کی وصولی کا نظام

۱۶۔ زرعی زمینوں پر سے مالیہ وصول کرنے کے طریقوں کی شریعت کے اصولوں کی روشنی میں اصلاح کی جائے گی اور بدعنوانیوں دبے جا مداخلتوں کا مکمل سدباب کیا جائے گا۔

صنعتی مقاصد کے لیے قابلِ زراعت زمین استعمال کرنے کی ممانعت

۱۷۔ صنعتی ضروریات کے لیے قابلِ زراعت اراضی کو استعمال نہیں ہونے دیا جائے گا۔

نظامِ آبپاشی

۱۸۔ زرعی اراضی کی آبپاشی کے لئے نہروں کا جال بچھایا جائے گا۔ ڈیم تعمیر کیے جائیں گے اور ٹیوب ویل نصب کیے جائیں گے۔

۱۹۔ اراضیات کو سیلاب سے بچانے اور پانی کو زرعی استعمال میں لانے کے لئے سمال ڈیمز تعمیر کیے جائیں گے۔

۲۰۔ تمام نہروں کو پختہ کیا جائے گا۔

عدلیہ کا نظام

آزاد عدلیہ

۱۔ عدلیہ مکمل طور پر انتظامیہ سے آزاد ہوگی۔

آسان تر حصولِ انصاف

۲۔ حصولِ انصاف کے طریقے بالکل آسان بنائے جائیں گے۔

مُفت انصاف

۳۔ عدالتوں سے انصاف کا حصول مفت ہوگا۔

تقرر کی اہلیت اسلام ہوگی

۴۔ ججوں اور منصفوں کا تقرر کتاب وسنّت وشریعت اسلامیہ کی مکمل واقفیت اور اسلامی سیرت کے معیار وا ہلیّت پر ہوا کرے گی۔

قوانین اسلامی ہوں گے

۵۔ ملک کے دیوانی وفوجداری قوانین میں شریعت کے مطابق تبدیلیاں کی جائیں گی۔

انتظامیہ کو عدالت میں چیلنج کیا جائے گا

۶۔ انتظامیہ کسی بھی ادارے اور اس کے ہر چھوٹے و بڑے افسر اور ملازم کے کسی بھی فعل کو عدالت میں چیلنج کرنے کا حق ہر شہری کو حاصل ہوگا۔

انتظامیہ

سول سروس کے نظام کا خاتمہ

۱۔ انگریزوں کے زمانہ کی سول سروس کے غیر ملکی نظام میں انقلابی تبدیلیاں کی جائیں گی۔

انتظامیہ کی حیثیت

۲۔ انتظامیہ کے ادنیٰ و اعلیٰ سب ہی ارکان کی حیثیت ملک و ملت کے خادم و نگہبان کی ہوگی۔

نمود و نمائش اور پرسٹیج کا خاتمہ

۳۔ تمام نمود و نمائش، ٹھاٹ باٹ مصنوعی رُعب و داب اور پرسٹیج کے طریقے ختم کر دیئے جائیں گے۔

انتظامیہ کے کارکن کا کردار

۴۔ انتظامیہ کا کوئی رکن دورانِ ملازمت کوئی دوسرا کاروبار کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔

حسنِ سلوک کی شرط

۵۔ عوام اور حاجت مند افراد کے ساتھ حسنِ سلوک انتظامیہ کی اوّلین بنیاد ہوگی۔

ترقی کا دارومدار

۶۔ دیانت دارانہ کارکردگی پر ہی ترقی مل سکے گی۔

بدعنوانی اور رشوت پر سخت گرفت

۷۔ رشوت بدعنوانی کے ارتکاب پر برطرفی کے علاوہ سخت ترین سزا دی جائے گی۔

عہدوں سے فائدہ اٹھانے پر سزا

۸۔ عہدہ اور ملازمت سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر برطرفی کے ساتھ سخت سزا دی جائے گی۔

انتظامیہ عدالت کے رُوبرو

۹۔ انتظامیہ کی تمام کارروائی کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

اسلامی اصولوں کی برتری

۱۰۔ انتظامیہ کی تمام کارگزاریوں میں اسلامی نظام اور اسلامی عظمت کے خطوط نمایاں رکھے جائیں گے۔

ٹیکس

غیر شرعی ٹیکسوں کا خاتمہ

۱۔ مخالف شریعت تمام ٹیکس ختم کر دیئے جائیں گے۔

ٹیکس ناقابل برداشت نہیں ہوں گے

۲۔ عوام کی برداشت سے باہر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔

بنیادی ضروریات ٹیکس سے مستثنٰی

۳۔ بنیادی ضروریات کی ہر چیز ٹیکس سے مستثنٰی ہوگی۔

ٹیکس عائد کرنے میں مفادِ عامہ کی شرط

۴۔ ٹیکس مفاد عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے لگائے جائیں گے

نشر و اشاعت

پریس آزاد ہوگا

۱۔ اخبارات و پریس کو ــــــــــ مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

نشر و اشاعت میں اسلام و عوام کا مفاد مقدم ہوگی

۲۔ نشر و اشاعت کے تمام وسائل اسلام کی تبلیغ و تشہیر پاکستان کے استحکام و سالمیت اور عوام کے نقطۂ نظر کے اظہار کے لئے استعمال کیے جائیں گے۔

عوام کا کنٹرول

۳۔ براڈکاسٹنگ اور اخبارات وغیرہ پر عوام کا کنٹرول ہوگا۔

حکومت وغیرہ کی اجارہ داری سے آزادی

۴۔ اخبارات حکومت کی، کسی گروہ کی یا کسی فرد کی اجارہ داری میں نہیں رہنے دیئے جائینگے۔

عوام کی ملکیت

۵۔ اخبارات کی ملکیت میں غالب حصہ عوام کا ہوگا۔

۶۔ نیشنل پریس ٹرسٹ توڑ دیا جائے گا۔

۷۔ مارشل لاء دور میں برطرف کیے گئے صحافیوں کو بحال کر دیا جائے گا۔

اقلیتیں

حقوق

۱۔ پاکستان کی موجودہ غیر مسلم اقلیت کو اسلام کی طرف سے عطا کردہ مذہبی آزادی، شہری حقوق اور حصولِ انصاف کے مواقع بلا امتیاز اور یکساں طور پر حاصل رہیں گے۔

ختم نبوت کے منکرین

۲۔ کسی بھی مسلمان کے ختم نبوت کے عقیدے سے انحراف کو ارتداد قرار دیا جائے گا۔

ارتداد کی ممانعت

۳۔ مسلمانوں میں آئندہ نئی فرقہ بندی اور ارتداد کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے گی۔

اوقاف

محکمہ اوقاف

۱۔ محکمہ اوقاف قائم رکھا جائے گا۔

اوقاف کے نظام میں اصلاح

۲۔ لیکن اوقاف کا نظام از سرِ نو خالص شریعت کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا۔

وقف کے مصارف

۳۔ وقف کی آمدنی صرف واقف کی وصیت و منشاء کے مطابق ہی خرچ کی جائے گی۔

خارجہ پالیسی

آزاد و غیر جانبدار

۱۔ اسلامی عظمت کے اظہار پر مبنی، آزادانہ و غیر جانبدارانہ ہو گی۔

بیرونی اثرات سے پاک

۲۔ مغربی سامراج و اشتراکی بلاکوں کے اثرات سے پاک ہو گی۔

مسلمان ملکوں سے اشتراک

۳۔ مسلمان ملکوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اشتراک پر مبنی ہو گی۔

امن عالم

۴۔ نوع انسانی کی فلاح و بہبود اور امن عالم کو برقرار رکھنے میں معاون ہو گی۔

اسلامی اقدار

۵۔ تمام بین الاقوامی معاملات میں اسلامی نقطہ نظر کے اظہار کو مقدم رکھا جائے گا۔

جدوجہد آزادی کی حمایت

۶۔ محکوم ملکوں کی جدوجہد آزادی کی حمایت و معاونت کی جائے گی۔

عوامی حقوق کی جدّوجہد

۷۔ بین الاقوامی معاملات میں بحالی حقوق کی جدوجہد کی حمایت کی جائے گی

غیر مسلم ملکوں کی مسلمان اقلیت

۸۔ دنیا کے جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں ان کی اسلامی حیثیت، اسلامی وحدت، باعزت رہائش و روزگار اور جان و مال کے تحفظ کے لیے زبردست کوشش جاری رکھی جائے گی

غیر مسلم حکومتوں میں مسلم اکثریت کے علاقے

۹۔ دنیا کے جن حصوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں خواہ وہ امریکہ میں ہوں، یورپ میں ہوں، ایشیا میں ہوں یا چین میں ہوں۔ ان کی جداگانہ آزاد مملکت کے قیام کی حمایت کی جائے گی۔

خارجہ پالیسی کے اہم معاملات

۱۰۔ فلسطین، بیت المقدس اور تمام عرب علاقوں سے یہودی و امریکی، برطانوی سامراج تسلّط کے خاتمہ، افغانستان میں روسی جارحیت، کشمیر کی آزادی، بھارت کے مسلمانوں کی جان و مال، آبرو، دین، معاش، رہائش وغیرہ کے تحفظ کی کوشش کو پاکستان کی خارجہ پالیسی میں اوّلین و بنیادی اہمیت حاصل ہوگی۔

موجودہ مسائل

۱۔ صوبوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

نمائندگی

۲۔ اسمبلیوں ذوقومی اداروں میں نمائندگی تناسب آبادی کے مطابق مقرر کی جائے گی۔ سینٹ میں نمائندگی برابری کی بنیاد پر براہِ راست انتخاب کے ذریعے ہوگی۔

مرکزی محکمے

امورِ خارجہ، دفاع، کرنسی اور بین الصوبائی مواصلات کے محکمے مرکز کے پاس رہیں گے۔ بیرونی تجارت صوبوں کے پاس رہے گی۔ جبکہ پالیسی وفاقی حکومت طے کرے گی۔

صوبوں کے اختیارات

۴۔ بقیہ معاملات میں صوبوں کو خود مختاری حاصل رہے گی۔

ملک کی وحدت و سالمیت مقدم ہوگی

۵۔ ملک کی سالمیت و وحدت کے پیشِ نظر وہ تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں گے۔ جس سے تمام صوبوں کے درمیان عدم مساوات و تفاوت کا خاتمہ ہو جائے۔

پسماندہ علاقوں کی ترقی

۶۔ صوبوں کے پسماندہ علاقوں کی ترقی پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اور صوبائی ملازمتوں میں وہیں کے باشندوں کا تقرر کیا جائے گا۔

ملازمتوں میں صوبوں کی نمائندگی

۷۔ فوجی اور مرکزی ملازمتوں میں صوبوں کو آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی جائیگی۔

پانی کی تقسیم

۸۔ ملک بھر میں پانی کی تقسیم شرعی اصولوں کے تحت کی جائے گی۔

ایٹمی توانائی کا فروغ

۹۔ ایٹمی اور شمسی توانائی کو فروغ دے کر توانائی کے بحران کو ختم کیا جائے گا۔

پانی اور بجلی کی فراہمی

۱۰۔ ہر گاؤں اور ہر شہری میں پینے کے لئے صاف پانی اور بجلی مہیا کی جائے گی۔

۱۔ ہر انسان کا بنیادی حق ہے کہ اسے رہائش کے لیے حسب ضرورت جگہ اور مکان میسر ہو۔

حکومت کی ذمہ داری

۲۔ اور یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ہر ضرورت مند کو رہائش کے لیے جگہ اور مکان مہیا کرے۔

ہر شہری کے لیے رہائش کا انتظام

۳۔ چنانچہ ایسا انتظام کیا جائے گا کہ پاکستان کا کوئی شہری بھی رہائش سے محروم نہ رہے۔

مواصلات

سڑکیں

۱۔ ملک بھر میں پختہ سڑکوں کا جال پھیلایا جائے گا تاکہ تمام دیہات ایک دوسرے سے مربوط ہو جائیں اور اپنے مرکزی شہروں سے سڑکوں کے ذریعہ ملحق ہو جائیں۔

رسل و رسائل کی سہولتیں

۲۔ مواصلات و رسل و رسائل کے تمام جدید ذرائع شہروں میں اور دیہاتوں میں عام کیے

پسماندہ علاقوں میں مواصلات

۳۔ مواصلات کو ترقی دینے میں اولیت پس ماندہ علاقوں کو حاصل ہوگی۔

وضو اور نماز کا اہتمام

۴۔ ریلوں، بسوں، جہازوں وغیرہ ذرائع سفر میں، نماز اور وضو کے لیے خصوصی انتظام ہوگا۔

درجات کا امتیاز کم اور ختم کیا جائے گا

۵۔ سفر کے تمام ذرائع، وسیع، محفوظ اور ارزاں کردیئے جائیں گے اور ان میں درجات کا تفاوت ختم کردیا جائے گا۔

دفاع

جہاد کی تربیت

۱۔ ہر بالغ اور اہل مسلمان کو جہاد کی تربیت دی جائے گی۔

مجاہد دستے

۲۔ ہر جگہ مقامی رضاکار مجاہد دستے قائم کیے جائیں گے۔

ملک کا دفاع

۳۔ ملک کو دفاع میں خود کفیل بنایا جائے گا۔

اسلحہ ساز فیکٹریاں

۴۔ ملک میں جدید اسلحہ ساز فیکٹریاں قائم کی جائیں گی۔

سامان جنگ کی تیاری

۵۔ کوشش کی جائے گی کہ ملک جنگی سامان کی ہر چیز بنانے میں باہر کا محتاج نہ رہے۔

خطرہ کا مقابلہ

۶۔ کسی بھی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام ملک میں باقاعدہ فوج کے ساتھ ملک کی تمام بالغ آبادی کو بھی دفاع میں بھرپور حصہ لینے کے قابل بنا دیا جائے گا۔

معیار میں ترقی

۷۔ پاکستانی افواج کے اعلیٰ معیار کو بلند سے بلند تر کیا جاتا رہے گا۔

اسلامی احکام پر عمل

۸۔ فوجی تربیت میں اسلامی احکام پر عمل کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی اور عسکری قوانین شرعی ہوں گے۔

فوج اور عوام میں رابطہ

۹۔ پاکستانی افواج اور پاکستانی عوام کے درمیان براہِ راست ربط و تعاون کو بڑھایا اور مضبوط کیا جائے اور انگریزوں کے دور کے امتیاز و علیحدگی پسندی کے طریق کو ختم کر دیا جائے گا۔

لائسنس کا خاتمہ

۱۰۔ اسلحہ پر سے لائسنس کی پابندی ختم کی جائے گی۔ اس کا اندراج ڈاک خانہ میں کیا جائے گا۔

۲۲۔ اسلامی نکات

درج ذیل نکات وہ ہیں جنہیں ۱۹۵۲ء میں پاکستان کے جید علماء اور تمام مسلم فرقوں کے نمائندگان نے مرتب کرکے دستور پاکستان کی اساس بنانے کے لئے پیش کیا تھا۔ جمعیۃ علماء اسلام نے اپنے منشور میں بھی ان نکات کو شامل کیا ہے اور وہ شروع سے ہی ان نکات کو پاکستان کے دستور میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتی چلی آرہی ہے۔

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا نہ کوئی ایسا حکم دیا جاسکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصدیق بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر ممنوع یا شریعت کے مطابق تبدیل کردیئے جائیں گے۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ اس اصول اور مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب وسنّت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے۔ منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملّت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی۔ جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعیٔ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیٔ مذہب ومسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل وحرکت، آزادیٔ اجتماع آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارت سے استفادہ کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی وفیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائیگی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے

خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں گے۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت سے حدودِ شریعت کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوقِ شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۲۔ رئیسِ مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیسِ مملکت ہی نظمِ مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیسِ مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکانِ حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض سرانجام دے گا۔

۱۵۔ رئیسِ مملکت کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیسِ مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی، وہ کثرتِ آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیسِ مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمالِ حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایسا ہی قانون وضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثرپذیر نہ ہوگا۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ واشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات واقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی۔ جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنّت کے خلاف ہو۔

نوٹ:

مندرجہ بالا ۲۲۔ اسلامی نکات کی ترتیب کے لئے ۱۲، ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳، اور ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں زیر صدارت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم، درج ذیل علماء ودیگر حضرات کا اجتماع منعقد ہوا تھا اور بالاتفاق مذکورہ بالا ۲۲ نکات طے ہوئے تھے۔

جمعیۃ علماء اسلام کے ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے مارچ ۱۹۶۹ء میں گول میز کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں انہیں باقاعدہ طور پر ارباب اقتدار اور سیاسی لیڈروں کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

ان ۲۲ نکات پر دستخط کرنے والوں کے اسماء گرامی ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم
۲۔ مولانا شمس الحق افغانی مرحوم
۳۔ مولانا محمد بدر عالم صاحب مرحوم
۴۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مرحوم
۵۔ مولانا محمد عبدالحامد صاحب قادری بدایونی مرحوم
۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (کراچی) مرحوم
۷۔ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مرحوم
۸۔ مولانا خیر محمد صاحب مرحوم مہتمم خیر المدارس ملتان
۹۔ مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم (جامعہ اشرفیہ لاہور)
۱۰۔ پیر محمد امین الحسنات صاحب مرحوم مانکی شریف
۱۱۔ مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم (کراچی)
۱۲۔ حاجی خادم الاسلام صاحب (خلیفہ حاجی ترنگ زئی)
۱۳۔ قاضی عبدالصمد صاحب سربازی (بلوچستان)
۱۴۔ مولانا اطہر علی صاحبؒ (مشرقی پاکستان)
۱۵۔ مولانا ابو جعفر محمد صالح صاحبؒ (مشرقی پاکستان)
۱۶۔ مولانا راغب احسن صاحبؒ (مشرقی پاکستان)
۱۷۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب (مشرقی پاکستان)
۱۸۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری مرحوم (ملتان)
۱۹۔ مولانا داؤد غزنوی صاحب مرحوم
۲۰۔ مفتی جعفر حسین مرحوم مجتہد (شیعہ حضرات میں سے)
۲۱۔ مفتی حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم مجتہد (شیعہ حضرات میں سے)

۲۲۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحوم (گوجرانوالہ، اہل حدیث)

۲۳۔ مولانا حبیب اللہ صاحبؒ (ٹھیڑی خیرپور)

۲۴۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم (انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور)

۲۵۔ مولانا محمد صاحب صاحب مرحوم (مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی)

۲۶۔ پروفیسر عبدالخالق صاحب

۲۷۔ مولانا شمس الحق صاحب فیرید پوری (مشرقی پاکستان)

۲۸۔ مفتی محمد صاحب دار مرحوم (کراچی)

۲۹۔ پیر محمد ہاشم صاحب مجددی مرحوم (سندھ)

۳۰۔ ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مرحوم

۳۱۔ محمد ظفر احمد صاحب انصاری

ضمیمہ

قرآن وسنت کی روشنی میں انفرادی ملکیت ثابت اور محترم ہے بشرطیکہ جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو لہذا اگر کوئی جائز اور حلال طریقوں سے زمیندار یا کارخانہ دار بن چکا ہے تو اسلامی حکومت اس کی املاک سے کوئی تعرض نہیں کرے گی اور اس کے تمام تصرفات جائز اور صحیح قرار دیئے جائیں گے۔

البتہ اگر اسلامی حکومت کسی وقت پورے غور وخوض اور اہل علم وارباب دیانت کے مشورہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک شخص کی یہ جائز ملکیت اور اس میں اس کا تصرف مفاد عامہ کے خلاف اور ضرر عام کا باعث ہے تو اسلامی حکومت کو حق حاصل ہوگا کہ اس شخص کو اس کی ملک خاص کا مناسب معاوضہ دے کر خرید لے اور اس کو بیت المال کی ملک قرار

دے لے اور اس طرح اس کو مفادِ عامہ میں منتقل کر دے۔ حکومت اسلامی کو اس قسم کے اختیارات ضرورت کے موقعہ پر حاصل ہیں شریعت مطہرہ میں اس کے نظامات موجود ہیں۔

غزوہ حنین میں بنو ہوازن کے اموال اور ان کے لڑکے اور عورتیں بطور مالِ غنیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ آگئی تھیں۔ جب بنو ہوازن کے لوگ معافی مانگنے کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے اموال، لڑکوں اور عورتوں کی واپسی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

لقد استانیت بکم میں نے تو تمہارے انتظار میں تقسیم غنیمت میں کافی تاخیر کی۔

اس کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

ای اخرت قسم السبی لتحضروا فابطاتم وکان ترك السبی بغیر قسمة وتوجه الی الطائف فحاصرها کما سیاتی ثم رجع منها الی الجعرانة ثم قسم الغنائم هناك فجاءه وفد هوازن بعد ذلك۔	یعنی میں نے قیدیوں کی تقسیم تمہاری وجہ سے روک رکھی تھی تاکہ تم آجاؤ اور کوئی بات طے ہو اس لیے تقسیم میں دیر کردی آپ نے قیدیوں کو بلا تقسیم چھوڑ رکھا تھا۔ اس کے بعد آپ طائف تشریف لے گئے وہاں کا محاصرہ کیا پھر وہاں سے جعرانہ کی طرف لوٹے وہاں آپ نے غنیمت کا سارا مال تقسیم فرمایا بنو ہوازن کا وفد اس کے بعد حاضر ہوا اور آپ سے گفتگو ہوئی۔
(فتح الباری ص ۲۵ ج ۸)	

مطلب یہ تھا کہ میں تو اسی لئے تاخیر کی کہ تم لوگ آجاؤ۔ لیکن تم لوگ میرے پاس نہیں آئے اب تو میں سب کو تقسیم کر کے مجاہدین کو ہر چیز کا مالک بنا چکا۔

یاد رہے کہ تقسیم مالِ غنیمت سے قبل غانمین کا حق ملک مالِ غنیمت سے ضرور متعلق

ہوتا ہے لیکن وہ باقاعدہ مالک نہیں ہوتے۔ تقسیم کے بعد وہ باقاعدہ اپنے اپنے حصہ کے مالک شرعاً قرار دے دیئے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم کو دو میں سے ایک چیز واپس کردوں گا یا مال اور یا لڑکے عورتیں وغیرہ ان میں سے تم جو پسند کرو میں تمہیں ضرور واپس کردوں گا۔ انہوں نے کافی غور و فکر کے بعد جب یہ محسوس کیا کہ مال اور قیدی دونوں کی واپسی تو کسی طرح نہیں ہو سکتی اس لیے انہوں نے صرف قیدی واپس لینے پر رضامندی ظاہر کی اور طے ہوگیا کہ قیدی سب کے سب صحابہ کرام سے واپس لے کر بنو ہوازن کو دیئے جائیں گے اس میں تقسیم شدہ قیدیوں (غلام باندی) کے مالک یعنی صحابہ کرام کی مرضی کو کوئی دخل نہیں رہتا۔ البتہ معاوضہ کے مسئلہ میں آپ نے ان سے ضرور رائے لی۔ آپ نے سب کو جمع کیا اور اپنے فیصلہ سے آگاہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

تم میں سے جو شخص بغیر معاوضہ کے اپنی مرضی سے واپس کرنا چاہے وہ ایسا کرے اور جو اس کا معاوضہ لینا چاہے تو اس کو اختیار ہے۔ بیت المال میں جب پہلی مرتبہ اللہ کا مال جمع ہوگا اس میں سے اس کا معاوضہ ادا کردیا جائیگا۔

صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

فمن احب ذلك ان يعطيه	تم میں سے جو شخص خوشدلی سے بلا معاوضہ دینا چاہے
من طيب نفس من غير عوض	تو دے دے البتہ جو شخص اپنے حصہ پر قرار
فليفعل ومن احب منكم ان	رہنا چاہتا ہے۔ تو رہے۔ ہم اس کو
يكون على حظه حتى نعطيه	بیت المال کے سب سے پہلے مال فی
اياه من اول ما يفئ الله علينا (بخاری)	سے معاوضہ دے دیں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں موسیٰ بن عقبہ اور عمرو بن شعیب کی روایت سے مزید تفصیل نقل کرتے ہیں۔

ووقع فی روایۃ موسیٰ بن عقبۃ
فمن احب منکم ان یعطی
غیر مکرہ فلیفعل ومن کرہ
ان یعطی فعلی فداءہ فقال الناس
قد طیبنا فی ذٰلک فاعطی الناس
ما بایدیھم الا قلیلا من الناس
سالوا الفداء وفی روایۃ عمرو بن
شعیب المذکورۃ فقال المھاجرون
ما کان لنا فھو لرسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم وقامت الانصار کذلک
وقال الاقرع بن حابس اما انا و
بنو تمیم فلا قال عیینۃ
اما انا وبنو فزارۃ فلا، قال
العباس بن مرداس اما انا و
بنو سلیم فلا، فقال بنو سلیم
بل ما کان لنا فھو لرسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم قال فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من تمسک منکم بحصتہ فلہ
بکل انسان ست فرائض من
اول فیئ نصیبہ فردوا الی الناس

موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں اس طرح ہے
کہ آپ نے فرمایا جو شخص خوشدلی سے بلامعاوضہ
دینا چاہے تو وہ دیدے اور جو بلامعاوضہ دینا نہ
چاہے تو میں اس کا معاوضہ دونگا۔ لوگوں نے
عرض کیا: ہم نے خوشی سے بلامعاوضہ دیا سو لوگوں
نے لونڈی غلام سب بلامعاوضہ واپس کر دیئے
سوائے چند حضرات کے جنہوں نے معاوضہ چاہا
عمرو بن شعیب کی روایت میں اس طرح ہے:
مہاجرین نے کہا ہمارے حصہ میں جو کچھ لونڈی غلام
آئے ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے
ہیں۔ انصار نے بھی یہی کہا، اقرع بن حابس نے
کہا بہر حال میں اور بنو تمیم تو بلامعاوضہ نہیں
دینگے اس طرح عیینہ نے کہا کہ میں اور بنو فزارہ نہیں دے
سکتے۔ عباس بن مرداس نے یہی کہا کہ میں اور بنو
سلیم ایسا نہیں کر سکتے (بنو سلیم نے ان کی تردید
کرتے ہوئے) کہا ہمارے حصے میں جو کچھ آیا ہے وہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں اپنا حصہ روکنا
چاہے (بلامعاوضہ نہ دے) تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔
ہم اس کو سب سے پہلے مال فیٔ میں سے جو ہمارے ہاتھ
آئے گا ایک لونڈی غلام کے عوض چھ حصے عطا

تساءھم وابناءھم۔ کرینگے (مالآخر) لوگوں نے بنو ہوازن کو اُن کی
(فتح الباری ج ۸۔ صفحہ مذکورہ) عورتیں اور لڑکے واپس کر دیئے۔

غزوہ سیف البحر میں جب خوراک ختم ہونے کا اندیشہ ہوا تو امیر جیش حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حکم دیا کہ سب لوگ اپنے اپنے سفری کھانے امیر کے پاس جمع کر دیں۔ لوگوں نے جمع کر دیئے آپ ان میں سے تھوڑا تھوڑا روزانہ تقسیم کرتے تھے (صحیح بخاری ص ۱۲۵ ج ۲)

فقہا کرام نے ایک قاعدہ تحریر کیا ہے:

یتحمل الضرر الخاص لاجل ضرر عام دور کرنے کے لیے ضرر خاص قابل
رفع الضرر العام۔ برداشت ہے۔

اس کے ذیل میں کثیر فروع وجزئیات لکھتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ اگر کسی کی دیوار جھک رہی ہوا اور اس سے ضرر عام کا خطرہ ہو تو اُس دیوار کو گرا دیا جائے گا (۲) غیر محتاط مفتی اناڑی حکیم ڈاکٹر، قلاش کرایہ دہندہ کو جبراً اُن کے کاموں سے روک دیا جائے گا (۳) قرض دار کے مال کو جبراً فروخت کر کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا (۴) گرانی کے زمانہ میں نرخ بندی کی جا سکتی ہے اور اس طرح تاجروں کو من مانے دام وصول کرنے سے روک دیا جائے گا (۵) ضرورت کے موقعہ پر جب ایک شخص نے اپنا غلہ روک رکھا ہے اور فروخت نہیں کر رہا تو حاکم اس کو جبراً فروخت کر دے گا (۶) کپڑا فروشوں کے بازار میں اگر کوئی روٹی پکانے کا تنور لگانا چاہے تو حاکم اس کو منع کر دے گا۔ کیونکہ اس سے دوسرے تاجروں کو نقصان ہوتا ہے۔ ان جزئیات کی تفصیل کے لیے الاشباہ والنظائر کی ذیل کی عبادات ملاحظہ فرمالیں نیز علامہ حموی نے شرح اشباہ میں پوری تفصیل بیان کی ہے۔

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام وھذا مقید لھما الضرر لایزال بمثلہ وعلیہ فروع کثیرۃ منھا جواز الرمی الی کفار تترسوا الصبیان

المسلمین ومنہا وجوب نقض حائط مملوك مال الی طریق العام علی مالکہا دفعا للضرر العام ومنہا جواز الحجر علی البالغ العاقل الحر عند ابی حنیفۃ فی ثلثۃ المفتی الماجن والطبیب الجاھل والمکاری المفلس دفعا للضرر العام ومنہا جوازہ علی السفیہ عندھما وعلیہ الفتوی دفعا للضرر العام ومنہا بیع مال المدیون المحبوس عندھما لقضاء دینہ دفعًا للغرر عن الغرماء وھو المعتمد ومنہا التسعیر عند تعدی ارباب الطعام فی بیعہ بغبن فاحش۔

ومنہا بیع طعام المحتکر جبرًا علیہ عند حاجتہ وامتناعہ من البیع دفعًا للضرر العام ومنہا منع العام ومنہا منع اتخاذ حانوتٍ للطبخ بین البزازین وکذا الکل ضرر عام کذا فی الکافی وغیرہ وتمامہ فی شرح منظومہ ابن حبان من الدعوی۔

(الاشباہ والنظائر ص ۱۱۱ القاعدہ الخامسہ الضرر یزال)

اعلم ان فی جنس ھذہ المسائل
اختلاف حاصلہ انہ لا یمنع علی
اصل الامام وھو ان کل من تصرف
فی خالص ملکہ لا یمنع منہ فی
الحکم وان لحق بالغیر ضرر وافتی
لھذا طائفۃ لکن ترك غالب
المتاخرین فی موضع یتعدی
ضرر تصرفہ الی غیرہ ضررًا بیّنًا۔
(شرح اشباہ ص ۱۱۰)

یاد رکھیے کہ اس قسم کے مسائل میں اختلاف ہے
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک
جو شخص اپنے ملک خاص میں تصرف کرتا ہے
اس سے اس کو منع نہیں کیا جائیگا اگرچہ
دوسرے کو اس سے ضرر ہو رہا ہے اور اسی پر
فقہا کی ایک جماعت نے فتویٰ دیا ہے البتہ
عام متاخرین نے اس اصول کو ترک کر دیا جہاں
ایک شخص کے تصرف سے دوسروں کو واضح
نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کا مقصد غالباً اس سے یہ تھا کہ لوگوں کی انفرادی آزادی میں فرق نہ آنے پائے۔ جہاں لوگوں کی انفرادی آزادی برقرار رہے البتہ اس کے فعل سے ضرر عام پہنچ رہا ہو تو امام کے نزدیک بھی حکومت کو حق ہے کہ وہ ضرر عام کے ازالہ کے لیے ضرر خاص برداشت کرے۔

البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے حقوق اسلامی حکومت کو حاصل ہیں اور ہر حکومت کو ایسے اختیارات نہیں دیئے جا سکتے۔

نوٹ

منشور ہذا کی دفعات میں سے قرآن و سنت کے تصور کی روشنی میں اور ملک و ملت کے مفاد کے تقاضوں کے تحت تبدیلی، ترمیم اور اضافہ و کمی کی تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے اور انہیں منشور میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

جمعیتِ اہلِ حدیث

جمعیت علمائے اسلام اور جمعیۃ العلمائے پاکستان کی طرح جمعیت اہل حدیث بھی ایک دینی وسیاسی جماعت ہے جس کا نصب العین پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت نافذ کرنا اور ایک اسلامی مملکت قائم کرنا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل جمعیت اہلحدیث ہند کے نام سے اسے جانا جاتا تھا لیکن اس کی سیاسی حیثیت قیامِ پاکستان کے بعد بالخصوص ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران تسلیم کی گئی۔ اسے سیاسی قوت بنانے اور دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ برابر کی سطح پر کھڑا کرنے میں علامہ احسان الٰہی ظہیر کا بڑا ہاتھ ہے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر اپنی شعلہ بیانی اور اثر انگیز شخصیت کے باعث تمام حلقوں میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مارچ ۱۹۸۷ء میں عین جلسۂ عام کے دوران بم پھٹنے سے وہ زخمی ہو گئے اور سات دن بعد سعودی عرب میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ جمعیت کے لیے یہ بہت بڑا نقصان اور ایک عظیم سانحہ ہے۔ لیکن علامہ احسان الٰہی ظہیر نے جمعیت کے لیے جو لائحہ عمل مرتب کیا ہے۔ جمعیت اسی پرکاربند ہے اور اپنا نصب العین حاصل کرنے کے لیے ہر سطح پر کوشاں ہے۔

جمعیت اہلِ حدیث کا نصب العین اس منشور میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران شائع کیا گیا تھا۔ اس منشور میں اس کے بعد کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم وہ پورا منشور یہاں پیش کر رہے ہیں۔

منشور جمعیّتِ اہلِ حدیث

جمعیّت اہلِ حدیث یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اس جہان کا حاکم مطلق، تکوینی و تشریعی طور اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے اللہ کے بندوں پر یہ فرض ہے کہ وہ پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کریں اور اس کے برگزیدہ آخرالزماں نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہنما تسلیم کریں۔ یہ بات فیصلہ شدہ ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کا حصول اسی عقیدہ کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا۔ اس لیے اس مملکت کا دستور و قانون براہ راست کتاب و سنت اور تعامل خلفائے راشدینؓ کی روشنی میں بننا چاہیئے۔

جمعیت اہلِ حدیث قرآن پاک اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت مطہرہ پر مبنی دستور ہی کو پاکستان کی سالمیت و استحکام کا ضامن اور عوام کی تمام تر مشکلات کا حل خیال کرتی ہے۔

پاکستان صرف لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ لہٰذا یہاں کسی غیر اسلامی نظریۂ حیات کو رواج نہیں دیا جا سکتا۔ جو لوگ اسلام کے سوا کسی بھی دیگر نظریۂ حیات کو پاکستان میں نافذ کرنا چاہتے ہیں وہ اللہ اور اپنی قوم کے ساتھ کیے گئے وعدے سے انحراف کر رہے ہیں اسی طرح اس ملک میں نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات پھیلانے والے بھی ملک و قوم کے ساتھ غداری کر رہے ہیں۔ جمعیت اہلحدیث غیر اسلامی نظریات اور نسلی لسانی اور علاقائی تعصبات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اپنا دینی و اخلاقی فریضہ سمجھتی ہے۔

جو جماعتیں تمام ملکی مسائل کو کتاب و سنّت کی روشنی میں حل کرنا اور دینی اقدار

کو سربلند دیکھنا چاہتی ہیں، جمعیتہ اہلحدیث ان سے انتخابات میں تعاون کرے گی۔
جمعیت اہلحدیث عام انتخابات کے ذریعے اسلامی نظریات اور جمہوری اقدار کو فروغ دینا چاہتی ہے اور اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل منشور عوام کے سامنے پیش کرتی ہے۔

نظامِ حکومت

جمعیت اہلحدیث کتاب وسنت پر مبنی معاشرہ کی تشکیل کے لیے ایسے نظامِ حکومت کی داعی ہے جس میں حاکمیتِ اعلیٰ خدا اور برتری اس کے قانون کو حاصل ہو۔ اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۱۔ قرارداد مقاصد اور علماء کے پیش کردہ متفقہ ۲۲ نکات کو ملکی آئین کی بنیاد بنایا جائے گا اور مملکت کے اسلامی طرزِ حیات کو عملاً نافذ و رائج کرنے کو اپنا مقصد قرار دے گی۔

۲۔ ملکی قوانین کتاب وسنت کی بنیاد پر وضع کیے جائیں گے۔ جملہ مروجہ قوانین جو کتاب وسنت کے مخالف و منافی ہیں، منسوخ کیے جائیں گے۔

۳۔ مستند علماء، ممتاز ماہرین قانون اور ججوں پر مشتمل ایک سپریم کونسل قائم کی جائے گی جو اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ کونسا قانون کتاب وسنت کے خلاف ہے۔

۴۔ خلاف اسلام قوانین کی تنسیخ کے لیے ہر شہری عدالت سے رجوع کر سکے گا۔

۵۔ مشرقی پاکستان میں شمالی بنگال کا صوبہ قائم کیا جائے گا۔ تاکہ شمالی حلقے کے رہنے والوں کی انتظامی مشکلات کا ازالہ ہوسکے۔ ان دونوں صوبوں کو ایک ذیلی وفاق کے تحت منظم کیا جائے گا۔

۶۔ دفاع اور امور خارجہ، کرنسی، زرمبادلہ، بین الاقوامی مواصلات اور تجارت مرکز کی تحویل میں دیئے جائیں گے۔ مرکز کو اپنے انتظامی اخراجات پورے کرنے کے لیے ٹیکس لگانے کا اختیار ہوگا۔

۷۔ ملک میں دو ایوانی مقننہ قائم کی جائے گی، جس کے ایوان بالا میں دونوں وفاقوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہوگی۔

۸۔ مغربی پاکستان کا ایک ذیلی وفاق بنایا جائے گا، جو مختلف مغربی صوبوں کے درمیان تجارت و مواصلات نیز واپڈا و صنعتی ترقیاتی کارپوریشن جیسے اداروں کی نگرانی کرے گا۔

۹۔ انتظامیہ کا صدر مقام مغربی پاکستان اور مقننہ کا مشرقی پاکستان میں ہوگا۔

بنیادی حقوق

۱۔ مملکت اپنے ہر شہری کے جان و مال اور آبرو کے تحفظ کی ضامن ہوگی اور ہر شخص کو تحریر و تقریر و اجتماع کی آزادی ہوگی۔ ہر شخص کو سماجی اور سیاسی حقوق حاصل رہیں گے، تاوقتیکہ وہ ان حقوق کو اسلام اور نظریۂ پاکستان کے خلاف استعمال نہ کرے۔

۲۔ بنیادی حقوق پر لگائی ہوئی ہر پابندی کو عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا۔

۳۔ اقلیتوں کو اسلام کے عطا کردہ جملہ شہری سماجی وسیاسی حقوق دیئے جائیں گے۔

انتظامی مسائل

۱۔ افسران و حکام میں یہ شعور پیدا کیا جائے گا کہ وہ عوام کے حاکم نہیں بلکہ خدمت گزار ہیں۔

۲۔ انتظامیہ کے لیے افسران کا انتخاب محض تعلیمی ڈگری کی بنیاد پر نہ ہوگا بلکہ تعلیمی ڈگری کے ساتھ ساتھ ذہنی قابلیت، اخلاقی و دینی صلاحیت اور تقویٰ و پرہیزگاری کو شرط قرار دیا جائے گا۔

۳۔ حکام وافسران کے دروازے عوام کے لیے ہر وقت کھلے رہیں گے اور عوام کے ساتھ منصفانہ طرز عمل اختیار کرنا ان کے فرائض میں شامل ہوگا۔

۴۔ حکام کے لیے ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی اختیار کرنا قانوناً ممنوع ہوگا۔

۵۔ انتظامیہ کو ہر قسم کی رشوت ستانی، کنبہ پروری اور سہل انگاری سے پاک کیا جائے گا۔

۶۔ انتظامی افسران کی ہر قسم کی کارروائی کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔ بڑے بڑے افسران بھی قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے۔

۷۔ انتظامیہ کی ہر کارروائی میں کتاب وسنت کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔

عدلیہ

۱۔ ملک میں قانون کی حکمرانی ہوگی۔ کوئی فرد قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔

۲۔ عدلیہ کو کامل طور پر انتظامیہ کے اثرات سے آزاد رکھا جائے گا۔

۳۔ اس امر کا انتظام کیا جائے گا کہ ایک کمزور اور معمولی شخص بھی بآسانی انصاف پا سکے۔

۴۔ حصول انصاف مفت وبلا فیس ہوگا۔

۵۔ انصاف میں تاخیر کو بے انصافی کے مترادف قرار دیا جائے گا۔

۶۔ ججوں اور منصفوں کا تقرر کتاب وسنت کی واقفیت اور خدا خوفی اور پرہیزگاری

کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

۷۔ دیوانی اور فوجداری قوانین کو کتاب و سُنت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

اقتصادی پروگرام

ہم پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے اور معاشی ناہمواریوں کو دُور کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تدابیر ضروری سمجھتے ہیں :

۱۔ ملک میں ہر شخص کے لیے روزگار کا حصول آسان بنایا جائے گا اور معاشرہ کے ان افراد کے لیے جو لاچار اور بے بس ہوں، ایسے مراکز قائم کیے جائیں گے جہاں وہ باعزت طور پر زندگی گزار سکیں۔

۲۔ پورے ملک میں شفاخانے قائم کیے جائیں گے، جہاں سے ہر قسم کے علاج کی سہولتیں مفت مہیا کی جائیں گی۔

۳۔ تمام باشندوں کے لیے میٹرک تک کی تعلیم مفت قرار دی جائے گی اور غرباء کے ہونہار بچوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا حصول ممکن بنانے کی خاطر انہیں معقول وظائف دیئے جائیں گے۔

۴۔ اعلیٰ ملکی عہدے ذاتی قابلیت اور اسلامی اخلاق سے آراستگی کی بنا پر دیئے جائیں گے اور کسی خاندان یا برادری کی نسبت یا دیگر چور دروازوں سے کسی کو عہدے تفویض نہیں کیے جائیں گے۔

۵۔ ملک سے اجارہ داری اور استحصال کا کلیتہً خاتمہ کیا جائے گا اور تمام ناجائز اور غیر قانونی ذرائع منفعت پر قدغنیں عائد کی جائیں گی۔ جن میں قمار بازی، سٹہ، انشورنس اور سودی لین دین خصوصی طور پر شامل ہیں۔

۶۔ آجروں اور اجیروں کے درمیان معاملات نبٹانے کے لیے خصوصی کونسلوں کا انتظام کیا جائے گا جو اس بات کی نگرانی کریں گی کہ ظلم نہ ہونے پائے اور سب تنازعات اسلام کے عادلانہ نظام معیشت کی روشنی میں طے پائیں۔

۷۔ تمام بے آباد سرکاری زمینیں، زمین نہ رکھنے والے کاشت کاروں کو دی جائیں گی تاکہ وہ انہیں کاشت اور آباد کریں۔ نیز غرباء کے لیے مکان کی سہولتوں کا انتظام کیا جائے گا۔

۸۔ ان جاگیروں اور صنعتوں کو واپس لیا جائے گا جو ناجائز طریقوں سے حاصل کی گئیں یا سیاسی رشوت کے طور پر دی گئی ہیں۔

۹۔ بھاری صنعتوں کو مناسب معاوضہ دے کر قومی ملکیت میں لیا جائے گا۔

۱۰۔ بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کی اسلامی بنیادوں پر اصلاح کرنے کے بعد انہیں بھی قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا۔

مذہبی و اخلاقی اصلاحات

۱۔ مسلمانانِ پاکستان کے موجودہ انتشار و افتراق اور بدعملی و بے راہروی کا باعث یہ ہے کہ مدتِ مدید سے غیر مسلم حکومتوں، نیز مسلمان حکمرانوں نے وہ طریق کار نہیں اپنایا جس سے مذہبی و اخلاقی اقدار نشوونما پا سکیں۔ لہٰذا ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ اس کے لیے قرآن و سنت کے مقرر کردہ پروگرام کو بروئے کار لایا جائے۔

۲۔ معاشرے کو پاکیزہ بنانے کے لیے ایسا لٹریچر مہیا کیا جائے گا، جس سے مذہبی اور اخلاقی رجحانات تقویت پکڑ سکیں۔ ایسا لٹریچر جو فحاشی و عریانی پھیلانے والا ہو، اس کا ملک کے اندر چھپنا ممنوع اور بیرون ملک سے اس کی درآمد جرم قرار دی جائیگی۔

۳۔ اسلام نے ابلاغ عامہ کے جو حقوق عطا کیے ہیں، اخبارات کو وہ تمام حقوق دیئے جائیں گے، تاکہ وہ اسلام کی سربلندی اور استحکام کے لیے اپنے ضمیر کے مطابق آزادانہ طور پر کام کر سکیں۔ مختلف آرڈی ننسوں اور ٹرسٹوں کے ذریعے ان پر جو پابندیاں عائد ہیں، انہیں واپس لیا جائے گا۔ اس کی بجائے انہیں اسلامی اخلاق کے ضابطے کا پابند کیا جائے گا۔

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ اور دیگر شعائرِ اسلامی کی پابندی کرائی جائے گی۔ ابلاغ اور تشہیر کے ذرائع کو مذہبی و اخلاقی احکام کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

۵۔ مساجد اور دینی مدارس کو جو اہمیت از روئے قرآن و سنت حاصل ہے، اسے پاکستان میں بحال کیا جائے گا۔ اور ایسے ائمہ وخطباء تیار کیے جائیں گے جو عصری تقاضوں اور اسلامی علم دونوں سے واقف ہوں اور اسلامی افکار و نظریات کی برتری غیر اسلامی نظریات و افکار پر ثابت کر سکیں۔ دینی مدارس کے مستند افراد کو اعلیٰ ملازمتوں کے امتحان مقابلہ میں شرکت کی اجازت دی جائے گی۔

۶۔ اسلامی عقائد و احکام کو عام کرنے کے لیے حکومت کے تمام ذرائع استعمال میں لائے جائیں گے۔ اس کے لیے ایک طرف فواحش اور اخلاقی مفاسد کی روک تھام کی خاطر اسلامی تعزیرات نافذ کی جائیں گی، اور دوسری طرف ایسے انتظامات کیے جائیں گے، جن سے خدا پرستی اور خدا خوفی کے جذبات پیدا ہوں۔

۷۔ اندرون و بیرون ملک تبلیغ اسلام کا وسیع و مؤثر نظام قائم کیا جائے گا۔

تعلیمی اصلاحات

انسانی معاشرے کی اصلاح میں تعلیم کی بنیادی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے

مندرجہ ذیل انتظامات عمل میں لائے جائیں گے :

۱۔ پورے نظام تعلیم میں بنیادی عقائد مثلاً خدا آخرت اور رسالت اور ختم نبوت کی روح موجود ہو تاکہ الحاد و دہریت کے افکار جنم نہ لے سکیں۔

۲۔ تعلیم محض معلومات میں اضافے کے لیے ہی نہیں بلکہ اخلاقی تربیت اور نظریاتی اصلاح کا بھی ذریعہ ہوگی تاکہ حکومت کا انتظام چلانے کے لیے فرض شناس اور اسلامی روح سے سرشار جذبات کے حامل افراد مہیا ہو سکیں۔

۳۔ شعبۂ علم میں اسلامی اور غیر اسلامی علوم کا امتیاز ختم کر دیا جائے گا مثلاً فلسفہ، معاشیات، نفسیات، سائنس، صنعت و حرفت اور طب وغیرہ مختلف عصری علوم بھی اسلامی نقطہ نظر سے پڑھائے جائیں گے۔

۴۔ اسلامی عقائد و احکام کی تعلیم ابتدا سے انتہا تک ایک الگ مستقل مضمون کی شکل میں داخل نصاب ہوگی۔

۵۔ تعلیم کو عام کرکے ملک کے ہر فرد کو تعلیم یافتہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ اور فنی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے گی تاکہ تعلیم یافتہ افراد کے لیے باعزت روزگار کا انتظام ہو سکے۔

۶۔ تعلیم کو امکانی حد تک مفت اور جہاں مفت تعلیم ممکن نہ ہو سکتا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۷۔ مخلوط تعلیم کو بالکلیہ ختم کیا جائے گا اور لڑکیوں کے لیے ابتدا سے انتہا تک الگ تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا۔

۸۔ اساتذہ قومی معمار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں کا معیار اس طرح بلند کیا جائے گا جس سے ان کے وقار و احترام میں اضافہ ہو۔

۹۔ ڈاکٹروں، انجینئروں اور فنی ماہرین کو تمام ممکنہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی اور

ان کو معقول وظائف و معاوضے دیئے جائیں گے تاکہ ان میں ملک کے اندر رہ کر قومی خدمت کا جذبہ بیدار کیا جا سکے۔

دفاع

اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے مخصوص محلِ وقوع اور اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان جغرافیائی بعد کے پیشِ نظر ملکی دفاع کو مندرجہ ذیل اصولوں پر استوار کیا جائے گا:

۱۔ ملک کے تمام مسلم باشندوں میں جذبۂ جہاد کی انگیخت و پرورش!

۲۔ تمام بالغ مردوں کی بنیادی عسکری تربیت۔

۳۔ شہری دفاع کی وسیع پیمانے پر تربیت!

۴۔ ملک کے دونوں بازوؤں میں اسلحہ ساز فیکٹریوں کا قیام اور ان میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے اسلحہ کی تیاری تاکہ ملک جلد از جلد بنیادی اسلحی ضروریات میں خود کفیل ہو سکے۔

۵۔ تمام عسکری یونٹوں کو اس طرح ترقی دی جائے گی کہ دونوں صوبوں کے درمیان کسی بھی ہنگامی حالت میں رابطہ نہ ٹوٹے۔

امورِ خارجہ

پاکستان ایک خالص نظریاتی ریاست ہے، اس لیے اس کی خارجہ پالیسی اس قسم کی ہونی چاہیئے جس سے اس کے نظریہ اور عظمت کی شان دوبالا ہو اور اس پر کسی لحاظ سے کوئی آنچ نہ آئے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ:

۱۔ پاکستان آزاد خارجہ پالیسی پر عمل کرے اور کسی ایک بلاک سے وابستہ ہو کر نہ رہے۔ اس کی بجائے اسلامی ممالک کا متحدہ بلاک بنانے پر توجہ مرکوز کی جائے گی۔

۲۔ تمام اسلامی ممالک سے تعلقات کو فروغ دیا جائے گا اور مشکلات میں ان کی ہر ممکن مدد و معاونت کی جائے گی۔

۳۔ ہر اس ملک کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے گا جو ہماری خود مختاری آزادی و نظریاتی وحدت کا احترام کرتا ہے۔

۴۔ ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کی امداد و معاونت کے لیے ہر ممکن قدم اٹھایا جائے گا اور دیگر تمام مسلم ممالک میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو روکنے کے لیے بین الاقوامی سطح پر مؤثر کوشش کی جائے گی۔ ریاست جموں و کشمیر کی آزادی کے لیے تمام کوششوں کو بروئے کار لایا جائے گا۔

۵۔ ایک اسلامی خبر رساں ایجنسی بنانے میں مدد دی جائے گی، جو تازہ ترین بین الاقوامی خبریں فراہم کرنے کے علاوہ اسلامی ممالک میں باہمی خیر سگالی مؤدت اور اخوت کا حقیقی جذبہ پیدا کر سکے، اور غیر اسلامی انداز فکر میں رکاوٹ بن کر نشاۃ اسلامیہ میں ممد اور معاون ہو۔

تحریکِ نفاذِ فقۂ جعفریہ

۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں تاریخی واقعہ رونما ہوا۔ مفتی جعفر حسین (مرحوم) کی قیادت میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے کنونشن کے نتیجے میں پاکستان سیکرٹریٹ کا تین دن تک گھیراؤ ہوا۔ اور حکومت نے پاکستان کے اہل تشیع کے اس مطالبے کو بالآخر منظور کر لیا کہ ان پر قانون زکوٰۃ کا اطلاق ان کی اپنی فقہ کے مطابق ہو۔ یوں پہلی مرتبہ پاکستان کی شیعہ آبادی نے اپنے مطالبات کو منظور کروانے کے لیے ایک سیاسی اقدام کیا۔ ورنہ اس سے قبل ہندوستان اور پاکستان کی شیعہ آبادی کو یہی سبق پڑھایا گیا تھا کہ وہ سیاسی عمل سے الگ تھلگ رہیں۔ ان کے اجتماعات میں سیاسی مسائل زیرِ بحث لانا گویا ایک گناہ تھا۔

ہندوستان اور پاکستان کے شیعوں کا یہ طرزِ عمل دراصل تاریخی عمل کی پیداوار ہے۔ مختلف حکومتوں نے جو پالیسی اختیار کی تھی۔ اس کے پیشِ نظر ان کے راہنماؤں نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ وہ سیاسی عمل سے گریز کریں۔

پاکستان بننے کے بعد اس کی تشکیل و تعمیر میں شیعہ آبادی نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح بھرپور حصہ لیا تھا، انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کا حق مارا جا رہا ہے۔ اس سے بحث کرنا مطلوب نہیں کہ ان کا یہ احساس درست تھا یا غلط۔ لیکن احساس بہرحال تھا، اس کی ایک سیدھی سی مثال یہ ہے کہ پاکستان میں جب کبھی شیعہ آبادی نے اپنے لیے مسجد یا امام بارگاہ بنانے کی کوشش کی انتظامیہ نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ہائی کورٹ

کا سہارا لیں۔ ان حالات میں "شیعہ مطالبات کمیٹی" نے جنم لیا۔ جس کی قیادت مولانا سید محمد دہلوی نے کی۔ اس کمیٹی کا سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا۔ کہ شیعہ طالب علموں کو شیعہ دینیات پڑھنے کا موقع دیا جائے اور عزاداری پر جو پابندیاں عائد تھیں۔ انہیں دور کیا جائے۔ یہ کمیٹی اپنے مطالبات میں کسی حد تک کامیاب رہی۔ لیکن اس کا دائرہ عمل بہت محدود تھا۔ ملکی اور غیر ملکی اثرات کی بنا پر شیعان پاکستان نے ۱۹۸۰ء کے اوائل میں بھکر میں ایک کنونشن کی اور "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" وجود میں آئی۔ جس کے قائد اعلیٰ مفتی جعفر حسین مرحوم قرار پائے اور جن کی قیادت میں اسلام آباد سیکرٹریٹ کا گھیراؤ عمل میں آیا۔ مفتی جعفر حسین مرحوم کی وفات کے بعد ان کے جانشین کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ ایک گروہ نے آغا حامد علی موسوی کو اپنا قائد تسلیم کیا اور دوسرے گروہ نے سید عارف حسین حسینی کو اپنا راہنما بنایا۔ حالات کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے شیعوں کی واضح اکثریت سید عارف حسین حسینی کے ساتھ ہے۔ جن کی قیادت میں ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو مینار پاکستان کے پاس "قرآن وسنت کانفرنس" منعقد کی گئی جس میں بالکل محدود اندازوں کے مطابق پاکستان کے مختلف علاقوں سے تقریباً ایک لاکھ اشخاص نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں قائد تحریک سید عارف حسین حسینی نے کھل کر اعلان کیا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سیاسی عمل سے گریز کی قائل نہیں اور پاکستان نے سیاسی معاملات میں بھرپور حصہ لینے کے لئے آمادہ ہے۔ اس موقع پر ایک منشور بھی جاری ہوا جس میں اس تحریک کے اغراض ومقاصد اور اہداف کو رسمی طور پر ایک قرارداد کے ذریعے سے منظور کر لیا گیا۔ اس سلسلے میں تحریک کی طرف سے "ہمارا راستہ" کے نام سے جو منشور شائع کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

پاکستان انحراف کے راستے پر

مسائل کا آغاز

لا الٰہ الا اللہ کے ولولہ انگیز انقلابی نعروں کی گونج میں پاکستان معرض وجود میں آگیا لیکن اس نوزائیدہ مملکت کو بہت سے مسائل بھی حصہ میں ملے۔ مہاجرین کی آباد کاری، اثاثوں کی تقسیم، معاشی مشکلات اور مؤثر انتظامی ڈھانچہ کی عدم موجودگی اور زیر خطر سالمیت جیسے سنگین مسائل پر عوام کی پُرجوش شرکت اور ہمہ گیر اعتماد کے بغیر صحیح طور پر قابو پانا ممکن نہ تھا۔ ضروری تھا کہ عوام کے اسلامی انقلابی جذبے کو بروئے کار لاکر اس مملکت کی تعمیر کا آغاز کیا جاتا۔ مگر حکمران طبقہ آہستہ آہستہ عوام سے دور ہوتا چلا گیا۔ شائد حکمران چاہتے بھی یہی تھے کہ عوام امور مملکت میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں تاکہ وہ اقتدار کے ایوانوں میں جو چاہیں کر سکیں۔ حکمرانوں کی اس روش نے مزید کئی ایک سنگین مسائل اور مشکلات کو جنم دیا۔

آئین سازی

ان میں سب سے اہم مسئلہ آئین سازی کا تھا۔ پاکستان کی آئینی تاریخ انتہائی دردناک ہے۔ پہلا آئین تخلیق پاکستان کے نو سال بعد سامنے آیا پھر اُس کے بعد آئین بنتے رہے ——— آمریت کے ہاتھوں ان میں ظالمانہ ترامیم ہوتی رہیں۔ آئین منسوخ ہوتے رہے

آئین کا مسئلہ آج بھی غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے۔ جس کی وجہ ملکی سالمیت کو خطرہ ہے۔

مسئلہ کشمیر

ابتداء ہی سے مسئلہ کشمیر بھی پاکستان کا سنگین مسئلہ رہا ہے اور اس کے داخلی سیاست، خارجہ تعلقات، قومی سلامتی اور معیشت پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس حساس قضیہ کو حکمران اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔

نظام حکومت وسیاست

ترجیحات کی ترتیب کے اعتبار سے یہ معاملہ کسی طور پر بھی ثانوی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ پاکستان کا نظامِ حکومت و سیاست کبھی کوئی معین و مشخص صورت اختیار نہیں کرسکا۔ اس کی وجوہات کچھ بھی پیش کی جائیں یہ امر مسلمہ ہے کہ بالادست طبقوں نے کئی روپ بدلے ہیں۔ کبھی جمہوریت کا راگ الاپا گیا، کبھی مضبوط مرکز کا نعرہ بلند کیا گیا، کبھی سوشلزم کا سہارا لینے کی کوشش کی گئی، کبھی عوام کی مالا جپی گئی، کبھی اپنی منشا کے مطابق نظریۂ ضرورت تراشا گیا اور کبھی اسلام کو مسندِ اقتدار کا زینہ بنایا گیا۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اختیارات کی تقسیم میں کمی بیشی کے ساتھ بہروپ، صورتیں اور ظاہری وابستگیاں بدل بدل کر مخصوص طبقے ہی آج تک حکمران رہے ہیں۔ یہ طبقے ہیں جاگیردار، سرمایہ دار، فوجی جرنیل اور نوکرشاہی پاکستان پر عوام کے نمائندوں کی نہیں بلکہ زر اور زورداروں کی حکومت رہی ہے۔ اقتدار کا حامل طبقہ ہر قسم کی سیاسی اخلاقیات سے ماورا ہو کر صرف اور صرف اپنے اقتدار کی طوالت کے لیے جوڑ توڑ، سازش اور منافقانہ گٹھ جوڑ میں ہمہ وقت مبتلا رہا ہے۔ البتہ زیادہ عرصہ ملک طالع آزما فوجی آمروں ـــــــ کے طبقے میں رہا ہے۔

ان حالات میں کیونکر یہ ممکن تھا کہ ـــــــ

خدا کی زمین کے اس حصے پر قانونِ الٰہی نافذ ہو اور اس کے مطابق دولت کی منصفانہ تقسیم ہو،

- پسے ہوئے محروم طبقوں کو ان کے چھنے ہوئے حقوق ملیں،
- انتظامیہ عوام کی ہمدرد اور پولیس خدمت گزار ہو۔

کیونکہ ـــــ تمام تر وسائل تو حکمران طبقوں کے خدمت گزار تھے۔ مختلف ادوار میں پاکستان کے بجٹ میں سرمائے کی تقسیم اور عدلیہ و انتظامیہ کی عملی صورتِ حال اس بات کی شاہد ہے۔

بڑی طاقتوں سے وابستگی

ظاہر ہے عوام سے بے نیاز بلکہ عوام کو گمراہ کرنے اور دبانے کی پالیسی پر گامزن حکومتوں کو ادھر اُدھر سے سرپرستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکمرانوں کی اسی ضرورت نے پاکستان کو بڑی طاقتوں کا کاسہ لیس اور طفیلی بنا دیا ـــــ یہاں تک کہ پاکستان کی حکومت پوری طرح امریکہ کی حاشیہ نشیں اور کٹھ پتلی بن کر رہ گئی ہے۔ امریکہ سے وابستگی کی پاکستان کی تاریخ بہت سیاہ ہے۔ امریکہ نے مختلف طریقوں سے حکمرانوں سے سازباز کر کے پاکستان کے وسائل کو لوٹا ہے۔ عہد شکنی کی ہے، ظلم وجبر کی قوتوں کو تقویت دی ہے اور گمراہ کرنے کی اپنی عالمی پالیسی پر عمل کیا ہے۔

سیاہ ثقافت کے منحوس سائے

یہ امر مسلمہ ہے کہ ثقافت سے اجتماعی شعور کے خدوخال اُبھرتے ہیں اور تہذیب و تمدن کے حوالے ہی سے قوموں کے اندازِ فکر وعمل کا تعین کیا جا سکتا ہے علاوہ ازیں ثقافت ارتقائی سفر کی سمت اور منزل کے امکان کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ ابتدا ہی سے

پاکستان میں مغرب کے سیاسی اثر و نفوذ اور معاشی غلبہ اور مخصوص فکری تربیت نے ثقافتی سامراجیت کو بھی پروان چڑھایا اور رفتہ رفتہ ہمارا معاشرہ مغربی تہذیب و تمدن کی غلیظ دلدل میں اس درجہ اُتر گیا کہ اسلام کی پاکیزہ اقدار اور الٰہی روایات یکسر فراموش ہو گئیں۔ آج حالت یہ ہے کہ ہم انسان دشمن مغربی ثقافت کی بھونڈی نقالی کرتے ہوئے اپنا تشخص اور اپنی شناخت بھلا بیٹھے ہیں۔ اجنبی اور غیر مانوس رسموں اور رواجوں کو اپنانے کیلئے ہماری اجتماعی زندگی کو فکری انتشار کا شکار بنا کر بے مقصدیت کی راہ پر گامزن کر دیا اور اس ساری صورت حال کا فائدہ براہ راست حکمرانوں اور سامراجی طاقتوں نے اٹھایا ہے۔

غیر اسلامی بلکہ دین دشمن اور انسانیت کش ثقافتی یلغار نے فحاشی، عریانی بے حیائی کے جن رویوں کو جنم دیا ہے انہوں نے ہماری معاشرتی زندگی کے ہر گوشہ کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ خصوصاً نوجوانوں کو گمراہ کن سرگرمیوں اور لایعنی کھیل تماشے میں اُلجھا کر ملک کو ذلت اور تباہی کی طرف لے جانا اسی ثقافت کا شاخسانہ ہے۔ ذہن اور فکر کی اس روش کے نتیجہ میں نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد منشیات کا شکار ہو رہی ہے اور زندگی کے حقائق سے فرار کے لیے تباہ کن راستے تلاش کر رہی ہے۔

معیشت کی زبوں حالی

پاکستان کی معیشت اس وقت سامراجی طاقتوں اور ان کے قائم کردہ نام نہاد بین الاقوامی اداروں کے کنٹرول میں ہے۔ زراعت، صنعت، تجارت غرض تعمیر و ترقی کے تمام تر منصوبوں کی منصوبہ بندی کا انحصار انہی طاقتوں اور اداروں کی شرائط پر ہے۔ دن بدن پاکستان پر قرضوں اور ان کے سود در سود کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے۔

جبکہ داخلی طور پر بھی ذرائع پیداوار سامراجی ایجنٹوں ——— کے کنٹرول میں ہیں۔

ملک کی وسیع آبادی محرومیوں کا شکار ہے۔ دیہی اور شہری زندگی کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔ خود شہروں میں پس ماندہ شہریوں کے وسیع طبقوں اور امراء کے علاقوں میں نمایاں فرق ہے۔ یہ فرق وسائل اور دولت کی غیر منصفانہ اور ظالمانہ تقسیم کا مظہر ہے۔

مروجہ نظام تعلیم

پاکستان میں رائج نظام تعلیم مروجہ استعماری نظام کو مستحکم کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ ایک دوہرا نظام ہے۔ یہ نظام مغرب کے مادی فلسفے اور مادی تقاضوں کی روشنی میں تشکیل پایا ہے۔ اس کا نصاب اور تشکیلات تمام تر غیر الٰہی انسان تیار کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ اس نظام کے ذریعے تعلیم کو "دینی" اور "دنیاوی" کے نام پر تقسیم کر کے ان میں اس قدر بُعد پیدا کر دیا گیا ہے کہ ایک طبقہ دوسرے کو "تعلیم یافتہ" تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اس نظام میں بھی آج تک ملک میں تعلیمی بجٹ نامعقول حد تک کم رہا ہے۔ اس نظام میں غریبوں کے لیے تیار نہیں۔

یہ نظام ملک میں حکمران ان کے معاون اور غلام طبقے پیدا کرتا ہے۔

عدلیہ کی ناگفتہ بہ حالت

ایک اسلامی معاشرے میں عدلیہ انسانی حقوق کی محافظ اور عوام کی دادرسی کا ایک اہم ادارہ ہوتی ہے مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستانی عدلیہ اپنے یہ فرائض پورا کرنے میں قطعاً ناکام رہی ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ تو عدلیہ سے متعلق امور میں انتظامیہ کی ناروا مداخلت ہے جس نے عدلیہ کے آزاد کردار کو بالکل مسخ کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں مروجہ قوانین کا ایک بہت بڑا حصہ غیر اسلامی قوانین پر مشتمل ہے جو انسان کے فطری

تقاضوں سے ہرگز ہم آہنگ نہیں ہیں۔ ان نقائص کے علاوہ حصولِ انصاف کے طویل اور گراں بہا طریقہ کار نے عدلیہ کو بہت حد تک مفلوج کر رکھا ہے۔ جب کہ دوسری طرف اراکین عدالت کی دیانت کے بارے میں بھی شکایات عام ہیں۔ ان حالات میں مجموعی طور پر عوام عدالتوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

یہ ان سنگین مسائل کے چند پہلو ہیں جنھوں نے وطنِ عزیز کو اپنی منحوس گرفت میں لے رکھا ہے۔ ان مسائل کے سائنسی تجزیہ کے نتیجہ میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان تمام خرابیوں کی وجہ اور موجودگی کا سبب یہ تین عناصر ہیں:

- عالمی سامراج،
- حکمران طبقہ اور
- مروجہ نظام۔

ان عناصر کے باہمی تعلق کی اس حوالے سے تشریح کی جا سکتی ہے کہ عالمی سامراج پاکستان میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے حکمران طبقہ کی سرپرستی کر تا رہا ہے اور حکمران طبقہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے سامراج کی کاسہ لیسی اور مروجہ نظام کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل رہا ہے۔

ہمہ گیر جدّوجہد کا آغاز

اس پس منظر اور ان حالات میں ہمیں فیصلہ کرنا ہے ـــــــ کہ :
پاکستان میں جدوجہد اور جنگ کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے اور یہ جنگ کس کے خلاف کس کی حمایت میں کس کس کو، کس انداز سے لڑنا ہے۔

یہ جدوجہد ـــــــ

★ بیک وقت سامراج، وطن میں موجود اس کے گماشتوں اور مفاد پرست نمائندوں اور حکمرانوں کے خلاف ہے۔ سب سے پہلے ہمیں سامراج پر ضرب کاری لگانا ہے کیونکہ سامراج ہی تمام تر برائیوں اور سیاہیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس سرچشمے کو بند کیے بغیر اور سامراج کے خونخوار ہاتھ کاٹے بغیر کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

یہ جنگ ـــــــ

★ عوام کو وسیع پیمانے پر انقلابی شعور دیئے بغیر اور انہیں حقیقی دشمن، اس کے عناصر ہتھکنڈوں اور سازشوں سے آگاہ کیے بغیر ہرگز نہیں لڑی جاسکتی اس لیے کہ یہ تمام تر سازشیں درحقیقت عوام ہی کے خلاف ہیں اور بالآخر یہ جنگ عوام ہی کو لڑنا ہے۔

یہ معرکہ ـــــــ

★ پاکباز، صاحب بصیرت، باایمان، متقی، مجاہد اور باایثار قیادت کے بغیر نہیں لڑا جاسکتا۔ عوام کو اپنی اس قیادت کو پہچاننا ہوگا اور "امام وامت" کو ہم آہنگ ہو کر حوصلے اور جذبے سے نجات کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

یہ جہاد ———

* وطن پرستی کی بنیاد پر نہیں خدا پرستی کی بنیاد پر کرنا ہوگا کیونکہ "وطن" کی حدود تو پھیلتی اور سکڑتی رہتی ہیں جبکہ خدا پرستی دائمی، ہمہ گیر اور آفاقی جذبوں سے سرشار کر کے پوری انسانیت کے دکھ کو ہر انسان کا دکھ بنا دیتی ہے اور پھر خدا کی قوت پر بھروسہ ہر قوت سے بے نیاز اور بے خوف کر دیتا ہے۔

زیر نظر منشور

اسی جدوجہد کے مقاصد اور خطوط واضح کرتا ہے، حقیقی اسلامی تحریک کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور اسلامی حکومت کے اہداف اور پروگرام کی عکاسی کرتا ہے۔

نظامِ حکومت

اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد یہ ہے کہ حقِ حاکمیت صرف اور صرف خدا کو حاصل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان آزاد ہے اور کوئی شخص، طبقہ یا گروہ اس پر حقِ حکمرانی نہیں رکھتا، حکومت و ملکیت فقط اللہ کے لیے ہے۔ انسان خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے ارضِ خدا پر تصرف کرتا ہے لیکن اس کے باوجود انسان کو حاکمیت و فرماں روائی کا حق حاصل نہیں ہے۔ وہ صرف حاملِ امانت کی حیثیت سے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

خلافتِ الٰہی کے اسی تصور کے حوالے سے اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف یہ ہیں:

* اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی حکومت ہو۔
* انسان پر انسان کے غلبے کا خاتمہ ہو چاہے وہ فرد کی صورت میں ہو یا گروہ کی صورت میں۔
* فرد اور معاشرے کو ہر قسم کے ظلم، جبر اور استحصال سے نجات ملے۔
* انسان باہمی محبت، احترام، رواداری، مواخات اور مساوات کی بنیاد پر اس طرح سے زندگی گزاریں کہ انسانی معاشرہ جنت نظیر ہو جائے۔
* نظمِ معاشرہ برقرار رہے۔
* معاشرے میں تقوے کے علاوہ فضیلت و برتری کا ہر معیار باطل ہو جائے۔ اسی

تصورِ حکومت اور انہی اہدافِ حکومت کے پیشِ نظر پاکستان میں نظامِ حکومت کے خدوخال اور خطوط یہ ہوں گے۔

سرچشمہ آئین وقانون

قرآن وسنت پاکستان کے آئین اور قانون کا سرچشمہ ہوں گے۔ آئین، آئین کی کوئی دفعہ یا کوئی قانون ہرگز خلافِ قرآن وسنت نہیں ہوگا۔ ہر مسلمہ اسلامی مکتب فکر کے لئے قرآن وسنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو اس کے ہاں مسلّم ہے۔

ریاستی ادارے

ریاست کے تین بنیادی ادارے یعنی مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ باہم مربوط مگر کاملاً آزاد ہوں گے۔

مقننہ

- پارلیمانی نظام کے تحت دو ایوانی مقننہ ہوگی۔
- اراکین مقننہ کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ

——— تعلیم یافتہ ہوں۔

——— کسی بھی شعبۂ زندگی (سیاسی، سماجی، معاشی، ثقافتی اور اخلاقی) میں خلافِ شریعت کوئی کام سرانجام نہ دیتے ہوں۔

آئین اور قانون سازی کے امور سے واقفیت رکھتے ہوں اور بنیادی اسلامی احکام سے آگاہ ہوں۔

انتخابات

- انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوں گے تاہم آزاد امیدواروں کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت ہوگی۔
- پارلیمنٹ کے اراکین آزاد اور براہِ راست انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوں گے۔

ووٹر کی عمر

امورِ مملکت میں رائے دینے کے لیے ووٹر کی عمر کم از کم ۱۶ سال ہوگی۔

سیاسی جماعتیں

مذکورہ اہداف کے حصول کے لئے سیاسی جماعت بنانے کی آزادی ہوگی۔
سیاست میں حصہ لینے والے کسی فرد یا گروہ کو مشرق و مغرب کی کسی استعماری طاقت سے وابستگی کی ہرگز اجازت نہ ہوگی، البتہ امورِ مملکت و سیاست میں شرکت کے لیے کسی سیاسی جماعت سے وابستگی ضروری نہ ہوگی۔

مارشل لائ

ملک میں کسی صورت میں اور کسی حصے میں کسی بھی عرصے کے لیے مارشل لائ کے نفاذ کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ کیونکہ مارشل لاء کا نفاذ اصطلاحِ قرآن میں خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے مترادف ہے۔

قانون

تکامل کی راہ میں انسانی معاشرے کے ہموار سفر کے لیے کچھ اصول وضوابط ناگزیر ہیں، چنانچہ ہر انسانی معاشرہ میں امن وسکون اور توازن کے لیے مختلف نظام قانون وضع کیے گئے ہیں مگر یہ نظام معاشرتی فساد اور ناہمواریوں کو روکنے میں ناکام رہے ہیں کیونکہ یہ قوانین خود انسان نے وضع کیے ہیں۔ ان میں شعوری یا لاشعوری طور پر انسان کے انفرادی وگروہی مفادات کی چھاپ نمایاں ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں ایسی عالم، مدبر اور حکیم ہستی کے تجویز کردہ اصول وقوانین کو رائج کیا جائے جو ہر قسم کے انفرادی اور طبقاتی مفادات سے بالاتر ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کے فطری تقاضوں اور ضروریات سے بھی آگاہ ہو۔ ایسی ذات صرف اور صرف اللہ ہے ستم ظریفی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے دین اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ہمارے ملک میں بھی قانونِ الٰہی کی حکمرانی نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پاکستان کا نظام قانون ان اصولوں پر استوار ہو:

- قانون کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔
- اللہ کے قانون کا منبع قرآن اور سنت ہیں۔
- کوئی فرد یا گروہ قانون سے بالاتر نہیں ہے۔

ہمہ گیر قانون قانون کی ہمہ گیری کے لیے ضروری ہے کہ وہ جامع اور مدون ہو۔ اس مقصد کے لئے قانون ساز ادارہ یہ اقدامات کرے گا:

- ہر وہ قانون اور قانون کی ہر اس بنیاد کو ختم کر دے گا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔
- مسلمہ اسلامی مکاتبِ فکر کی متفقہ آراء کو اجتماعی قوانین کی حیثیت سے مدوّن کرے گا۔
- مسلمہ اسلامی مکاتبِ فکر کی اختلافی آراء کو ہر مکتبِ فکر کے مختص قوانین کے زمرے میں مدوّن کرے گا۔
- وہ تمام موضوعات جنہیں شریعت نے انسانوں کے تکامل وارتقاء اور معاشرتی تغیرات کے پیشِ نظر لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے اور وہ واجب یا حرام کے قطعی احکام میں شامل نہیں ہیں ان میں قرآن وسنت کے راہنما اصولوں کی روشنی میں عوام کی بہبود اور ملی مصالح کے پیشِ نظر قانون سازی کی جائے گی۔ قانون سازی کا یہ شعبہ "شعبۂ آزاد قانون سازی" کہلائے گا۔

اسلامی نظریاتی کونسل آئین یا قانون کے اسلام کے مطابق یا منافی ہونے کا تعین اسلامی نظریاتی کونسل کرے گی۔ اس کی تشکیل وتنظیم ازسرِ نو اس طرح سے کی جائے گی کہ اس میں ہر مسلمہ اسلامی مکتب فکر کے قانونِ اسلامی کے ماہر علماء کو مؤثر نمائندگی دی جائے گی نیز آئین کی تطبیق کے لئے ماہرین قانون کو بھی کونسل میں شامل کیا جائے گا اس کونسل کے اراکین کا انتخاب سٹیٹ کرے گی۔

کونسل کے نظریے کو مشورے کی نہیں فیصلے کی حیثیت حاصل ہو گی۔ کونسل کا نظریہ حتمی اور ناقابل تنسیخ ہو گا۔

عدالت

عدلیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ حقوقِ عامہ کی محافظ ہو، قانون کی حکمرانی کا ذریعہ ہو، لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ قانون اپنی روح اور مقاصد کے ساتھ نافذ ہو۔ عدلیہ صرف اس لیے نہیں کہ مجرم کو سزا دے بلکہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ ایسے اقدامات بھی کرے جن کے ذریعے ارتکابِ جرم کی حوصلہ شکنی ہو اور مجرم اصلاح کی طرف مائل ہو۔ اسلامی ریاست میں عدلیہ کی اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انتظامیہ کو خلافِ اسلام اقدامات سے روکے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے پاکستان کا نظامِ عدالت ان بنیادوں پر تشکیل دیا جائے گا۔

- مفت حصولِ انصاف ہر فرد کا بنیادی حق ہے۔ لہٰذا کورٹ فیس کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔
- غلط اور بے مقصد مقدمہ بازی معاشرے پر بوجھ ہے۔ اس کے خاتمے کے لیے ضوابط بنائے جائیں گے۔
- انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے۔ جلد انصاف کے حصول کے لیے دیگر اقدامات کے علاوہ ججوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا اور ضابطہ کی الجھنیں دُور کی جائیں گی۔

عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر کے مکمل طور پر آزاد اور خود مختار بنا دیا جائے گا۔

عدالتوں کی درجہ بندی از سرِ نو کی جائے گی۔ ابتدائی سماعت جس سطح پر بھی ہو اس کے خلاف صرف ایک اپیل ہو گی۔

- پورے ملک میں یکساں عدالتی نظام رائج کیا جائے گا۔
- ججوں کی تنخواہیں اس حد تک بڑھا دی جائیں گی کہ ان کی مالی ضروریات پوری ہوسکیں اور وہ اپنا سماجی مقام برقرار رکھ سکیں۔

سپریم جوڈیشنل کونسل

سپریم جوڈیشل کونسل تشکیل دی جائے گی۔ جس کے اختیارات اور ذمہ داریاں درج ذیل ہوں گی:

۱۔ ملک کی تمام عدالتوں کی نگرانی

۲۔ عدالتوں میں ججوں کا تعین

۳۔ ججوں کی ترقی اور ان کے خلاف انضباطی کارروائی۔

۴۔ عدالتوں کو متعلقہ قوانین کا ابلاغ۔

اس کونسل کا انتخاب سینٹ کرے گی۔

نظامِ معیشت

زمین اور اس کے وسائل اللہ کی ملکیت ہیں۔ انسان زمین پر نائب الٰہی کی حیثیت سے ان وسائل کا امین ہے۔ ان وسائل کی تقسیم اور ان کا تصرف انسانی بقاء اور ارتقاء کے نقطۂ نظر سے عادلانہ طور پر ہونا چاہیئے تھا لیکن دنیا کا موجودہ معاشی نظام انتہائی ظالمانہ ہے۔ اس نظام نے دنیا کی کثیر اور وسیع آبادیوں کو محرومیوں کا شکار کر رکھا ہے۔

خود پاکستان میں رائج معاشی نظام بڑی طاقتوں اور ان کے زیر تسلط اداروں کی استعماری پالیسیوں کے تقاضے پورے کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے اور یہ نظام ظلم و استحصال اور استثمار و احتکار کا سبب بن رہا ہے۔

لہٰذا ضروری ہے ۔۔۔ کہ

★ ملک میں موجودہ معاشی نظام کو یکسر تبدیل کر کے اسلام کے عدلِ اجتماعی کی بنیاد پر قائم اقتصادی نظام نافذ کیا جائے جس میں،

- ہر قسم کے معاشی استبداد کی نفی،
- طبقاتی تفاوت کا خاتمہ،
- بنیادی ضروریات کی فراہمی،
- ہر شخص کو روزگار کی فراہمی،
- ملک کی خود کفالت،

کی ضمانت موجود ہو۔

نیز یہ بھی ضروری ہے ۔۔۔۔ کہ

★ قومی اقتصادی منصوبہ بندی اس انداز میں کی جائے کہ فرد اپنی معاشی جدوجہد کے ساتھ معنوی وروحانی خودسازی کے مواقع بھی حاصل کر سکے۔

اسلامی احکام کی روشنی میں یہ اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۔ مالکیت کی حد بندی

مالکیت کی حدود کا تعین کیا جائے۔ تاکہ وسائل وآلاتِ پیداوار کی عادلانہ تقسیم ممکن ہو سکے۔

۲۔ ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ

ذخیرہ اندوزی اور احتکار چونکہ معاشرے میں استحصال واستثمار کو جنم دیتا ہے لہٰذا تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی کی نچلی سطح پر ذخیرہ اندوزی ممنوع قرار دے دی جائے گی۔ اشیائے خوردنی کی مصنوعی قلت پیدا کرنے والے اسباب ختم کر دیئے جائیں گے۔

۳۔ اسراف کا خاتمہ

اشیائے صرف کے بے جا استعمال اور انہیں ضائع یا تلف کرنے سے روکنے کے لئے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔

۴۔ ناجائز منافع خوری اور اجارہ داری کا خاتمہ

ہر قسم کی اور ہر حیلے سے کی جانے والی ناجائز منافع خوری اور اجارہ داری کو ختم

کر دیا جائے گا۔

۵۔ پیشے کا انتخاب

ہر فرد کو پیشے کے انتخاب کی آزادی ہوگی البتہ خلافِ اسلام اور مفادِ عامہ کے منافی پیشہ اختیار کرنے کی اجازت ہرگز نہ ہوگی نیز ہر طرح کے حرام کاروبار کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے گا۔

۶۔ قدرتی وسائل

تمام قدرتی وسائل قوم کی ملکیت میں ہوں گے۔

۷۔ نظام مالیات

نظام مالیات کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے سود کی ہر شکل کو ختم کر دیا جائے گا۔ تجارتی منافع کی شرح کا تعین بھی کیا جائے گا تاکہ زیادہ منافع سود (ربا) کی شکل اختیار نہ کر سکے۔

* * *

معیشت کے مختلف شعبوں میں مندرجہ ذیل پالیسیاں اختیار کی جائیں گی۔

تجارتی پالیسی

- بین الاقوامی تجارت قومی کنٹرول میں ہوگی۔
- بین الاقوامی سودی نظام کے مہلک اثرات سے بچنے کے لیے اشیاء کے بدلے اشیاء کی طرز تجارت اختیار کی جائے گی۔

- درآمدات و برآمدات کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے گا اور اشیائے تعیش کی درآمد مکمل طور پر بند کر دی جائے گی نیز ملکی ضروریات کی ملک میں پیداوار کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

صنعتی پالیسی

انفرادی صنعتی مالکیت کی حدود کا تعین کیا جائے گا۔

- تمام بنیادی صنعتیں قومی ملکیت میں ہوں گی۔
- آلاتِ تولید پیدا کرنے والے کارخانے حکومتی کنٹرول میں ہوں گے۔
- گھریلو صنعتوں کو مکمل تحفظ دیا جائے گا۔
- بیرونی سرمایہ کاروں کو اسلامی اور ملکی مفادات کی روشنی میں مشروط طور پر سرمایہ کاری کی اجازت دی جا سکے گی۔

زرعی پالیسی

- مالکیتِ زمین کی حدود کا تعین کیا جائے گا اور بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیریں ختم کر دی جائیں گی۔
- ایسی زمینیں جنہیں خود کاشت نہیں کیا جاتا انہیں قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا۔
- نظامِ حقیت اراضی کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے گا اور اسے عدلِ اسلامی کی بنیادوں پر استوار کیا جائے گا۔
- اسلامی اصولوں کے مطابق مزارعین کو ان کے حقوق دلوائے جائیں گے۔
- زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے خاطر خواہ اقدامات کیے جائیں گے اور ملکی معیشت میں زرعی شعبہ کا کردار مؤثر بنایا جائے گا۔

- مشینی کاشت اور جدید زرعی آلات کے استعمال کو فروغ دینے کے لیے تعاونی کاشت (COOPERATIVE FARMING) کے نظام کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

لیبر پالیسی

لیبر پالیسی کے بنیادی نکات یہ ہوں گے:

- سرمائے کو محنت کی جگہ نہیں لینے دی جائے گی۔
- مزدوروں کو کارخانے کے منافع میں حصہ دار بنایا جائے گا۔
- انتظامی معاملات میں مزدوروں کو مؤثر نمائندگی دی جائے گی۔
- مزدوروں کو مکمل سماجی تحفظ دیا جائے گا۔
- مزدوروں کے بچوں کی مفت تعلیم کا اہتمام کیا جائے گا۔
- مزدور اور اس کے اہل ذمہ کی صحت کی ضروریات کی مفت فراہمی کا انتظام کیا جائے گا۔
- مزدور کی تنخواہ کا تقرر اجتماعی معیار زندگی کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر کیا جائے گا۔
- مزدور کو اس وقت تک ملازمت سے نہیں نکالا جا سکے گا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے اپنی ذمہ داریوں کے خلاف کردار ادا کیا ہے۔
- غیر ہنر مند مزدوروں کو ہنر مند بننے کے مواقع کارخانہ مفت مہیا کرے گا۔

ملازمین کے حقوق

- لیبر پالیسی میں مزدور کو حاصل تمام حقوق و مراعات ملازمین کو بھی حاصل ہوں گی۔
- طبقاتی تفاوت پیدا کرنے والا مروجہ گریڈ سسٹم ختم کر کے انتہائی مختصر انتظامی درجوں پر مشتمل نیا نظام رائج کیا جائے گا۔
- سول ملازمین کو امورِ مملکت و سیاست میں حصہ لینے کا حق دیا جائے گا۔

خارجہ پالیسی

اسلام الٰہی اور آفاقی دین ہے جو بنی نوع انسان کو ایک برادری قرار دیتے ہوئے ہر قسم کے جبر، ظلم، استحصال اور محکومیت سے انسانی نجات اور سلامتی کا ضامن ہے اور اپنے اس پروگرام کی راہ میں حائل تمام انفرادی و اجتماعی رکاوٹوں کے خلاف جدوجہد پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہے تاکہ اللہ کے قانونِ عدل کی عالمگیر حکومت قائم ہو جائے کہ جو نوع انسانی کا دیرینہ خواب ہے۔

لیکن ـــــــ معروضی عالمی نظام قومی ریاستوں کے تصور پر استوار ہے جس کے تحت انسان کو رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ کے اعتبار سے مختلف قوموں اور مملکتوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا عالمی اسلامی حکومت کے لیے ایک نئے عالمی نظام کی ضرورت ہے۔

چنانچہ ـــــــ موجودہ عالمی حالات میں پاکستان کی خارجہ پالیسی درج ذیل خطوط پر استوار ہو گی۔

* ملک کی خارجہ پالیسی کی بنیاد "لاشرقیہ لاغربیہ" کا اسلامی اصول ہوگا۔ اس کی روشنی میں :

ـــــــ کسی بھی طاقت کی اقتصادی، ثقافتی، فوجی اور/ یا سیاسی بالادستی ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔

ـــــــ کسی بھی طاقت کے مفادات کی نگہداشت اور ترویج نہیں کی جائے گا

اور اس حوالے سے ناوابستگی کے اصول پر سختی سے کار بند رہا جائے گا۔

ـــــ استعماری اور سامراجی عزائم کی مزاحمت کی جائے گی۔

* ـــــ ملکی مفاد کا تحفظ خارجہ پالیسی کا بنیادی ستون ہوگا۔ اس کے تحت:

ـــــ علاقائی سالمیت، ملکی سلامتی، سیاسی خود مختاری اور معاشی آزادی کے حصول اور بقا کے لیے جدوجہد کی جائے گی، اس طرح سے کہ ملکی مفادات کا تعین اسلامی تقاضوں کی روشنی میں ہو۔

* دیگر ممالک سے تعلقات عدم مداخلت اور پُرامن بقائے باہمی کے اصول پر مبنی ہوں گے، جس کے تحت:

ـــــ کسی بھی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی اور کسی بھی ملک کی جغرافیائی سرحدوں پر جارحیت کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا۔

ـــــ تمام ممالک بالخصوص ہمسایہ ممالک سے دوطرفہ بنیادوں پر قریبی، خوشگوار اور دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے۔

ماسوائے:

- ان ممالک کے جو نسل پرستانہ، صیہونی، سامراجی اور توسیع پسندانہ عزائم کے حامل ہوں یا اسلام دشمن اور مسلم کش پالیسی اپنائے ہوں۔

البتہ:

- تمام مواقع پر اسلامی مفادات کو ترجیح دی جائے گی۔

* محض حکومتوں سے تعلقات کی بجائے دنیا بھر کے عوام سے قریبی رابطے قائم کیے جائیں گے۔

خارجہ پالیسی کے ان خطوط کی روشنی میں مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں گے۔

* تمام تر سیاسی، اقتصادی، فوجی اور ثقافتی نوعیت کے معاہدوں پر نظرثانی کی جائے گی۔

اور ایسے تمام معاہدے یا کسی بھی معاہدے کے ایسے حصے کالعدم قرار دے دیئے جائیں گے جو خارجہ پالیسی کے مذکورہ بالا بنیادی اصولوں سے متصادم ہوں گے۔

* قرضوں کی شرائط پر نظر ثانی کی جائے گی اور سامراجی سرمایہ کاری اور قرضے ضبط کر لیے جائیں گے۔
* ایسا کوئی معاہدہ نہیں کیا جائے گا اور نہ روبہ عمل لایا جائے گا جس کے تحت کوئی غیر ملکی طاقت ملک کے قدرتی وسائل پر تسلط یا تصرف حاصل کر سکے۔
* کسی سامراجی طاقت کو فوجی مقاصد کے لیے پاکستان کی زمین، فضا اور پانی استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔
* دنیا بھر میں محروموں اور مظلوموں کی آزادی کی تحریکوں بالخصوص اسلامی تحریکوں کی حمایت کی جائے گی اور ان سے ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔
* عالمی امن کے قیام اور فروغ نیز بنی نوع انسان کی خوشحالی اور ترقی کے لیے عالمی تنظیموں اور اداروں میں موثر کردار ادا کیا جائے گا۔ مزید یہ کہ ان تنظیموں اور اداروں میں استعماری اثر و نفوذ کے خاتمے کے لیے جدوجہد کی جائے گی۔
* استحصال، استعمار اور ظلم سے پاک ایک نئے عالمی اقتصادی اور سیاسی نظام کے لیے جدوجہد کی جائے گی۔
* مختلف ممالک میں موجود مسلم اقلیتوں کے حقوق کی بحالی/تحفظ کی کوشش کی جائے گی۔
* مسلم اکثریت کے وہ علاقے جو اغیار کے زیر تسلط ہیں ان کی آزادی کے لیے تعاون کیا جائے گا۔
* القدس اور دیگر مقامات مقدسہ کی حرمت و آزادی کو بنیادی اہمیت دی جائے گی۔
* کشمیر کی آزادی اور اس کے پاکستان سے الحاق کے لیے جدوجہد کی جائے گی۔

★

- بیرونی مداخلت یا فوج کشی کے خلاف مزاحمت میں اسلامی ممالک کے ساتھ تعاون کیا جائے گا۔
- علاقے میں ہر قسم کی فوجی مہم جوئی یا بیرونی مداخلت کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی۔
- پاکستان کو اس کے جغرافیائی، تاریخی اور دینی تقاضوں کی روشنی میں مغربی ایشیا کا حصہ قرار دے کر مسلمان ممالک سے قریبی روابط کا احیاء کیا جائے گا۔

تعلیم

علم اور ذوقِ تحقیق انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حصولِ علم ہر فرد بشر کا بنیادی حق بھی ہے اور فطری ذمہ داری ہے کہ اس حق کے حصول اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ہر فرد کی سرپرستی کرے تاکہ ہر شخص آزادانہ تحقیق و جستجو اور آگہی و بصیرت کے ذریعے اپنا مقصدِ تخلیق پورا کرتے ہوئے ارتقاء و کمال کی طرف بڑھ سکے۔

لیکن ——— فروغِ شعور کے ساتھ ساتھ تعمیرِ سیرت و کردار بھی ناگزیر ہے لہٰذا نظامِ تعلیم کو اندر کے انسان کی تربیت کا ذریعہ بھی ہونا چاہیئے۔ جب کہ پاکستان میں رائج نظامِ تعلیم نہ فقط ان مقاصد کو پورا نہیں کرتا بلکہ ان کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بھی ہے۔ ان حالات میں تعلیمی و ثقافتی انقلاب برپا کرنے کے لیے اس نظامِ تعلیم کو یکسر تبدیل کرنا ہوگا۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلامی ریاست میں نظامِ تعلیم کا ان خطوط پر استوار ہونا ضروری ہوگا۔

★ نصابِ تعلیم اس نہج پر ترتیب دیا جائے گا کہ:

——— تعلیم اور تربیت کے تمام تقاضے پورے ہوں۔

——— وسعتِ نظر اور ادراکِ حقیقت کے لیے تقابلی مطالعہ پیش کرے۔

——— دنیاوی اور مذہبی تعلیم کے درمیان پیدا کردہ تفاوت دور کرنے کا ذریعہ ہو۔

★ طبقاتی درجہ بندی کے خاتمے کے لیے:

نصاب میں یکسانیت،

لباس میں برابری،

ذریعہ تعلیم میں ہم آہنگی اور

سہولیات میں مساوات قائم کی جائے گی۔

★ عمرانی علوم اور فنی تعلیم میں ربط اور توازن پیدا کیا جائے گا تاکہ:
سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیش رفت کے ساتھ ساتھ انسان شناسی کا شعور

بھی پروان چڑھے۔
سائنس کی ترقی انسانی تقاضوں اور اخلاقی اقدار سے گریزاں نہ ہو۔
اس نظامِ تعلیم کو ثمر آور بنانے کے لیے پاکستان میں درج ذیل اقدامات کیے

جائیں گے:

• مذہبی تعلیمی اداروں کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے گا اور عام تعلیمی اداروں کے نصاب اور پروگرام کو انہی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

• عام تعلیمی اداروں میں ہر سطح پر اور ہر شعبے میں قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے گا اور اس مقصد کے لیے نصابی کتب اور متعلقہ کتب کا فی الفور قومی زبان میں ترجمہ کیا جائے گا۔

• ہر سطح پر انگریزی کو بحیثیت لازمی مضمون ختم کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ علاقائی زبان کی تعلیم لازمی قرار دے دی جائے گی۔

• حصولِ تعلیم کے مواقع اور سہولیات لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے یکساں ہوں گے۔

• لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیمی ادارے الگ الگ قائم کرنے کی کوشش کی جائیگی لیکن جس سطح اور جس مقام پر ایسا نہ ہو سکے وہاں مخلوط تعلیم کی صورت میں اسلامی اقدار و احکام کی سختی سے قانونی بنیادوں پر پابندی کی جائے گی تاکہ تعلیمی ماحول عفت، پاکیزگی

شرافت اور تقویٰ کا آئینہ دار ہو۔

- تعلیمی پالیسی پر موثر عملدرآمد کے لیے تعلیمی بجٹ میں ہر ممکن اضافہ کیا جائے۔
- میٹرک تک تعلیم لازمی اور بلامعاوضہ ہوگی۔
- فنی تعلیم عام کی جائے گی اور اس شعبہ کی تیز رفتار اور ہمہ گیر ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولیات فراہم کی جائیں گی، یہ پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں مغرب کی بالادستی کا خاتمہ ہو سکے۔
- عرصۂ تعلیم میں اضافے کے سبب نوجوانوں کے لیے تشکیلِ خاندان میں تاخیر اور مشکلات پیدا ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت شادی کے لیے طالب علموں کو آسان شرائط پر خصوصی قرضے فراہم کرے گی۔
- ملازم پیشہ افراد کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ قابلیت میں اضافے کے لیے جامع منصوبہ بندی کی جائے گی۔
- شرح خواندگی میں اضافے کے لیے تعلیم بالغاں کا ہمہ گیر انقلابی پروگرام شروع کیا جائے گا۔ جس کے تحت مزدوروں، کسانوں، خواتین حتیٰ کہ جیل میں موجود قیدیوں تک کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے گا اور اس پروگرام پر عملدرآمد کے لیے باقاعدہ تعلیمی اداروں کے طالب علموں کی صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔
- ذوقِ مطالعہ کے فروغ اور شوقِ تحقیق کی تکمیل کے لیے تعلیمی اداروں کے علاوہ مقامی اور دیہی سطح پر لائبریریوں کا جال بچھایا جائے گا اور موجود لائبریریوں کا معیار بلند کیا جائے گا۔
- اساتذہ کی پیشہ ورانہ اور نظریاتی تربیت اور اعلیٰ تعلیم کے لیے توسیعی پروگرام شروع کیا جائے گا۔
- اساتذہ کی سنیارٹی ان کی پیشہ ورانہ قابلیت اور تعلیمی خدمات کی بنیاد پر متعین کی جائیگی۔

- تعلیمی ماحول کو با مقصد، پاکیزہ اور ارتقاء پذیر بنانے کے لیے نیز تعلیمی مسائل کے حل کے لیے ایک ایسا نظام وضع کیا جائے گا جس میں اساتذہ، طلبہ اور والدین کی مؤثر شرکت یقینی ہو۔
- طلبہ کے لیے صحت مندانہ غیر نصابی علمی و تفریحی سرگرمیوں کی سرپرستی کی جائے گی البتہ ان سرگرمیوں کو تعلیم و تربیت کے بنیادی نظریاتی مقاصد سے ہم آہنگ رکھا جائیگا۔
- امور مملکت و سیاست میں طلبہ کی مثبت شرکت کی حوصلہ افزائی کی جائے گی نیز ان کے اجتماعی مؤقف اور رائے کو قومی پالیسیوں کی تشکیل میں ملحوظ نظر رکھا جائے گا۔
- میٹرک اور اس سے بالا درجے کے ہر طالب علم کے لیے ابتدائی عسکری تربیت لازمی ہوگی۔
- عربی زبان کی تعلیم و ترویج کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں گے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن حکیم اور اسلامی تعلیمات کے دیگر سرچشموں سے براہ راست استفادہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکیں۔
- نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام کی سطح علم اور عمومی معلومات میں اضافے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔
- ملک میں بسنے والے غیر مسلموں کو اپنے لیے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت ہوگی لیکن ان میں مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔
- غیر اسلامی مشنری اداروں کے قیام کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔
- نظام تعلیم اس طرح سے وضع کیا جائے گا کہ عرصۂ تعلیم ممکن حد تک کم ہو جائے۔

جہاد

اسلام کے بنیادی نظریات وعقائد میں جہاد کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جہاد اسلام کے فروع دین میں سے ہے۔ اس کا مقصد اسلام، مسلمانوں اور سرزمین اسلام کا دفاع ہے۔ یہ صفحہ وارض سے ظلم کے خاتمے اور مظلوم کی نجات کے لیے ہے جہاد اللہ کے راستے میں اللہ کے قانون کی بالادستی اور اللہ کے بندوں کی حمایت میں ہے۔

اسلام کے داخلی اور خارجی دشمنوں نے مسلمانوں کو اسلام کے نظریہ جہاد سے دور کرنے کی ایسی سازشیں کی ہیں کہ آج مسلمان رُوح جہاد سے عاری ہو چکے ہیں۔ اسی سبب سے مسلمان ذلت وپستی کے گڑھے میں جا پڑے ہیں۔ مسلمانوں کی نجات جذبہ جہاد اور شوق شہادت زندہ کیے بغیر ممکن نہیں۔ جہاد پوری امت کا فریضہ ہے کسی ایک گروہ کی ذمہ داری نہیں۔ البتہ دورِ حاضر میں فوجی اور عسکری تربیت اور فوجی ٹیکنالوجی میں تیز رفتار ترقی نے باقاعدہ اور مستقل فوج کی ضرورت سے دوچار کر دیا ہے۔ لہٰذا مستقل فوج آج کی اسلامی ریاست کی بھی ناگزیر ضرورت ہے لیکن جہاد کے اسلامی فلسفے کا تقاضا ہے کہ یہ فوج کاملاً نظریاتی ہو اور ساتھ ساتھ عوام کی فوجی تربیت کا بھی موثر نظام ضروری ہے تاکہ اسلامی جہاد کے تمام تر تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ جبکہ پاکستان میں صورت حال یہ ہے کہ فوج عملاً غیر نظریاتی ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے عوام سے کاٹ کر سامراج کی عالمی حکمت عملی کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

ان حالات میں پاکستان میں نظام جہاد کو ان بنیادوں پر از سر نو استوار کیا جائے گا۔

* پاکستان کی تمام افواج کا ـــــــ

ڈھانچہ، نظامِ تربیت، حربی حکمت عملیاں اور اہداف کا اسلامی مقاصد اور اسلامی ریاست کی ضروریات کے اعتبار سے نئے سرے سے تعین کیا جائے گا۔

★ مسلح افواج اور عوام کے درمیان حائل فاصلوں کو کم کرنے اور جہاد کی ذمہ داریوں سے بااحسن عہدہ برآ ہونے کے لیے "عوامی اسلامی فوج" تیار کی جائے گی۔

★ فوجی قوانین پر نظرِ ثانی کر کے اسلامی احکام کی روشنی میں نئے قوانین وضع کیے جائیں گے۔

★ فوج میں درجہ بندی کے موجودہ طریقے کو یکسر تبدیل کر کے ذمہ داری کے اعتبار سے عہدوں کا اصول اپنایا جائے گا۔

★ بیرونِ ملک فوجی خدمات کی شرائط کا تعین اسلامی مفاد اور ملکی تقاضوں کی روشنی میں کیا جائے گا۔

★ پاکستانی فوج آمر حکمرانوں کے اقتدار کے تحفظ اور ایسے کسی بھی سامراجی مفاد کے لیے ہرگز استعمال نہیں جائے گی۔ البتہ اسلامی مفادات مثلاً قبلۂ اول کی آزادی کے لیے پاکستانی فوج بیرونِ ملک خدمات سرانجام دے سکے گی۔

★ سیاسی عمل میں فوجی مداخلت کے خاتمے کو یقینی بنانے کے لیے مؤثر حکمتِ عملی ترتیب دی جائے گی۔

مذکورہ مقاصد و اہداف کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات بھی کیے جائیں گے۔

- ملک کے تمام صحت مند مردوں کی لازمی فوجی تربیت کا انتظام کیا جائے گا۔
- ہر بالغ پاکستانی مرد کو دو سال کے لیے لازمی فوجی خدمت کا قانون نافذ کیا جائے گا اس طرح دس کروڑ کی آبادی کے لیے پہلے دو سال میں تیس لاکھ عوامی اسلامی فوج مہیا ہو جائے گی۔
- دفاعی صنعتوں میں خود کفالت کے لیے تیز رفتار اقدامات کیے جائیں گے۔ اس

مقصد کے لیے ٹیکنالوجی اور ریسرچ کے لیے مناسب رقوم مختص کی جائیں گی۔

- بڑی فوجی صنعتوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا اور اس مقصد کے لیے جہاں اور جس حد تک ضروری ہوا نظریاتی اسلامی ممالک کے ساتھ مشترکہ منصوبے شروع کیے جائیں گے۔
- غیر ممالک میں اس وقت فوجی خدمات سرانجام دینے والے تمام پاکستانیوں کو فی الفور واپس بلالیا جائے گا۔

حقوق عامہ

آزادی ہر انسان کا فطری اور اسلامی حق ہے اس لیے کہ انسان فاعل مختار پیدا کیا گیا ہے لیکن آزادی کا مفہوم کسی قانون اور ضابطے کے بغیر منفی بھی ہے اور نا قابل عمل بھی۔ انسان کی یہی آزادی اسے کچھ حقوق و مراعات عطا کرتی ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ مفادِ اسلامی کے تقاضوں کی روشنی میں ہر فرد کی آزادی کا تحفظ اور اس کے حقوق کی نگہداشت کرے' اس طرح سے کہ کسی دوسرے کی آزادی اور حق پر آنچ نہ آنے پائے۔

آزادی کے اس مفہوم کی روشنی میں پاکستان کے شہریوں کو مندرجہ ذیل حقوق کی ضمانت دی جائے گی:

* ہر شخص کو اپنے ضمیر کے مطابق عقیدہ اور مذہب کے اختیار کی آزادی ہوگی۔
* ہر شخص کو اپنی مذہبی رسوم کی بجا آوری اور تبلیغ کی آزادی فراہم کی جائے گی جیسے عید میلاد النبیؐ اور عزاداری وغیرہ۔
* ہر شہری کو روزگار' تعلیم اور صحت کا تحفظ فراہم کیا جائے گا نیز اس بات کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے کہ ہر شہری کی خوراک، لباس اور رہائش کی ضروریات پوری ہو سکیں۔
* سماجی، سیاسی، ثقافتی اور معاشی میدان میں عورتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

* حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ ہر شہری کی جان و مال اور عزت کو تحفظ فراہم کرے۔
* ہر شہری کو نقل و حرکت، تحریر و تقریر، اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی حاصل ہوگی۔
* شہریوں کے ذاتی خطوط اور ٹیلی فون گفتگو وغیرہ کی رازداری کا تحفظ کیا جائے گا۔
* کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر کسی شخص کو گرفتار یا نظر بند نہیں رکھا جاسکے گا۔

ثقافت

نظریاتی اور عملی لحاظ سے اسلام اپنی نہایت قیمتی، ترقی یافتہ اور متنوع ثقافت رکھتا ہے۔ آج مجموعی طور پر انسانی معاشرہ ثقافتی المیے سے دوچار ہے۔ ثقافت بڑی طاقتوں کے سامراجی مقاصد کا ذریعہ بن چکی ہے اور ثقافت ہی انسانی صلاحیتوں اور فکروفن کے انحراف اور خاتمے کا وسیلہ بن چکی ہے۔ ضروری ہے کہ اسلامی ریاستیں خود اس کی بقا اور ترقی کے لیے اجتماعی اور انفرادی حوالے سے اسلام کی زبردست، طاقتور اور متحرک نظریاتی ثقافت کو فروغ دیا جائے۔

اسلامی ثقافت کی بنیادیں یہ ہیں:

(۱) اسلام کے احکام اور تعلیمات اسلامی ثقافت کی بنیاد ہیں۔ اسلام کے اجتماعی اور انفرادی ضوابط اسلامی ثقافت کی حدود متعین کرتے ہیں۔

(۲) اسلام کے نزدیک انسان محض ایک لوہے کی مشین نہیں بلکہ یہ دل بھی رکھتا ہے اور دماغ بھی۔ اس کے روحانی اور معنوی تقاضے بھی ہیں۔

(۳) اسلام کے نزدیک تفریح برائے تفریح کا کوئی مفہوم نہیں بلکہ اسلام ثقافت کے تفریحی اور جمالیاتی پہلو کے تکامل وارتقار کے لیے ایک ناگزیر معاون و مددگار سمجھتا ہے۔

(۴) اسلام اپنے فروغ کے لیے اپنی ثقافت کو ایک نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ سمجھتا ہے نیز اس کے ساتھ ساتھ اسلام اپنے ثقافتی پروگرام کے ذریعے علم و آگہی کی سطح بلند کرتا ہے۔

(۵) اسلام انسان کے فطری تقاضوں کو دبانے پر نہیں بلکہ انہیں باقاعدہ وباضابطہ بنانے پر یقین رکھتا ہے۔

اسلامی ثقافت کے انہی اصولوں اور بنیادوں کی روشنی میں پاکستان کو حقیقی اسلامی ریاست کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اس محاذ پر یہ اقدامات کیے جائیں گے:

- تمام غیر ملکی ثقافتی معاہدوں پر نظر ثانی کی جائے گی اور پاکستان کی اسلامی اساس سے متصادم غیر ملکی ثقافتی سرگرمیوں کو بند کر دیا جائے گا۔
- ثقافت کے نام پر اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے فحاشی، عریانی، بے حیائی اور دیگر اخلاقی گمراہیوں کی ترویج کو کچل دیا جائے گا۔
- علاقائی زبانوں اور ثقافتوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔
- شعر وسخن اور فنون لطیفہ کے دیگر شعبوں کی سرپرستی کی جائے گی۔
- ملک میں ایک ایسا ماحول مہیا کیا جائے گا کہ فنکار معاشی اور سیاسی جبر سے آزاد ہو کر معاشرہ کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کر سکیں۔
- صحت مندانہ کھیل اور تفریحی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

متفرقات

صحت پالیسی

صحت پالیسی کے بنیادی نکات یہ ہوں گے۔

- جسمانی اور ذہنی صحت ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔
- علاج کی بجائے مدافعت Prevention کا اصول اپنایا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے ماحول کی پاکیزگی اور صفائی کا مؤثر اہتمام کیا جائے گا۔
- تمام آبادی کا سالانہ طبی معائنہ حکومت کے ذمہ ہوگا۔
- میڈیکل کی بنیادی تعلیم میٹرک تک کے لیے لازمی ہوگی۔
- پیرا میڈیکل سٹاف میں خاطر خواہ اضافہ کر کے عوام کے علاج معالجے کی ضروریات کو پورا کیا جائے گا۔
- گھر گھر طبی سہولیات پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔
- طب اسلامی کو رواج دیا جائے گا۔
- ادویات سازی کی صنعت کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا تاکہ عوام کو معیاری اور سستی ادویات میسر آسکیں۔
- میڈیکل ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جائے گا۔

اوقاف

- اوقاف جس مسلک کے افراد سے متعلقہ ہوں گے ان کا انتظام و انصرام اسی مسلک کے پیروکاروں کے سپرد کیا جائے گا۔

خاندان

- خاندان اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اس کی تشکیل، استحکام اور تقدس کو قائم اور برقرار رکھا جائے گا۔

دیہی علاقوں کی ترقی

پاکستان میں مجموعی طور پر دیہی علاقوں کی حالت بہت پس ماندہ ہے جبکہ تقریباً ستر فیصد عوام دیہی علاقوں میں بستے ہیں۔ غلط اقتصادی منصوبہ بندی اور سہولیات کی غیر متوازن فراہمی کی وجہ سے ملک کی زراعت روبہ زوال ہے اور شہروں کی طرف نقل مکانی کا عمل تیزی سے جاری ہے۔ اس کے باعث خود شہروں کی حالت مزید ابتر ہو رہی ہے۔ اس صورتِ حال کی اصلاح اور دیہی ترقی کے لیے زرعی پالیسی اور دیگر عنوانات کے تحت دیئے گئے امور کے علاوہ مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں گے:

- دیہی علاقوں میں زرعی بنیاد کی حاصل صنعتوں Agro based Industries کا جال بچھا دیا جائے گا۔
- بجلی کی فراہمی میں دیہی علاقوں کو ترجیح دی جائے گی۔
- دیہات کو سڑکوں کے ذریعے منڈیوں اور شہروں سے منسلک کر دیا جائے گا۔
- دیہات کی تعلیمی ضروریات کو ترجیحی بنیادوں پر پورا کیا جائے گا۔

پولیس

- پولیس کی از سرِ نو تشکیل و تنظیم کی جائے گی۔ اس مقصد کے لیے پولیس میں درجہ بندی کو کم سے کم تر کر دیا جائے گا۔ بھرتی کے نظام میں بھی بنیادی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں گی۔

پولیس کی دینی بنیادوں پر مؤثر تربیت کی جائے گی اور اسے معاشرتی امن و سکون

اور عدل اجتماعی کا ہمدرد محافظ بنایا جائے گا۔

- پولیس میں ترقی کے لیے تقویٰ و پرہیزگاری اور عوامی خدمت کو بنیادی اہمیت دی جائے گی۔
- پولیس حکومت کی نہیں بلکہ قانون اور عوام کی محافظ ہو گی۔
- دوران تفتیش ہر قسم کے تشدد کو سختی سے ختم کر دیا جائے گا۔
- ملزم کے اعزا و اقربا کو پریشان کیے جانے کے عمل کا سختی سے خاتمہ کر دیا جائے گا۔

قید خانے

- قید خانوں اور جیلوں کے نظام میں انقلابی تبدیلیاں کی جائیں گی اور انہیں تقاضائے اسلام کے مطابق مراکز اصلاح میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ ان کی عمارات کو انسانوں کے رہنے کے قابل بنایا جائے گا نیز ان کا نام بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔
- ان میں ہر قسم کے تشدد اور غیر انسانی و غیر اسلامی سلوک کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔
- مراکز اصلاح کے عملے کو جدید اسلامی تقاضوں کی روشنی میں تربیت دی جائے گی۔
- مجرموں اور قیدیوں کی اسلامی تربیت کا اہتمام کیا جائے گا۔
- ان پڑھ اور بے ہنر قیدیوں کی تعلیم اور فنی تربیت کا انتظام کیا جائے گا۔
- وہ مجرم اور قیدی جو اپنے اہلِ ذمہ کی کفالت نہ کر سکیں گے ان کے اہل ذمہ کی کفالت حکومت کرے گی۔
- شادی شدہ قیدیوں کو اپنے ازدواجی فرائض کی ادائیگی کے لیے مناسب سہولیات فراہم کی جائیں گی۔
- قیدیوں کو قوم پر مالی طور پر بوجھ بنانے کی بجائے انہیں ان کی صلاحیتوں کے مطابق روزگار کی فراہمی کے مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔

پاکستان کمیونسٹ پارٹی

پاکستان کمیونسٹ پارٹی کے بارے میں زیادہ معلومات جمع نہیں ہو سکیں۔ اس پارٹی کی جانب سے اگر کوئی دستاویزیں تیار کی گئی ہیں تو وہ دستیاب نہیں ہو سکیں۔ چنانچہ کمیونسٹ پارٹی کے رہنما جام ساقی سے روزنامہ "نوائے وقت" کے لیے پروفیسر محمد عثمان نے جو انٹرویو کیا تھا وہی کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

پاکستان کمیونسٹ پارٹی

جام ساقی سے ایک انٹرویو

پروفیسر محمد عثمان :- جام ساقی صاحب میں اپنی طرف سے اور نوائے وقت کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ لاہور میں بے حد مصروفیات کے باوجود آپ نے ہماری درخواست کو قبول کرتے ہوئے ہمیں وقت دیا۔ جب سے آپ لاہور تشریف لائے ہیں آپ کے اعزاز میں تقریبات کا انعقاد جاری ہے لاہور کے عوام آپ کے کام اور آپ کی شخصیت سے پہلے سے بھی زیادہ واقف ہوئے ہیں۔ تاہم آپ کی ذات کے کئی گوشے ایسے ہیں جن کو جاننے کی خواہش قارئین نوائے وقت کو قدرتی طور پر ہو گی۔ آپ ازراہ کرم اپنا بچپن کا زمانہ ابتدائی ماحول۔ والدین نے کس قسم کی تربیت کی۔ اس پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھیں گے ؟

جام ساقی :- میری پیدائش ایک چھوٹے سے گاؤں جنجی تحصیل چھاچھرو ضلع تھرپارکر سندھ میں ہوئی یہیں پرائمری تعلیم حاصل کی۔ تحصیل ہیڈ کوارٹر چھاچھرو میں دسویں تک تعلیم پائی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم حیدر آباد ہوئی سندھ یونیورسٹی سے ایم اے پولیٹیکل سائنس میں کیا۔ یاد رہے کہ ایم۔ اے پریویس میں سن ۶۹ میں پاس کر لیا تھا۔ فائنل کا امتحان رہ گیا تھا پھر جیل میں چلے جانے کے باعث فائنل کا امتحان رہ گیا تھا جو اب حال ہی میں پاس کیا ہے۔

میں شروع سے ہی سیاست میں رہا۔ ۱۹۷۱ء میں ہمارے ملک کے حالات ایسے ہوئے کہ بنگال میں آرمی ایکشن ہوا۔ میں نے اس کی مخالفت کی تھی جس کے نتیجے میں

میرے وارنٹ نکلے اور ایک سال تک روپوش رہا جب میں روپوشی سے باہر آیا تو بھٹو کی حکومت کا قیام ہو چکا تھا۔ بنگال میں مسلمانوں کے قتل عام کے خلاف میں نے حیدرآباد میں ایک جلوس نکالا تھا جس کی سزا ایک سال مجھے سمری ملٹری کورٹ نے دی تھی۔ روپوشی سے باہر آنے کے بعد وہ سزا میں نے بھگتی یہ سزا مجھے یحییٰ خان کے زمانے میں ملی تھی اور اسے میں نے ملتان جیل میں بھٹو کے دور میں کاٹا۔ اس سزا کے خلاف عدالتی کارروائی کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ ہاں صدر اور گورنر کو معاف کرنے کا اختیار تھا مگر میں نے اپیل کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ملتان جیل کے دوران ہی میں نے پنجابی سیکھنی شروع کی تھی۔ موجودہ حکومت کے دور میں میں شاہی قلعہ لاہور میں قید رہا ہوں۔

تھر کا علاقہ جس سے میں تعلق رکھتا ہوں بے حد غریب لوگوں پر مشتمل ہے۔ میری والدہ اور والد دونوں پرائمری ٹیچر ہیں میں نے اپنے علاقے کی غربت دیکھی یہ وہ علاقہ ہے جہاں ہر دوسرے تیسرے سال قحط پڑجاتا ہے اس وقت بھی ایسی ہی صورتحال ہے صرف ایک وقت کا کھانا لوگوں کو میسر آتا ہے۔ رات کو دلیا پتلا پکا لیتے ہیں اور بچا کر صبح کے لئے رکھ لیتے ہیں جو بچوں کو کھلاتے ہیں اور خود بھی کھاتے ہیں بجلی کا فقدان ہے پانی ۲۰۰ فٹ گہرائی میں ملتا ہے اور وہ بھی کھارا پانی ہے۔

س۔ ہمارے ہاں عام روایت ہے کہ بچوں کو قرآن کریم پڑھنے کے لئے مساجد میں بھیجا جاتا ہے۔ آپ بھی اس روایت سے گزرے ہیں؟

ج۔ میں نے قرآن کریم بھی پڑھا ہے اور نماز کی پابندی بھی کی ہے پھر ایک وقت ایسا آیا ہے کہ میں نے قرآن کریم باترجمہ بھی پڑھا۔

س۔ جب آپ ملتان جیل سے نکلے تو اس کے بعد آپ نے اپنی زندگی کو کس رُخ پر موڑا؟ کوئی کاروبار شروع کیا؟ یا کسی سیاسی تحریک میں شامل ہوئے اور کسی

پارٹی سے منسلک ہو گئے؟

ج۔ ملتان جیل سے جب میں باہر نکلا اس وقت میں سندھ کی نیشنل عوامی پارٹی کا جنرل سیکرٹری تھا اس کے بعد پشاور میں نیشنل عوامی پارٹی کا مرکزی کونسل کا اجلاس ہوا تو اس میں میں مرکزی جائنٹ سیکرٹری منتخب ہوا۔ اور اس وقت تک کام کرتا رہا جب تک نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی نہ لگی۔ جب سارے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تو میرا نام بھی حیدر آباد کے ٹریبونل کے ملزمان میں شامل تھا چنانچہ میں نے روپوش رہنا مناسب جانا اور سیاسی کام جاری رکھا۔

اس کے بعد این ڈی پی بنی میں اس میں شریک نہیں ہوا کیونکہ یہ پارٹی نیپ کا مکمل نعم البدل نہیں تھی۔

س۔ اب صورت حال یہ ہے کہ دس سال سے مارشل لا کی ہم کچھ اذیتیں اور برکتیں بھگت رہے ہیں سب سے بڑا مسئلہ اس وقت پاکستان کے سامنے یہ ہے کہ صوبوں کو اکٹھا رکھا جائے اور وفاق کو مستحکم بنایا جائے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

ج۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جرنیل حضرات کا نقطہ نظر ہر کسی کو دبا رکھنے کا ہوتا ہے اس کا نتیجہ وہ دیکھ چکے ہیں چنانچہ مشرقی پاکستان میں فوج نے قتل عام کیے ہیں تیس لاکھ لوگوں کو شہید کر دیا گیا۔ دو لاکھ عورتوں کی عصمتوں کو داغدار کیا گیا چنانچہ اس کے نتیجے میں بنگلہ دیش معرض وجود میں آ گیا۔ اب ہمارے ہاں ایک نئی صورتحال پیدا ہوئی ہے اس میں بیوروکریسی بالخصوص مسلح افواج اقتدار چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔

میں نے تو شاہی قلعہ میں بھی بیان دیا تھا کہ چلو فوج کسی فوجی نمائندے کو ہی منتخب کرے لیکن ووٹوں کے ذریعے کرے۔ ہم یہ تو سمجھیں کہ ملک کا حاکم کم از کم چھ لاکھ لوگوں کا نمائندہ ہے۔ یہ بھی اس صورت میں کہ باقی دس کروڑ عوام بالکل گئے

گزرے ہو چکے ہیں) اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس طرح تو فوج میں بھی سیاست شروع ہو جائے گی سوال یہ ہے کہ فوج اگر سیاست میں مداخلت کر رہی ہے تو پھر یہ بھی کر سکتی ہے۔

س۔ اب جو صورت حال ہے اس میں یہ بتائیں کہ پاکستان کو مضبوط اور متحد رکھنے کے لئے آپ کے پاس کیا فارمولا ہے۔؟

ج۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ ہمارے صوبے کوئی انتظامی صوبے نہیں ہیں بلکہ قومی یونٹ ہیں۔ پاکستان ایک کثیر الاقوام ریاست ہے یہاں پر سندھی۔ بلوچی پٹھان اور پنجابی رہتے ہیں انہوں نے مل کر پاکستان بنایا ہے۔ سب صوبوں کی قراردادوں کے نتیجے کے طور پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ ان صوبوں کی حیثیت کو تسلیم کرنے سے پاکستان کمزور نہیں ہوتا بلکہ اس کی بقا کے امکانات روشن ہوتے ہیں پھر قومی حقوق کا مسئلہ ہے یہاں زبانوں کے حقوق نہیں دیئے جاتے، روزگار کے مواقع نہیں دیئے جا رہے وغیرہ

س۔ ۱۹۷۳ء کا آئین بنا اس وقت کی حکومت اور سیاسی اپوزیشن نے اس پر اتفاق بھی کیا تھا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر اس وقت اس پر دیانتداری سے عمل کیا جاتا تو قومیتوں کا مسئلہ حل ہو جاتا؟

ج۔ ۱۹۷۳ء کا آئین بدقسمتی سے بلوچستان کے فوجی آپریشن کو نہیں ٹال سکا اور آئین کے بنانے والے منتخب وزیر اعظم تک کو نہیں بچا سکا بلکہ پھانسی دیا گیا۔ سول حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ ضرورت یہ ہے کہ نہ صرف ہم بعض حقائق کو تسلیم کریں بلکہ ان قوتوں کو کمزور کریں جو پاکستان کو ترقی ہیں یعنی نوکر شاہی اور جمہوری قوتوں کو اتنا مضبوط کریں کہ آئندہ ایسا نہ ہو سکے۔

س۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۹۷۳ء کا آئین اس قدر مؤثر ثابت نہیں ہوا کہ وہ مرکز

صوبوں، قومیتوں اور ان کی امنگوں کا ساتھ دے سکے۔ اب وہ ایک طرح سے مفلوج ہے آپ کا کیا خیال ہے کوئی نیا آئین ہونا چاہیئے ؟

ج ۔ ساری سیاسی پارٹیاں اس امر پر متفق ہیں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں دی گئی صوبائی خود مختاری ناکافی ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں ایک نیا فارمولا دیا ہے کہ چار محکمے مرکز کے پاس ہوں اور باقی صوبوں کے پاس یہ بھی فارمولا ہے جو ملک کے ترقی پسندوں اور قوم پرستوں نے مل کر نیپ بناتے وقت ۱۹۵۰ء میں دیا تھا۔ ہماری خرابی یہ ہے کہ ہم مستقبل میں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک عرصہ دراز قبل ہم نے جو بات محسوس کی تھی جمہوری حلقے اسے آج محسوس کر رہے ہیں جبکہ آج کل صورت حال میں کچھ فرق بھی آگیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ۲۹ سال قبل ملک کے اندر ایسے لوگ موجود نہیں تھے جو یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ یہاں پر جمہوریت ہی نہیں آسکتی یہاں پر قومی حکومت بن ہی نہیں سکتی۔ پہلے ۱۹سال قبل بنگال سارے ملک کا ایک حصہ تھا اور وہ کٹ چکا ہے۔ اسے ہم سے الگ کر دیا گیا ہے اور اس کے بعد اس وقت تک بلوچستان اور سندھ میں فوجی آپریشن نہیں ہوتا تھا جیسا کہ آج ہوا ہے۔ ۱۹۵۰ء تک اتنی زیادہ اراضی فوجی افسروں کو نہیں دی گئی تھی جتنی کہ آج دی گئی ہے سندھ کی صورت حال تو یہ ہے کہ یہاں ۲۰ لاکھ ایکڑ اراضی فوجی افسروں کو الاٹ کی گئی اور مزید الاٹ کی جا رہی ہے۔

ہمارے ملک کی بیوروکریسی اور حکمران طبقے آئین بنانے کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہوئے جب تک کہ بنگال کے عوام کے راہنماؤں نے اپنی میجارٹی کو سرنڈر نہیں کیا۔

صورت حال یہ تھی کہ بنگال کے عوام سیاسی طور پر زیادہ باشعور تھے ۱۹۵۴ء میں مسلم لیگ کو مشرقی پاکستان کے متحدہ محاذ نے بُری طرح شکست دی تھی

۳۱۰ میں سے ۳۰۱ سیٹیں حاصل کرلیں آئین ۵۶ میں بنا جبکہ وہاں کی اکثریت ۵۶٪ تھی انہوں نے اپنا ۶٪ سرنڈر کرڈالا پھر جاکر آئین بنا۔ ہمارے ہاں آئین ساتھ رہنے کا معاہدہ ہوتا ہے ہمارے حکمران اس وقت تک ساتھ رہنے کا معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جب تک ہم اپنی خود مختاری سے دستبردار نہیں ہو جاتے وہ ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

۱۹۴۰ء کی قرارداد تو موجود تھی اس میں یہ تحریر تھا کہ پاکستان کے سارے حصے خود مختار ہوں گے۔ساورن اٹانومس کے الفاظ قابل غور ہیں۔ یعنی اقتدار اعلیٰ ان کو حاصل ہوگا۔

س ۔ مشرقی پاکستان کے لوگ سیاسی طور پر ہم سے زیادہ بیدار تھے انہوں نے جاگیردارانہ نظام ہم سے بہت پہلے ختم کیا ان لوگوں کا اس وقت آئین نہیں بننے دیا جب تک ۵۶ اور ۴۴ کو برابر نہیں کردیا اس کے پیچھے بیوروکریسی کے پہلے جاگیردار تھے اور آج بھی ہیں آپ اور آپ کے ہم خیال اب بھی تحریروں اور تقریروں میں یہ زور دیتے ہیں کہ جب تک جاگیردارانہ نظام یہاں سے ختم نہیں ہوتا اس وقت وہ طبقے ہونا جائز فائدہ حکمرانی سے اٹھاتے ہیں۔ ختم نہیں ہوں گے آپ فرمائیں کہ جاگیرداری نظام اس وقت پنجاب میں اتنا وسیع پیمانے پر نہیں ہے جتنا سندھ میں ہے یا بلوچستان ہیں۔ آپ فرمائیں کہ اس نظام کو ختم کرنے کا آپ کے پاس کیا حل ہے دوسرے یہ بات ہے کہ پنجاب میں جرنیلوں نے بہت اراضی الاٹ کروا رکھی ہے۔

ج ۔ بنگال میں جب الیکشن ہوئے تو جاگیرداری کے خاتمے کو بنیاد پر ہی زرعی اصلاحات کا نفاذ ہوا۔ مگر یہاں پر جب جاگیرداروں نے دیکھا کہ عوام بہت باشعور ہو گئے ہیں تو انہوں نے نوکر شاہی کے پیچھے پناہ حاصل کی اور اس کو

حصے دار بنا لیا چنانچہ ۴۳ ء میں فوجی افسروں کو زمینیں دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا
یا یوں کہہ لیں کہ انگریز شاہی نے جاگیرداروں کو کہا کہ وہ ان کو زمینیں دیں وہ ان کا
تحفظ کریں گے اور اس ضمن میں انہوں نے ۵۴ ء میں امریکہ کے ساتھ معاہدہ کیا
اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکا کہ ون یونٹ بنایا جائے اسمبلیوں کو توڑیں اور
۵۶ کا آئین بنائیں بہرحال جاگیرداری اور بیوروکریسی بالکل ایک ہو چکے ہیں۔ اس
لئے اب کسی سے جاگیر چھیننی جانی مشکل ہے جرنیلوں نے تین تین ہزار ایکڑ زمین
اپنے نام پر منتقل کرائی ہوئی ہے۔ یہ ایک ہی مسئلہ ہے۔ الیکشن ہونے چاہئیں جمہوری
طور پر عوام کی نمائندہ حکومت بنے اور یہ طے کرے کہ اس پر ضرب کاری کیسے لگائے
دوسرے آئینی طور پر فوج کو چھوڑ کر کسی کے پاس سوا ایکڑ سے زیادہ زمین نہیں
ہے (کاغذات میں) مگر جاگیرداروں کے پاس جھوٹے ناموں سے زمینیں موجود ہیں۔
جب بھٹو نے زرعی اصلاحات کیں تو جاگیردار پرائم منسٹر ہاؤس پہنچ گئے چنانچہ
اس وقت فوجی جرنیلوں کے متعلق یہ کہا گیا کہ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے
پاس خواہ کتنی زمین ہو ان سے نہیں پوچھا جا سکتا ہے، ہاں البتہ دوسرے
پاکستانیوں کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس کے پاس سوا ایکڑ سے زائد زمین نہیں ہے
یہ چیز ختم ہونی چاہیئے۔ اس طرح گویا فوجی افسروں کو چھوڑ کر ہم دوسرے پاکستانی
عملاً دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ ہم جمہوریت کو اس
وقت مضبوط بنا کر یہ مطالبہ کریں گے کہ حقیقی طور پر یہ زرعی اصلاحات کی جائیں یہ کام
صرف منتخب حکومت ہی کر سکتی ہے۔ ایم۔ آر۔ ڈی کا مطالبہ ہے کہ ۷۳ء کے آئین
کے تحت الیکشن کروائے جائیں اس پر دوسرے بھی سارے متفق ہیں۔

ہمارے ہاں یہ روایت ہے کہ اول تو انتخاب ہوتے ہی نہیں اگر ہوتے
ہیں تو اسے بالخصوص فوجی ٹولہ انہیں تسلیم ہی نہیں کرتا اس ٹولے نے ۵۴ء میں

بنگال کے الیکشن کو تسلیم نہیں کیا۔ ۵۰ کے ابتدا میں الیکشن ہونے والے تھے کہ یہ ٹولہ اکتوبر ۵۸ کو آدھمکا۔ خان قیوم خان جیسے شخص کو امریکہ نے کہا تھا کہ وہ اگر بڈبیر کے امریکی اڈے میں پانچ سال کی توسیع کر دے تو اسے امریکی حکومت صدر پاکستان بنانے کے لئے تیار ہے مگر اس نے انکار کر دیا چنانچہ مارشل لگا اور ایوب خان نے اس اڈے کی دس سال توسیع کی۔

اس وقت بھی مسئلہ صرف ضیاء الحق کا نہیں ہے مسئلہ بیورو کریسی کے ٹولے کا ہے ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ یہاں ملک کا دفاع کرنے والے ادارے کو سیاست میں داخل کر دیا گیا ہے اور اس کی حیثیت ایک سیاسی پارٹی کی بن کر رہ گئی ہے اور تمام جرنیل اس سیاسی پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ممبران ہیں وہ گائیڈ کرتے ہیں پھر دس سال بعد جب ایوب خان نے اس فوجی اڈے کی توسیع سے انکار کر دیا تو امریکہ نے اس کو بھی ہٹا دیا حالانکہ ایوب خان خود جمہوریت قائم کرنے پر رضامند بھی ہو گیا تھا اس کے بعد ۰، میں انتخاب ہوئے مگر فوجی ٹولہ اس کے نتائج تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوا۔ پھر ۷۷، میں بھی یہی صورت حال ہوئی!!

س۔ ۱۹۴۲ء میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے قیام پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کی اور کہا کہ ایسا کرنا کمیونسٹ اصولوں کے منافی نہیں ہے۔ تحریک پاکستان اور اسلام کا جو رشتہ ہے کیا آپ اس رشتے کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کا تعین آپ کس طرح کریں گے کہ بعض لوگ اسلام اور پاکستان کے رشتے کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام اور پاکستان کا اس میں کوئی تعلق نہیں تھا۔

ج۔ قائداعظم نے مجلس قانون ساز میں ایک تقریر کی تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہندو ہندو نہ رہے گا مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ اب سب پاکستانی ہو جائیں گے

یعنی سیاسی لحاظ سے یہ سیکولرازم کی طرف قدم تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے بھی مذہب کو استحصال کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے ہر شخص اپنے عقیدے پر عمل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر سیکولرازم کی اور کون سی مثال ہو سکتی ہے۔

ملک آزاد ہو گیا۔ سٹیٹ کو مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔ مولویوں کو بھی اپنے نظریات دوسروں پر مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کریں گے تو ایسی فرقہ واریت جنم لے گی جو ملک کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی یہاں ۲، فرقے موجود ہیں پھر غیر مسلم بھی موجود ہیں۔ اس کا حل یہی ہے کہ ہر ایک کو اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرنے دیا جائے اور مداخلت فی الدین سے اجتناب کیا جائے جہاں بطور پاکستان کے شہری کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اقتدار اعلیٰ سنبھال کر ائیں عوام کی خوشحالی کے لئے کوشاں ہوں۔ قوموں کے حقوق تسلیم کرائیں ووٹ کا حق دلائیں وغیرہ۔

س۔ بائیں بازو کی سیاست یا کیمونزم ہیں۔ عام طور پر اس اصول کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ جس معاشرے میں یا ملک میں آپ تبدیلی لانا چاہتے ہیں وہاں کے عوام کی مجموعی ایمانیات۔ مجموعی ثقافتی احساسات کا خیال رکھنا اور نظام میں ان کی گنجائش رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی ہے ورنہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر بائیں بازو والی سیاست میں کچھ کو ساتھ لے کر چلنے کی گنجائش رکھتی تو یہ کیا تبدیلی لانے کے عمل کے لئے مہمیز کا کام نہ دیتی۔

ج۔ اولیائے کرام سیکولر تھے دوسری بات یہ ہے کہ اسلام میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ بٹائی حرام ہے کاشتکار کو پوری فصل ملنی چاہیئے۔ ہمارے ۹۹ ٪ علما بھی اس کو گول کر جاتے ہیں اکثر بھی گومگو کی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ زیادہ مولوی حضرات

ان معاملات میں حکمران طبقے کا ساتھ دیتے ہیں۔

ہماری جماعت اسلامی کی کاؤنٹر پارٹ اخوان المسلمون تھی انہوں نے زرعی اصلاحات کی مخالفت کی اور زرعی اصلاحات کرانے والوں کو قتل تک کروا دیا چنانچہ ان کے سربراہ کو پھانسی لگائی گئی تو وہ شہید ٹھہرا اور صدر ناصر پر فتوے لگائے گئے۔ ہمارے ہاں ون یونٹ کا مسئلہ جماعت اسلامی نے ایمان کا مسئلہ بنایا ہوا تھا کہ اگر یہ ٹوٹا تو ملک ٹوٹ جائے گا۔ اس وقت ہم نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم مذہبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے ون یونٹ ٹوٹ جانا چاہیئے ایسا ہوا اور اس کے باوجود اسلام کے لئے کوئی خطرہ پیدا نہ ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں بازو والے اور یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے تھے لوگوں کو ٹھگنے کی کوشش کرتے تھے۔

اس طرح جب ہم سماج کی تبدیلی کی بات کرتے ہیں کہ لوگوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں زرعی اصلاحات ہونی چاہئیں۔ بنیادی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینا چاہیئے اس سے مذہب کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر مذہبی بحث میں پڑیں گے تو کس کو لیں گے۔ شیعہ کو سنی کو وہابی کو دیوبندی کو۔ مذہبی عقائد انسان کے ذاتی عقائد ہیں اس میں کسی کو دخل اندازی کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔

س۔ آپ جب قید ہوئے تو آپ کے گھر پر بڑی اُفتاد پڑی۔ ایک تو یہ ہے کہ ایک متوسط آدمی جب طویل قید میں چلا جائے تو گھر کا معاشی نظام تباہ ہو جاتا ہے بعض دفعہ زیادہ مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔

ج۔ مجھے جب گرفتار کیا گیا تو یہ عام گرفتاری نہیں تھی بلکہ کئی مہینوں تک مجھے غائب کر دیا گیا۔ میرے گھر والوں تک کو معلوم نہیں تھا کہ میں زندہ ہوں یا مار دیا گیا ہوں یہ مشہور تھا کہ مارشل لاء ہر سال جانوں کا نذرانہ لیتا ہے۔ موجودہ دور میں خرم عباس۔

بھٹو، طوطی، عثمان، لالہ اسد، ناصر بلوچ۔ فاضل راہو کو بھی شہید کر دیا گیا، بہرحال سمجھا جانے لگا کہ مجھے قتل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ میری بیوی نے اس صدمے کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی۔ مجھے شاہی قلعے میں لائے جانے سے پہلے کی بات ہے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ جب سندھ ہائی کورٹ نے بھی مجھے پیش کرنے کے احکام صادر کیے گئے تھے مگر مجھے پیش نہ کیا گیا تھا۔

میرے دو بچے ہیں۔ بڑا بچہ ۱۳ سال کا اور بچی ۱۰ سال کی ہے۔

س۔ جیل کے دوران آپ پر جو بیتی اس کی مختصر روداد بیان کرنا پسند کریں گے؟

ج۔ میرے خلاف یہ چارجز تھے کہ فوج کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہوں، طبقاتی منافرت پیدا کرتا ہوں نظریہ پاکستان کی مخالفت کرتا ہوں نیز صوبائی منافرت پھیلانے کا بھی مرتکب ہوتا ہوں گرفتار ہوتے ہی نصف گھنٹے کے اندر اندر مجھے فوجی تحویل میں دے دیا گیا۔ مجھے بہت سی پیشکش بھی کی گئیں کہ سیاست چھوڑ دوں تو زمینیں الاٹ کرا لی جائیں۔ جائیداد دیں گے کارخانے لگا کر دیں گے۔ رقوم دیں گے وغیرہ وغیرہ میں نے انکار کر دیا۔ پھر مجھے جسمانی اذیت دی گئی اور دو ماہ تک مسلسل مجھے مارا پیٹا گیا۔ مجھے مسلسل جگایا جاتا رہا اور بید وں کی مار دی جاتی رہی میرا خون بہتا رہتا تھا۔ گالی گلوچ۔ بال نوچنا۔ تھپڑ بازی اس کے سوا تھی۔ انجکشن لگائے گئے جو بولنے پر مجبور کرتے ہیں یا سم کو توڑتے ہیں۔ قلعہ میں آنے کے بعد مارپیٹ کا سلسلہ کچھ کم ہوا۔ جیل میں آٹھ سال تک رکھا گیا اور اکثر وبیشتر یہ قید تنہائی ہی تھی۔ ایک دفعہ ۹ ماہ تک مجھے مسلسل ہتھکڑی لگائے رکھی ہتھکڑی ایک کھونٹے سے بندھی ہوتی تھی۔ شاہی قلعے میں ہی واحد قیدی تھا۔ فوج کے افسران ہی انکوائری کے لئے آتے تھے وہ سارے امریکن ٹرینڈ ہوتے تھے۔

زیادہ تر حیدرآباد، سندھ، کراچی، سکھر جیلوں میں قید رہا ہوں شروع کے سترہ ماہ تک تو کسی کو مجھ سے ملاقات کی اجازت نہیں تھی اسی دوران بیوی نے خودکشی کی تھی۔ پھر ملاقات ہوتی رہی محض عزیزوں سے اور وہ ملٹری سیکرٹری وغیرہ کی منظوری کے ساتھ۔

س۔ سندھ کی ہاری کمیٹی میں آپ نے کام کیا ہے وہ کس نوعیت کا ہے اور کس حد تک آپ کو اس میں کامیابی ہوئی ہے؟ کب سے یہ کام شروع کیا ہے؟ قید کے دوران کیا صورت حال رہی؟

ج۔ میں پہلے سٹوڈنٹ لیڈر تھا (۱۹۷۰ تک) اس کے بعد میں نے سندھ ہاری کمیٹی میں شمولیت اختیار کی۔ ہاری تنظیم سندھ کی ایک بڑی مضبوط تنظیم ہے جس کی نوکر شاہی اور وڈیرے کھل کر مخالفت کرتے ہیں آٹھ سال تک جیل میں رہنے کے باعث مجھے عوام سے ملنے کا موقع بہت کم ملا ہے اس دفعہ بھی ۲۰ دن کا دورہ کیا ہے اور پتہ چلا ہے کہ سندھ کے کسانوں میں بہت زیادہ بے چینی پائی جاتی ہے اور بیداری بھی ہے۔ کسان کمیٹی کوئی پولیٹیکل پارٹی نہیں ہے بلکہ یہ ایک کلاس آرگنائزیشن ہے۔ کسان زرعی اصلاحات چاہتے ہیں اور غیر سندھیوں کو الاٹمنٹس کی گئی ہیں اس کے خلاف سندھ میں شدید نفرت پائی جاتی ہے بجائے اس کے کہ زمین بے زمین کسان کو دی جائے غیر سندھیوں کو الاٹ کر دی جائے کس قدر حق تلفی اور بے انصافی ہے۔ مقامی بڑے بڑے جاگیرداروں کو نوکر شاہی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ سندھ میں بڑی بیداری پائی جاتی ہے قومی حقوق کے متعلق وہ پیپلز پارٹی سے بھی زیادہ بات کرتے ہیں۔ وہاں ہتھیار اٹھانے والی بات ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ جس علاقے میں کچھ لوگوں کے پاس لاکھوں ایکڑ زمین ہوگی اور لاکھوں لوگ بے زمین کسان ہوں گے وہاں پر ڈاکو ضرور ہوں گے۔ کیونکہ غریبوں کو تنگ

کیا جائے گا ان کی عزتیں لوٹی جائیں گی وغیرہ وغیرہ یہ اس کے ردعمل کا نتیجہ ہے۔
آج کل سندھ میں ڈاکوؤں میں جتنے گروہ ہیں ان سب کو یکجا کرنے والے اور
کوآرڈی نیٹ کرنے والے ایک یہ فوجی افسر ہیں اور وہ بھی بھگوڑے
بعض کے نزدیک وہ ڈیوٹی پر ہیں کیونکہ ڈاکوؤں کی کوئی سرگرمی سٹیٹ کے خلاف
نہیں ہوگی بلکہ مقامی آبادیوں کو لوٹتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ اگر بس لوٹیں تو پنجابی
کو کچھ نہ کہیں گے بلکہ سندھی کو لوٹیں گے گویا وہ سٹیٹ کے خلاف کچھ نہیں کرتے
کہ فوج ناراض نہ ہو۔

س۔ جس حکومت کے زمانے میں اتنے ڈاکے پڑیں اس کو بدنام ہو جانے اور عوام
کی نگاہوں میں گرنے کے لئے کسی اور عنصر کی بھلا کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے یہ
بھی کہا جاتا ہے کہ سرے سے حکومت ہے ہی نہیں۔

ج۔ دراصل شرم وحیا کا ہی فقدان ہے۔ اب ریفرنڈم کے لئے ۱۰ فیصد سے زیادہ
لوگ گئے ہی نہیں۔ اس میں بھی کہا گیا کہ تمہیں اسلام پسند ہے اگر ووٹ اسلام
کے حق میں دیا ہے تو ضیاء الحق صدر بن گئے۔ اس کی مثال تو یوں ہے کہ میں
یہ پوچھوں کہ یہ ٹیپ ریکارڈر ہے اگر آپ ہاں کہہ دیں تو میں یہ کہہ دوں
کہ یہ نوائے وقت بلڈنگ میری ملکیت ہے۔ ایک مضحکہ خیز عمل ہے۔
ڈاکوؤں کو باقاعدہ ٹریننگ دی جا رہی۔ یہ ایک سلسلہ میں بندھے
ہوئے ہیں۔

س۔ افغان مسئلے کے حل ہونے کے بارے میں آپ کچھ اظہار خیال فرمائیں۔

ج۔ افغان مسئلہ بہت پہلے حل ہو سکتا تھا۔ موجودہ حکومت اگر افغانستان کے معاملات
میں مداخلت بند کر دے تو اس دن یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ افغان انقلاب اپریل
۷۸ میں آیا تھا روسی فوجیں وہاں پر ۲ ماہ بعد آئیں اور وہ اس وقت آئیں جب

ہمارے ہاں ۱۲۰ افغان ٹریننگ کیمپ کھل گئے۔ سادات مرحوم نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ امریکہ کے کہنے پر ہم حکومت پاکستان کو اسلحہ دیتے ہیں اور حکومت پاکستان مجاہدوں میں تقسیم کر دیتی ہے جن کو میں مجاہد تسلیم نہیں کرتا۔ ایک موقع آیا تھا جب ۹۵ فیصد افغان مسئلہ حل ہو گیا تھا مگر امریکی دباؤ کی وجہ سے ہم پیچھے ہٹ گئے اس کے لئے جماعت اسلامی کا نام لیا جاتا ہے اور ہے بھی یہی۔ جب بھی مسئلہ افغانستان حل ہونے لگتا ہے تو کسی نہ کسی بہانے یہ جماعت گڑبڑ کر دیتی ہے کبھی ٹرکوں کو لے آتی ہے کبھی بسوں کو جلاتی ہے یا کوئی ایسا ہنگامہ کرتی ہے جس سے اس مسئلے کے حل کے اندر رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس وقت پھر اس مسئلے کے حل ہو جانے کے بہت امکانات موجود ہیں کیونکہ افغان حکومت نے مہاجرین کو کہا ہے کہ بھئی آپ ہمارے بھولے ہوئے بھائی ہیں آپ الیکشن کریں گے آپ کی جائداد واپس کریں گے آپ کو حکومت میں شامل کرنے کو تیار ہیں چنانچہ واپسی شروع ہوئی اور بی بی سی تک نے یہ خبر نشر کی معلوم ہوتا ہے حکومت اس طرف جھک رہی ہے مگر اس میں جماعت اسلامی خفا نظر آتی ہے اور اب امریکہ بھی کہہ رہا ہے کہ پاکستان ایٹم بم بنا رہا ہے اور ہم خفا ہیں وغیرہ وغیرہ دراصل یہ افغان مسئلہ کی وجہ سے ہے۔ اب افغان مسئلہ مذاکرات کی میز پر ہے یا ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ حل بھی جائے حکومت کو اس سلسلہ میں مثبت اقدام کرنا چاہیئے۔ یہ ملک میں جمہوریت کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس طرح فوجی ٹولے اور امریکی اثر و نفوذ میں کمی واقع ہوگی۔

س۔ کراچی کے حالیہ فسادات بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ حکومت خود کروا رہی ہے۔ جیسے کہ سندھ کے اندر یہ تاثر موجود ہے۔ کیا یہ فسادات کراچی میں موجود

دو گروہوں کے معاشی مفادات کے ٹکراؤ کی وجہ سے ہے یا برسوں سے حکومت کے غفلت برتنے کے باعث ایسا ہے کہ ایک طبقہ منشیات اور اسلحہ وغیرہ کے کاروبار میں بہت آگے نکل گیا اربوں روپیہ کمایا، کہتے ہیں ایک کروڑ روپیہ جو صرف پولیس کو دیا کرتے تھے تو اس مسئلے کے حل کی طرف آپ کس طرح راہنمائی کریں گے۔؟

ج۔ جب آپ لوگوں کو سیاسی پارٹیوں میں منظم ہونے سے روکیں گے اور غیر جماعتی انتخابات کرائیں گے تو غیر سیاسی صورت حال ملک کے اندر پیدا ہوگی اس بات کو آپ اس تسلسل میں دیکھیں کہ پنجاب میں شیعہ سُنی فسادات کرائے گئے سرحد میں افغان مہاجروں اور پٹھانوں کے فسادات کرائے گئے بلوچستان میں پٹھان بلوچ فسادات کرائے گئے اور کراچی میں مہاجر پٹھان فسادات کرائے گئے کہ اس سلسلے کی کڑی ہے ہاں کچھ اور فیکٹر بھی ہیں ان میں ایک فیکٹر ڈرگ مافیا کا ہے۔ ٹھیک وہ کروڑوں روپیہ پولیس کو دیتے ہیں اور جب بظاہر اپریشن کلین آپ ہوتا بھی ہے تو وہ سہراب گوٹھ جہاں سے ٹنوں ہیروئن برآمد ہونی چاہیئے تھی وہاں پر سے صرف تین کلو پکڑی جاتی ہے دو تین کلاشنکوف پکڑی گئیں حالانکہ وہاں کرایہ پر یہ اسلحہ ملتا ہے۔ اور قیمتاً بھی ملتا ہے۔ یہ پیسہ اوپر تک جاتا ہے۔ ایک فیکٹر یہ ہے کہ امریکہ کو ماری پور کا ہوائی اڈہ دے دیا گیا امریکن جہاز وہاں سے اڑتے ہیں اور امریکہ سے ایک ایسا معاہدہ ہوا ہے کہ امریکی فوجی جو بحر ہند میں گشت کرتے ہیں وہ تفریح کے لئے کراچی آیا کریں گے اور بعد میں ہماری صورت حال وہی ہو گی جو تھائی لینڈ اور فلپائن کی ہوئی۔ اس معاہدے کا کام ریسٹ اینڈ ریکری ایشن پیکٹ ہے۔

ایران کے انقلاب کے بعد امریکہ کو ایسے اڈوں کی ضرورت تھی کہ وہ عربوں

کے تیل پر کنٹرول جاری رکھ سکیں ایک سرے پر تو اسرائیل ہے مگر دوسرے سرے پر کچھ نہیں اس لئے انہوں نے پاکستان کی موجودہ سرکار کو مجبور کیا اور انہوں نے امریکہ کو اڈے دیے۔ امریکہ ہر صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتا ہے ایڈرسن پیپر بھی آچکا ہے کہ امریکہ پاکستان کو توڑنا چاہتا تھا یعنی بنگال کو علیحدہ کرنا چاہتا تھا۔

س۔ آپ کا زیادہ عرصہ تو جیل میں گذرا لیکن جب سے جیل سے باہر آئے ہیں یا پہلے کبھی کسی ڈرامے یا فلم میں بھی آپ کی دلچسپی رہی ہے دیکھئے کس حد تک کیونکہ کہا جاتا ہے سندھی ڈراما بے حد ترقی یافتہ ہے۔ لیکن ڈراموں مثلاً آجکل دیواریں وغیرہ کی تو دھوم مچ گئی تھی کیونکہ یہ دراصل سندھی میں دکھائے گئے تھے۔ چار پانچ زبانیں جو پاکستان میں موجود ہیں اور ایک رابطے کی زبان بھی ہے اور اسے قومی زبان کہا جاتا ہے آپ اس لسانی مسئلے کو کس طرح دیکھتے ہیں؟

ج۔ جی ہاں ڈراموں کو میں پسند کرتا ہوں۔

پاکستان میں سب زبانوں کو قومی زبانیں تسلیم کرنا چاہیئے اس میں فائدہ بھی ہوگا۔ اردو ہمارے ہاں عملاً رابطے کی زبان ہے ہندوستان نے ۱۴ قومی زبانیں تسلیم کی ہوئی ہیں۔ روس میں ۹۸ زبانیں تسلیم شدہ ہیں۔ اس سے حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ فائدہ ہی ہوتا ہے بلکہ سب زبانوں سے محبت اتحاد اور یکجہتی پیدا کرتا ہے۔ سارے پاکستان میں عموماً پنجاب میں خصوصاً اردو کو اپر کلاسز

نے امریکہ کو اڈے دیئے۔ امریکہ جو صورتحال کو مدنظر رکھتا ہے، اینڈرسن پیپرز میں یہ آچکا ہے۔ کہ امریکہ پاکستان کو توڑنا چاہتا تھا یعنی بنگال کو علیحدہ کرنا چاہتا تھا۔ فائنل کا امتحان رہ گیا تھا جو اب حال ہی میں پاس کیا ہے۔

اب یہ صورت حال کہ وہ کراچی کو سیاسی طور پر سندھ سے اس طرح سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کبھی امریکہ کو پاکستان توڑنے کی بھی ضرورت پیش آئے تو وہ کراچی کی بندرگاہ صرف اپنے پاس رکھے اور ان کے لیے ایک بحری اڈے کا کام دے امریکہ نے بھی اس ضمن میں ایک کردار ادا کیا ہے۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ عوام میں بے روزگاری ہے اس کے وہ مسائل کو ایکسپلائٹ کیا جاتا ہے اگر ان کے مسائل کو حل کیا جائے تو جمہوری ذرائع موجود ہوں ورنہ ان جذبات کو دوسرے غلط طور پر استعمال کرا سکتے ہیں۔

س۔ آپ ثقافت اور شعر و ادب میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں؟

ج۔ میں سندھی زبان میں شعر کہتا ہوں۔ میرا کلام مختلف جگہوں پر چھپا ہے ایک ناولٹ بھی میرا شائع ہوا ہے۔ سندھ کے بعض رسالوں میں میرا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔

س۔ آپ کے شعر کہنے کا رجحان ظاہر ہے کہ انقلابی اور عوامی ہوگا۔ کیا سندھی تاریخ جس میں بڑے بڑے نام آتے ہیں ان میں سے کسی شاعر سے آپ متاثر بھی ہیں شعر کی حد تک یا افکار کی حد تک۔

ج۔ افکار تو انٹرنیشنل ہوتے ہیں اب اس علاقے میں کون ہے۔ جو شاہ عبداللطیف بھٹائی سے متاثر نہیں ہے یا سچل سرمست، بلھے شاہ سے کون متاثر نہیں ہے۔ سندھ کے دیہاتوں میں بھی بلھے شاہ کی کافیاں پڑھی جاتی ہیں۔ اس طرح ہمارے ہاں وہ بڑے بڑے شاعر موجود ہیں۔ مثلاً شیخ ایاز، حسین تنویر عباسی، شمشیر حیدری، نیاز ھمایونی وغیرہ بھی ہیں۔

کی طرف سے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ انگریزوں نے جب پنجاب کو لے کر ٹریننگ سنٹر بنانے کا فیصلہ کیا تو پنجاب سے اس کی شناخت اور اس کی زبان چھین لی اور فقط اُردو پڑھانا شروع کیا کہ یہاں کی فوج ہر جگہ استعمال کیا جائے گا۔ لوگوں کو دبا سکیں گے اس کے علاوہ چونکہ پاکستان بیورو کریسی کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔ اگر پنجابی زبان میں کوئی امتحان پاس کرے تو اس کو دوسری جگہ نوکری میں نہیں ملے گی پنجاب میں ہی ملے گی۔ پنجاب کو لوٹنے کے لئے انگریزی سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ دوسرے نمبر پر اُردو سے لے رہے ہیں۔ ویسے ان کو اردو سے کوئی محبت نہیں ہے۔ اب سمری ملٹری کورٹ کی سرکاری زبان انگریزی ہے۔

س۔ تین چار سال سے بالخصوص اور ۸۳ کی تحریک جس کو دبا دیا گیا۔ سندھ بلوچستان اور کسی حد تک سرحد کے اندر بھی اینٹی پنجاب فیلنگ ہے جس کو بعض لوگ ایکسپلائٹ کرتے ہیں شاید حکومت بھی ایسا کرتی ہے۔ آپ اس مسئلے کو کس طرح دیکھتے ہیں کیونکہ پنجاب کا بھی ایک بہت بڑا حصہ مظلوم ہے سرحد اور بلوچستان اور سندھ کا بھی ہے۔ عوام کا باہمی ربط جو ٹوٹتا جا رہا ہے اس کے متعلق کچھ فرمائیں۔ حکومت کے خلاف جو جذبات ہیں بحیثیت مجموعی بھی وہ پنجاب کے کھاتے میں چلے جاتے ہیں۔ اس نچلے طبقے کے لوگ جو پنجاب سے ان صوبوں میں گئے ہوئے ہیں وہ بھی غیظ و غضب کا بعض اوقات نشانہ بنتے ہیں اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔؟

ج۔ ایک تو اس بات کو مدنظر رکھیں کہ وہاں جبر کس قسم کا ہے وہاں پر بعض جرنیلوں کی زمینوں کا تحفظ کرنے کے لئے کسان مزاحمت کرتے ہیں چنانچہ پنوں عاقل میں فوجی چھاؤنی بنائی جا رہی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے پنجاب کے اس سلسلے میں کوئی موثر آواز نہیں اٹھی ہے۔ تینوں صوبوں میں لوگ چلا رہے ہیں کہ کالا باغ ڈیم نہ بناؤ

اس کی صورت حال یہ ہے کہ اس سے امریکہ کا مفاد وابستہ ہے صدر اور وزیر اعظم کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ بات انگریزی اخبارات شائع بھی ہو چکی ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ ہمارے ہاں بجلی اور گیس کے ریٹ بھی امریکہ ہی طے کرتا ہے۔ ریل اور پانی کے کرائے امریکہ طے کرتا ہے وہ ایک بٹن کے ذریعے پورے ملک کو کنٹرول کئے ہوئے ہے زراعت ہو یا کوئی دوسرا شعبہ۔ پہلے تو یہ صورت حال تھی کہ اگر امریکہ پرزے بھیجنا بند کر دے تو دلیز جیپ بھی گھڑی کھنا پڑے۔ اب وہ کالا باغ ڈیم بنا کر یہاں اپنی جڑیں زیادہ مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ امریکہ کے اشارے پر حکومت یہ تاثر دیتی ہے کہ اس کے بننے سے دوسرے صوبوں کو بھی فائدہ ہوگا پنجاب سے کوئی مؤثر آواز نہیں اٹھی۔ وَن یونٹ سے پہلے جو لوگ دوسرے صوبوں میں گئے ہیں وہ ان کا حصہ بن گئے ہیں۔ وَن یونٹ جو امریکہ کے اشارے سے بنایا گیا تھا۔ اسمبلیوں کو توڑ کر بنا یا گیا اس کے بعد جو لوگ دوسرے صوبوں میں آئے اور جائدادیں حاصل کیں ان کے خلاف ضرور مقامی طور پر جذبات پلائے جاتے ہیں۔

پچیس ہزار ملازمین ریلوے سے امریکہ بہادر کے کہنے پر نکالے جائیں گے تیرہ ہزار ملازم نکالے جا چکے ہیں جب یہ تعداد مکمل ہو جائے گی تو امریکہ اس ضمن میں صلاح و مشورہ اور امداد دے گا۔

س۔ آپ نے فرمایا ہے کہ افغان مسئلے کے حل اور پاکستان میں جمہوریت کی بحالی لازم و ملزوم ہیں تو کیا افغان مسئلے کے حل سے پاکستان میں جمہوریت بحال ہو جائیں گی؟

ج۔ فوری طور پر بحال تو نہیں ہوگی۔ ملٹری کی غیر ضروری موجودگی اور ملٹری بجٹ ضرور کم ہوں گے۔ پشاور میں افغان کیا کچھ نہیں کر رہے۔ چنانچہ شہر سے مہاجروں کو نکلنے

کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ افغان مسئلہ حل ہو جائے نیز عوام کی جدوجہد کے نتیجہ میں ہی ۱۹۹۰ء سے پہلے انتخاب ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ پورے ملک کے عوام اگر جدوجہد کریں تو پھر جاکر ۹۰ میں ہو سکیں گے ورنہ وہ بھی نہیں ہوں گے بندوق کے ذریعہ قبضہ کرنے والے ایسے ہی نہیں چلے جایا کرتے۔ صدر صاحب نے قسم کھاکر کہا تھا کہ اکتوبر ۹۰ میں انتخابات ہو جائیں گے مارچ ۹۰ میں انہوں نے یہ فرمایا تھا۔ میں اس وقت شاہی قلعے میں بند تھا۔ میں نے اسی وقت فوجی افسروں سے کہا تھا کہ یہ انتخاب نہیں ہوں گے ایک نوجوان فوجی افسر جذباتی ہو گئے اور کہنے لگے کہ انہوں نے قسم کھاکر وعدہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ۹۰ اکتوبر تک انتخابات ہو گئے تو میں سیاست چھوڑ دوں گا۔ اور میرے ساتھ وعدہ کیجئے کہ اگر انتخابات نہیں ہوتے تو آپ حکومت کے ساتھ تعاون چھوڑ دیں گے اور ایک جھوٹ بولنے والے کے ماتحت سروس نہیں کریں گے وہ خاموش ہو گئے وہ بیچارے تو ملازم ہیں۔

یہ سمجھنا کہ ازخود یہ انتخاب کرا دیں گے اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

س۔ جنیوا مذاکرات کی کامیابی کے متعلق اخبارات میں آ رہا ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ پاکستان کی ساری پارٹیاں متحدہ ہو کر ان مذاکرات کو کامیاب کرانے میں تعاون کریں۔ ہر سیاسی لیڈر اور دوسرے لیڈروں کو مطالبات کرنے چاہئیں کہ حکومت افغان مسئلہ کے حل کے لئے جنیوا مذاکرات کے سلسلے میں مثبت رویہ اختیار کرے۔ رائے عامہ کا بے حد اثر ہوگا۔ وزیر خارجہ کو بھی اس بات کا علم ہو گا کہ اس سلسلہ میں کتنا دباؤ موجود ہے۔

س۔ سوال اور بھی بہت سے ہیں جی نہیں چاہتا کہ اس گفتگو کو ختم کیا جائے بہرصورت

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس وقت جبکہ انتخابات میں تین سال باقی ہیں آپ کا اور آپ کی سیاسی جماعت کا منصوبہ کیا ہے؟

ج۔ ایم آر ڈی ایک مثبت تنظیم ہے اس کو مضبوط بنانا چاہیئے۔ لیڈروں کو کہا بھی ہے اور پھر زور دیں گے کہ وہ ایم آر ڈی کے دروازوں کو ذرا کھولیں اور جن تنظیموں نے باقاعدہ طور پر درخواستیں دی ہوئی ہیں جس میں پاکستان سوشلسٹ پارٹی۔ وطن دوست انقلابی پارٹی۔ عوامی جمہوری پارٹی ان کو اپنے اندر شریک کریں اور اگر توفیق ہو تو کمیونسٹ پارٹی کو بھی شریک کریں میں نے ان سے زبانی بھی کہا ہے۔ مگر شاید یہ ممکن نہ ہو۔

س۔ آپ کی کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان سے مراد اس کا کونسا صدر کونسا سیکرٹری یا کیا ڈھانچہ ہے؟

ج۔ اس کا سیکرٹری جنرل سید امام علی نازش ہے میں اس کی مرکزی کمیٹی کا ممبر ہوں۔ سرخ پرچم اس پارٹی کا ہے اس پر مقدمہ بھی بنا تھا۔ حکومت معترض تھی۔ ایم آر ڈی کو زرعی اصلاحات کے متعلق بھی منشور میں زور دینا چاہیئے۔ یہ بات ضرور رکھیں کہ زمینیں کسانوں کو ملیں گی۔ خواہ ان کو نوکر شاہی اور بڑے زمینداروں سے چھیننا ہی پڑے۔ پھر مزدور کا ہڑتال کا حق بھی رکھیں سامراج کی مداخلت ملک کے اندر بند کرنے کے لئے بھی پالیسی وضع کی جائے۔ امریکن اثر و نفوذ کم ہونا چاہیئے۔ چنانچہ بعض ایم آر ڈی کے لیڈران کرام نے کہا ہے کہ خارجہ پالیسی کے بارے میں تو سوچا جا سکتا ہے مگر امریکہ کے بارے میں کچھ نرمی رکھیں۔

ملک کی سامراج دشمن تنظیموں کو ہم قریب لانا چاہتے ہیں مل کر سامراج کو ملک بدر کریں۔ زرعی اصلاحات کو اپنی قومی حقوق میں، بنیادی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لیں۔ یہ ساری باتیں ایم آر ڈی کے خلاف نہیں ہیں۔ اس طرح کا ایک متحدہ محاذ

ہونا چاہیئے۔ اور بھی سب پارٹیوں کو اس میں شریک ہونا چاہیئے۔

س۔ اس قدر زیادہ پارٹیاں ملک میں ہیں جو خود جمہوریت کے راستے میں حائل نہیں؟

ج۔ اگر انتخاب بار بار ہوتے رہتے تو پارٹیاں اس قدر زیادہ نہ ہوتیں۔

س۔ جیل میں جب آپ کو بیوی کی خود کشی کی خبر ملی تو اس وقت آپ کا کیا ردِعمل تھا؟

ج۔ مجھے شاہی قلعے میں اس بات کا علم ہوا۔ ایک عزیز ہستی کے انتقال کا صدمہ کس قدر زیادہ ہوتا ہے آپ جانتے ہیں۔ اسی روز مجھے شاہی قلعہ بھی لے جایا گیا تھا۔ مگر میں نے صدمے کا اظہار تک نہ ہونے دیا۔ مجھے ان افسران سے مسکرا کر بات کرنا پڑتی تھی تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں گھبرا گیا ہوں۔ اور وہ اس سے ناجائز فائدہ حاصل کریں۔ ان سے اپنا ذاتی غم کیا پیش کر سکتا تھا۔ بڑی ذہنی اذیت تھی۔ جس پر گذری ہو وہ ہی جانتا ہے۔

میری والدہ اور والد میرے بچوں کی نگہداشت اس دوران کرتے رہے۔ اب بھی وہی کرتے ہیں۔

پروفیسر محمد عثمانؒ: میں اپنی طرف سے اور ادارہ نوائے وقت کی طرف سے اور ساتھیوں کی طرف سے آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ کی فکر انگیز گفتگو کی ہمارے دل میں بڑی قدر ہے۔ میں اس میں اپنی عزت و افزائی سمجھتا ہوں کہ آپ اس ادارے میں تشریف لائے اور ہمارے سوالوں کا خوبصورتی سے جواب دیا۔ جام ساقی صاحب آپ کا شکریہ۔

اِس کتاب کے بارے میں

پروفیسر محمد عثمان مرحوم نے پاکستان کی تمام معروف اور بااثر سیاسی جماعتوں کے تعارف، ان کے پروگرام کی تشریح و توضیح اور ان کے مکمل منشور پر مبنی یہ کتاب مرتب کرنا شروع کی تھی۔ انہوں نے دس سیاسی جماعتوں کے مکمل کوائف جمع کر لیے تھے، ان پر تعارفی نوٹ بھی تحریر کر لیے تھے، حتیٰ کہ کتاب کا پیش لفظ بھی لکھ دیا تھا، لیکن ابھی کئی ایسی قابل ذکر سیاسی جماعتیں رہ گئی تھیں جن کے بغیر سیاسی جماعتوں کے بارے میں کوئی کتاب بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر عثمان کی زندگی وفا کرتی تو یقیناً وہ ان جماعتوں کا مکمل تعارف اور منشور بھی اس کتاب میں شامل کرتے، لیکن ان کی اچانک وفات نے اس کتاب کی تکمیل نہیں ہونے دی۔ اس کی تکمیل کا فریضہ مجھے سونپا گیا۔ میں نے اس خیال کو سامنے رکھتے ہوئے باقی جماعتوں کا تعارف مکمل کیا ہے کہ یہ پروفیسر محمد عثمان کے پروگرام کا ہی حصہ ہے، چنانچہ میں نے وہ تمام قابل ذکر سیاسی جماعتیں بھی اس کتاب میں شامل کر لی ہیں جنہیں پروفیسر عثمان شامل نہیں کر پائے تھے۔ عوامی نیشنل پارٹی، قومی محاذ آزادی، جمعیت اہل حدیث اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ایسی جماعتیں ہیں جن کا پاکستان میں ملک گیر سطح پر اثر ہے اور قومی سیاست میں ان کا ایک اہم مقام اور نام ہے۔ ان جماعتوں کا مختصر تعارف اور ان کے منشور جمع کرنے کی ذمہ داری میں نے ادا کی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ہر جماعت کے بارے میں خالصتاً معروضی رویہ اختیار کیا جائے، اور ان کی پالیسیوں اور ان کے پروگرام کے بارے میں قارئین کو اپنے طور پر رائے قائم کرنے کی آزادی فراہم کی جائے۔ اس لیے سیاسی جماعتوں کا تعارف کراتے ہوئے میرا انداز پروفیسر صاحب سے تھوڑا مختلف ہو گیا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کی تعداد تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ اگر چھوٹی موٹی سیاسی جماعتوں کو گنا جائے تو ان کی تعداد ایک سو سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے

بلکہ اگر الیکشن کمیشن کے چیئرمین کے بیان کو ہی بنیاد بنایا جائے تو پاکستان میں ستر سیاسی جماعتیں موجود ہیں جن میں سے ستائیس جماعتیں اپنی رجسٹریشن کرا چکی ہیں، لیکن یہ ستر جماعتیں جس قسم کی ہیں اور جس محدود پیمانے پر اپنا حلقۂ اثر رکھتی ہیں وہ سب کے سامنے ہے۔ اس لیے اس کتاب میں ان سیاسی جماعتوں کو ہی شامل کیا گیا ہے جو ملک گیر ہیں، ملک کے اکثر علاقوں میں کسی نہ کسی حد تک اپنا اثر رکھتی ہیں اور چاروں صوبوں میں ان کی شاخیں موجود ہیں۔ بہرحال حقیقت ہے کہ یہ کتاب اپنی قسم کی پہلی اور واحد کتاب ہے جس میں تمام قابلِ ذکر جماعتوں کا مکمل تعارف ان کا پروگرام ان کا منشور اور ان کی پالیسی دستاویزات شامل ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ سیاست کے طالب علم یا سیاسی جماعتوں کے کارکن ہی اس کتاب سے استفادہ نہیں کریں گے بلکہ عام شہری بھی اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ انہیں ایک ہی کتاب میں ایک ہی جگہ تمام سیاسی جماعتیں اپنے منشور کے ساتھ مل جائیں گی۔ اس کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں کو بھی اس کتاب کے ذریعہ ملک بھر میں قارئین کا ایک بڑا اور وسیع حلقہ میسر آگیا ہے۔

مسعود اشعر

۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء